

دیکل سیرت

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِي يَرْكُضُ قَعُونَ الْقَوَائِمِ الْخَسَنَةِ

میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو باتیں بستے ہیں گریہ و زاری نہیں ہے ہر کلام کی کریمین

۲۹۷۵۲

دین و دانش

جس میں

حکیمانہ اصول سے اسلامی تعلیمات کا سائنس سے

موازنہ کیا گیا ہے

از

مولوی محمود علی صاحب پروفیسر کیمپو تعلیم کالج

۲۹ ۳۱
۱۹۷۱

مطبوعہ دارالکتاب العربیہ پرنٹر

شیخ عبد العزیز پرنٹر

فہرست کتب

جو روز بازار پر لیس امرت سر سے ل سکتی ہیں اور ہندوستان کے بہترین ان لوگوں کے علمی سچ ہیں

نام کتاب	تصحیح	نام مصنف	قیمت
اساس الاخلاق	۴۳۳	خان بہاور مرزا سلطان احمد خان	۶۰
ماہضری رد لطین علی خیر البشر	۶۰	مولانا مولوی محمود علی پرنسپر کپور تحصیل کالج	۳۰
سوانح مولانا روم	۲۰۰	شمس العلماء مولانا شبلی ..	۴۰
اوزنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۱۳۷	" " " " " "	۸۰
حیات خسرو انیسویں علیہ الرحمہ کی فصل سوانح	۱۷۷	منشی سعید احمد مارہروی	۱۲
سیاحت ہند معہ چالیس تصاویر ..	۴۴۸	حافظ عبدالرحمن مرحوم ..	۷۰
تاریخ عرب قدیم	۱۰۸	مولانا عادی ..	۸۰
حیات صالح - نواب سعد الدخان مرحوم وزیر شاہجہان بادشاہ کی مکمل سوانح	۸۲	منشی سعید احمد مارہروی ..	۴۰
رسالہ علم الغیب	۱۶	مولوی امام الدین ..	۱۰
مائدہ محمدیہ	۱۵	مولانا حسام الدین احمد	۲۰
تفسیر غایۃ البرہان (ہر سہ جلد)	۱۶۴۱	علیم سید محمد حسن مرحوم	۳۰
ارشاد القرآن	۱۷۶	مولانا فتح محمد خان ..	۸۰
نفائس القصص الحکامیات ..	۱۱۸	" " " " " "	۶۰
اسرار ناز	۱۲۰	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۴۰
آداب و اخلاق	۰	" " " " " "	۲۰
کتاب الزکات	۶۴	مولانا عادی ..	۲۰
تذکرۃ المصطفیٰ	۲۰۲	مولانا سید نواب علی	

صحت نامہ کتاب دین و دولت

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲	۱۰	ذریعہ سے	ذریعہ ہے	۴۶	۱	عامی ہی ہیں	عامی رہے ہیں
۱۱	۱۱	محسوس	محسوس	۵۶	۱۰	سفید جالوز	سفید جالوز
۱۴	۱۴	پایا نہیں	پایا نہیں جاتا	۶۱	۱۱	مجبور بنانا	مجبور بنانا
۳	۲۱	منحصر تھا	منحصر ہوتا	۶۳	۱۲	دندہ العفاف	دندہ العفاف
۵	۶	تبتاک اس	اور اس	۷۸	۵	بدلائ عقل	بدلائ عقل
۱۳	۱۸	اور مطلق	اور مطلق	۷۹	۱۹	اسی طرف	اسی کی طرف
۱۴	۱۴	اکثر مانتے	اکثر مانتے	۹۱	۲۱	وحی ہو	وحی نہ ہو
۱۵	۱۵	تجسس	متجسس	۹۸	۶	کیسی	کیسی
۱۶	۱۰	کس قدر	جس قدر	۱۰۳	۳	محفل کا قاعدہ	عمل کا قاعدہ
۱۸	۱۸	بھی چیزیں	یہی چیزیں	۱۰۵	۱۴	شامل ہونا	شامل کرنا
۱۸	۱	کا کہ	کا کہ	۱۱۰	۳	اسی طرح اپنی	اسی طرح ذہانی
۲۳	۱۷	کچھ تہذیب	کچھ عرصہ تہذیب	۱۱۱	۱۹	بادی لظہر	بادی لظہر
۲۴	۳	اور الریت	اور تربیت	۱۱۵	۲	خاک ایک ذرہ	خاک کے ایک ذرہ
۳۱	۱۲	عیاشیوں	عیاشیوں	۱۱۶	۱۵	اپنے درجیات	انہی درجیات
۳۲	۱۰	اوگوں	لوگوں	۱۱۷	۱	کر سکتے ہیں گر	کر سکتے ہیں۔ پس
۳۴	۱۶	مناسب ہی	مناسب ہی	۱۲۰	۱۱	کہ کچھ کہا	کہ کچھ کہا
۳۵	۱۷	احصاف کو	ان احصاف کو	۱۳۱	۱۳۱	جسم ارادی	جسم ارادی
۳۶	۳	پیدائش	پیدائشی	۱۳۹	۳	ڈائیکٹیکل	ڈائیکٹیکل
۴۱	۱۸	اب فضول	ایسا فضول	۱۴۴	۱	کس طرح وجد	کسی طرح کے وجد
۴۲	۱۹	حاصل کرنا	حاصل کرنا	۱۵	۱۵	کیوں چپان	کیوں نہ چپان
۴۴	۱۸	بڑے بڑے دور	بڑے بڑے دور				

کتبہ امیر ایسٹریسیہ راجا بادیکن (دیس)

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۱۳۹	۱۸	کے اب بھی	کے اب ہے	۲۱۶	۲	سے موجودہ	میں موجودہ
۱۶۵	۱	شک سے	شک ہے	۲۱۷	۵	ہے جنہوں نے	ہیں جنہوں نے
	۱۱	زیرباز ہوگا	زیرباز ہوگا		۱۰	اور اسی طرح	اور اسی طرح
۱۶۶	۲	داخل نہ دیا	داخل نہ دیا	۲۲۱	۲۰	ان کی بقا	ان کی بقا
۱۶۸	۲	نباتات میں	نباتات سے	۲۲۲	۵	بڑے کو تک	بڑے کو تک
۱۷۰	۹	دریائی معنوں	دریائی سبب	۲۲۵	۱	اسی تک	اسی تک
۱۷۵	۱۵	ان میں نہایت	اس میں نہایت	۲۲۸	۵	اوپری اوصاف	وہی اوصاف
۱۷۶	۴	تجربہ ہی	تجربہ بھی	۲۲۹	۱	میں نافذ	میں انقلاب
۱۸۱	۶	ہر سکتی ہے	ہر سکتی ہیں		۳	سے بہت	سے بہت ہونا
۱۸۶	۳	انسان کی	حیوان کی		۵	چیزوں کو	چیزوں کو دکھا
۱۸۸	۳	کہ انسان	کہ انسان		۶	بڑے بڑے	بڑے بڑے عقلا
۲۰۱	۳	باعتی ہوتی	یہ عالی ہوتی	۲۳۳	۱۸	خاک کی جسم بیداری	خاک کی جسم بیداری
۲۰۲	۴	کام اعلیٰ ہوتی	کام عالی ہوتی	۲۳۵	۱۸	میں یعنی عالم	میں عالم
	۱۶	اسی قسم کی	اس قسم کی	۲۳۸	۱۱	قدیم ہے ہر زمانہ	قدیم ہے ہر زمانہ
۲۰۳	۴	اسی لیے مذہبی	اس لیے مذہبی	۲۴۲	۱۶	آتا کہ سکھ کا قاضی	آتا کہ قاضی
	۷	اس لئے	پس	۲۴۳	۴	عکس ایسا	عکس ایسا
۲۰۵	۵	قاعدے کبھی	قاعدے سے کبھی	۲۴۴	۳	اصدا و باہر گر	اصدا و کے باہر گر
۲۰۷	۱	یہ حلقے بھی	یہ حلقے ہی		۷	حال ان کا	حال میں ان کا
۲۰۸	۵	امریکہ میں تمام	امریکہ میں بلکہ تمام	۲۵۱	۱۵	مگر یہ فضا	مگر یہ فضا
	۱۳	اور ان میں سے کبھی ہوا ہوگا	x	۲۵۲	۷	آپنے آگے	آپنے آگے
۲۱۰	۱۵	تجربہ ہی دیکھتا	تجربہ سے دیکھتا	۲۵۳	۱۱	اور بعدیت	اور بعدیت
۲۱۲	۵	یا الٹا فون	یا بعض الفاؤن		۱۷	کے ہم معدوم	کے معدوم
	۱۷	عقل انسان	عقل انسانی		۲۰	کا فرض تصور	کا تصور
۲۱۵	۵	ہوتی کہ	ہوتی ہے کہ	۲۵۵	۸	میں اس وقت قابل	میں قابل

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲۵۷	۴	وجود پھر آیا	وجود پھر ٹھہرایا	۲۴۷	۱۷	بالکل اور	بالکل اور بالکل
۲۶۵	۱۱	اس غیر محدود	اسکا غیر محدود	۳۵۱	۲	کاش میں	کاش میں
۲۷۸	۱۹	دی خداوندی	دی ذات خداوندی	۳۵۴	۵	عل سے نفرت کے	نفرت کے عل سے
۲۸۷	۱۳	لنگل جانیو لے	لنگلے چارے لے	۳۵۵	۱۶	یا تو یہ	یا تو یہ
۲۹۰	۲۱	اگر نور	اگر پور نور	۳۵۷	۶	صداقت ہو قریب	صداقت ہو قریب
۲۹۱	۱۴	جہالت اگر برائی	جہالت برائی	۱۵	۱۵	اور اپنے	اور اپنے
۲۹۲	۱۹	میں عود ذات	میں خود ذات	۳۸۰	۱	سے بے سود	سے بے سود
۲۹۳	۱۰	معدوم کر دیا	جاری کر دیا	۱۴	۱۴	گیا تھا اگر	گیا تھا تو ظلم تھا اگر
۳۰۲	۱۰	خط پر نہ آیا	خط پر کیوں نہ آیا	۳۹۷	۷	اور چونکہ	وہ چونکہ
۳۰۵	۴	ہمارا ہی فرض	ہمارا ہی فرض	۴۰۵	۸	یہی مانتا ہے	یہی کہتا ہے
۳۰۷	۱۱	کافر اور	کافرین اور	۲۱	۲۱	اور زیادہ پائدار	اور زیادہ پائدار
۳۰۹	۱۱	جس چیز کی	جس چیز کی	۴۰۷	۷	شہادت کے نہ چونے	شہادت میں ہونے
۳۱۱	۲۱	کفر ہی کی	کفر کی	۲۱	۲۱	میں ہی استدلال	میں ہی استدلال
۳۱۲	۲۰	ان پر باتیں	ان سے باتیں	۴۰۹	۷	لطف اٹھائے	لطف اٹھائے
۳۱۳	۸	نہیں اور	نہیں کرتا اور	۴۱۵	۱	لوازم صحبت	لوازم صحت
۳۲۵	۲۵	توجہ پیدائش کو	توجہ پیدا ہونے کو	۴۲۲	۲۲	اڈورڈ کلاٹسکی	اڈورڈ کلاٹسکی
۳۲۷	۱۳	برابر جو	برابر ہے جو	۴۲۵	۲۷	اپنی دونو	اپنی دونو
۳۲۹	۱۴	اس سے	اس میں سے	۱۸	۱۸	خود را کی شکل	خود را کی شکل
۳۳۳	۲	اپنی محبت	اپنی محبت	۴۲۶	۱۲	سائنس نے اپنا	سائنس نے اپنا
۳۳۷	۱۰	محبت کامل	محبت کامل	۴۳۱	۳	جانے والی قوت	جانے والی قوت
۳۳۹	۲۱	کا دیر ہے	کا دائرہ ہے	۴۳۳	۱۹	ایذا و تنزل	ایذا و تنزل
۳۴۹	۲	ایسا ہوا ضرور	ایسا ہوا ضرور	۴۳۵	۱۱	زمانے میں زیادہ	زمانے میں زیادہ
۳۴۵	۵	وسعت	وسعت	۴۳۹	۴	مادی کی طرف	مادی کی طرف
۳۴۷	۱۷	اورات کی	اورات کی	۴۴۰	۸	سمجھتا ہے	سمجھتا ہے

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۴۰	۱۲	ترے اور	قوی اور	۴۷۸	۶	بڑی برتری	بڑی برتری
۴۴۳	۴	ایک نکل	ایک ناکھل	۴۷۹	۱۰	حالات قوانین پر	حالات پر قوانین
۴۴۴	۱۱	عز قمر آید	عز قمر آید	۴۸۰	۳۰	ٹھیک رہا	ٹھیک رہا
۴۵۱	۵	ماننے والے	ماننے والوں	۴۸۱	۵	کرنے لگتی ہے	کرنے لگتی ہیں
۴۵۲	۱۵	اعتراف جو	اعتراف ہے جو	۴۸۲	۱	انکی حرارت	انکی حرارت
۴۵۶	۱۵	کے لئے ہی کہیں	کے لیے ہی کہیں	۴۸۶	۱۲	معرفت بانی	معرفت ربانی
۴۵۷	۳۱	کوئی اور اعلیٰ	کسی اور اعلیٰ	۴۹۰	۹	مال و مذہب	مال و مذہب
۴۵۷	۸	بہت کم زور	بہت کچھ زور	۴۹۱	۲۰	حسن و سلوک	حسن و سلوک
۴۵۸	۱۱	حادث کی	حادث ہونے کی	۴۹۷	۳	میں نہیں سکتا	میں نہیں سکتا
۴۵۹	۶	انسان میں ابتداء	انسان ہی ابتداء	۴۹۸	۱۶	اس خیال سے	اس خیال سے
۴۶۰	۱۹	اجسام رکھی	اجسام میں رکھی	۴۷۸	۶	ہر وقت	ہر وقت
۴۶۳	۱۷	اگر دیکھنے	اگر دیکھنے	۴۷۹	۱۱	چاہے اس کا	چاہے اس کا
۴۶۵	۱۳	ٹھٹھاتا ہے	تہمتا ٹھٹھاتا ہے	۴۷۹	۱۱	روح ہی وہ	روح ہی وہی
۴۶۸	۲۱	ثبوت کا تنازع	ثبوت کا تنازع	۴۷۹	۱۹	حواس دگر	حواس دگر
۴۶۹	۱۱	چاہے اس کا	چاہے اس کا	۴۷۸	۶	ہر وقت	ہر وقت
۴۷۲	۱۱	روح ہی وہ	روح ہی وہی				
۴۷۳	۱۹	حواس دگر	حواس دگر				
۴۷۸	۶	ہر وقت	ہر وقت				

فقط

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	مذہب فطرت میں ہی درجہ رکھتا ہے عقل ترقی		باب اول
۳۲	دیگر صفات کو حاصل ہے	۱	مذہب اور فطرت
	باب دوم	۱	مذہب ہی اساس کی قوت
۳۳	تحقیق مذکور کے نتائج	۴	مذہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اس کا انجام
۳۴	مذہب کی اصلاح ترقی انسان کا اولین فرض ہے	۵	مذہب کو پیدا کرنے کا سبب بھی فطری ہیں۔
۳۵	کیا کوئی جذبہ فطرت کے متبادہ کرنے کے قابل ہے؟	۶	کیا مذہب استلال سے پیدا ہوا ہے۔
۳۵	ہدایت فطری کے علم میں	۸	مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں
۳۹	غلطی فائدہ سے محروم رکھتی ہے	۱۰	عقلی ترقی ہی مذہب روشن ہوتا گیا ہے
۴۰	غلطی سے نقصان پہنچتا ہے	۱۱	سائنس مذہب کی کیا خدمت بجا لاتی ہے
۴۰	اخلاقی اذیال پر بھی یہی قانون حاوی ہے	۱۳	مذہب اور عقائد ایمان قوم
۴۲	مذہب ہی محنت و غلطی کے بارہ میں کیا قانون بناتا ہے	۱۴	مذہب کا مسودہ ہمیشہ ایک نہیں رہا
۴۵	تمام مذاہب کو کیسا سمجھنے کی وجہ	۱۵	ایک مسودہ نہ ہونے کی وجہ
۴۶	مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے	۲۱	بعض قوانین مذہب سے معراج ہیں
۴۷	مذہب ممالک کے اخلاق	۲۲	اکثر اشخاص مذہب ہوتے ہیں
۴۸	میل کی تدبیر اور اس کا نقص	۲۴	تربیت کا اثر اور نیز استثنائیں ہی قانون قدرت ہے
۵۰	مذہب عین اخلاق نہیں	۲۴	لا مذہب بھی اکثر کئی کئی طرح کا مذہب رکھتے ہیں
۵۱	پابندی اخلاق مذہب ترقی کا ذریعہ ہے	۲۵	مذہب کی تعریف
۵۱	مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہیں	۲۷	ایک دہرہ کے قول میں مذہب ہی نشان
۵۳	مذہب کی تدریجی ترقی	۲۸	دین مذہب کی کشتی کے چند اور نمونے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲	نفع شرائع	۵۷	بعثت انبیاء
۹۳	احکام شریعت کے فائدے حقیقت میں تجویز سے	۵۹	باب سوئم
۹۴	معلوم ہو سکتے ہیں	۵۹	کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟
۹۵	تعلیم کے علاوہ نبی کا امت میں کچھ اور نتائج جو	۶۰	مشرکوں کے خیال
۹۶	رہنا ضرور ہے	۶۱	روحانی حواس
۹۸	سلسلہ ارشاد و ہدایت کی ضرورت	۶۲	کشف کی چند مثالیں
۹۹	وحی اور الفاظ	۷۱	یقین حاصل ہونے کی عقلی اور قلبی صورتیں
	باب چہارم	۷۵	خدا کو ماننے کے دو طریق
۱۰۳	× ملائکہ - معراج - معجزہ	۷۵	جانب ظہر اور شد لال کی آمیزش
۱۰۳	× ملائکہ	۷۶	استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے
۱۰۴	روحانی مناظر	۷۷	عقل نہیب کو پیدا نہیں کر سکتی
۱۰۶	روحانی مناظر کا قاعدہ	۷۸	تہذیب کے تین مقام ہیں
۱۰۸	قوائے قدرت کے عمل کا قاعدہ	۷۹	تجربہ میں وحی عال ہوتا ہے اور ضعیف معمول
۱۰۸	واقعات عالم کا عام قاعدہ	۸۲	وحی میں خدا عال ہوتا ہے اور انسان معمول
۱۰۹	نتیجہ	۸۴	نبی اگرچہ بہت ہیں مگر تمام انسان نبی نہیں ہو سکتے
۱۱۱	ارواح مجرورہ کی نسبت مشرکوں کی رائے	۸۵	مستند اورین تفاوت در بات کا ہر یا نوع کا؟
۱۱۳	مسیح فیکے کا استدلال	۸۷	تفاوت حالات
۱۱۵	جنات اور شیطانی وحی	۸۸	انبیاء کی ضرورت
۱۱۹	معراج کے متعلق تہذیب	۹۰	الہامی کتابوں کی ضرورت
۱۲۰	دل ابدل بہت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۸	روحانی اثر اس زمانہ میں کس قدر آگے ہیں۔	۱۲۵	قلبی رابطہ سے کسی واقعہ کا علم حاصل ہونے پر روح پشیمانی
۱۵۰	معجزہ - - - - -	۱۲۶	روح کے لئے ناصد کوئی چیز نہیں
۱۵۲	سبب کا دریافت ہونا۔ - - -	۱۲۸	معراج کی ایک توجیہ
۱۵۳	روحانی طاقتیں کہاں تک ابھی کی زبان سے	۱۲۹	معراج کے متعلق ابھی کچھ اور بھی بتیہ چلتا ہے
۱۵۵	معراج حیوانی۔ - - -	۱۳۰	روح کا اثر جسم پر
۱۵۵	روحانی عمل کے لیے قاعدہ کی تعلیم ضروری نہیں	۱۳۱	روحانی اثر سے جسم میں کثرت پیدا کرنا۔
	باب پنجم	۱۳۲	روحانی اثر سے مردہ جیسا جیس کیا جاسکتا ہے۔
۱۵۷	معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا مفہوم	۱۳۳	روحانی اثر سے جسم میں ارادی حرکت پیدا کرنا
۱۵۷	معجزہ سلسلہ علت و معلول کے تحت ہے	۱۳۴	روحانی اثر سے جسم کا لیے راہ حرکت کرنا۔
۱۵۹	اسلام اور قانون قدرت - - -	۱۳۵	امطاعت کا انکار اور اسکی وجہ
۱۶۰	معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے۔ -	۱۳۸	میز کی حرکتیں۔
	تہذیب کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے۔	۱۴۰	انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ۔
۱۶۲	ہدایت کی غرض فوت ہوجاتی ہے۔ -	۱۴۲	سولیم کو کس کے تجربے۔
۱۶۳	نام افہام کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے	۱۴۳	طاہر سپیہ کے تجربے میں منور کے متعلق۔
۱۶۳	سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کی کیا عمل کرتی ہے	۱۴۴	روحانی عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے۔
۱۶۴	تہذیب کا عمل کیا ہے ؟	۱۴۷	روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے۔
۱۶۵	معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہئے	۱۴۸	روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ نہ ہوتی
۱۶۵	بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے	۱۴۹	امداد سے حرکت پیدا ہونے کی علت یہی نامعلوم ہے۔
۱۶۶	معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے	۱۴۸	جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب ہفتم	۱۶۷	معجزہ خاص حالات میں منجانب ہوتا ہے
۲۰۳	مختلف مذاہب پر نظر ..	۱۶۹	بنی اسرائیل کی کمزوری اور انکی وجہ
۲۰۴	دنیا کی موجودہ صورت ..	۱۷۲	دینی ہیکے لئے معجزہ کے سوا کوئی اور تہذیب دہا ہے
۲۰۵	کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے ..	۱۷۴	عقلی ثبوت پر اعتراض اور اسکا جواب
۲۰۶	مادہ کی ابتدائی شکل ..	۱۷۷	عقل مختلف مذاہب کی توحید میں فیصلہ دے سکتی ہے
۲۰۹	وہ خیال جو ہر تہذیب کا کھڑکھڑاہٹ ہے	۱۸۰	عقلی توحید سے مذہب کو احکام ہوتا ہے
۲۱۰	ریسین اور پتھر کی بحث ..		باب ششم
۲۱۲	ماچہ کا خود بخود عمل کرنا ..	۱۸۳	ختم نبوت
۲۱۳	وحدت وجود مادی ..	۱۸۳	جلد ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں
۲۱۷	ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا ..	۱۸۴	بظاہر ختم نبوت ممکن نہیں ..
۲۲۰	وحدت وجود روحانی ..	۱۸۴	فیضانِ وحی کا پہلا اور بیواسطہ ..
۲۲۱	عالم کا ہر ایک کونہ کونہ صحت پر مبنی ہے ..		اگر توحید کر لیا جائے اپنی حد امکان تک پہنچ گئے ہیں
۲۲۲	پاک ناپاک کیوں ہوا ..	۱۸۵	آئندہ قافلوں اور عقائد کا بند ہو جانا ضرور ہے ..
۲۲۳	مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں ..	۱۸۸	انسانی علم صرف تعلقات تک ہوتا ہے ..
۲۲۳	علم فیہر فطریہ کے پیدا نہیں ہو سکتا ..		مذہب ہی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا
۲۲۶	وحدت وجود کیلئے کیا تائیدیں ہو سکتی ہیں ..	۱۸۹	درعی ہے ..
	باب ششم	۱۹۱	مذہب ہی توحید کی نشاۃ و لطافت کی جانب ہے ..
۲۲۸	پیدائش ..	۱۹۴	ختم نبوت اور پتھر ..
۲۲۸	ختم نبوت ہوتا ..	۱۹۶	ختم نبوت اور پارکر ..
۲۲۸	کیا نیست ہو سکتا ہے توحید کوئی نظیر وجود نہیں؟	۱۹۹	اعلیٰ اطلاق کیا جو سکتے ہیں ؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۹	پیدائش کے متعلق مذہبی شہادتیں ..	۲۶۹	نظیر کی تلاش میں کوتاہی ہوئی ہے ..
"	وید کی شہادت ..	۲۶۹	خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے
۲۶۱	بائبل کی شہادت ..	۲۶۹	خیالی مخلوق قابل لمس اور زندہ رہتی ہے
۲۶۲	قرآن کی شہادت - اول - دوم - سوم - چہارم - پنجم	۲۷۰	خیالی مخلوق دوسروں کو بھی محسوس ہوتی ہے
۲۶۹	وحدت وجود کا نقلی لال	۲۷۳	نیت سمجھ کر عیسائے ہین شعور کی صفت ہوتی ہے
۲۸۰	انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا	۲۷۵	خیال کی پیدائش وہی اختراع تھی جو حادی مخلوق میں
۲۸۲	خدا کا ہر عکس حاضر نظر ہونا	۲۷۶	مطلول حادث اور علت قدیم ..
	باب دہم	۲۷۶	وحدت شہود ..
۲۸۳	خیر و شر اور تقدیر ..	۲۷۷	علم کیلئے کوئی معلوم مہیا نہیں ہے
۲۸۵	خیر و شر کے متعلق مختلف رائیں	۲۷۷	علم کس کس چیز کا ہو سکتا ہے ..
۲۸۵	شرابہ یارب کی طرف سے ہے ..	۲۷۹	خدا کا علم کینہ خیال میں آ سکتا ہے
۲۸۵	شرع فہم و جود سے پیدا ہوتی ہے ..		خدا کی ہدایت اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور
۲۸۶	بدی کی اصلیت عدم ہے ..	۲۷۷	انکی تحقیق ..
"	نیچر کی بعض برائیاں اور انکی اصلیت	۲۷۷	خاص سوچا کی طرف جانا قانون قدرت ہے
۲۸۷	نیچر کی برائیاں	۲۷۷	خدا کو ماننے والے انسان ذلیل ہو جاتا ہے
۲۸۹	برہم کی ترقی و تدریج و بدھ کی ترقی و تدریج		مشرک برہم کا اعتراض کہ دنیا میں چیز کبھی پیدا ہوتی
۲۹۰	مذہب و مذہب کی طرف آنے میں ترقی و تدریج ہوتی ہے	۲۷۱	نہیں دیکھی ..
	عدم سے جو ..	۲۹۳	ثبوت ہستی کا کوئی ضعیف کر نیکی اسباب ..
۲۹۲	ہے اور ہر حال میں عدم کا اثر مبینہ برائی یا نیک ہوتی ہے	۲۹۵	لا محدودیت ..
۲۹۴	برہم کی ترقی و تدریج و بدھ کی ترقی و تدریج		انجیل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۵	ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے	۲۹۵	ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے
۲۹۷	تذریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی	۲۹۷	تذریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی
۲۹۸	بہی سوال حل نہیں ہوا۔	۲۹۸	بہی سوال حل نہیں ہوا۔
۳۰۰	کیون کا جواب	۳۰۰	کیون کا جواب
۳۰۲	ایکے موقع پر کیون کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے	۳۰۲	ایکے موقع پر کیون کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے
۳۰۲	ایک اور موقع پر کیون کا جواب دینا نہیں جاسکتا	۳۰۲	ایک اور موقع پر کیون کا جواب دینا نہیں جاسکتا
۳۰۳	ایک اور موقع پر خاص متک کیون کا جواب ہو سکتا ہے	۳۰۳	ایک اور موقع پر خاص متک کیون کا جواب ہو سکتا ہے
۳۰۴	خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہوئی ہے وجود باری کا یقین	۳۰۴	خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہوئی ہے وجود باری کا یقین
۳۰۴	زائل نہیں ہوتا	۳۰۴	زائل نہیں ہوتا
۳۰۵	سب کچھ شیت ربانی سے ہوتا ہے	۳۰۵	سب کچھ شیت ربانی سے ہوتا ہے
۳۰۷	خدا نے نیک اور بد دونوں سے بنا لئے ہیں	۳۰۷	خدا نے نیک اور بد دونوں سے بنا لئے ہیں
۳۰۷	اسی میں علت ہے۔	۳۰۷	اسی میں علت ہے۔
۳۰۹	خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔	۳۰۹	خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔
۳۱۰	جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کو خلا نہیں ہو سکتا	۳۱۰	جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کو خلا نہیں ہو سکتا
۳۱۰	خدا نے ساری ہی کو تو ہم پیدا کر لیا ایک سب قرار دیا ہے	۳۱۰	خدا نے ساری ہی کو تو ہم پیدا کر لیا ایک سب قرار دیا ہے
۳۱۲	خدا نے ساری کو نیک اور بد دونوں میں تقسیم کر دیا	۳۱۲	خدا نے ساری کو نیک اور بد دونوں میں تقسیم کر دیا
۳۱۴	ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے	۳۱۴	ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے
۳۱۸	خدا کے علم میں سب کچھ ہے	۳۱۸	خدا کے علم میں سب کچھ ہے
۳۲۰	خدا نے انسان کو توت فیصلہ عطا کی ہے	۳۲۰	خدا نے انسان کو توت فیصلہ عطا کی ہے
۳۲۱	انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل	۳۲۱	انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل

باب یازدہم

۳۲۹	توبہ۔ استغفار۔ دعا و شفاعت وغیرہ
۳۳۰	حرکت بازگشت
۳۵۲	گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ
۳۵۴	حقوق العباد و حقوق العباد
۳۵۵	ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع
۳۵۶	اصولی اسباب اور معادن اسباب
۳۵۷	عذاب و ثواب کے اصولی اور معادن اسباب
۳۶۰	ایمان اور نیکی
۳۶۰	استغفار
۳۶۱	آرزو سے رحمت
۳۶۲	محبت صلوات
۳۶۵	دعا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۶	جواز فی نہیں وہ ابدی ہی نہیں، بلکہ تحقیق	۳۷۱	شفاعت
۳۹۸	ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے۔	۳۷۳	توغیب کا فائدہ
۴۰۱	منہجہ پر ترقی کی سبیل	۳۷۴	سعیت کا فائدہ
۴۰۳	مشکلات کی عمر و قوت وضعف پر منحصر ہے	۳۷۶	محبت کا فائدہ
۴۰۶	تفحص قیام ہنر کی وجہ اور روح کا وجود	۳۷۷	وفا کا فائدہ
۴۱۰	انعام دنیوی اجسام بعینہ ذمہ نہیں ہونگے	۳۷۸	کبھی شفاعت کے خیال سے غور پیدا ہوتا ہے
۴۱۲	حیوانات جزا و سزا پائیں گے	۳۷۹	کبھی شفاعت کی کوشش کا میدان ہوتا ہے
۴۱۳	ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر		باب دوا و دہم
۴۱۷	ترقی کر نیوالوں کے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا۔	۳۸۲	جزا و سزا کا دوام
۴۱۸	تدبیر محبت کا فائدہ	۳۸۳	ترقی دائمی قانون ہے
۴۱۹	اصلاح حکومت کا فائدہ	۳۸۴	اچھی غم اور پیسے غم
۴۲۰	سہولت نقل حرکت کا فائدہ	۳۸۵	تناسخ کی صورت میں ہی بیان کا اثر بدل نہیں سکتا
۴۲۱	وسائل نامہ و پیام کا فائدہ	۳۸۶	عالم برزخ
۴۲۲	رحمت و مسرت کی آرزو پر آمینا ہی کوئی موقع نہ ملتا ہے	۳۸۷	روحانی صفات
۴۲۳	رحمت و غم مکمل کوئی چیز ہوگا	۳۸۸	غور و فکر روح کی صفت نہیں
۴۲۴	آئینہ ترقی کے وسائل	۳۸۹	بدصورتی کی مثال
۴۲۵	فردس اور انجی کے مختلف مظاہر	۳۹۰	کمال کی پہونچنے کی سبیل
۴۲۶	سائنس کے مسلمات کو تدریجی رفتار سے ہٹا کر باکشی ہی	۳۹۱	خدا کی قدرت کو ہی انکار نہیں ہو سکتا
	ترقی کے مختلف درجات میں فردس اور انجی کی شکل		باب سیزدہم
۴۲۸	بدلتی جاتی ہے	۳۹۲	قیامت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۴	انسانی خیالات کا آثار پر چھاؤ۔	۴۶۹	آئندہ انقلاب میں ترقی اور یہی اعلیٰ ہونی چاہئے
۴۶۵	جذبات کا اثر جسم پر	۴۷۰	آئندہ ترقی معرفت میں سہولگی
۴۶۵	جذبات کا اثر ذہن پر		آئندہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہا وہ اسی عالم میں
۴۶۸	دولتوں کے اختلاف کیلئے ضروری سہولتیں	۴۷۲	جہاں کو دیا گیا ہے۔
۴۶۸	خدا کی خالقیت اور روح کی قدیمت غیر کلمات کے تعلق سے	۴۷۳	آئندہ ترقی غیب محدود ہوگی۔
۴۷۰	چاند کو سج اور مادہ کے بار بار آنی سے تباہی کا ثبوت	۴۷۵	روح صرف جسم میں رہ کر ترقی کر سکتی ہے
۴۷۳	سفر طوطی تین دلیلین سے تباہی پر	۴۷۷	ارواح کیلئے مادہ کی بنیاد
۴۷۴	تیسری دلیل سے تباہی کو تعلق نہیں	۴۷۹	آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت
۴۷۷	دوسری دلیل دوطع سے ناقص ہے	۴۸۱	حشر کے تعلق اسلامی تسلیم
۴۷۵	خدا کو خدا کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہیں	۴۸۲	آجہائی تربیت میں جہانی خصائص بدل نہیں سکتے
۴۷۸	خدا کا خدا کیلئے نماز زندگی اور جہاں میں ہو سکتا		باب چہارم
۴۸۰	اسلام میں دوبارہ روح کا جسم میں انقلاب عقل ہے	۴۸۹	حشر و دعائی اور تباہی
۴۸۲	روحیات کی ترقی سے ان میں ترقی ہوتی جاتی ہے	۴۹۱	حشر و دعائی
۴۸۶	ذہنی ترقی کا اثر نیچے کے درجات میں خفا ہونا چاہیے	۴۹۱	بہشت اور اس کے سامان
۴۸۷	عبادت کا مفید طریق	۴۹۲	بہشتی عورتیں
۴۸۷	دنیوی سے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیلئے برا کہتا ہے	۴۹۳	تباہی
۴۹۰	اسلئے کہ یہاں کے کاروبار دنیوی ترقی کے سائل ہیں	۴۹۴	اختلاف حالات اور تباہی
۴۹۱	مذہب کی خاص بات ترقی دنیوی میں شک و طواری کو ہلاک	۴۹۵	کوئی وجہ اختلاف و خالی نہیں ہو سکتا
۴۹۲	روح کی خاص بات ترقی کا اثر دنیوی میں ترقیوں کا اثر	۴۹۹	روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی
۴۹۳	مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہیں ہو سکتا	۴۹۳	بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہیں۔
	اختتام	۴۹۳	اشریہ پیدائشی صورتیں
۴۹۵	کفار اور نجات کی ضرورت	۴۹۳	عام طور پر اثر کا تفاوت
۴۹۷	خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے		
۴۹۸	پاکیزگی دل کی ہونی چاہئے		
۴۹۹	قرب سے دل صاف ہونے میں شک نہیں		
۵۰۰	عقائد کی لذت کو ترک کرنا اور بارگاہی کی تکلیف اٹھانا کفارہ		
۵۰۰	دوسرے کی تکلیف کو دل صفت نہیں ہو سکتا		
۵۰۱	خدا کو پہنچنا چاہو تو اسے کفارہ بھیج کر تکلیف اٹھانی ہی		
۵۰۱	ضرورت نہیں		
۵۰۱	دنیا میں آدمی کی ضرورت ہے		
۵۰۲	روح و جنت کا بارے اور جوہر کے ساتھ گہرائی کا انداز		
۵۰۲	کے اختلاف سے اس کے طور و حالت ہوتے ہیں		
۵۰۳	اختلاف کو دیکھنے کا نتیجہ		
۵۰۳	نتیجہ کے بعد کا فرض		

۲۹۷۶۲
۶۷



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ؕ
لَقَدْ جَاءَتْكَ مِّنْ سَيِّئَاتِنَا الْحَقِيقَةُ هٰذَا هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۝ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ اُولٰٓئِكَ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ
وَالْاَنْصَارِ ۝ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا هٰٓؤُلَاءِ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
فِيْ زَمٰنٍ قَوْمٍ مِّنْ اِيْكَ طَرَفٍ اِيْسَے لوگ موجود ہیں جو مذہبی بحث و فکر کو غیر ضروری
تصور کرتے ہیں تو دوسری جانب ایک گروہ نہ صرف اصول مذہب میں بلکہ اسکے نوعی مسائل
میں بھی رد و فوج کا حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ اور ایک اور فرقہ فروعی بحث کو غیر ضروری جانتا
ہے گو ضرورت محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ایک زمانہ میں فلسفی علوم کی اشاعت پر حمایت مذہب
یعنی علم کلام ایجاد ہوا تھا اب جدید طرز استدلال اور تازہ علمی انکشافات کے اثر سے جو غلط فہمی تسلیمات
مذہب میں پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک کرنے کیلئے جدید علم کلام مرتب ہونا چاہئے۔

میرے دل پر پہلے فریق کا خیال اثر نہیں کرتا اور اس کی پہلی وجہ شاید یہ ہے کہ میں مذہب
کو ایسا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس پر کاربند ہونا نوع انسانی کیلئے فساد دُن سے بڑھ کر مفید ہے

اور اسکو ترک کرنا سبب مضر توں سے زیادہ مضر اور اس لئے میرے نزدیک مہب کو ایسا ضروری سمجھو
والوں کا اخلاقی فرض ہے یا بالفاظ دیگر وہ مجبورین کہ ایسے جتنی فائدے اور ایسے ضروری نقصان
سے جو لوگ چشم پوشی کرتے ہیں انہیں کسی شخصی طمع آگاہ کریں اور ان لوگوں کی پاس خاطر سے جو اس
گفتگو کو لا طائل سمجھتے ہیں اپنی یقین کی آنکھوں سے لوگوں کو کنوینین مین گرتے دیکھ کر خاموش
نہ رہیں ۛ

بلکہ اس بارہ میں میرے نزدیک اصول و فروع کی بھی حد بندی نہیں ہو سکتی کیونکہ جو
مسئلہ ایک کے نزدیک فروع میں داخل ہے اور زیادہ مہتمم باشندان نہیں ممکن ہے کہ دوسرے کے
ز نزدیک وہی اصل الاصول ہو یا کوئی شخص اسے فروعی سمجھ کر بھی ایسا مہتمم باشندان سمجھتا ہو کہ اس کو
ترک کرنے سے اصول قائم نہیں رہ سکتے اور انجام ہلاکت پر مہتاب ہے چنانچہ اگر کوئی شخص بالفرض
یقین رکھتا ہو کہ روزانہ صبح کو غسل نہ کرنے سے انسان کا فرد آدمی عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے تو خواہ
واقع میں ایسا اصل غلط ہو مگر وہ شخص صدق دل سے ایسا عقیدہ رکھنے کے سبب مجبور ہے کہ اپنے
بھائیوں کو انکی غلطی پر متنبہ کرے۔ اور وہ اس عقیدہ کو مناسطہ زبردیش کرے تو کسی کو حق نہیں
کہ اس خچتہ وزن ہو +

یہ تو وہ وجہ ہے جس سے میں مذہبی بحث و تکرار کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن اگر ایک لحظہ
کیلئے اپنے اور اپنے بھائیوں کے خیال سے قطع نظر کروں تب بھی اس افتہ کو تو کسی طرح آنکھوں
کے سامنے سے دور نہیں کر سکتا کہ مذہب کے بارہ میں دنیا کے اہل الرائے کا اختلاف موجود ہے۔
پس ایک طرف سوائے فضول ہونے اور دوسری طرف ضروری ہونیکا اصرار دیکھ کر جو شخص اپنے
خیال سے قطع نظر کر سکتا ہے وہ صرف مذہب ہونیکلی ڈگری پاسکتا ہے اور اب اسے دیکھنا
چاہئے کہ اس مذہب کو دور کرنے کیلئے دنیا کے اور اختلافوں میں کیا تہیز مفید ہوتی ہے۔
دنیا میں علی اور ملکی اور تمدنی معاملات میں بے انتہا اختلاف موجود ہیں اور ہوتے رہتے ہیں
اور اگر ان سب میں بحث و تکرار کو بند کر دیا جائے اور کوئی شخص کسی خیال کو بہتر سمجھ کر ظاہر کرینکا

مترکب نہ ہونکو کسی رائے کی غلطی اور کسی رائے کی صحت بھی معلوم نہ ہوگی اور دنیا جس حالت میں
 ہے اس سے ترقی نہ کریگی۔ مگر یہ تجربہ یقیناً کسی عاقل کو گوارا نہ ہوگا اور بیشک سب کے نزدیک یہی
 مناسب ہوگا کہ ہر شخص کی رائے اسکی دلائل کے دیکھی جائے اور باہمی مقابلہ و تطبیق سے سقم و
 کافصلہ ہو۔ اور مقابلہ و تطبیق کی غرض اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جو خیالات فی الواقع صحیح ہیں کچھ
 ساتھ وہ خیالات بھی معروض بحث میں آئیں جن کو بعد میں غلط ہو نیکافقوی دیا جائیگا۔ اس لیے
 سقم و صحت کافصلہ کرنے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لائیکے لیے جو کام صحیح خیالات سے نکلتا ہے
 وہی خدمت غلط خیالات اپنی بحث و تنکیر سے بجا لاتے ہیں اور دنیا کے تمام معاملات غلطی اور
 صحت کی اسی جدوجہد سے صفائی کے قریب آتے ہیں۔ اور جب یہ صورت ہو تو مذہبی اختلاف
 میں جو فی الواقع دنیا میں موجود ہے مذہبی بحث و تنکیر ایران کو گون کی طرف سے جو مذہب کو
 ضروری سمجھتے ہیں یا انکی طرف سے جو مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں اگر انکا خیال غلط ہو تب ہی
 غیر ضروری نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کی مختلف ترقیوں میں سے ایک ترقی کا رستہ صاف
 کرنے کی خدمت ادا کرتا ہے اور اسلئے مفید ہے۔

غرض میرے نزدیک اہل مذہب کا اپنے خیالات کو شل کرنا اور جن امور پر وہ سب سے
 بڑے سود و دیان کو مرتب سمجھتے ہیں ان کو بنی نوع کے کافون تک پہنچانے کی کوششوں
 میں مصروف رہنا کسی طرح غیر مفید اور قابل تحقیر نہیں۔ البتہ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی کسی
 کوشش میں حد مناسب سے تجاوز کرنا اور باخلاقی فتنہ انگیزی سے کام لینا مفید نہیں ہوتا۔
 بلکہ اکثر اوقات کسی صحیح مسابہ پر مناسب زور دینے سے اثر ہوتا ہے اور اس نفل کو مخالف کو جو
 رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو صداقت کے قریب نہیں آنے دیتا اور غلطی پر اصرار کرنے
 کا محرک ہوتا ہے بعض لوگ ملکی خدمت کو رواج دینا چاہتے ہیں جو واقع میں شریفانہ خیال ہے مگر
 لوگوں سے منوانے کیلئے غیر ملکی چیر جسکے پاس دیکھتے ہیں چھین کے جلا دیتے ہیں اور خریدنے
 والے کو ایذا پہنچاتے ہیں یا بعض لوگ حکام سے ملکی حقوق منوانے چاہتے ہیں اور اس غرض

کیلئے حاکم کے کارندوں اور دیگر مکیناہوں کو تیر و تفنگ و شام و سنت کا نشانہ بنائے نہیں
ان افعال سے دعویٰ کی صداقت کو کوئی تعلق نہیں اور جو لوگ اس دعویٰ کو نہیں مانتے اگر
وہ غلطی پر ہوں تو انکی غلطی ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تکلیف اور فساد سے متاثر ہو کر مخالفوں کو تیر کے
ساتھ تدبیر پیدا کرنے والے خیال کو اور زیادہ غلط سمجھنے کی ترغیب ہوتی ہے اور جو لوگ قوت رکھتے
ہیں وہ اس خیال کو دبانے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرنے لگتے ہیں اور وہ فساد پھیلتا ہے
جس کا انجام منصف قوت کی لڑائی میں خواہ کسی فریق کے موافق ہو مگر غلط رائے کی غلطی اور صحیح
کی محنت ثابت ہو نہیکامیابی کی کوشش پر کہیں مرتب نہیں ہوتا اور اگر کسی خیال کو مقبول بنانا
تو اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ ثبات اور تہذیب کے ساتھ رائے اور رائے کے لائل پیش کیا جائیں
یہی کیفیت مذہبی بحث و تکرار کی ہے۔ ہمیں جبر و تشدد اور مار پیٹ کا دور اب سے
بہت دور رہ گیا ہے اور ترقی تہذیب کے لاکھ کاف الدین کا سبق لوگوں کو یاد کروا دیا
مگر تہذیب و ثبات کے تعالٰی میں ابھی بہت زیادہ استقامت و کار ہے۔ اگر ہم غیر مذہب کے مقتداؤں
کا ذکر کرے اوبی سے کریں۔ مخالف کا نام زلت و ولین۔ اصل ٹکڑ پر روشنی ڈالنے کی بجائے شخصی
عیوب کو فخر سے دہرائیں۔ کتاب کا نام ایسا تجویز کریں جس سے نفرت و عداوت کا اظہار ہو بلکہ اگر
مخالف کے خیال کو حاکم اور جہالت وغیرہ غضب انگیز ناموں سے یاد کریں تو ظاہر ہے کہ ان تمام
افعال سے نفرت اور ملال بلکہ غصہ اور عداوت کو تحریک ہوگی اور جو وقت قلب کی کیفیت ہو
پسندی اور نصفت شعاری کی صفت دور ہو جاتی ہے اسلئے وہ صداقت جو ہمیں غیر مذہب
کلام میں مخالف کے سامنے پیش کیا ہے اسکو قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور کر دینا باعث ہوگی
اور اسلئے ایسی مذہبی بحث و تکرار ہمیں تہذیب کے چشم پوشی کیلئے ہے کسی طرح مفید نہیں اور انسانی ترقی
کیلئے وہی بحث و تکرار ضروری اور مفید ہے جو حسین ملال انگیز طرزِ ادا سے بکلی اجتناب کیا جائے اور
نہایت مذہب طریق سے محض نفسِ مطلب کو ظاہر کرنے پر اکتفا ہو۔ چنانچہ اسلام ہی قسم کی مذہبی غیب
کو فرض گردانتا ہے بلکہ جو لوگ بدی سے پیش آئیں انکو بھی تہذیب کے ساتھ جواب دینے کی ہر بات

کہتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ جو ہمارے دشمن ہیں وہ بھی دوست ہو جائینگے چہ ارشاد ہے

اپنے خدا کے رشتہ کی طرف واپائی اور نیکی نصیحت سے بلاؤ اور رجوع کرو جو بہتر ہو۔

پس تم دونو (یعنی ہمارے دشمن) اسے نرم بات کہو شاید نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔

بدی کا یہی تدبیر سے مقابلہ کرو جو نیک ہو۔
اہل کتاب جھگڑات کرو مگر جو نیک ہو۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَأَوْفَى حَقًّا
الْعُسْفُوفُ تَجَادَلُوا بِاللَّيْلِ هُوَ أَحْسَنُ رُحْلًا
فَضْلًا لَهُ فَوَكَاهُ لَعَلَّكَ تَدْرَأُ وَيُخْشَى
(طہ پارہ ۱۷ ع ۱۷)

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ السَّيِّئَةُ رَدُّهَا
وَلَا تَجَادَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِاللَّيْلِ هُوَ
أَحْسَنُ رُحْلًا (مککوت پارہ ۱۷ ع ۱۷)

نیکی اور بدی مساوی نہیں تم نیکی کے ساتھ مقابلہ
کرو۔ ہر طرح جو تمھارا دشمن ہو گا وہ بھی دیکھو گے
کہ دلی دوست ہو گیا۔

وَلَا تَسْتَفِزُّ الْوَسْوَكَ السَّيِّئَةَ إِذْ قَعَبَ بَاتِي
هُوَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ
كَانَ فِي حَبِيدٍ (رحم سجدہ پارہ ۱۷ ع ۱۷)

تنہا یہ بات کے علاوہ مذہبی بحث و تکرار کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ جو مسئلہ زیر بحث ہو
اس کے ملوث افراد مخالف تمام پہلوؤں سے طور پر ذہن نشین ہوں اور بالخصوص جبکہ زمین مذہبی کو عقلی پہلو
سے دیکھنا ہو اور مرد و عورت عیسائی کے مقابلہ کرنا ہو تو اس وقت ایک طرف مذہبی و تہنیت تکلیف دہ
چاہئے اور دوسری جانب علوم عقلیہ میں کامل مہارت کی ضرورت ہو اور اس طرح پراصولی بحث کے
لئے سائنس فلسفہ اور احکام مذہب کی مختلف شاخوں کیلئے قانون اخلاق پولیٹیکل کانفی -

تاریخ اور سائنس کا لوجی وغیرہ علوم عقلیہ کے تمام جدید انکشافات سے آگاہ ہونا ضرور ہے اور علماء
عربی و عجمی کے ہر مذہب کے پیروں کو مل جل کر دیکھنا ہو اور اس کا جو وہ ہیں انما ممکن نہیں
اور میرے خیال میں مذہبی و تہنیت کی ضرورت دیکھتے ہوئے اس کلیہ میں اس قدر اور زیادہ مہنا چاہئے
کہ جب تک فلسفہ کے ساتھ مالک و جہنم کا اثر نہ ہو صرف فلسفہ سے جو علی
پیدا ہو سکتا ہے اور غرضالی بننے کی تحریک نہیں ہوتی۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف

مالک و بوحنیف کا اثر یعنی مذہبی اقصیت کا شوق اور جوش یو مافیہ مارو پتھر مل رہا ہے اور دوسری طرف فارایت پیدا ہونے میں بہت دیر معلوم ہوتی ہے اور تمام ملک میں علوم عقلیہ ابھی تک آبادی کے بہت مختصر حصہ میں اور وہ بھی بالعموم محض تقلید کی شکل میں داخل ہوئے ہیں اور تمام قوی اور ضعیف علمی مسائل پر اسلئے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت استادوں کی طرف سے پیش ہوئے ہیں دروغین کو نظر سے اوجھوڑی کو فیکٹ سے نیکر کرنے کی مہارت شاذ و نادر ہی موجود ہوگی چہ جائیکہ خود موجود یا محقق ہونیکا درجہ حاصل ہو یا اہل علم کی کثرت کو بیشتر آبادی عام علمی اصطلاحوں اور واضح اصول سے آشنا ہونیکا فخر کر سکے اور جب تک سب اور عقلی علوم کی واقفیت اس درجہ پر ہے کچھ شک نہیں کہ علوم عقلیہ کے مقابلہ میں مذہبی حاکم کا دعویٰ نہیں ہو سکتا لیکن اس عجز کا یہ اثر ہو کہ نامعلوم عرصہ کے لئے مذہبی بحث و تکرار کو ترک کر دیا جائے اور اس خرمین کا انتظار کیا جاوے جسکی تعمیر بڑی کیلئے علیگڈ اور لکھنؤ کی زمین ہمارے ہر ہے تو ایسی سوچ آنے سے پہلے فائدہ کش تباہ ہو چکینگے اور کیا عجیب ہے کہ فارابی زیور و مخالف قوت کو بالکل نابود رکھنے سے ایسا پھیل لائے جو مذہبی جذبہ کیلئے دہر کا اثر رکھے یا اگر اس وقت تک دونوں طاقتیں پوری نشوونما پائیں جب ہی۔ گراں پس من کف یہ کون شہادہ باشد۔ اسوقت کی ارزانی سے کوئی اور نسل فائدہ اٹھا سکی نہ ہم لوگ۔ اسلئے کہ مرض سخت ہو اور علاج ناپید گرجب تک مناسب علاج نہ ہو سکے تیار دار اپنی ہمت کے موافق بیمار کی خبر گیری سے دیر غنہیں کرتے اور جو کوششیں اس بارہ میں موجودہ وسائل کو حقے الوس کام میں لا کر میٹھتی ہیں انکو دھرت کی عقلی فائدہ کہا جائے تب ہی وہ مذہبی غذا کو کسی حد تک صاف اور خوشگوار کرنے میں ضرور مدد دیتی ہیں اور اسلئے فائدہ سے خالی نہیں اور کیا عجیب ہے کہ یہی تدبیر ترقی کرتی ہوئی ایک وقت پر ازالہ مرض کے لیے تیر بہ ہر ہو۔ شاید کہ ہمیں بعینہ برآمد ہو پال۔ عنقا گردو۔

علاج بیشک ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں گرتیار داروں میں وہ شخص بھی شامل ہے جو صاف کرنے کے لئے پانی کو جوش دے چنانچہ ایسی ہی خدمت کی آمد ہو مجھے ہی ہے اور علاج

کل کے مخالفہ خیالات میں سے جو میرے دل کو پریشان کرتے رہے ہیں اگرچہ ان کے لائق سامان میری دسترس میں انہیں مگر ایک عرصہ تک غور و تامل میں مصروف رہنے پر جن وجوہ سے تجھے تسکین ہوئی ہے انہیں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تحریر ان لوگوں کا سنو انہیں کام دیگی جنہوں نے ان مسائل میں غور کیا ہے اور مخالف رائے قائم کر چکے ہیں اور یہ بھی عرصے نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ تسلیم کر سکیں جو مذہب میں مگر میلان دوسری طرف رکھتے ہیں البتہ جو لوگ مذہب میں۔ اور کثیفہ درمیلان ہی میرے ملوث رکھتے ہیں۔ انہیں سے بعض ممکن ہے کہ انہی وجوہ سے تسکین پائیں جو مجھے مطمئن کرتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کے لئے (اگر کوئی ہوں) میری تحریر مفید ہوگی۔ یا جو لوگ پہلے سے میرے بھخیال میں اور میری طبیعت رکھنے کے سبب میرے دلائل کو پسند کر سکتے ہیں انہیں ایک بھخیال کی آواز بلند ہونے سے سہرت ہوگی اور مخالف خیالات کے قابو میں نہ آنے کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جائیں گے یا اگر کوئی شخص میری تمام تحریر سے متفق نہ ہو لیکن اسکے بعض مقامات سے اپنے بعض خیالات میں ترمیم کی ضرورت محسوس کرے تو یہ بھی ایک فائدہ ہوگا۔ اور یہ سب فائدے ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ کم ہیں لیکن اگر قابل ہوں تو نہ ہونے سے بہتر ہیں اور اگر نہ ہوں تو بھی انکی آرزو میں اپنے نقطہ خیال سے ایک مناسب آرزو اور اس کیلئے کوشش انسانی فرض سمجھتا ہوں مجھے مفصل معلوم نہیں کہ خاص ان مضامین میں قوم کے قابل تہوں نے کتنے کام کیا ہے اگر کوئی تحریر انہی عنوانوں پر شائع ہو چکی ہے مگر نتائج اور پیدا کئے گئے ہیں تو میری کوشش جدا گانہ نتائج پیش کرے نیکی سبب ضرور توجہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر انہی نتائج کو ثابت کیا جا چکا ہے تو یہی ایک مضمون کی دو تحریریں طرز بیان میں ضرور مختلف ہوگی۔ اور اگر کوئی مضمون توجہ کے قابل ہو تو اسکا مختلف طرزوں سے پیش ہونا بہر حال مفید ہے اور میں اس مضمون کو توجہ کے قابل سمجھتا ہوں اس لئے ایسی کوشش کو اس صورت میں بھی فضول نہیں سمجھ سکتا۔

اس تحریر میں جو نقص ہو گئے وہ دیکھنے والوں کو نظر آئیگے۔ البتہ مجھے اس کی طوالت اور پیچیدگی کی نسبت خیال ہے کہ شاید عیب معلوم ہو۔ لیکن اول تو یہ گواہی ہے کہ میرے دعاوی اگرچہ دیرینہ ہیں مگر ان کو ثابت کرنے کا طریقہ (کم از کم میرے خیال میں) ضرور نیا اور میں سمجھتا ہوں کہ جن رستوں میں ہو کر میں منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہوں اُردو و اردو پہلک کو انہیں دیکھنے کا کم اتفاق ہوا ہو گا۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے ان مضامین کو اردو لباس پہنانا زمین وقت پیش آئی ہے اسلئے میری توجہ متواتر اسی جانب مصروف رہی ہے کہ کسی طرح ان مضامین کو اردو کر سکوں اور کسی مقام پر جس قدر الفاظ سے میں اپنے ذہن میں قائم کر سکا ہوں جب لکھنے کے وقت انہیں واضح نہیں پایا تو اردو طویل دینا پڑا ہے اور اس وجہ سے عجب نہیں کہ کہیں ناگوار طویل۔ کہیں تکرار اور کہیں سلجھانے کی کوشش میں اور پیچیدگی پیدا ہو گئی ہو۔ اور دوسرے مجھے اپنے قصو کا اعتراف ہو کہ میں کسی مضمون کو منشیانہ قابلیت سے ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن نقیض اگر ہے تو اس کا الزام ایک شخص واحد پر ہو گا اور بالاعتناء ناظرین سے یہ توقع بجا نہیں کہ نفس مضمون کی محنت و غم کو پر لکھیں۔ اور اگر صداقت نظر آئے تو غیر فصیح کلام کے سبب گرد آلود چہرہ کی ذاتی خوبی دیکھنے میں توجہ سے دریغ نہ فرمائیں۔

اس تحریر میں جس قدر مطالب دیگر اہل الرائے سے اخذ کئے گئے ہیں ان کو ظاہر کرنے کا مختصر وسیع انتہا کم کیا ہے۔ لیکن اگر کسی اور کا مضمون اس طرز پر ادا ہوا ہو کہ بظاہر صنف کا طبعاً و سبباً جائے تو یہ سہولت ہو گا ورنہ مجھے اعتراف ہو کہ میرا طبعی کارنامہ کچھ بھی نہیں اور جو کچھ ہے وہ اہل علم کی خوشنودی کا ثمر ہے۔ اور بعض اوقات کسی مصنف یا ہیکر کا خیال اس طرح ذہن میں در آتا ہے کہ اس کا فیضان محض نہیں ہوتا بلکہ منفردہ پراثر کرتا ہے اور جب انسان ذہنی عمل سے اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ خود اس کا فعل ہے حالانکہ حقیقت میں خارجی ترغیب کا اثر ہوتا ہے اور اس طرح پرچکن ہے کہ میرے اکثر بلکہ نام مضامین کی لہرائی قسم کہ شبنمی قطرون سے مرکب ہو۔

بجھے اکثر جگہ آیات قرآنیہ کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی ہے اور ہم مسلمانوں کے نقطہ خیال سے قرآن پاک کا ہر حرف اور ہر حرکت بشیاط لطائف نکات سے معمور ہے اس کتاب کا ترجمہ جس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہیں اور میں نے جو ترجمہ لکھا ہے وہ آیت کے تمام مطالب پر نہ حاوی ہو سکتا تھا اور نہ ایسی کوشش کی گئی ہے بلکہ صرف اُس مدعا کو ظاہر کرنا مد نظر ہے جس کے لئے کسی آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ وہ سلام۔ تحریر۔ ۱۳۲۵ھ

سابقہ

محمود علی عفی اللہ عنہ

کبیر تھلہ



زیب عنوان

تصنیف کو کسی قابل تعظیم بزرگ کے نام سے مزین کرنا اہل تصنیف کا عام دستور ہے جس سے کتاب کو کیسی فنی عظمت ہو مگر نہ کرنا یا کتاب کی پائیداری سے کسی محسن کی یادگار قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور میرے خیال میں کتاب خود مصنف کی بقا اسی لیے مقصود ہے کہ اس کی کوشش نے کتاب کو موجود کیا۔ اس لیے مصنف کے علاوہ اور جو لوگ کتاب کی مہتی کا باعث ہوں وہی ب سے زیادہ کتاب کے ساتھ قائم رہنے کیلئے شایان ہیں اور انہی کے نام سے کتاب کو روایت ہونی چاہیئے۔ مجھ اس تحریر کی توفیق اسی لئے ہوئی کہ ایک عرصہ تک بعض اہل علم کی کوشش برداری کا شرف حاصل کیا ہے سب سے پہلے اور بہت عرصہ تک جس مکتب سے فیضیاب ہوا وہ یا دش بخیر آغوش پذیر تھی۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ روحانی تعلق جس کے بغیر انسان کو انسان کہنا شیرت الین کو شیریتان کا خطاب دینا ہے اور جس کا فی زمانہ بہت کم اور محض سخی

محاذ رکھا جاتا ہے مجھے وہ تعلق ہی جیسا کچھ ہے اسی جناب سے جو جس کا توسط جسمانی وجود کا باعث ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد والد بھی ہیں استاد بھی ہیں اور پیر بھی ہیں۔ اس اعزاز سے فائدہ اٹھانا خوش نصیبوں کا حصہ ہے مگر السبحہ کہ فیخر مجھے بھی حاصل ہے۔ تہذیبی شامل اعمال ہے ورنہ میرا عقیدہ ہے کہ جس جناب سے مجھے یتیموں تعلق ہیں انکی ذات کو ہر طرح کی دولت حاصل ہو سکتی تھی ۛ

پدری تربیت کی اشنا میں اور اسکے بعد اکثر بزرگواروں کی آستان بوسی باعث انتفا ہوئی اور آخر میں سخت بیمار شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹوکی پروفیسر اور ٹیل کالج کی خدمت میں لیگیا اور مجھے بجا فرمایا کہ جس بانیضیت سے کسب کے بعد حبیب و دو امن بھڑکیا مرقع ملا وہ اپنے کمال میں گذشتہ اسلامی فہم و فرہست کی منظر یاد گار ہے اور اسی خوان نعمت کی ریزہ چینی کا اثر ہے کہ باوجود بیامانی میدان تصنیف میں قدم رکھنے کی جرأت ہوئی۔

پس میں اس ناچیز تحریر کو اپنے والد بزرگوار میاں سید علی دہلوی مرحوم اور مفتی صاحب قبلہ کے اسمائے گرامی سے مرزین کرتا ہوں۔ والد ماجد جہان فانی کٹے کر چکے ہیں اسلئے ان کی خدمت میں عرض کرنے کی صرف یہی شکل ہے کہ نامحسوس قلبی صدا افضائے خیال سے عالم روحانی تک پہنچاؤں اور اپنی آرزو کیلئے غائبانہ شرف قبول کی التجا کروں البتہ مولانا مظلہ کی خدمت میں یہ ناچیز یاد پیش کرنیکے بعد اجازت کی درخواست کر سکتا تھا جو نہیں کر سکا۔ کیونکہ میرے خیال میں جس طرح اپنے محسن کی یاد کا دل میں موجود رہنا ایک فطری کشش ہے اور اس موقع پر اجازت کا ذکر ایک بے اختیاری فعل پر داد کی طلب ہے اور جس طرح اپنے محسن کا ذکر زبان پر لانا اخلاقی فرض ہے اور اسکے ساتھ اجازت کا تذکرہ دینا نہیں اسی طرح اپنے محسن کا نام نامی تحریر میں لانا تحریر کی بنیاد ہے کہ اپنا فخر ہے اور اس لئے یہاں ہی اجازت کو دخل دینا فرض واجب الادا کو احسان کے لباس میں جلوہ گر کرنا ہے۔ اور اودھر گراںباری احسان اصرار کرتی ہے کہ جب مصنف کا نام جو حقیقت میں کچھ نہیں

کتاب کے ساتھ وابستہ ہے تو جس حشر شپے سے یہ نم پیدا ہوئی ہو اس کا ذکر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ بیشک جو تلخ میٹھے پیدا کئے ہیں وہ غلط ہوں تو الزام مجھ پر ہوگا اور شاگردی تعلق سے اساتذہ جواب دہ نہیں ہو سکتے مگر تمنا ہے کہ جو قابل یادگار ہیں ان کے اسما گرامی ہمیشہ صفحہ ہستی پر ثبت رہیں۔ یہ عاجز نہ رہیگا لیکن جو فیضان اس سے متحرک کرتا ہے وہ قائم رہے تو اور موصیٰ اس سے بہتر و برتر پیدا ہو سکتی ہیں ۛ

دچرخ چرخندہ گل از اثر بادِ صباست
گل نماند مگر این بادِ بہاری ماند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ

باب اول

نہب اور فطرت

نہبِ احساس کی قوت۔ نہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اس کا انجام۔ نہب کو پیدا کرنے کا سبب بھی فطری ہیں۔ کیا نہب استدلال سے پیدا ہوا ہے۔ نہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں عقلی ترقی سے نہب روشن ہوا گیا ہے۔ سائنس نہب کی کیا خدمت کرتی ہے۔ نہب اور مقتدایان قوم۔ نہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا۔ ایک معبود نہ ہونے کی وجہ۔ بعض تو میں نہب سے معرا ہیں اکثر اشخاص لا نہب ہو سکے ہیں۔ تربیت کا اثر اور زیر دستہ بھی قانون قدرت ہے۔ لا نہب بھی اکثر کسی نہ کی طرح کا نہب رکھتے ہیں۔ نہب کی تعریف۔ ایک دہریہ کے قول میں نہبی نشان۔ درپردہ نہبی کشش کے چند اور نمونے۔ نہب فطرت میں دی درجہ رکھتا ہے جو عقل و ترقی وغیرہ صفات کو حاصل انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ اس کی شکل صورت اور قطع و منع سے غیبت یا نفرت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر عقل خدا وادیاری کرتی ہے تو اس کے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف ہوتا ہے جو اس ظاہری کو حقیقی الوسع پورے طور پر کام میں لانا ہے پھر فکر و تحقیق سے مدد لیتا ہے

استقرار و قیاس تمثیل و ترجیح کے قاعدے استعمال کرتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر اسے ہاتھ میں لانے یا اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر تہذیب و تربیت سے بے بہرہ ہوتا ہے تو محض اس ظاہری پیمائشِ باطل سے متاثر ہو کر فوراً اس کی طرف جھپٹتا ہے یا خوف زدہ ہو کر بچے تھانسا بھاگ جاتا ہے۔ غرض تمام مظاہرِ عالم اور تمام مناظرِ قدرت کے پیشِ نظر ہونے پر عالم و جاہل اپنے اپنے مابین علم و جہل کے مطابق اسی روش پر کاربند ہوتے ہیں اور اسکے برخلاف جس چیز تک نظر یا دیگر حواس کی رسائی نہیں ہوتی اس سے محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے اور نہ اس کی نسبت فہم و ادراک مصروفِ کار ہوتے ہیں اور نہ اس کے متعلق حصولِ یاد یا نعت کی کوشش ظہور میں آتی ہے۔ اگر اس کو قوتِ مدركہ کا ایک کلیہ قاعدہ مان لیا جائے جیسا کہ بعض انسانی دل و دماغ کے تمام حرکات اور اعمال سے ثابت ہوتا ہے تو بیشک بعض کہنے والوں کے ساتھ ملکر کشا پڑے گا کہ محض اس ظاہری اور عقل ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اور نتائج کے بعد فوجِ ماکرین کا اثر مرتب ہوتا ہے اور جو چیز غرض محسوس اور عقل آسے استنباط کر سکے وہ نہ چیزِ کلامانے کی استحقاق ہے اور نہ اس کی نسبت کسی قسم کا علم و یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت قوتِ مدركہ اور طبیعتِ انسانی کی یہ خاصیت ایسی عام اور وسیع ہے کہ جہاں تک عام طور پر تلاش و تجسس کی حد ہے اس کے خلاف پایا نہیں جاتا اور اس لیے اس کو قاعدہ کلیہ ماننے میں تاوان نہ ہونا چاہیئے ۴

لیکن جس طرح دنیا کے اکثر کلیہ قاعدوں میں استغنا ہوا کرتا ہے اسی طرح استغنا سے یہ قاعدہ بھی بری نہیں ہے۔ بیشک ہم کسی چیز سے بغیر دیکھے نہ ڈرتے ہیں اور نہ اس کی طرف رغبت کرتے ہیں مگر یہ بھی قریباً ساری دنیا اور غالباً تمام بنی نوع انسان کا متفقہ میلان ہے کہ کم از کم ایک ناویدہ ہستی کی طرف انکی رغبت ہے اور رغبت بھی ایسی کہ اور تمام غنیمتوں سے نافع اور اُنھی ایک ناویدہ ہستی سے خوف ہے اور خوف بھی ایسا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیزیں بھی ایسی خوفناک نہیں۔ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے لیکن جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اس میں اُنھی کا

جلوہ نظر آتا ہے۔ اور جس کو دیکھتے ہیں اُس کے وجود میں شک کریں تو کریں لیکن جس کا نور
 آنکھوں میں سمار ہا ہے اُس پر بے دیکھے ایسا یقین ہے کہ اُس کے خلاف ہزار جہتیں پیش ہوں
 لاکھوں دلیلین بیان کی جائیں اور انسان عقلی طور پر جواب دینے سے عاجز آ جائے بلکہ کسی وقت محض
 کی مخالفت سے مغلوب ہو کر اُس یقین کو چھوڑنا چاہے غرض کیسی ہی ہو کہ اور بحث و تکرار
 ہو دل جمیع یقین گھر کیٹے ہوئے ہے وہ فنا ہو جائے تو ہر جائے مگر یقین فنا نہیں ہوتا اور
 اعتقاد و زوال نہیں پاتا۔ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے اور عقل جو ہر میدان میں جولانیاں دکھا دکھا
 لوگوں کو حیران و ششدر کر رہی ہے اُس کے سراپہ وہ جلال پر جا کر خود حیران و ششدر رہ جاتی
 ہے مگر جن عقیدوں کو سمجھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک اُس ناقابل فہم ہیستی
 کو زبان بے زبانی سے ایسا بھسار ہا ہے کہ کبھی ہرئی باتیں غلط ہوں تو ہوں مگر اُس برتر از
 خیال و قیاس ہستی کا جو فیض خیال و قیاس پہ ہے خود خیال و قیاس کے فنا ہونے پر بھی ذرا نہیں ہٹتا
 اور چونکہ یہ اعتقاد جاہل و عالم عامی و عارف ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ کئے
 ہوئے ہے اور دنیا کا کوئی حصہ اور زمانہ کا کوئی عرصہ ایسا مستحق نہیں ہوتا جس میں لوگ اس
 یقین سے قطعاً بے سرہ ہوں اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یقین عقل و استدلال سے پیدا
 نہیں ہوا۔ کیونکہ اس یقین کے دلائل عقلیہ جہاں تک پیدا ہو سکے ہیں ایسے دقیق اور پیچیدہ
 ہیں کہ جب کبھی ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کو محض ان دلائل پر منحصر سمجھ کر بحث و تکرار کیا گیا
 ہے تو بڑے بڑے عقلداروں کو اس ثبوت میں طبع و طح کے شکوک اور فیصلہ کے وقت ان کے
 گوناگوں مذاہب پیدا ہوتے رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض عقل ایسے جوہر کا پیدا
 کرنے کے قابل نہیں اور اگر ہے تو بھی نہایت ہی باریک بین اور نکتہ رس عقول کا کام ہے
 کہ محض استدلالی طریق سے اُن ہستی کا پتہ لگائیں اور چونکہ عقل کو روشنی اور جلا کا یہ تعلیم
 و تہذیب کے اعلیٰ پایہ پر پہنچ کر حاصل ہر سکتا ہے اس لیے ضرور تھا کہ ہستی باری تعالیٰ کا
 یقین اگر محض استدلال پر منحصر تھا تو جاہل قوموں میں پایا نہ جاتا بلکہ تہذیب کے ابتدائی سرا

میں بھی اسکا وجود نہ ہوتا حالانکہ واقعیت اس خلاف ہے اور جہلا کے ولوں میں جس وثوق اور
اطمینان کے ساتھ یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء کے لئے قابل رشک ہوتا ہے
اس لئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین عقل استدلال پر موقوف نہیں اور باوجود
اس کے ہرزمانہ اور ہر ملک میں اس غم کے ساتھ پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ فطرت انسانی میں
دیگر نظری خواہشوں کی طرح یقین بھی اول سے ودیعت ہوگا ۔

اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کم از کم تاریخی زمانہ کے ہر عرصہ میں ایسے چند اشخاص بھی موجود
رہے ہیں جو اس یقین سے بالکل معتر ہوں۔ بلکہ وہ لوگ اپنی طاقت کے موافق اس امر کی کوشش بھی
کرتے رہے ہیں کہ اس خیال کو لوگوں کے دل سے مٹائیں اور جو بندہ نبین انسان کے خیالات
اور اعمال پر خدا کے یقین سے لازمی طور پر عاید ہوتی ہیں ان کو زایل کریں اور چونکہ خدا انسان کی
فطرت میں بندشوں سے رہائی پانے کی خواہش نہایت قوت کے ساتھ موجود ہے اور ضرور بت
زندگی کو ہٹا کرنے اور فحاشی خواہشوں کو بر لانے کیلئے وہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آزادی سے
بہرہ یاب ہو اور لذائذ جسمانی کے حصول میں کوئی مزاحمت سد راہ نہ ہو اس لئے چاہئے تھا کہ خدا
کے یقین کو نائل کرنے کی کوشش اس کے اپنی دنیوی خواہشوں کی مدد سے نہایت آسانی کے
ساتھ کامیاب ہوتی۔ اور دوسرے بسا اوقات دنیوی تہذیب کی ترقی سے تعلیم و تربیت بھی ایسی
رائج ہو جاتی ہے جس میں منہک دیکھ کر کچھ عرصہ کیلئے اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذہبی قیود اور خدا کا
یقین ایسی نسل یا ایسے ملک سے بالکل نائل ہو جائے گا جس میں محض مادی تعلیم و تربیت پر مدار
کار رہ گیا ہے۔ مگر زمانہ چکر کھاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ مادی علوم و فنون اپنی ترقی و تہذیب کے آثار
چڑھاؤ سے اپنی اپنی نوبت میں ہر رنگ اور قوم کو کمال و زوال کی چاشنی چکھاتے ہوئے جاتے
ہیں اور ایسے گانچ و لکش ترانوں اور فرحت بخش نغموں سے عوام الناس کو اپنی طرف کھینچنے
میں کوئی دقتیہ فرقہداشت نہیں کرتے اور کسی کسی وقت انکی کامیابی کا گمان بھی ہو جاتا ہے
لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آزادی کو پسند کر نیا لون اور مذہب سے بنیاد پر کر ان لوگوں کے

مذہب کو باوجود
کی کوشش اور اسکا
انجام

ساتھ سٹرملانے والوں کی تعداد کو اُن لوگوں کی تعداد سے مقابل کیا جاوے جو باوجود آزادی کی خواہش اور اُن لوگوں کی کوشش کے مذہبی دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالتے یا نہیں نکال سکتے تو عاجز اگر ان آزاد خیال بزرگواروں کی اپنے خلاف ملے انہما کثرت دیکھ کر اس کی وجہ تلاش کرتے ہوئے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ۔

”جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو برلانے کے قابل ہے تب تک یہاں کی کامیابیوں بالاتر لہذا یہ کاشتیاں قائم رہیں گی تب تک اس اشتیاق کو صبر و تسکین مذہب سے حاصل ہوگی جب تک دینی زبیت تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو خود غرضوں کو بہشت کی امید سے اور پارسا لوگوں کو خدا کی محبت سے حاصل ہوگی۔“

مطلب یہ کہ واقعہ میں مذہب یا ایمان میں کوئی خوبی نہیں بلکہ انسان مبتلا ہی ایسی حالت میں ہے جس میں ہاتھ پاؤں مارنے ہوئے عاجز آتا ہے تو روحانی اور مابعد الموت فوائد پر بھروسہ کر کے اپنے دل کو اطمینان دیتا ہے ۔

لیکن مذہب ضروری اور مفید ہو یا نہ ہو سہر دست دیکھنا یہ سہہ کہ جس خیال کو وہ اپنے زعم میں بالکل غلط اور بے سہر دیکھتے ہیں آئین غور کرتے ہوئے وہ خود کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ مذہب کو یا خدا کے یقین کو انسانی فطرت میں داخل نہیں سمجھتے مگر نوع انسانی کو پابند مذہب دیکھ کر اسکی وجہ تلاش کرتے ہیں اور اس نتیجہ میں مذہب کو پیدا کرنے والے اسباب وہ فطرت میں جو خود قدرت نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہیں اور انسانی اختیارات و تصرف کو اُن میں داخل نہیں۔ انسان کا اپنی تمناؤں کو برلانے کے قابل ہونا ایمان کی کامیابیوں سے بالاتر لہذا یہ کاشتیاں قائم رکھنا اور انسانی زندگی کا تکالیف سے خالی نہ رہنا یہ تمام اسباب فطری ہیں پس چوتھی فطرۃً پر مرتب ہوتا ہے یعنی مذہب اگر وہ فطری نہ ہو اس لیے کہ اس کے اسباب ان کے ہونے میں تو انسان کے دیگر فطری خواہش بھی اسی دلیل سے غیب فطری سے مستند ہوں گے مثلاً جھوک دھارس انسان و حیوان کی سب سے مقدم فطری خواہش ہے چنانچہ کیا گیا تھا اس سے پہلے ہی

مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں۔

کوئی سبب موجود نہیں یا معلوم نہیں ہوا؟ اور کیا اسکو غیر فطری ثابت کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے کہ جب تک حرکت حرارت وغیرہ اسباب انسان کے جسم کو تحلیل کرتے رہتے ہیں اور جب تک معدہ اور دیگر اعضائے غذائیہ اپنے موجودہ وغیرہ کو بدل یا تحلیل میں فرج کر کے اپنے ٹکڑے اور کش پیدا کرنے سے ایک طرح کی تکلیف پیدا کرتے رہتے ہیں انسان و حیوان کو بھوک پیاس کی تکلیف مضطرب کرتی رہے گی پس اگر اس دلیل سے بھوک پیاس کا فطری نہ ہونا تسلیم کیا جاسکتا ہو تو بیشک یہی احساس بھی چونکہ دنیوی تکالیف سے پیدا ہوتا ہے فطری نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی جو انسان کی سب سے ممتاز اور اسے دیگر حیوانات سے برتر ثابت کرنے والی خاصیت ہے، بڑھ خود انسان کی ناقص شدہ تمناؤں اور موجودہ تکالیف کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور اسکی نسبت بعینہ مٹرل کے الفاظ میں استدلال کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ۔

”جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو بر لانے کے قابل ہے تب تک موجودہ حالت سے برتر حالت“ کا اشتیاق باقی رہیگا اور اس اشتیاق کو صریح تسکین ”ترقی“ سے حاصل ہوگی۔ جب تک دنیوی زلیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو محض ”ترقی“ سے حاصل ہوگی۔“

لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو ان لوگوں کو مذہبی احساس کے کچھ اسباب معلوم ہو جانے سے لگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں ہر چیز کے لئے اسباب و علل ہوا کرتے ہیں چنانچہ خواص فطرت بھی اس شے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب خود فطری اور انسانی کارہائے سے بالاتر ہیں اس لئے اس بنا پر بھوک پیاس ہو یا مذہب اور ترقی کسی کے فطری چڑھاؤ سے بہ انکار نہیں ہو سکتا +

ہیں اور ایسے گاہک صاحب اسی بحث کو یوں پیش کرتے ہیں کہ انسان اپنی جہالت و وحشت میں کوئی ذمہ فرار نہ گذاشت۔ کتاب ”فری تھنکس“ مکتب ”میں ایک صاحب کو پانڈے مذہب غلام کر کے لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آواز مخرج مذہب میں نقل کیا جو پران کے ایک مقام کا غلام لکھا گیا ہے اور اسکا

کے دامن میں اکثر چیزوں سے خوف کھاتا ہے اور بعض مناظر کو دیکھ کر پسند کرتا ہے۔ کبھی کبھی بلا میں مبتلا ہو کر یا سنا امید یا شکار ہوتا ہے کبھی بے انتہا لذت پاتا ہے اور فرط مسرت سے بے اختیار ہو جاتا ہے مگر اپنی نادانی کے سبب ان مناظر کے مادی اسبابِ عمل معلوم نہیں کر سکتا اور قوانینِ قدرت کو نہ جاننے اور نیچر کے بے انتہا وسائل کو نہ سمجھنے کے سبب اپنے دل کو تسکین نہیں دے سکتا۔ فرط حیرت سے اُن کو کسی مضمحل کارکن اور غیر محسوس طاقت کی طرف مفسوب کر دیتا ہے اور 'روح'، 'دیوتا'، خدا وغیرہ مہم الفاط سے اپنی دست میں قدرت کا راز دریافت کرنے کا دعوے کرنے لگتا ہے اور یہی خیال باپ سے بیڑ تک منوارث چلا آتا ہے اور پھر ایسے لوگوں میں سے بڑی سمجھ بوجھ کے لوگ یا حکام اور مذہبی پیشوا لوگوں کو اپنی اطاعت میں رکھنے اور اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کیلئے اس خیال کو قوی کرتے رہتے ہیں۔ اپنے معبودوں کے عبادت کے قاعدے قانون بناتے رہتے ہیں اور یوں لوگوں کے غلط خیال اور حجبِ خوف سے اُن کی جہالت کے سبب یہ لازمی نتیجہ یعنی مذہب پیدا ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے *

اُن کے نزدیک ہر فطری اسباب مذہب پیدا کرنے کے ہیں مثلاً عجائبات اور باعثِ تکلیف اشیاء کا دیکھنا اور اُن کو جہالت کے سبب حل کرنے کے ناقابل ہونا اُن کے بعد مذہب کو پیدا کرنے میں استدلال کو بھی دخل ہے اور انسان غور و فکر کرنے کے بعد اپنی نادانی سے خدا اور دیوتا کے وجود کا غلط نتیجہ نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے تو استدلال جس سے وہ پیدا ہوا ہے اُن کے نزدیک حقیقت میں غلط ہے تو حسیہ کہ دیگر غلط استدلالوں کی حالت ہے تو ان وہ مذہب سے اُس کی غلطی معلوم ہونے لگتی اور چون چون بقول ان کے قوانینِ قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسائل کا علم ہوتا جاتا اس استدلال کا ضعف معلوم ہوتا رہتا اور بتدریج مذہبی احساس کم ہوتے ہوتے بالکل فنا ہو جاتا اور چونکہ یہ استدلال بھی ان کے خیالی کے مطابق نوع انسان کی محض ابتدائی حالت میں پیدا کیا گیا تھا اس لیے نتیجتاً بھی

زمانہ سے بھی بہت عرصہ پہلے سے اسکی نسبت شکوک پیدا ہونے لگتے اور پھر وہ شکوک علم و شعور کی ترقی سے اعتراض اور اعتراض سے مذہب کے خلاف قوی دلائل میں تبدیل ہو جاتے اور ہوتے ہوئے مذہب اس وقت تک کہی کا صفحہ ہستی سے یا کم از کم مذہب قوموں سے نابود ہو جاتا۔ جیسا کہ انسانی قربانی ہستی ہونے کی رسم اور عورتوں کو مردوں کی غلام اور ان سے بہت کم و بچہ کی مخلوق سمجھنے کے خیالات اور ان کے سوا اور وحشیانہ رسوم و عہداید چرک وجود نہ ہی احساس پیدا ہونے سے یقیناً بعد ہے اور دنیا کی اکثر قوموں میں نہایت کثرت رائج رہے ہیں غلط استدلال پر مبنی ہو نیکی سبب عموماً مذہب بلکہ نیم مذہب ممالک سے بھی حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہیں یا جیسا کہ عرصہ دراز تک قوم کا سردار یا ملک کا بادشاہ بالکل خود مختار اور مطلق العنان اور رعایا کی جان مال اور آبرو کا بے شرکت غیرے مالک و مختار مانا جاتا تھا اور اس کے فعل کو خواہ کیسا ہی مصلحت انصاف اور خلاف انسانی ہو علم آسانی اور ناقابل اعتراض سمجھا جاتا تھا اور اب اس کے بالکل عکس حال کم وقت کو رعایا کا خادم اور پبلک کی عام رائے کے ماتحت ثابت کیا جاتا ہے اور جان و آبرو ایک طرف اس کو لوگوں کی ذرا سی چیز کو بے وجہ صرف کر بیکار مجاز نہیں سمجھا جاتا اور اس بارہ میں پہلے لوگوں کے غلط استدلال اور لغو نتائج غبار بن کر ایسے اڑ گئے ہیں کہ اب خیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ ان لوگوں نے کیوں کر اپنے ایک الجھن کو ایسے خدائی اعتیارات دے رکھے تھے اور ان تمام غلط نتائج کے برخلاف مذہبی احساس کی یہ کیفیت ہے کہ۔

اول تو اس کے خلاف تلاش کرنا ہوا کہ کوئی توی دلیل دستیاب نہیں ہوئی جس سے وجود قربانی ناممکن ثابت ہو سکے مگر یہی لہذا جو انکا خدا میں بہت گہرے ہیں کھتر ہیں کہ ”مذہب خدا نہیں کتنا کہ خدا نہیں ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا لفظ خدا سے تمہارا مطلب کیا ہے میرے دماغ میں خدا کا خیال ہر جو نہیں اور لفظ خدا میرے نزدیک ایسی آواز ہے جس کا خدا اور تمنا طلبت ہو میں خدا کا انکا نہیں کرنا کیونکہ جو چیز میرے اعتقاد میں نہیں اور جس کا تصور یا فہم نہ ہو اس کے دماغ میں بھی ایسا ناممکن ہے کہ وہ اسکی تعریف و تعریف میں اسکو تو میں ہی چیز کا انکا کہیوں کہ انکا کہیوں“ +

مذہب کے خلاف کوئی دلیل ہر جو نہیں

اس کے آگے مٹرو ولیم آر گرگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔

” ایک دائمی قدیم آتشخص خدا کا تصور مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ایسے شخص خالق کے بغیر پیدائش اور ترقی کا تصور بھی ایسا ہی دشوار ہے کہ اُس پر غالب نہیں آسکتے۔“

مبٹر جان ایس مل جو آزاد خیالی کے ساتھ علم و فضل اور مقول پسندی میں بھی ممتاز ہیں تحقیق مذہب کے بعد اپنی ہی بات کو تقریر میں نتیجہ نکالتے ہیں کہ۔

” ایمان کے ثبوت کا اور ایمان کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے متعلق وحی والہام کے ثبوت کا امتحان کر نیکے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب خواہ الہامی ہو یا فطری دونوں میں حق را فوق العاد کا تعلق ہے اسکی نسبت ایک ذمی شعور قلب کا عقلی میلان انکار کی جانب ہے۔ لیکن یہ انکار جیسا کہ ایک طرف خدا کے اقرار سے جا ہونا چاہئے ویسا ہی دوسری جانب انکار خدا سے بھی علیحدہ ہونا ضرور ہے اور یہ انکار خدا میں سے ہم اپنے انکار کو جدا رکھنا چاہتے ہیں یہی سلی اور ایجابی دو قسم کا ہے یعنی کہو اس خیال سے بھی علیحدہ رہنا چاہئے کہ خدا نہیں ہے“ اور اس خیال سے بھی الگ رہنا چاہئے کہ خدا کے ثبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے“ کیونکہ علما اس آخری انکار کا بھی وہی نتیجہ ہے جو وجود خدا کو نامکن ماننے کا ہو گا پس اپنی گذشتہ تحقیق میں جن نتائج تک ہم پہنچے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وجود خدا کی شہادت موجود ہے مگر اسکو ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہے البتہ ایک کم درجہ کا گمان غالب پیدا کرتی ہے۔“

اس زمانے کے مشہور فلاسفر ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر لکھتے ہیں

” اگر کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے قابل نفرت خیالات مذہب میں ملا کر اسکی مہلی خوبی کو جو سب غائب میں مشترک ہے نابود کر دیسے تو ایسی جماعت بھی ضرور ہے جو سائنس دان کہلا کر مذہبی عقاید پر ایسی نکتہ چینی کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے اُن کو نفس علم کی نسبت سخت تعصب پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ انکی اس نفرت کے لیے کوئی دلیل بھی اُن کے پاس نہیں۔ وہ صرف اُن ناشائستہ صدیوں (آخر صفوں) سے واقف ہیں جو سائنس نے ان کے بعض عقاید پر ہچکچائے ہیں

اور اس سے گمان کر بیٹھیں کہ شاید سائنس ان کے تمام مذہبی خیالات کا استیصال کر دیگی
اور اس طرح ہایک پہل خوف میں مبتلا ہو گئے ہیں“ ۳

دوسرے جس چیز کو وحشیانہ خوف اور تعجب کی پیدائش مانا گیا تھا اس میں بجائے ضعف
اور شک پیدا ہونے کے اور بجائے آہستہ آہستہ فنا ہو جانے کے جیسا کہ دیگر غلط استدلالوں
کی حالت دیکھی گئی ہے تمدن و تہذیب کی ترقی سے اور جلا آتی گئی ہے اور قوانین قدرت اور
نیچر کے بے انتہا وسائل کی شناسائی ہوتے جانے سے اعتقاد و ایمان کا رستہ زیادہ صاف
ہو گیا ہے۔ پہلے زمانے کے جہلا کسی خوب صورت اور عجیب درخت چتھر یا جواں کو دیکھ کر اپنے
مذہبی میلان کو اسی میں صرف کر دیتے تھے اور خدا مانکر اس کی پرستش کرنے لگتے تھے آگے چل کر
جب کثرت مشاہدہ اور عقل و شعور کی ترقی سے ان چیزوں کے خواص دریافت ہونے شروع
ہوئے اور دیکھا گیا کہ یہ عدم سے وجود میں آتی ہیں اور کچھ مدت کے بعد فنا ہو جاتی ہیں اور نیز
ان کے پیدا اور فنا ہونے کے اسباب کا پتہ لگنے لگا تو جن طاقتوں کا علم حاصل ہوتا گیا اور جو نسبتاً
ان سے زیادہ روحانی اور جسمانییت کو بعض تھیں خدا کو ٹھونٹنے والے ہڈی لڑتی رہیں اور ایسا یہ کہ
کہہ کر ان کی طرقت مٹھکتے گئے اور بجائے محسوسات کے ان اذواح اور طاقتوں کو خدا ماننے لگے جن کا
انہوہ اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اور اس طرح بارش کا دیوتا اور ہوا کا دیوتا وغیرہ فرض
کیئے گئے۔ اس سے قدم آگے بڑھا اور ان طاقتوں کو بھی ان سے بالاتر طاقتوں کا محکوم
اور ہستی کی بنیاد پر پائیدار پایا تو اپنے شاہدہ مقصود کو ان ابنہ انی منہوں سے دور نسبت
زیادہ مجرور نفس میں دیکھنے لگے اور سمجھے کہ اگرچہ یہ طاقتیں یا بالفاظ دیگر یہ دیوتا بھی اس کے
مظہر اور جلوہ گاہ ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان سے بالاتر اور ان سب کا حاکم و فرمان روا ہے
اور پھر جب تمام عقل و شعور میں آنے والی ہستیاں کے کمال عجز اور بے بسی کا یقین ہوا تو
لَا اِلهَ اِلَّا هُوَ (میں نازل ہوں یا ہوں کو پس نہیں کرتا) کہہ کر اور تمام مظاہر قدرت سے
متوجہ ہو کر اس ایک ہستی کی طرف متوجہ ہوئے اور یہی شان ہے کہ لا تُدْعٰی لَہُ الْاَلٰہُ الْاُخَرٰ

عقلی ترقی پر مذہب
رہنما ہوتا ہے

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ كَوْنُهُ شَيْءٌ۔ یعنی نظر اُسے پائیں سکتی کوئی علم اُس تک پہنچ نہیں سکتا اور کوئی مثال اسے مانع نہیں کر سکتی۔

ڈاکٹر مرہٹ سپنسر اپنے نقطہ خیال سے اس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں چنانچہ فرماؤں

سائنس سب کی کیا خدمت بھلائی ہے

” مذہب کا اصل مدعا یعنی ایک ناقابلِ فہمیدستی کا اعتقاد اس کو مذہب کی مختلف شاخیں بھٹی آتی ہیں اور ہر ایک نے ہب اپنے اپنے دائرہ میں اُسکو کسی کسی قدر قابلِ فہمیدیا بنا لیا ہے مگر یہ مذہب پر سائنس کا احسان ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کرتی جاتی ہے اور ہر ایک محدث کے اوپر اس سے مامور ملت ثابت کرتے کرتے وہ آخر اس اعم العوام علتِ اعلیٰ تک پہنچنے کا راستہ صاف کرتی آتی ہے۔“

چنانچہ اسکی مثال یوں دیتے ہیں کہ۔

” آفتاب کو پرنے زمین میں دیتا کی گاڑی سمجھا جاتا تھا اور یوں اُسکی حرکت کا ایک ایسا سبب مقرر کر کے دیا کہ عام طور پر دنیا میں پایا جاتا ہے اس علت کو قابلِ فہمیدیا بنا ہوا تھا کئی صدیوں کے بعد کیپلر نے ثابت کیا کہ تمام سیارے آفتاب کے گرد پھرتے ہیں اور ہر ایک کے بیٹھے خاص دائرہ ہے اور اس کے بعد اُس نے مانا کہ ہر ایک سیارہ میں سورج ہے جو اُسکو حرکت دیتی ہے۔ اس طرح اس وقت کی پیری سائنس نے ذریعہ حرکت ایسا ہی ثابت کیا جو تپ پڑنے کے نقطہ خیال سے لٹا جلتا تھا مگر اسے نامحدود اور کسی قدر کم سمجھ میں آئیو الا مانا۔ بعد کے زمانے میں تمام حرکت کو کششِ ثقل کا اثر مانا گیا اور کیپلر کی ارجاع کو غلط ٹھہرایا تو بخیال میں اُسکئی والی علت کی بجائے ایک خیال میں نہا کھنے والی علت قائم ہوئی کیونکہ کششِ ثقل اگرچہ ہمارے ذہن کی گرفت کے اندر ہے مگر پھر بھی اس کو خیال میں بالکل شخص معین کر لینا ناممکن ہے اور خود نیوٹن نے مانا ہے کہ کششِ ثقل ناقابلِ فہمیدہوتی اگر دیکھیں ایتھر کا واسطہ نہ ہوتا۔“ مگر ہم دیکھا چکے ہیں کہ ایتھر کے واسطہ کو انکے بھی یہ عقدہ جل نہیں ہوتا اور کششِ ثقل کا اثر سمجھ میں نہیں آتا۔ غرض سائنس کی ترقی سے عام در عام ذرائع اور علل دریافت ہوتے جاتے

ہیں اور یہ عمل جو زیادہ سے زیادہ نامشخص ہوتے جلتے ہیں ضرور ہے کہ ان کو سمجھنے کی قابلیت بھی درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔
اس گے چل کر فرماتے ہیں۔

”سائنس نے بھی اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ پہلے قدم پر سائنس نے مظاہر کا باہمی سلسلہ تعلق معلوم کیا اور یوں مختلف اوضاع کو ذریعہ کار و بار ٹھہرانے سے انکار کیا تو خود بھی ایسے ہی اسباب تسلیم کئے جو پرنسپل شخص (تو نہیں تھے تاہم کانکریٹ (صدائیت) ضرور تھے اور اس طرح واقعات کو تشریح کر نیکسا ایسا طریق اختیار کیا گیا جو اگرچہ موجودہ مذاہب کے طریق سے مختلف تھا مگر پھر بھی اس میں مختلف عمل کو مانا گیا تھا اور اس طرح نامعلوم کو معلوم سمجھ لیا گیا تھا یعنی ان ملکوتی عمل کو چھوڑ کر سائنس نے برق، حرارت، کشش ثقل و اتصال وغیرہ مختلف علتیں تسلیم کیں۔ اور آزادانہ طور پر دیکھا جائے تو سائنس کا یہ طریق غیر فیضانہ ہے جیسا کہ مذہب کا طریق مروجہ (بت و دیوتاؤں کو ماننا) غیر مذہبی ہے کیونکہ دونوں قابل فہمیدہ کو قابل فہمیدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر تاہم حال میں بعض سائنس کے اعلیٰ درجہ کے ماہر حرات، روشنی، متناطیس وغیرہ طاقتوں کو چھوڑ کر جن کو جہاں بعد اعلتین مانا جاتا ہے اب یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ یہ سب طاقتیں کسی ایک اور محیط کل طاقت کے مختلف مظاہر ہیں اور اس طرح یہ لوگ اس طاقت کو قابل فہمیدہ سمجھنے سے باز آنے لگے ہیں۔“

پھر کہتے ہیں۔

”جب سائنس یہ مان لگی کہ اس کے دعویٰ بہت ہی قریب کی چیزوں اور صرف تعلقات تک محدود ہیں اور مذہب یہ مان لیا کہ جس ملازکہ وہ مانا ہے وہ انتہائی اوسط ہے (یعنی جیسا کہ حقیقت نشاکیا کہ جاننے کا دعویٰ چھوڑ دیں) درجہ بہت آگے جاننے کا دعویٰ کی کر لیا) انہوں نے دونوں کو یکساں سمجھنا شروع کیا۔
غرض یہ شان ہے اس احساس کی جس کو غلط استدلال پنہاں مانا گیا تھا کہ سچائے کہ ہونیکے سائنس فلسفہ کی ترقی سے وہ اور بھی قوی اور قریب بھٹ جوتا گیا اور جو امور انسانی استدلال

نہیب میں ملتا رہا ہے مثلاً خدا کا درخت پتھر وغیرہ میں ملے ہوئے کرنا یا اس کے بعد معبودات میں
ظاہر ہوئے انہی طاقتوں میں منحصر سمجھنا یا آگے چلکر ان سے زیادہ مخفی قوتوں کو اپنا معبود ڈھیلنا ان
امور پر عقل و شعور اور تہذیب و تعلیم کا اثر پڑا اور نور تہذیب نے ان تاریک خیالات کو ہندو رنج
خاکر دیا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ امور انسان کے اپنے پیدا کردہ اور غلط استدلال پر
پرمبنی تھے پس بریڈلا کی تقریر میں اگر کوئی بات ہے تو وہی جو مسائل میں نے کہی تھی کہ
جب تک انسانی زندگی تکالیف سے معمور ہے مذہب انسان کیلئے باعث تسکین رہیگا۔
مطلب یہ کہ جب تک زمانے میں انقلاب و تغیر موجود ہے (اور یہ ہمیشہ رہیگا) تب تک انسان
ان سے اپنے معبود کی طرف توجہ کرے نیکو سامان یا نیگا اور چونکہ یہ سامان خود بخیر کا پیدا کردہ ہے
اس لیے جب اس کا ذکر ہو چکا ہے مذہبی احساس کے فطری ہونے میں اس سے کوئی شبہ
واقع نہیں ہوتا چلا

مذہب مقتدایان
قوم

شائد اس اعتراض میں ہی نقص تھا جسکی وجہ سے مٹر بریڈلا اور ان کے ہم خیالوں
کو عجائبات عالم کو مذہب کا محرک ماننے کے بعد مقتدایان قوم کی تعلیم و تربیت کا بہانہ بھی
تلاش کرنا پڑا لیکن یہ غلط بھی کچھ وقیع معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جب مقتدایان قوم کے بنا کر ہوئے
دیوتا اور ان کی تسلیم کردہ رسوم تہذیب اور عبادات مذہبی جن پر اپنے اپنے وقت میں نہایت
سختی سے عمل ہوتا رہا ہے تہذیب و تعلیم سے ایک ایک کر کے نابود ہونی گئیں اور ان رگوں
کا اثر اس سے ماننے نہ ہو سکا بلکہ ترقی نے خود بزرگوں اور بڑے بڑھکے بادشاہوں تک کی
بالائری اور خود مختاری کو دلوں سے مٹا دیا اور صرف ایک قدر مشترک یعنی مذہب صرف
مٹا ہونے سے محفوظ رہا بلکہ اور روشن ہوتا گیا تو ضرور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب بطرح
غلط استدلال سے پیدا نہیں ہوا اسی طرح مقتدایان قوم کا پیدا کردہ بھی نہیں۔ ڈاکٹر
سپنسر لکھتے ہیں :-

” شہادت ثابت کرتی ہے کہ مذہب کو مقتدایان مذہب کا پھیلا ہوا اور غلط ہے اور خیال

کہ نوع انسان کے ایک جگہ سے منتشر ہونے سے پہلے ہی مذہبی خیال متقدما یان مذہب نے پھیلا دیا تھا فلا لوجی (علم لسان) کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان مذہب کو ظاہر کرنے کے لائق زبان حاصل کر نیسے پہلے ہی پھیل گئے تھے“ ‡

مذہب یا اعتقاد کے فطری ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مذہب اور وحشی تو دون

کا خدا ایک نہیں ہے۔ چنانچہ مسٹر جے ایلس مل کہتے ہیں

” وحشیوں کا مذہبی یقین مذہب عقلی کے خدا کا یقین نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تمام قدرتی طاقتوں کو جن کا اخذ جان نہیں سکتے اور جن کے عمل کو سمجھ نہیں سکتے زندگی شعور اور ارادہ سے منسوب کر دیتے ہیں اور ان طاقتوں کو جو نامکمل سی تعیم ان کے سمجھ میں آتی ہے اپنی جانب میں اسکی اصلاح کر کے خدا کہنے لگتے ہیں اور حقیقی یہ طاقتیں ہیں اتنی ہی تعداد ان کے خداؤں کی ہے۔ ان کے نزدیک ہر ایک دریا چشمہ اور درخت کا خدا جدا کا نہ ہے۔ پس ابتدائی جہالت کی اس غلطی کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ اس بالاتر مہمتی یعنی خدا نے اپنی مخلوقات کی فطرت میں اپنی ہمتی کا علم ودیعت کھلبے خدا کی تعریف نہیں بلکہ تحقیر ہے۔ وحشیوں کا مذہب نہایت ہی مجبوری قسم کی محسوس پرستی ہے۔ وہ جس کو دیکھتے ہیں اسے ذی مہمت ذی ارادہ ان لیتے ہیں اور پھر بچپن اور بڑھاپہ دونوں سے انکو سفلے رہتے ہیں پھر جب مشاہدہ ترقی کر تا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محسوس چیزوں کی بڑی بڑی خاصیتیں اس قسم کا نوع کے تمام افسانہ میں کیساں موجود ہیں اور خاص خاص طاقتوں میں جو ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس حالت کی پیدا کرنے پر مہینہ کیساں رہتا ہے اور یوں محسوسات کو سمجھنے کے بجائے غیر محسوسات کو سمجھنے جلتے ہیں جن کی نسبت فرض کیا جاتا ہے کہ وہ تمام نوع پر مہمان ہیں اور خاص عام کی طرف جانا یہ کہ قدم نہایت آہستگی تامل اور غور کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے جیسا کہ اب بھی جاہل لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ تجربہ کس و شمار می سے انکو اپنے کسی خاص صفت کی ہیبت ناک، مضامندی اور فوق الفطرت طاقت کے اعتقاد سے ہلکا رہا مہمت پر لانا ہے اور وحشی لوگوں کا یہ بھی

مذہب کا مجبور ہونا
ایک یقین رہا

خیال اگرچہ کچھ اصلاح پذیر ہوتا جاتا ہے مگر کچھ بھی زیادہ تر اسی خوف کی وجہ سے مدتوں قائم رہتا ہے
حتیٰ کہ مذہب و دماغوں کا مذہب ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جس کو مذہب لوگوں کا مذہب کہا جاتا ہے
وہ باتوں و دلائل کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو براہین عقلیہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور یہ مظاہر قدرت کا۔^۱

ایک سبب و نتیجہ

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے مرثیہ میں کا بیان بالکل بجا اور درست ہے اور واقعی مذہب اور
وحشی لوگوں کے مسودوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب ان کے مسودہ ایک انہیں ہیں تو
بطاہر ہی نتیجہ درست ہو گا کہ وہ سب تلاش بھی ایک چیز کو نہیں کرتے اور اس لئے احساس بھی
ان سب کا ایک نہیں ہے پس مذہب اور ایک مذہب یعنی خدا کا یقین سب کی فطرت میں داخل
ہوتا ہے۔ مگر اس نتیجہ پر یقین کرنے سے پہلے گرد و پیش کے اور حالات کو دیکھنا بھی ضرور ہے مثلاً ابتدا
میں جب انسان زمین پر آباد ہوا ہو گا تو اسکو خیال بھی ہو گا کہ یہ زمین جس پر وہ چلتا پھرتا ہے کیا چیز ہے
کیونکہ کوئی ہے؟ کس شکل کی ہے؟ کس چیز پر سایہ ہے؟ اور انسان کا اُس وقت ان خیالات
سے معذور ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ آج اس قدر زمانہ گزر جانے کے بعد کہ وٹروں جاہل افراد
اور اقوام موجود ہیں جن کے دماغ ان فکر و دن سے پاک ہیں۔ اچھا تو پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے
بعد اور اپنی اس پاس کی بہت سی چیزیں کی قطع وضع اور ترکیب و تحلیل کے منظر دیکھنے اور کچھ
کچھ واقفیت پیدا کرنے کے بعد جس تختہ پر ان کی بود و باش کا سامان آراستہ کیا گیا ہے اسکی
نسبت انکی تجسس نگاہیں دو طرفی شروع ہوئی ہوگی اور یہ پہلا قدم ہو گا جو زمین کے متعلق تلاش
و تفتیش کا اٹھا یا گیا۔ اس کے بعد نہ معلوم کس کس زمانہ میں کیا کیا خیالات زمین کے متعلق
قائم ہوئے ہوں گے کیونکہ انسانی تاریخ اس قسم کی تفصیل ظاہر کرنے سے فاضل ہے مگر اتنا
یقین کرنے کے وجہ موجود ہیں کہ انہوں نے پہلے پہل یا چند خیالات کو قائم کرنے اور پھر غلط آنے
کے بعد یہ خیال قائم کیا ہو گا کہ زمین مسطح اور ہوا و فرش ہے کیونکہ اس خیال کا پتہ اب بھی جاہل قومیں
مل سکتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر کسی وقت وہ خیال قائم ہوا ہو گا جو اب تک ضرب المثلوں
اور عہدوں میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمین ایک گائے یا سانپ کے سر پر قائم ہے اور گمان ہوتا ہے

کہ یہ خیال انسان کے بہت ہی ترقی کرنے کے بعد اس وقت پیدا ہوا ہو گا جب وہ ان لایل کو سمجھنے کے قابل ہو گا کہ چرپنہ کسی دوسری چیز پر قائم ہوا کرتی ہے اور بغیر کسی جا قیام کے معلق رہنا ممکن نہیں۔ پھر اس خیال کے بعد جس خیال کا ہمیں علم ہے وہ ہے ایہی ایہی علمی دنیا سے فنا ہوا ہے یعنی یہ کہ زمین گول ہے اور وہ کسی اور چیز پر قائم نہیں بلکہ تمام موجودات کے عین وسط میں ہے اور پانچ کے چھلکوں کی طرح اس پر ہوا اور آگ اور متعدد آسمانوں کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں اور سورج چاند اور تمام سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانے کا دور ہے جس میں آگ کا غلاف اور آسمانوں کی تہیں غبار بن کر ایسی اڑی ہیں کہ کہیں دکھائی نہیں دیتیں اور اب آفتاب دیوتا کی مانند وسط میں اور زمین اور دیگر ستارے راجہ اندر کی بیویوں کی طرح ہمارے معلق اس کے گرد طواف کرتے مانے گئے ہیں۔ آگے آگے خدا جانے کیا کیا نکل کھلیں گے اور کس راجا کا راج ہو گا گلاب تک سمجھیں قدر انسانی عقل کی ہمت ہے اس خیال کو یقینی اور ہر طرح سے قابل تسلیم مانا جاتا ہے۔

اسی طرح انسان ابتدائی حالت میں جس پھل کو دیکھتا ہو گا بھوک سے لاچار ہو کر مٹھ میں لیتا ہو گا جیسا کہ اب بھی اکثر گنوا سب ناسپاتی اور کھیرے کلڑی کو بے پھیلے اور صاف کٹے مڑا جاتے ہیں پھر ذرا تمیز پیدا ہوئی ہوگی اور خربوزہ نربوز وغیرہ کا چھلکا کھانے کے بعد اس کے مغز کا ذائقہ چھلکے سے بہتر اور خوشگوار معلوم ہوا ہو گا تو پھل کا پوست اتار کر کھانے کا درواج پڑا ہو گا اور یہ پہلا قدم ہو گا جو اشیائی تخلیل اور اجزاء کی شناخت کی طرف اٹھایا گیا ہو گا۔ پھر جب ذرا اور غور و فکر کی عادت پڑی ہوگی تو سمجھنے لگے ہوں گے کہ پھل کے عناصر چھلکا مغز اور اس کے اندر کی ٹھلی اور بیج بھی چیزیں ہیں اس کے بعد جب تجربہ بڑھا ہو گا تو بعض چیزوں کو کھلتے اور پانی بننے اور بعض کو بجاد بن کر اڑتے اور بعض کو خاک ہوتے دیکھا ہو گا اور سمجھے ہونگے کہ چھلکا اور مغز وغیرہ عناصر نہیں ہیں بلکہ پانی اور ہوا وغیرہ اصلی اجزاء ہیں جن سے کوئی چیز بنتی ہے اور یوں رفتہ رفتہ وہ خیال قائم ہوا ہو گا جس کا جنازہ موجودہ زمانے والوں نے پڑھا ہے اور جسکی گور کے نشان اب بھی موجود ہیں

کہ ربوہ عناصر ہر چیز کا اصل ہیں اور آگے ان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر زمانے کو ایک بات پر مبنی کہاں
 ڈھونڈیں بوالے ڈھونڈتے رہے اور کھودنیوالے کھودتے رہے حتیٰ کہ مٹی کو مٹی اور پانی کو چھانا -
 انہونی بات کر دکھائی اور چار کی جگہ ساٹھ سے زیادہ عناصر نکال کر رکھ دیئے۔ اکائیوں سے دہائیوں
 کے آخر تک پہنچ گئے اب سینکڑوں اور ہزاروں کا نمبر باقی رہا۔ البتہ پھیلون کی غلطی سے فائدہ
 اٹھا کر ان لوگوں نے عقلمندی کی کہ عنصر کی تعریف کو بدل دیا پہلے عنصر کو نامکن تحلیل کہتے تھے
 اب عنصر سے کہتے ہیں جو موجودہ ذرائع اور وسائل سے تحلیل نہ ہو سکے۔ گو آئندہ ترقی کرنے اور کئی
 طرح کے وسائل بہم پہنچانے پر وہ بھی صاحب اجزائیت ہوں اور اس طرح پانی کو عنصر کہنے والے جوئے
 پلے مگر میڈر جرن اور آکسیجن کے اجزاء معلوم ہونے پر ان کو عنصر ماننے والے جوئے نہ ہوں گے
 کیونکہ موجودہ وسائل سے تحلیل انہی ختم ہوتی ہے اور آئندہ جو عناصر ثابت ہوں گے وہ بھی وہی
 ہوں گے جن تک اس زمانہ کے موجودہ وسائل پہنچائیں گے۔

غرض یہ ہے انسانی عقل اور عقلی ترقی کی حالت کہ وہ پیدا ہوئی تو ہزاروں ٹھوکرین کھا کر لو
 ہزاروں غلطیاں کر کے یہاں تک پہنچی ہے اور شرمیل جو کچھ کہتے ہیں اس سے انسانی مذہب کی
 حالت ہی یہی ثابت ہوتی ہے۔ انسان نے زمین اور پھل کو دیکھا اسمین غور کیا یہ کئی عقلی خوبی تھی
 اسی طرح کسی عجیب و غریب اور پیچیدہ کو دیکھا اسمین سے قابلِ تعظیم ہستی کی قدرت کو تلاش کیا یہ مذہبی
 خوبی ہے۔ زمین کو دیکھ کر مستح مانا اور پھل کو دیکھ کر چھلکے اور گوشت کو عنصر سمجھا یہ انسانی کمزوری تھی
 اسی طرح ویرخت اور پیچہ کو خدا جانا یہ بھی سہولتِ انسانیت تھا۔ آگے چل کر عقل اور مذہب دونوں انسانی
 کمزوری اور سہو کو محسوس کیا زمین کو گواں چھلکے کو قابلِ تحلیل اور خدا کو محسوس سربالائے زمانہ مگر
 کمزوری نے پیچھا نہ چھوڑا اور ایک اور ٹھوکر کھائی کہ عناصر کو چار زمین کو ساکن اور خدا کو قوائے
 عالمہ میں منحصر مانا۔ رفتہ رفتہ عقل اور مذہب زور پکڑتے گئے انسانی کمزوری کم ہوتی گئی عقل نے
 اپنی حالت کو سچا نا عجز کا اعتراف کیا اور کہا کہ واقعت میری گفیت سوا ہر ہے البتہ وسائل
 تنجز جس حد تک مدد کرتے ہیں اسی قدر یقین کرنے کا حکم نافذ کرتے ہیں۔ اسی طرح مذہب نے اعان

کیا کہ میرا معبود احاطہ فہم و ادراک سے بالا ہے مگر ذرا لگ کشف و شہود جس درجہ تک اسکی صفات کا مگر ظاہر کرتے ہیں اسی حد تک ایمان لانا کا فتوے دیتا ہوں۔ پس اگر مذہب فطرت میں دخل نہیں ہے اس لیے کہ جوشیون کا مذہب اور چیز کو خدا سمجھتا تھا اور تربیت یافتہ لوگوں کا اعتقاد اور خدا کی تشریح کرتا ہے اور اس لیے دونو کا مذہبی احساس ایک نہیں ہے تو عقل بھی انسان کی فطرت میں داخل نہ ہوگی اس لیے کہ جوشیون کی عقل اور چیز کو امر واقع سمجھتی تھی اور تربیت یافتہ دلغ اور سمجھتے ہیں اور اس لیے دونو کا عقلی میدان ایک نہیں ہے۔ مگر نہیں عقل کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تلاش اقصیت عقل کو ہمیشہ چھوڑی ہے ہی بنا پر مذہب کے داخل فطرت ہو نیسے بھی انکار نہ ہونا چاہیے کیونکہ تلاش خدا مذہب کا دائمی خاصہ رہا ہے ۵

شاید وہ کہو کہ یہ ہوا ہے کہ اس اعتراض کے پیش کرنا لوگوں نے جذبہ فطرت اس خاصہ کو سمجھا ہے جو شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہو مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا نشوونما پانے کی طاقت کہ ایسے خواہ جس طرح ابتداء سے آفرینش میں کام کرتے تھے اسی طرح ہر زمانے میں کرتے آئے ہیں اور ایسا نہیں ہو سکا کہ ابتدا میں خوراک کی خواہش کم ہو اور بعد میں اس کے اندر ترقی ہوئی ہو پس وہ سمجھتے ہیں کہ جذبہ فطری وہی ہوتا ہے جو اس طرح ابتداء سے آخر تک ایک حالت پر رہے اور چونکہ مذہب کی یہ صورت نہیں ہے اس لیے وہ اسکو جذبہ فطرت اسنے سے انکار کرتے ہیں مگر یہ ایک غلطی ہے جو حیوانی یا نباتی خواہ فطرت اور انسانی جذبات فطرت میں تمیز نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ جس قدر جذبات فطرت شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہیں وہ یا نباتی ہیں مثلاً قوت نشوونما اور یا حیوانی مثلاً بھوک پیاس کا احساس اور ایسا م حادثہ چونکہ نباتی اور حیوانی وجہ سے ترقی کرنے ہوئے اس تک پہنچے ہیں اس لیے انسان بھی جسم نامی اور حیوان کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے اور وہ تمام نباتی اور حیوانی جذبات رکھتا ہے جو اسکی ترقی یافتہ حالت کے معنی نہ تھے اور ایسے جذبات بیشک اس کے اندر مکمل حالت میں ہیں مگر جو جذبات فطرت انسانی نے پیدا کئے ہیں یا جن نباتی اور حیوانی جذبات کو فطرت انسانی نے ترمیم و اصلاح کے ساتھ قائم رکھا ہے ان میں سے غالباً کوئی بھی شروع سے

مکمل اور ناقابل ترقی نہیں ہے مثلاً نشو و نما ایک نباتی خاصہ ہے اور اپنے سادہ طریق پر انسان کے اندر شروع سے مکمل ہے لیکن اس کے واسطے اسباب و وسائل کا تلاش کرنا انسانی خاصہ ہے یا یوں کہا جائے کہ جذبہ نباتی میں انسانی فوقیت کی جانب سے ایک اصلاح ہے کیونکہ نباتات پر اسباب و وسائل کی تلاش فرض نہیں کی گئی بلکہ قدرت خود ہی اس کا انتظام کرتی ہے اور انسان کے لیے جو ایک کارکن مخلوق تھا یہ رعایت روانہ بھی گئی اور فرض گردانا گیا کہ وہ خود اسباب و وسائل کو مہیا کرے اور یہی فرض حیوانات کی گردن پر بھی رکھا گیا تھا مگر فرق تکمیل اور عدم تکمیل کس ہے کہ حیوانات کی تلاش ایل سے ابتداء تک یکسان ہے اور انسان نے اس بار میں ابتدائی نسل کی نسبت آج تک بہت ترقی کر لی ہے۔ ابتدائے آفرینش کے انسان محض حیوانوں کی طرح نشو و نما پاتے تھے اور تدریجاً دسترخوان پر جو الوان نعمت اس غرض کے لیے چنے گئے تھے بے سمجھی و جھجھان سے کام لیتے تھے مگر آج کا انسان بہت سے قواعد حصول معیشت، حفظ صحت، آفرینش نسل اور ترقی قوم کے ذریعہ کر چکا ہے اور بڑی حد تک سمجھ گیا ہے کہ کیونکر نشو و نما میں ترقی ہو سکتی ہے اور کن اسباب سے اس میں نقص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح ہوک پیاس اگرچہ کچھ کمالی خاصہ ہے مگر انسان نے اپنی ترقی سے بہت کچھ ہوک پیاس بٹھانے کے وسائل اور کم ہونیکے اسباب دریافت کر لئے ہیں »

یہ تو ان جذبات فطرت کی حالت تھی جو انسان میں نباتیت اور حیوانیت کے درجہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں اب ان جذبات کو دیکھا جائے جو فطرت نے خاص انسان کیلئے پیدا کئے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام جذبات نہایت ہی ضعیف اور نامحسوس حالت میں پیدا کئے گئے ہیں اور کمال سب کا آہستہ آہستہ ہی غلبہ یوں کے بعد ہوا ہے مثلاً صداقت، شجاعت، عدالت، رحم، ہمدردی، نفاست اور خود غفل اور ترقی سب فطری خواص ہیں مگر ابتداء سے اب تک انہیں سینکڑوں تغیر اور ان کے معنوم میں کئی طرح کے اختلاف پیدا ہوتے آئے ہیں۔ وحشت کے زمانے میں اپنے دشمن کو پا مال کرتے ہوئے ضعیفوں، پاجون، عورتوں اور بچوں تک کو سیرینغ تہ تیغ کیا جاتا تھا اور بیکسوں کی فریاد و زاری اور آہ و بکا پر ترس نہ کھانے کی تعریف

ہوتی تھی اور اس وصف کو شجاعت اور بہالت کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا اور کوئی شخص کیسا ہی ظلم و ستم کرنے کا عادی ہو لیکن جب کسی طیسے آدمی کے پاس آکر ڈلے کے ساتھ پناہ مانگے تو حمایت کو فرض سمجھا جاتا تھا اور اگر اتفاق سے وہ شخص پناہ دینے والے کے دشمنوں پر کوئی مصیبت ڈال کر آیا ہے تو اسکی طرف داری اور بھی امر لازم اور فرض اتم مانی جاتی تھی اور ایسے پناہ مانگنے والی کی حمایت کو ہمدردی و رحم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ یا ایک زمانے میں دشمن سے مغلوب ہو جانے پر اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد اور وفادار عورتوں کو قتل اور جا لوزون کو نایمیا کر دیا جاتا تھا اور مال و اسباب کو جلا دیتے تھے اور پھر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس فعل کو مقتضائے شرافت و غیرت اور دشمن سے ایک طرح کا انتقام سمجھا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا جوٹ اور فریب سے احتراز محض اپنے دوستوں کیساتھ ضرور تھا اور دشمنوں سے اس قسم کا سلوک جائز بلکہ بعض اوقات واجب سمجھا جاتا تھا۔ غرض یہ اور اس قسم کی ہزاروں غلطیاں تہمین جوان اوصاف حسنہ کی حقیقت سمجھنے میں کی جاتی تہمین اور بتدریج اور زمانے کا نامعلوم عرصہ گزرنے کے بعد اخلاق حسنہ کی وہ تعریف و تحدید ہوئی ہے جو آجکل بالعموم تسلیم کی جاتی ہے ۔

مشہر مل ایک موقع پر صداقت و ہمدردی وغیرہ چند اوصاف کا ذکر کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا کمال بہت کچھ تربیت پر منحصر ہے اور آگے چل کر تسلیم کرتے ہیں کہ ان اوصاف کا تختم انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اس اظہار سے اس مقام پر جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ وہاں ہوا غلط گریہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہی مل جو مذہب کو داخل فطرت ماننے سے انکار کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ مشروع سے مکمل نہیں بلکہ بہت سی غلطیوں کے بعد اس حالت تک آیا ہے وہ بہت سے دیگر خواص کو تربیت کا محتاج اور بالابینہ فطری تسلیم کرتا ہے اور جب بعینہ ہی حال مذہب کا ہے کہ اس کا کمال اگرچہ تربیت سے ہوا مگر بالکل حالت میں موجود وحشیوں میں بھی تھا اور نیز بعینہ یہی شکل عقل اور خامد ترقی کی ہے پس عقل ترقی اور دیگر تمام خواص کے تختم داخل فطرت انسانی ہونے کے بعد اس سے انکار نہ نہیں ہو سکتا کہ مذہب کا تختم بھی اسی طرح داخل فطرت ہو۔

بعضی میں مذہب
منعرا ہیں۔

اسی مضمون پر پٹر میل[†] سٹر بیڈن[‡] اور شہور فلاسفر ڈارون[§] چند خوشی اقوام کو پیش کرتے ہیں جو مذہب سے بالکل منعرا ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب فطرت انسانی میں داخل نہیں ورنہ یہ تو بین انسان ہو کر اس سے غالی نہ ہوتیں۔ مگر ایک تو سٹر تھیوڈوس[¶] و س پارکر اس کے جواب میں سجا کہتے ہیں کہ :-

” ایسے سیاح (جو لا مذہب اقوام کا پتہ دیتے ہیں) اکثر غلطی کرتے ہیں۔ وہ جس قوم کا ذکر کرتے ہیں اُس کے اطوار و رسوم سے کما حقہ واقف نہیں ہوتے اور برسرِ سری معاینہ سے حکم لگا دیتے ہیں اور اس کے سوا انکا تعصب ہی اکثر اندھا کر دیتا ہے وہ باقاعدہ عبادت مذہبی اصول و فروع مذہبی مقتدا عبادت خانے اور مذہبی رسوم و قواعد تلاش کرتے ہیں حالانکہ مذہبی احساس کا ایک وجہ ایسا بھی ہے جس میں یہ علامات بالکل نہیں ہوتیں اور تاہم مذہب موجود ہوتا ہے۔ سیاح لوگ عبادت کے موجودہ قاعدے نہیں دیکھتے تو سرے سے عبادت کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اُس قوم میں مذہبی احساس کو ہی معدوم مان لیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ایسی قوم کو دیکھے جس میں کہا نا پکانے کی کوئی علامت اور اس قسم کا سامان موجود نہ ہو تو اس میں ثبوت کیا یہ نتیجہ نکالنا عقلمندی ہو گا؟ کہ وہ لوگ سرے سے کھاتے پیتے ہی نہیں اسی قسم کی شہادتِ سمجھت پرست قدیم عیسائیوں کو لا مذہب کہہ دیا کرتے تھے اور بعد میں عیسائی بت پرستوں کو کہنے لگے۔ “

اور دوسرے ایسی شہادت کو نامزد اور ایسی اقوام کا وجود تسلیم کرنے کے بعد جو مذہب سے بالکل منعرا ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور فطری خاصہ ایسا نہیں ہے جس سے کوئی قوم منعرا ہو کر کیسا ترقی اور عقل انسان کا فطری خاصہ نہیں ہے؟ کیونکہ آہستہ آہستہ دنیا کی اکثر قوموں نے لاپتہ ترقی کی

† ایسے ۷ ص ۱۵۴

‡ فری تھنکرز گٹ بک صفحہ ۹۹

§ ڈیسنٹ آف مین باب سوم۔

¶ کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرنسنگ ٹریبلین باب ص ۱۵۴

ہے اور جبکہ بعض قومیں ترقی کی ایک حد تک پہنچ کر پھر اس دائرہ کے دوسری توسیع یعنی منتزل کے سرستہ پر بھی ہولی ہیں اسی مختصر زمین کے آبا و اجداد میں اکثر قومیں موجود ہیں جنہوں نے حیوانیت کو ایک ایسے بصر بھی ترقی نہیں کی۔ وہی جنگل کی خود رو گھاس پات پر گزارہ ہے اور وہی صحرائی جھاڑیوں میں بسیر ہے اور اسی لیے انکا نام شہین یعنی جھاڑیوں میں رہنے والے انسان رکھا جاتا ہے۔ پس جبکہ مذہب فطری نہیں ہے اس لیے کہ وہ بعض قوموں میں پایا نہیں جاتا تو ترقی اور عقل بھی انسانی فطرت میں داخل ہوگی کیونکہ یہ بھی اکثر قوموں میں اب تک معدوم ہے۔ مگر ترقی کو غیر فطری مانو سے تو یہاں تک گریز ہے کہ جب مسٹر ڈارون پر اعتراض ہوا کہ انسان ترقی کرنیوالی مخلوق ہے اور حیوانات ترقی نہیں کرتے اور نیز انسان پابند مذہب ہے اور حیوانات نہیں ہیں اس لیے انکا دعویٰ کہ دونوں ایک نسل سے ہیں غلط ہوگا تو انہوں نے مذہب کو انسانی فطرت سے نہایت کٹاؤ پیشانی کے ساتھ نصرت کر دیا مگر ترقی سے اسے محروم نہ کر سکے بلکہ نہایت کمیک تاہیوں سے حیوانات کو بھی قابل ترقی ثابت کرنے میں مصروف ہو گئے ۴۱ اور حق یہ ہے کہ بعض قوموں میں ترقی

مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کسی جنگل میں زیادہ شکار کیا جائے تو وہ ان کے جاور دوسروں کی نسبت زیادہ ہوشیار ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ یہ دلیل اگر ثابت کرتی ہے تو صرف اس قدر کہ انہیں قوت استدلال ہے اور ترقی اگر ہوتی تو اسکی صورت یہ ہونی چاہئے تھی کہ ایک نسل کے بعد ہوشیار ہوتی تو دوسری نسل اس سے ترقی کر کے گریز کی کوئی اور سیل ایجاد کرتی اور دوسری نسل بجائے گریز کے مقاومت کی سیل نکالتی۔ حالانکہ یہاں یہ کیفیت نہیں بلکہ مصیبت کے وقت جس قسم کی ہوشیاری وہ ظاہر کیا کرتے ہیں اس کی نوعیت قرنین اور صدیان گذر جانے پر گرج تک ہی ایک ہے۔ یا مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کتے جو بھڑیا اور گھبراہٹ کی ترقی یافتہ نسل ہے اس نے گیدڑ اور بھڑیے سے حتیٰ اور شک اور کمزیر کی کرلی ہے اور محبت اعتماد اور طناری میں بڑھ گیا ہے۔ گوتہ دلیل بعینہ اپنے دعوے کو ثبوت میں پیش کر دینا ہے کیونکہ ترقی کی یہ مثال اسی شخص کو تسلیم ہوگی جو پہلے ان کے دعوے پر یقین کرے کہ حیوانات ایک دوسرے سے بنے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک احتمال ہے

لاحظہ ہو ڈی سنٹ آف مین باب سوم

اور عقل نہ ہونے سے یا مذہب کا نشان نہ ملنے سے ان اوصاف کو خارج فطرت نہیں کہہ سکتے اور محاکمہ
سپینسر کا فیصلہ اس بار میں بہت مناسب ہے:-

”بعض قوموں کا مذہب رکنا خلاف فطرت ہو نیکو ثابت نہیں کہ ایک کو ایک خاص وجود ذات
کا مطلوب ہے جس کے بعد مذہب پیدا ہوا کرتا ہے..... مذہب یا تو براہ راست خدا
پیدا کیا ہے یا اور اوصاف انسانی کی طرح خاص حالت انسانی میں پیدا ہوا کہ تہہ بہ تہہ بڑھتا
گیا ہے اور ہر طرح قابل تنظیم ہے۔“

اگر شخص حاصل مذہب
ہو سکتے ہیں۔

منکرین خدا تر دین مذہب کے لئے اپنے وجود کو بھی ایک دلیل گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں
انسان لا مذہب اور وہ یہ موجود ہیں پس اگر حسیہ فطری ہوتی تو اس قدر آتش ناموجود ہوتے
لیکن اس عذر کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہو سکتا ہے جس سے مذکورہ بالا اعتراضوں کو حل کیا گیا ہے
یعنی دیگر جو اس فطرت کا مطالعہ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قوم پر عرصہ دراز تک بیرونی اور باطنی
کا تسلط رہنے اور مدت تک ان کے خلاف جدوجہد کرنے پر ناکامی اٹھانے سے اور ان کے
ظلموں کو برداشت کرتے کرتے اس حالت کے ہو گئے جو جانے سوائے تو م کی شرافت و صداقت اور بہت
سے اوصاف حسنہ تباہ ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ گیند پن، مکر و فریب، روغلوئی اور دیگر ذلیل طبیعت
نمائینہ کر اس قوم کی قومیت کو برباد کر دیتے ہیں یا کوئی قوم کچھ مدت دولت و اقبال سے بہرہ ور اور
برتری اور حکومت کے نشہ میں سرشار رہنے سے اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ و مقابلہ کا مرقع
پیش آنے سے محنت کشی اور شجاعت کے جوہر سے تہید دست اور بزدلی اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی
ہے یا کچھ تہذیب و تربیت کے بے بہرہ رہنے پر عدالت اور رحم بلکہ عقل اور ترقی کی سبھی آہٹا جاتی
ہے اور عظیم ناخدا اسی اور جمالت کو اپنا شعار بنالیتی ہے اور ایسی حالتوں میں وہ لوگ ان اوصاف حسنہ
سے ایسے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ جب اس قوم کی خوش قسمتی سے ہر کچھ سبب ان کو تہذیب دینے والے
پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ عقل مشور اور دیگر کمالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو شروع شروع میں
بلکہ بعض اوقات بہت عرصہ تک وہ لوگ ایسے رہتاؤں اور ناصحوں کو دشمن اور راتمی ہائیون کو اپنے

۱۸۵۰ء
۱۸۵۱ء
۱۸۵۲ء
۱۸۵۳ء
۱۸۵۴ء
۱۸۵۵ء
۱۸۵۶ء
۱۸۵۷ء
۱۸۵۸ء
۱۸۵۹ء
۱۸۶۰ء
۱۸۶۱ء
۱۸۶۲ء
۱۸۶۳ء
۱۸۶۴ء
۱۸۶۵ء
۱۸۶۶ء
۱۸۶۷ء
۱۸۶۸ء
۱۸۶۹ء
۱۸۷۰ء
۱۸۷۱ء
۱۸۷۲ء
۱۸۷۳ء
۱۸۷۴ء
۱۸۷۵ء
۱۸۷۶ء
۱۸۷۷ء
۱۸۷۸ء
۱۸۷۹ء
۱۸۸۰ء
۱۸۸۱ء
۱۸۸۲ء
۱۸۸۳ء
۱۸۸۴ء
۱۸۸۵ء
۱۸۸۶ء
۱۸۸۷ء
۱۸۸۸ء
۱۸۸۹ء
۱۸۹۰ء
۱۸۹۱ء
۱۸۹۲ء
۱۸۹۳ء
۱۸۹۴ء
۱۸۹۵ء
۱۸۹۶ء
۱۸۹۷ء
۱۸۹۸ء
۱۸۹۹ء
۱۹۰۰ء
۱۹۰۱ء
۱۹۰۲ء
۱۹۰۳ء
۱۹۰۴ء
۱۹۰۵ء
۱۹۰۶ء
۱۹۰۷ء
۱۹۰۸ء
۱۹۰۹ء
۱۹۱۰ء
۱۹۱۱ء
۱۹۱۲ء
۱۹۱۳ء
۱۹۱۴ء
۱۹۱۵ء
۱۹۱۶ء
۱۹۱۷ء
۱۹۱۸ء
۱۹۱۹ء
۱۹۲۰ء
۱۹۲۱ء
۱۹۲۲ء
۱۹۲۳ء
۱۹۲۴ء
۱۹۲۵ء
۱۹۲۶ء
۱۹۲۷ء
۱۹۲۸ء
۱۹۲۹ء
۱۹۳۰ء
۱۹۳۱ء
۱۹۳۲ء
۱۹۳۳ء
۱۹۳۴ء
۱۹۳۵ء
۱۹۳۶ء
۱۹۳۷ء
۱۹۳۸ء
۱۹۳۹ء
۱۹۴۰ء
۱۹۴۱ء
۱۹۴۲ء
۱۹۴۳ء
۱۹۴۴ء
۱۹۴۵ء
۱۹۴۶ء
۱۹۴۷ء
۱۹۴۸ء
۱۹۴۹ء
۱۹۵۰ء
۱۹۵۱ء
۱۹۵۲ء
۱۹۵۳ء
۱۹۵۴ء
۱۹۵۵ء
۱۹۵۶ء
۱۹۵۷ء
۱۹۵۸ء
۱۹۵۹ء
۱۹۶۰ء
۱۹۶۱ء
۱۹۶۲ء
۱۹۶۳ء
۱۹۶۴ء
۱۹۶۵ء
۱۹۶۶ء
۱۹۶۷ء
۱۹۶۸ء
۱۹۶۹ء
۱۹۷۰ء
۱۹۷۱ء
۱۹۷۲ء
۱۹۷۳ء
۱۹۷۴ء
۱۹۷۵ء
۱۹۷۶ء
۱۹۷۷ء
۱۹۷۸ء
۱۹۷۹ء
۱۹۸۰ء
۱۹۸۱ء
۱۹۸۲ء
۱۹۸۳ء
۱۹۸۴ء
۱۹۸۵ء
۱۹۸۶ء
۱۹۸۷ء
۱۹۸۸ء
۱۹۸۹ء
۱۹۹۰ء
۱۹۹۱ء
۱۹۹۲ء
۱۹۹۳ء
۱۹۹۴ء
۱۹۹۵ء
۱۹۹۶ء
۱۹۹۷ء
۱۹۹۸ء
۱۹۹۹ء
۲۰۰۰ء
۲۰۰۱ء
۲۰۰۲ء
۲۰۰۳ء
۲۰۰۴ء
۲۰۰۵ء
۲۰۰۶ء
۲۰۰۷ء
۲۰۰۸ء
۲۰۰۹ء
۲۰۱۰ء
۲۰۱۱ء
۲۰۱۲ء
۲۰۱۳ء
۲۰۱۴ء
۲۰۱۵ء
۲۰۱۶ء
۲۰۱۷ء
۲۰۱۸ء
۲۰۱۹ء
۲۰۲۰ء
۲۰۲۱ء
۲۰۲۲ء
۲۰۲۳ء
۲۰۲۴ء
۲۰۲۵ء
۲۰۲۶ء
۲۰۲۷ء
۲۰۲۸ء
۲۰۲۹ء
۲۰۳۰ء

حق میں سم قائل سمجھ کر ان سے برسرِ پُناش رہتے ہیں اور جب تک ہر طرح سے مجبور نہیں ہوتے یا تو تک
دیگر صاحبانِ کمال کی لطیف اور اس کے نوایا کا کثرت کے ساتھ تجربہ نہیں کرتے اپنی خلافِ فطرت عادت
و خصائل سے باز نہیں آتے مگر کیا نردن اور تھوکت کے اس قسم کے آثار دیکھ کر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے
کہ صداقت و رحم و شجاعت و عدل اور اس سے بڑھ کر عقل اور ترقی وغیرہ جذبات انسانی فطرت میں داخل
نہیں ورنہ وہ تربیت کے اثر سے زایل نہ ہوتے۔

تربیت کا اثر اور نیز
اشخاصی قانون
قدرت ہے۔

حق یہ ہے کہ جہانِ انسان کے اندر اور بہت سی خواص فطرت و ولایت میں وہاں ایک خاص
انہجیت اور تربیت پزیری ہی ہے اور نیز خواص فطرت جہاں اکثر میں پائی جاتے ہیں وہاں بعض
میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے اور اس قسم کا استثنائاً شخصی اور قومی ہر طرح کے خواص میں پایا
جاتا ہے۔ قوتِ جبلت اور گویائی وغیرہ فطری قوتیں ہیں مگر بعض انسان ماورِ زامہ اور گونگے
پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جذبہ اذیظ قوموں میں بعض اشخاص محض کودن اور ناقابلِ تعلیم تکمیل تسمین
اور بعض قومیں سب کی سب کسی خاص جذبہ فطری سے محروم پائی جاتی ہیں۔ بعض دماغی قوتوں
سے عاری ہوتی ہیں تو بعض قلبی ملکات سے حصہ نہیں رکھتیں پس یہی تربیت اور استثنائاً عام قانون
مذہب یا بھی حاوی ہے اور جس طرح بعض اشخاص نامر یا بعض قومیں ناقابلِ ترقی نکل آتی ہیں اسی طرح
بعض لوگ مذہبی احساس سے بے بہرہ پائے جاتے ہیں اور جس طرح گرد و پیش کے حالات سے
بعض آدمی اپنی جبلت اور دیگر قوتوں کو زائل کر دیتے ہیں یا بعض قومیں ترقی سے منکر کی طرح
آجاتی ہیں اسی طرح کسی زمانہ میں خاص جسمانی اور ادبی تعلیم کا زور رہنے اور روحانی تاریکی اور چلت
پیدا ہو جیسے مذہبی جذبہ مرہ ہو کہ تمام فضائل و ہریت کی جو اچھیل جاتی ہے مگر جب عقل ترقی
کے زایل ہونے پر اس کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں کیا جاتا تو انصاف کے رستے
مذہب کو خارج فطرت یا انکتسابی کہنا ہی روانہ ہوگا۔

لامذہبی یا کٹر کسی
دوسری طرح کا مذہب
رکھتے ہیں۔

اور دوسرے اگرچہ محض مادی تعلیم اور دنیوی تغل کے سبب بلاشبہ مذہبی جذبہ بہت
کچھ دب جاتا ہے اور لوگ کثرتِ مادی پرست اور دہریہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے

توجہالت کی اشاعت سے جس قدر عقل اور ترقی پر زوال آتا ہے اوتیہ کی تعلیم سے مذہب کو اس قدر نقصان نہیں پہنچتا اور جس مبالغہ سے لادیموں کی تعار و بیان کیجاتی ہے حقیقت میں ان کے اعداد و شمار اس سے بہت کم ہیں مذہب کی تعریف جو مٹر پار کرنے کی ہے یعنی ”مذہب خدا کے ان اندرونی اور بیرونی قوانین کی اطاعت کا نام ہے جو اس نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں اور جو مختلف طریقوں سے عقل حیوانی، عقل انسانی، ضمیر اور مذہبی جذبہ کی وساطت سے ظاہر ہوتے ہیں“۔

مذہب کی تعریف

یہ تعریف تو ایسی عام ہے کہ غالباً دنیا کا ہر ایک کام اس کے روستے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے مگر جو تعریفیں اس سے خاص اور مذہب کو نمایاں طور پر تعبیر کرنے والی بیان کی گئی ہیں مثلاً فریج کا قول ہے کہ ”مذہب دنیا کی اخلاقی سلطنت پر عطا رکھنا ہے“۔ یا فلاطون کی رائے میں ”مذہب اپنی استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا کا نام ہے“۔ یا پروفیسر ولیم جیمس ایل ایل ڈی اپنی بے نظیر کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جائیں جو سب میں پائے جاتے ہوں تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک ناویدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کی سب سے فائق بھلائی اپنے تئیں اس کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کو بتاتا ہے پس یہی یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے“۔ ان تعریفوں سے جن مذہب کا پتہ لگتا ہے اس سے نا آشنا کسی شخص دنیا میں بہت ہی کم ہوں گے یا کم از کم عقل و ترقی سے محروم رہنے والوں کی تعداد ضرور ایسے لوگوں سے زیادہ ہوگی کیونکہ اخلاقی گورنمنٹ یا ناویدہ نظام کا یقین اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ایک تو یہ صورت ہے کہ کسی خاص سنتی کو معبود ٹھہرا کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس حالت کو علانیہ مذہب کے نام سے نکالیں اور دوسری صورت یہ

۱۔ اے ڈسکور میں آت میٹرز پر سینٹ گٹ ڈویلپمنٹس باب چہارم ص ۱۸۱-۱۸۰

۲۔ ایضاً ص ۲۵

۳۔ کتاب ورلڈ میٹاز آف دی ریلیجیئس ایکسپیریئنس لیکچر نمبر ۱ ص ۱۹۰

بھی ہے کہ کسی قسم کے اسباب سے معبود خدا اور مذہب کے نام سے چربین اور مذہب کا اقرار کرنے والوں کے مقرر کردہ اطوار سے جسکو عبادت کہا جاتا ہے نفرت کریں مگر دوسرے نام اور دوسرے طریقوں سے کسی خاص مدعا کو اسی عظمت اور انتہام شان کا خدا بنائیں جو پابندان مذہب معبود کیلئے قرار دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے کی اور اسکو شامت دینے کی پوری ہی کوشش کریں جیسی مذہب والے اپنے اعتقاد کیلئے کرتے ہیں کہ اس صورت میں ہی وہی ناویدہ نظام کی کشش ہے جو کسی خاص تربیت کے باب دوسری شکل میں جلوہ گر ہوئی ہے اور ایسے لوگ جو ان دونوں صورتوں سے بے بہرہ ہوں بہت کم ہوں گے۔ وہ لوگ جو ٹیملہ پیٹنس سوسائٹی (فرقہ مانع مسکرت) یا ویجیٹاریئن سوسائٹی (فرقہ نبات خوار) وغیرہ ماسون سے اپنا ایک خاص مدعا قرار دیتے ہیں اور اس کے سب سے زیادہ اچھا اور مفید جان کرات دن ہی خیال میں محور ہتے ہیں اور اسکی اشاعت کے لیے جنگل اور پہاڑ کاٹ کر ملکوں ملکوں چکر لگاتے ہیں، اسکی منادی کرتے ہیں، اسکی تعریف و توصیف کے لکچر دیتے ہیں اور بھجن گاتے ہیں اگرچہ وہ مذہب کا نام اپنے لئے گوارا نہیں کرتے مگر مذہب ہی سوسائٹی ہے اور اگرچہ کسی کو اپنا مذہب نہیں کہتے مگر معبود نہ ہی نصب العین ہے ایک شتیاق ہے جان کے دل کو بغیر کیئے ہوئے ہے اور ایک کشش ہے جو ان کے قلب جگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے کسی نے قابل تعظیم مہتی کو تلاش کیا اور رنجرت بہترین اُس کا جلوہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑا تو کون نے کہا مذہبی دیوانہ ہے تو کسی اور نے اُس سے سب سے اچھے کو ڈھونڈا ترک مسکرت میں خوبی نظر آئی اسکے پیچھے سرگردان پھرنے لگا اسے مذہبی دیوانہ نہ کہو یا ٹیٹی کا دل دادہ کہو مگر دونوں میں فرق کچھ نہیں۔ کھانے کی خواہش فطری ہے مگر تند رست کو وہی خواہش الوان نعمت اور لذت غذاؤں کی طرف کھینچتی ہے اور ایک قسم کے بیا میں وہی خواہش مٹی کھانے کی ترغیب دیتی ہے ایسا ہی مرض یہاں کام کر رہا ہے کہ فطری جذبہ مطلوب کی طرف کھینچتا ہے لیکن یہ دیوانے اُس تک پہنچ نہیں سکتے اور انیت پنچر یا وہم و خیال کے پیچھے پھرنے لگتے ہیں۔ مٹی کھانیوالا اور پنچر یا خیال کو پوجنے والا قابلِ رحم دونوں میں مگر فطری جذبہ سے محروم نہیں ہیں۔

مگر انوس ہے کہ بیمار ہے مگر ہستی کا اشتیاق اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن نظر ضعیف ہے کھینچنے والے کو نہیں دیکھتا اور اس دُنیوی خوبی اور دُنیوی علم کو جو حقیقت میں کھینچنے والے کی رسیاں اور خاتمک پہنچے کا ذریعہ ہیں بعدینہ کھینچنے والا سمجھ لیتا ہے اور سلتے جو لوگ ان سیکوں پر کسی اور کو دیکھ رہے ہیں ان پر غافرتا ہے اور ان کے خیال سے نفرت کرتا ہے۔ سچہ بیماری میں کسی ایسی چیز کیلئے مند کرتا ہے جو طبیب اس کی واسطے مضر بتاتا ہے۔ سرپرست سچا اس چیز کے کوئی مفید اور صحت بخش غذا کھلانے لگتے ہیں سچے غصہ میں اگر لات مارتا ہے اور مفید چیز کو منک کر دیتا ہے یہی کیفیت اس غریب کی ہے صرف حسن اخلاق اور دُنیوی علوم کو مخرج کمال سمجھتا تھا اور مذہب اس سے گذر کر اور مدعا کی طرف بھی لیجانا چاہتا تھا۔ سچوں کی طرح غصہ اگیا اور حقیقی مدعا سے نفرت ظاہر کرنے لگا لیکن جس طرح سچے صحت کی خواہش رکھتا ہے گو اسے نہیں سمجھتا اور صحت بخش چیز کو نہیں پہچانتا اسی طرح اس کے دل میں کامل خوبی حاصل کرنے کی خواہش ہے مگر بیماری کے سبب کامل خوبی تک پہنچانے والے مذہب سے بیزار ہوتا ہے۔

پروفیسر جیمس اس شخص کا قول نقل کرتے ہوئے سچا فرماتے ہیں کہ

”اس آدمی کی دلی حالت کو بکثرت وہ پیشانی مذہب کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تمام شیا کی غفلت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں باقاعدگی اور میلان ہے اور اپنے تئیں وفاداری کے ساتھ ایک نئی قلبی نصب العین سے وابستہ کرتا ہے۔“

ہمارے داستانِ دہریت کے ہیر و مشر و ٹیلا مذہب کے بڑے بیماری مخالف ہیں اور اسکو اپنے خیال میں گویا بڑی بُری قسم کا جنون سمجھتے ہیں جس میں دنیا کا بڑا حصہ مبتلا ہے اور ایک رو یا ”ایک ارب تیس کروڑ انسانوں میں سے صرف چند ملین“ ان کے ہم خیال اس مرض سے بری اور تندرست ہیں۔ مگر مجھے وہ بھی اسی مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک عجیب خیال ہے مگر ان کا وہ جوش و جان کو تو دید مذہب میں محو کیے ہوئے ہے اور وہ تصانیف اور مباحثوں کا سلسلہ جو پابند ان مذہب کے خلاف نہایت کوشش سے جاری

دیکھو مذہب کی کشتی
چنار اور ٹوٹنے۔

رکھا گیا ہے + یہ خود ایک مذہب ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پاک اور سب سے زیادہ لائقِ اعتراف اور قابلِ اعتقاد سمجھتے ہیں۔ خدا یا کوئی دیندار ان کا معبود نہیں مگر مذہب کی ترویج کے لئے خود ایک معبود بنکر ان کے دل پر قبضہ کیئے ہوئے ہے۔ وہ معبود کے آگے سجدہ نہیں کرتے مثنیٰ نہیں اتنے گراں کی خدمت میں انکی تمام عمر صرف ہوئی ہے۔ پس یہی جذبہ دل میں قائم ہونے کے لحاظ سے ان کو مرضِ کمنا انکے اپنی خیال کو ظاہر کرنے کے لئے وہ اس لحاظ سے میرے نزدیک تندرست ہیں البتہ دوسری حیثیت سے وہ بیشک بیمار بلکہ مہلک مرض میں گرفتار ہیں کی تلاش میں تھے نوشدارو کے اور دھوکہ میں کھائے زہر صلاصل اور وہی دوسرے دن کو نوشدارو سمجھ کر کھانا چاہتے ہیں۔

میانِ آداب خیالی کے دوسرے شہسوار سٹر میل مذہب کے داخلِ فطرت ہونے سے کانون پر ہاتھ دھرتے ہیں بلکہ اس طریق پر خدا کا ثبوت دینے کو اُن سناٹا بیٹا یعنی غیرِ عالمانہ بتاتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس فطری کشش نے اُن کے دل و دماغ کو نو پر قبضہ کیا ہوا ہے

+ ترویجِ مذہب میں مفصل ذیل حصہ پر سٹر میل کی تصانیف اور باجانات میں آزاد خیالی انکارِ قصہ آدم و حوا کا خدا، مذہبِ عیسوی کیا سمجھا ہے، خدا انسان اور بائبل، اتحاد کے خلاق اور خالق، خدا کا خالق اور اخلاقی حاکم، ہماری نبیلین کب کبھی گئیں، کیا انسان میں روح ہے، انکارِ خدا اور اعتقادِ خدا کے ساتھ عیسائیت کا تعلق، کیا خدا کی عبادت کرنا عقلمندی ہے۔

میں یہ فری تھاک پبلشنگ کمپنی کی فہرستِ کتب تسل کرتا ہوں ورنہ مجھے اُن کی صرف پہلی کتاب دیکھنے کی عزت حاصل ہوتی ہے اور اسی ایک میں انہوں نے اپنی نزدیک مذہب کا تسلسلہ لگانا نہیں چھوڑا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان مضمون سے انھیں کامِ عشق ہے لیکن جن دلیل سے سٹر میل کا کہنا ہے مذہب کہتا ہوں اسی دلیل سے اس نئی فٹنٹ پبلشنگ کمپنی اپنی آزاد خیالی کی اشاعت کر رہی ہے جو مذہب کو ہی مذہب کے دائرہ میں متبہ سمجھتا ہوں کیونکہ وہ ہی ایک حاکمِ علیٰ نفسی فروع مجھ کو اپنی کتابوں اور اخباروں کی وساطت سے اسکی اشاعت میں سہمہ گرم ہے۔

دماغ پر اس خیال کا قبضہ یوں ثابت ہوتا ہے کہ مزید مذہب کی تین کوششوں یعنی ان کے تین کچھروں میں سے ایک کچھر محض فطرت اور اس کے آثار و احکام کی تحقیق سے مخصوص ہے جس سے جو مان سک میں سمجھ سکا ہوں یہ مطلب ہے کہ انسان کو عقل و کبر فطرت پر حاکم اور اپنی ضرورتوں کے مطابق اس سے کام لینے والا بنایا گیا ہے پس جو فطرت کا قانون یا مذہب معلوم ہو اس کا اثر نہیں بنو چکا کہ ہمیشہ انکی اطاعت کی جائے بلکہ کہیں ترمیم اور کہیں تنسیخ کا عمل جاری کر کے ہمیشہ اپنا مطلب نکالنا چاہئے۔ یہ تاثر کوشش اسی لئے ہے کہ مذہب کے فطری ہونے کو وہ کچھ نہ کچھ زور دے رہے تھے ہیں اور اس لئے پیچیدگی پیدا کرنی چاہتے ہیں کہ مذہب اگر فطرت میں ہو تب بھی ضرورت نہیں کہ اس کی پابندی کی جائے۔ اور ان کے دل پر اثر ہونے کی کیفیت ہے کہ خود ایک مذہب کا بننا چاہتے ہیں اور دیکھیں ان آف ہیو مینٹیٹی یعنی مذہب انسانیت کے نام سے ایک نیا مذہب بنانے کی ترغیب دیتے ہیں حسین بہائے خدا کو ماننے کے نوع انسان کی ہمدردی کو مقصد اعلیٰ قرار دیا جائے۔ بات وہی ہے کہ سب سے اعلیٰ ہستی اور سب سے اعلیٰ فائدے کی تلاش ان میں موجود ہے مگر فطرت و نیا تک محدود ہے یہیں کی اعلیٰ ہستی یعنی انسان کو مسبود گردانتے ہیں اور یہیں کے اعلیٰ فائدوں یعنی اخلاق حسنہ کو معراج کمال سمجھتے ہیں اور یہ وہی مرض ہے جس سے بنی اہل میل کی اشتہار میں سلوی کو چھوڑ کر جنگلی گھاس پات اور ہن پیاؤ کی طرف مبذول ہو گئی تھی یا کوئی بیمار مفید غذا کو چھوڑ کر مٹی پھانکنے لگتا ہے۔

مشرقی لکھتے ہیں کہ رومۃ الکلب کے مالک کوئی نسلون تک اہل ملک کے لئے مذہب بنانا تھا بعینہ جیسا کہ یہود و (خدا) یہودیوں کے لئے۔ نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ وہ کہیں اپنے ملک کی پیش سے نہیں اکتائے جیسے یہودی اپنے خدا کی عبادت سے سرتابی کرتے رہے ہیں؟ اس واقعہ سے جو نتیجہ نکالتے ہیں (یعنی عیسوی فریض کی پابندی خدا پر ایمان لانے کے بغیر بھی ملک یا نوع انسانی کو دعائے اعلیٰ بنانے سے ہو سکتی ہے اس لئے خدا کی ضرورت نہیں) اس کو ماننے کیلئے اگرچہ میں آمادہ نہیں ہوں کیونکہ اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے

پہلے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ خدا کو ماننے کی اگر ضرورت ہے تو صرف دنیا میں اخلاق و عبادات کی اصلاح اور انتظام عالم کی بہتری کی واسطے ہے حالانکہ جیسا اپنے موقع پر بیان ہوگا حقیقی ضرورت کچھ آگے ہے اور دنیوی تہلکام اسکا دوسرے درجہ کا نتیجہ ہے اور وہ یہی جیسا کچھ ہر ناجاہل شخص خدا کو ماننے کے بغیر نہیں جو سکتا لگوس مجتہد کو اپنے موقع مناسب کیلئے ملتوی چھوڑ کر نہ مستحق استحقاق کسی واقعہ سے ہر ایک شخص کا نتیجہ نکالنے کا ہے اسے ہاتھ میں لیکر رومۃ الکبر کے ہر واقعہ سے ہم نتیجہ ضرور نکال سکتے ہیں اور مشرمل کو دکھا سکتے ہیں کہ جس فطرت کا آپ انکار کرتے ہیں یہی کاجلوہ ہے اور وہی کشش جو صاحب کشف کو ناویدہ خدا نے لایزال کی طرف اور وحشی کو اینٹ پتھر کی طرف کھینچتی ہے وہ عقل و غرور کے دھو داروں سے جو محض دنیوی مفاد کو معراج کمال سمجھتے ہیں ملک یا نبی فوج کے آگے سجدہ کروا رہی ہے اور چلے ہے کسی رنگ میں ہو چھپا کر کسی کا نہیں چھوڑتی۔

غرض مذہب جو محض بریگانہ دہی لوگ رہتے ہیں جن کو ابتداء سے دنیوی تعلیم اور حسابی خیالات میں نہ ہلکا رکھا گیا ہو اور تمام عمر اسی قسم کے کاروبار میں سرتاپا غرق رہیں ^۴ اور یہ لوگ جیسا کہ ^۴ اور ایسے لوگوں کے دنیوی اہلکار کو یہاں سے اور ہمارے ہاں کی عیش پرستی اور سیاری کے توکل کو جو مذہب کے مرکز خطاب ہے مٹا کر نہیں کر سکتا حالانکہ وہ بھی اپنے میں لگے رہتے ہیں تو پہلے کہ وہ پہلے بھی ایک خاصہ ہو سکتا ہے وہ اسے دل سے چاہتے ہیں کہ اگر لوگ انکو بحیال جو بائیں اداس لڑوہ اپنی خیال کی اشاعت میں ہی اوس معترف ہیں اور اسکی بھلائی اور اسکو ترک کر نیکی برائیوں کو گون پر ظاہر کرتے رہتے ہیں اور مذہب کو اور مذہب کی اشاعت کو سب واسطے قبولی سمجھتے ہیں اور یہ وصف حیا شون اور ہمارے ہاں شون میں نہیں ہوتا بلکہ انصاف کے رو سے وہ عموماً اپنی طرز و روش کو ترجیح جانتے ہیں اور اسکی بجا آوری کو اپنی ضرورت کے سبب مجبوری جانتے ہیں۔ اور دنیوی کاروبار میں نہ ہلکے ہونے والے اگر حیا شون روشن خیالی کے زیراثر نہ ہوں تو وہ گواہ اپنے فعل کو جائز یا ناجائز سمجھیں مگر اسکو سے بڑی خوبی نہیں جانتے اور باطنان مذہب کے برسر غلط ہو سکتا ہیں ان میں رکھتے بلکہ اس بارہ میں نیوٹن نے اپنے اقرار و انکار وہ فوسے بیگانہ ہوتے ہیں اور اگر بعض ان میں سے کوئی شخص اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتا ہو جیسا مذہب کا خاصہ بیان کیا گیا ہے نیز وہ اپنے کام کو سب سے بہتر اور اس کے خلاف اور دشمنی کرنا کہ تو ان کو گمراہ جانا ہو تو ہر اس شخص کو یہی پابند مذہب کے جو میں تامل ہوگا کیونکہ اب اس کا مہمور ہی نہیں کا کام ہے۔

اور پر مذکور ہو چکا ہے اسی قاعدہ استثنائے ماتحت اور اسی فیض صحبت و متاثر ہونے میں جس کے روست بعض لوگ نادار و نامیاد و بدنام پیدا ہو جاتے ہیں یا محض جاہل اور وحشی سوسائٹی میں پرورش پانے کے سبب جذبہ ترقی سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ دہریت کی مٹاؤ کی کرنیوالوں اور دیگر روشن خیالوں کا حال دیکھ کر یہ مذہبی احساس کا معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس میں غور کرتے ہیں وہ اگر فطرت سلیم نہیں رکھتے تب بھی ضرور کسی یکیشی شکل میں کسی کسی عاکو بطور معبود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پرنسپل سر ولیم جیمس لکھتے ہیں

”بہت سی ایسے فرقے جو خدا کو نہیں مانتے مگر اخلاق کے حامی ہیں اور اخلاقی سوسائٹیوں کے نام سے آجکل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک امر انتہائی کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے اور قانون اخلاق کے نام سے اس کو مقصد اعلیٰ فرض کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کے نزدیک آجکل سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور ایسے سائنس دان تو ان فطرت کی معبود کے طور پر تعلیم کرتے ہیں۔“

مذکورہ بالا تحقیق سے جس مدعا تک ہم پہنچ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ جذبہ فطری اگر اس کشش کو کہتے ہیں جس کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہوا اور باستثنائے واقعات تا وہ بہ ایک شخص میں اس کشش کا اثر نظر آئے کہ انسان کی عقل اور تجربہ کے تفاوت و سووہ اثر مختلف شکلوں میں ظاہر ہو تو مذہب بیشک ایک جذبہ فطری ہے۔ لیکن اگر اس تعریف کو غلط مانا جائے اور جذبہ فطرت کسی اور چیز کا نام ہو تو اس صورت میں مذہب کو شاید جذبہ فطرت نہ کہ سکین لیکن اتنا پہر بھی تعیناً تسلیم کرنا چڑھ گیا کہ مذہب انسان کا اُس قسم کا خاصہ ہے جس قسم کا خاصہ عقل ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ امور کو مانا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ابتدائی حالت کے وحشیوں میں مذہب نہیں، بیچارہ ان میں عقل و ترقی بھی نہیں اور جس طرح کسی قدر تربیت کے بعد مذہب غلط شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح عقل و ترقی بھی بہت سے غلط راستے دکھاتی ہے اور جس طرح مذہبی احساس کے نمودار کے واسطے وینیوی مصائب و آلام ایک ظاہری سبب ہیں اسی طرح عقل و ترقی کے ظہور کے واسطے

فطرت میں دی ہوئی
کشش کا اثر عقل و ترقی
پر مختلف شکلوں میں

ہی ہی اسباب کام دیتے ہیں اور جس طرح کسی خاص تربیت کی اشاعت سے مذہب پر ضعف یا عدم طاری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص تربیت کو عقل و ترقی ہی محروم ہو جاتی ہے اور جس طرح مذہب کے عوام میں بعض بعض استثنائے جاتے ہیں اسی طرح عقل و ترقی سے بھی بعض لوگ فطرۃً محروم ہوتے ہیں بلکہ دیکھا جا چکا ہے کہ عقل و ترقی سے محروم رہنے والے زیادہ اور مذہب سے بالکل بیگانہ نسبت کم ہیں۔

اور جب لیاتیرے پروردگار نے بنی آدم یعنی ان کی پشتوں سے انکی اولاد کو اور گواہ بنایا انکو خود ان کے اوپر (اور سوال ہوگا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ بیشک تو پروردگار ہے اور ہم اس پر تپا ہیں اور یس کو دیا گیا تم قیامت کے دن کہو کہ ہم اس سے پیغمبر تھے۔ پس قایم کر اپنے تئیں دین کیلئے ٹپ سے منہ پھیر کر یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اوں نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی بیش میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہ سیدہ راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِرْجَ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ط (اعراف پ ۲۷)

فَاقْبُرْهُمْ فِي جَنَّاتِ الدِّينِ خَنِيْعًا قَطْرَةً اللَّهُ أَسْمَى فَظَاهَرَهُ النَّاسُ عَلَيْهَا لِاتِّدْبِيلِ الْخَلْقِ اللَّهُ ذُو الْكَرِّ الْعَزِيزِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ط (روم پ ۷)

باب دوم

تحقیق مذکور کے نتائج

مذہب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے۔ کیا کوئی جذبہ فطرت متبادہ کرنے کے قابل ہے۔ جذبات فطری کے مرض غلطی فائدہ سے محروم رہتی ہے۔ غلطی سے نقصان

پہنچتا ہے۔ اخلاقی اغفال پر بھی یہی قانون حاوی ہے یہ بھی صحت عقلی کے بارے میں
کیا قانون ہر چاند ہے؟۔ تمام مذاہب کو یکساں سمجھنے کی وجہ۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا جو
ناممکن ہے۔ مذہب مالا کے اخلاق۔ مل کی تدبیر اور اس کا نقص۔ مذہب میں اخلاق
نہیں۔ پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہترین
مذہب کی تدبیری ترقی۔ بعثت انبیاء۔

جذبہ فطری کی تعریف کو جو ابھی ذکر ہوئی ہے صحیح مگر مذہب کو داخل فطرت انسانی سمجھ
جائے یا کوئی اور فرضی تعریف تسلیم کر کے اس کو عقل ترقی کا ہم پلہ مانا جائے۔ دو صورتوں
میں مذہب کی اس خصوصیت پر چند نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اول جس طرح سے عقل ترقی عدالت، شجاعت وغیرہ صفات کو اگر کوئی انسان
صغیر مہتی سے مٹانے کی کوشش کرے تو یہی کوشش کے لینے کا کامی کے سوا کوئی نگرہ نہ ہوگا
اور جس طرح عقل کا مقتضایان اوصاف کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حتی الوسع ان اوصاف کے
حکمال تک پہنچا جائے اور جو غلط خیالات عقل کو اور جو نازیبا آمیزش عدالت شجاعت وغیرہ
کو عیب لگانے والے ہیں ان کو مٹا کر ان اوصاف کا حقیقی جوہر ظاہر کیا جائے یہی استحقاق
عقل و ترقی کے ہم پلہ اور برابر کے حصہ دار یعنی مذہب کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی ایسی خصوصیت
ہے کہ نوع انسانی کو اس سے پاک کرنا اور صغیر مہتی سے اس کا نام مٹانا ناممکن ہے اور انسان کو
اس بارے میں مناسب یہی ہے کہ اس خاصہ کو اس کے معراج کمال تک ترقی دے اور انسانی
جہالت اور تربیت کے اثر سے جو غلطیاں اور قباحتیں اس خاصہ کو کھڑا اور ناشایست نہانے
دلی ہیں ان کو دور کرے پس جو لوگ تعلیم و تربیت اور عقل و شعور حاصل کرنے اور برعم خود غرض انسانیت
کو سمجھنے کے بعد محض دنیوی کاروبار اور لذائذ جسمانی میں مصروف و مہلک ہذا خرافت انسانی
کا اعلیٰ مقتضای سمجھتے ہیں اور مذہبی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے بلکہ پابندان مذہب اور اس کی عقائد
اور اصلاح کرنیوالوں کو عقل سے ہٹا کر سمجھکر ان پر سخر کرتے ہیں نہ معلوم وہ خود کہاں تک دعویٰ

مذہب کی اصلاح
بہترین انسان کا
اولین فرض ہے

عقل و خرد میں صادق ہیں اور کیا مذہب کے سوا کسی اور جذبہ فطرت کا نشان دہی کر سکتے ہیں جو اس طرح بیاہر چھوڑنا اور اسکی اصلاح و ترقی کی کوشش نہ کرنا داخل انسانیت اور مقصدائے دانشمندی ہو؟

کیا کوئی جذبہ فطرت
تباہ کرنے کے قابل
ہے؟

مشرع کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی قابل تعریف ہے کہ وہ جب جذبہ فطری کو کشتی و گردن زدنی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو قتلے موت کی بوقت اپنے فیصلہ میں اس کی نظیر میں مرج کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو اکثر خواص فطرت کے بارہ میں یہی ضرور ہے کہ انکی اصلاح کی جائے اور معدوم نہ کیا جاوے مگر سب خواص فطرت کا یہ حال نہیں بلکہ بعض قابل افساد بھی ہیں اور قابل افساد جذبہ فطرت میں تباہ کر سکی خواہش، خود مختار بنانا، رہنے کی خواہش اور ظلم کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں میں یہ خواہشیں فطری ہوتی ہیں مگر باوجود فطری ہونے کے انکو تباہ کرنا ضرور ہے نہ کہ ان کو تباہ کرنا اور پرورش کرنا ۴

لیکن اول تو وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خواہشیں بعض اشخاص کی فطرت میں ہوتی ہیں پس ان کو عام نوع انسانی یا کسی خاص قوم کی فطرت سے بھی تعلق نہیں اور ایسی عادت کو جو کہیں شاذ و نادر کسی شخص میں دکھائی دیتی ہے جذبہ فطری کا خطاب اور وہ بھی ایسے فلاسفر کی طرف سے حاصل ہوا جو مذہب حبیبی عام اور عالمگیر صفت کو بعض انسانوں میں نہ پائے جانیکے سبب فطرت سے خارج کرتا ہے نہایت تعجب ہے۔

جذبہ فطری امر شر

اور دوسرے اوصاف کو مستقل جذبات فطرت کہنا اس لئے بھی غلط ہے کہ تحقیقت جو جذبات فطرت نوع انسان میں ولایت ہیں ان پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ مختلف امراض بھی ہوتے ہیں جو کامل تربیت نہ ہونیکے حالت میں زور پکڑتے ہیں یا بعض اوقات کسی شخص میں استثناء کے طور پر ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً قوت نفوذ فطری ہے لیکن اکثر نقص تربیت کے سبب اس میں کئی طرح کے نقص پیدا ہو جاتے ہیں ایہ

اوقات بعض انسان پیدا نشی پست قامت اور بالشتے ہوتے ہیں یا بعض انسان پیدا
 میں عام انسانی یا قومی مقدار سے زیادہ بلند بالا اور بدنا طویل القامت نکل آتے ہیں مگر کسی
 شخص کی پیدائش ٹھنڈا یا لم ڈھینکا ہونے پر یا نقص تربیت سے اس قسم کا نقص پیدا ہونے پر
 نہیں کہا جاتا کہ پست قد یا طویل القامت ہونا انسان کا فطری خاصہ ہے۔ علیٰ ہذا اپنی ضروریات
 اور خواہش کے مطابق اپنے مال کو صرف کرنا انسانی جوہر ہے، گویہ یہی ترقی میں اسراف تک اور
 کبھی تنہا میں نخل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض شخص پائے جاتے ہیں جو فطرۃً سرف یا بخیل
 ہوتے ہیں لیکن ایسے شخصوں کے وجود سے اسراف یا بخل کو فطرت انسانی کہنا غلط ہوگا
 اسی طرح ایک قوت انتقام انسان میں فطرۃً ودیعت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس شخص یا جس چیز
 سے اسے نقصان یا تکلیف پہنچی ہے اسکو حتی الامکان دور کرے اب اس جذبہ کی صحیح اور
 تندرست حالت یہ ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے واقعی نقصان یا تکلیف پہنچے اسکو اسی حد تک
 نقصان یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے جس حد تک فی الواقع اس کا ہرج مہا ہے اور اس
 معیار کے دونوں جانب مرض کے بشمار درجات ہو سکتے ہیں بعض اشخاص یا بعض قومیں انتقام
 کے موقعوں کو مستی نرزدی یا کسی اور سبب سے ضائع کرتے کرتے ولت اور کمینہ میں تک
 پہنچ جاتے ہیں اور ایسا ہی دوسری جانب بعض اشخاص واقعی نقصان اور تکلیف سے بڑھ کر خیالی
 بلکہ وہی نقصان و تکلیف پر بھی انتقام لینے کیلئے آماوہ ہو جاتے ہیں اور نیز انتقام کی کیفیت
 میں حد سے بڑھ کر ایسی تکلیف پہنچانے لگتے ہیں جو انہیں خود برداشت کرنی نہ پڑی جوتی
 کہ یہ مرض ترقی کرنا ہوا بعض اشخاص میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ جو چیز ان کو بدنام معلوم ہو یا
 جس شخص کے اطوار و عادات انکو مکروہ نظر آئیں ایسے شخص یا ایسی چیز کا ان کے سامنے آنا یا انہیں
 انکو ایک تکلیف والا بطن معلوم ہوتا ہے اور یہ اس ہی تکلیف سے متاثر ہو کر وہ انتقام کی کیفیت
 میں ہی انصاف کو رد انہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ وہ مکروہ اور بدناما نظر صفحہ ہستی سے معدوم
 ہو جائے اور اس وقت اگر وحشت مہالالت کے مرض میں ہی مبتلا ہوں اور نیز زور اور غلبہ رکھتے

ہوں تو وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کو ڈاکٹر میل تباہ کرنے کی خواہش کہتے ہیں یعنی وہ شخص اپنی حالت جنون میں ہر ہر نامہ چیز کو توڑنے اور ہر کردہ شخص کو بازیکا عادی ہو جاتا ہے اور اس وقت جب فعل کو ڈاکٹر صاحب جذبہ فطری کا معدوم کرنا سمجھتے ہیں اور جائز جانتے ہیں حقیقت میں وہ جذبہ فطری کا معدوم کرنا نہیں بلکہ ایک جذبہ فطری کی اصلاح کرنا اور اس کے مرض کو معدوم کرنا ہے یعنی ایسی تباہ کرنیکی خواہش کو دبانایا دوسری جانب اپست تہت لوگوں کو انتقام کیلئے اُبھارنا حقیقت میں یہ دو نوع فعل جذبہ انتقام کو پہلی حالت پر لانے اور ترقی دینے کیلئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جبکہ وہ ظلم کی خواہش کہتے ہیں وہ بھی درحقیقت کہیں نجات اور جو انفرادی کی صفت کا اور کہیں جذبہ انتقام کا ایک مرض ہے جو کسی شخص میں ہی طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح کوئی شخص بالشتی یا لم وھینک بن جاتا ہے پس اس مرض کا ازالہ ہی حقیقت میں ایک اور جذبہ فطری کی اصلاح و ترقی ہے نہ کسی جذبہ فطری کی مبالغہ و تعلیم البتہ ایک تیسرا وصف جو ڈاکٹر میل نے قابل اندام مانا ہے یعنی خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش اس کو ہم بیشک عام نوع انسانی کا جذبہ فطری ماننے میں اہل نہیں کرتے مگر جس شکل میں ابتدائی جذبہ فطرت مانا جاسکتا ہے جس شکل میں اسکو قابل اندام کہنا فاش غلطی ہوگی کیونکہ اگر خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش انسان میں نہ ہوگی اور وہ کسی اور کے بس میں اور کسی اور کا مغلوبہ کر خوش رہ سکتا تو وہ انسان کی ابتدائی جسمانیہ حالت جس میں اسکو خوراک بہم پہنچانا سبھی خود و سماگ پات اور پھل پھول کے بس میں پانی دینا بارانی چشموں کے اختیار میں اگر جی دینا آفتاب کے قبضہ میں اور سردی پہنچانا رات کی ٹھنڈی ہوا کے تصرف میں تھا انسان ہی ایسی کی حالت میں آفتاب تھا اور یہ بے انتہا ذریعہ حصول سبب معیشت جن پر ذریعہ انسانی کو بجا فخر ہے کہی عدم سے وجود میں نہ آئے لہذا کچھ خود مختار رہنے کی خواہش جتنی جس نے اسکو خود و پھلوں کی بجائے اپنا اختیار سے کاشت کرنیکا رستہ دکھایا مالوں کی جگہ کوئین اور نہرین کھدوائیں گرمی اور سردی کے واسطے طرح طرح کی غذائیں قسم قسم کے لباس

بیکوئیٹع ہمایا کرتے کرتے بیٹیم اور بجلی سے بھی یہ کام لینے کا ڈھنگ بتایا۔ اور نیز اگر دوسرے کی مرضی پر منحصر رہنے کی خاصیت ہوتی اور اپنے اختیار پر تنے کی خواہش نہ ہوتی تو دیگر غیباتِ فطریہ میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے نفع انسانی نقصان اٹھا اٹھا کر بہ روز میں فنا ہوجاتی مثلاً کسی شخص کے جذبہ شجاعت میں مرض منور ہوئے سے وہ ظالم ہو جاتا یا کوئی حصولِ مال کے جذبہ میں مرض پیدا ہونے سے حریص اور مکار بن جاتا تو دوسرے لوگ چونکہ دوسروں کی مرضی پر غور نہیں دالے ہوتے اس لئے کسی کی ظلم اور مکاری کا سد باب نہ کرتے اور اس طرح سر قدر مرنے کی اقبال و غارت بے مزاحمت ہوتے ہوتے یہ نفع تھوڑے عرصہ میں نابود ہو جاتی پس یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے انتظام کو قائم رکھا اور پھر یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے بادشاہوں اور حاکموں کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتے دیکھ کر انکی مزاحمت کی اور اس طرح حاکم و محکوم کے فرائض اور شاہ و رعیت کے تعلقات معین ہو کر انسان کو وہ دستور العمل ملتا ہے لگا جس سے وہ اپنی آسائش کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور آئینہ اس دستور العمل کو اور ترقی دینے سے اور زیادہ راحت و آرام سے بہرہ ور ہو گا۔

پس خود مختار اور غالب رہنے کی خواہش بیشک فطری اور اسلئے بیشک قابلِ اصلاح و ترقی ہے۔ اس کو قابلِ انعام کہنا نہیں معلوم کس وجہ سے کسی دماغ میں جاگزیں ہوا ہے ہاں بیشک دیگر خواصِ فطرت کی طرح اس میں بھی مرض اور نقص ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو خود مختار رہنے کی یہاں تک خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نہ صرف کسی انسان کی بلکہ قوانینِ قدرت کی حکومت بھی پت نہیں کرتا پس اس نقص کو دور کر کے خواہشِ غلبہ اختیار کر لے گی اور مستجاب پر لانا اور اختیاراتِ انسانی کی شخصی اور نوعی فواید اور راحت و آرام کا کام لینا اس فطرت کو نور اور جلا بخشنا ہے نہ تباہ و برباد کرنا۔

غرض کوئی جذبہ فطرت نہیں پایا جاتا جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا قرینِ مصلحت ہو

یا اسکی اصلاح و ترقی باعث بہبود عالم اور انسان کے لیے فرض واجب نہ ہو پس جو لوگ
 مذہب کی طرف سحر بے پروا اور اسکی اصلاح و ترقی کبجا نہ گئے غافل متہوین اور اس بارہ
 میں غور و زائل کرنے کو لغو اور جاہلانہ فعل سمجھتے ہیں وہ یقیناً انسانیت کے ایک بڑے
 فرض کو ترک کرنے کے مجرم اور نوع انسانی پر ایک سخت ظلم روا رکھنے کے مرتکب ہیں۔

دوم عقل و ترقی اور شرافت و عدالت وغیرہ صفات انسانی کا یہ ایک عام اور کلیہ قاعدہ
 ہے کہ نوع انسانی کو ان میں سے کسی صفت کا سچا فائدہ محض اسی حالت میں پہنچتا ہے کہ انسان
 اسکی حقیقی اور دائمی مفہوم تک پہنچ جائے اور جب تک کیفیت حاصل نہ ہو اور انسان غلطی سے
 کسی صفت کے اصلی مطلب تک نہ پہنچے اس صورت میں خواہ وہ کیسا ہی نیک نیتی اور صدق دل سے
 کام لے غلطی سے ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ عقل انسانی نے اپنی طرف ہی نہایت غلو
 کے ساتھ غور کیا اور اپنی طاقت کے موافق زور لگایا مگر جب تک میں کو ایک قطع فروش اور گھائے
 کے میدان پر پھیرے ہوئے سمجھا اسکو وہ فائدہ سے ہرگز محال نہ ہوئے جز میں کو گول اور چاروں
 طرف کو فضا میں محصور ہونے کے علم سے حاصل نہ ہو سکتا تھے۔ اُس وقت تک وہ دنیا کے گرد چکر
 لگا رہا اور نہ ان دیوانہ و آباد ممالک کو پاسکا جو اسکی جائے سکونت کو دوسری جانب واقع تھے
 اور اس طرح ان تمام نواید سے محروم رہا جو زمین کی اہلی حالت دریافت ہونے پر ترتیب تھے
 اسی طرح اُس نے حتی الوسع غور کیا اور مرکبات کو تحلیل کر نیکی بن چا دی زمین کو بسیط اور قابل
 تجزی کیجھا اُس وقت تک قدرت نے اسکو ان تمام نعمتوں سے بے بہرہ رکھا جو ان مفروضہ
 عناصر کو تحلیل کرنے اور انہرہ بہت سے عناصر دریافت ہونے پر منحصر تھیں۔ قدرت کے رازوں
 کو تلاش کرنے کی کوشش ہمیشہ رہی اور اپنے اپنے وقت پر اکثر عقلا نے علم و ہنر میں انکا لاخیر
 کا دعویٰ کیا مگر خشکی و تری میں قطع مسافت کے حیرت انگیز کارنامے انہی کی قسمت میں نہ
 جن کو شیم کی طاقت دریافت ہوئی صنعت و حرفت کے بیشمار وسائل انہی کو حاصل ہوئے
 جنہوں نے میکینیکل قوانین معلوم کئے اور نامہ و پیام کے معجزہ نما کرشمے انہی کے حصے میں آئے

عقل فائدہ سے
 محروم رہتی ہے

جنہوں نے برقی طاقت پر قابو پایا۔

اور نہ صرف یہی کہ مفید چیزیں روائی نہ ہونے سے اس کے فوائد سے محروم رہنا پڑتا ہے بلکہ ہدیہ جس چیز کو غلطی سے مفید مان لیا گیا ہے اس کے نقصان بھی ضرور ہی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ تلاش ہوتی ہے قیام صحت اور درازی عمر کی اور اس کے لیے مناسب غذا خوشگوار آب و ہوا اور دیگر وسائل کی جستجو ہتی ہے مگر جو شخص اس میں تلاش میں غلطی سے مضر غذا، بد آب و ہوا یا دیگر مضر وسائل کو مناسب سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے وہ نہایت اشتیاق سے اپنی طاقتوں میں اضافہ کا منتظر ہوتا ہے مگر دفعۃً امید کے خلاف خوفناک امراض اور سخت لگا لکھتے ہیں مبتلا ہو جاتا ہے پھر اپنی طاقت کے موافق پوری کوشش سے ازالہ مرض کی تدبیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیر ہدف دواؤں اور قیمتی تدبیروں سے اپنی گزشتہ صحت کو واپس لائے مگر اس حق بجانب و ڈر و صوب میں جہاں اپنی غلطی یا دیگر نادان معالجوں کی کوتاہی سے کسی عارف و دوا یا ہر موقع عمل سے کام لیتا ہے تو اپنی آرزو کے خلاف غلطی کے نقصان کا شکار ہو جاتا ہے اور بجائے صحت کے موت کا تقدیر ہوتا ہے۔

غلطی سے نقصان پہنچتا ہے۔

اور فائدے کو تلاش کرتے ہوئے غلطی سے نقصان اٹھانا نہ صرف افعال حسانی تک وہ ہے بلکہ یہ قانون افعال اخلاقی پر بھی محیط حاوی ہے اور انسان جب کبھی کسی بد عادت کو اپنے خیال میں نیک اور باعث برتری سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اس کا نیک سمجھنا اس عادت کی فطرت کو بدل نہیں سکتا اور جو فائدہ وہ سمجھ ہوئے ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا اور جو نقصان اس عادت میں ودیعت ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ انسان نے جب تک دشمن کے زہن و سچے کو سیدہ رفیع نہ تیغ کرنا اور یکسیوں کی فریاد و زاری پر تڑپ نہ کھانا زہر شجاعت سمجھا پناہ مانگنے والے ظالم کو سچا حمایت کو شرافت مانا وہ شجاعت و شرافت کے اصلی جوہر سے قطعاً محروم اور انسانیت کے منہوم سے بالکل بے بہرہ رہا۔ جس شخص نے جھوٹ کو فعل مذموم نہ جانا اور یا تو سمجھ کر اس کا ترک نہ کیا یا نہ ہنری اور قتل کو ظلم اور بے رحمی نہ سمجھا اور اپنے خیال میں اس طرح سمجھ کر اس فعل سے معاش

افعال افعال بری
یہ قانون حاوی
ہے

حاصل کرتا رہا جو کم و فریب کی عادت جھوٹ سے پیدا ہوا کرتی ہے اور جو قساوت اور سخت ملی
قتل و غارت کا نتیجہ ہوتی ہے وہ نادان اس اثر سے ہرگز بری نہیں رہا اور قدرت نے جس قدر
دل کی سیبا ہی ایسے فعل کی سزا مقرر کی ہوئی ہے اس سے کہی معاف نہیں رکھا اور اس کی
نادانی پر تیس نہیں کھایا۔ بھیل قوم کا بچہ جو بران جنگل میں پیدا ہوا ہے اور ایسے لوگوں میں پرورش
پانا رہا ہے جو رات دن قتل و غارت اور لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہیں کرتے اور جو اپنے بچوں
کو ہوش سنبھالتے ہی اس کام کی تعلیم دینے لگتے ہیں اور رحم یا انصاف کی آواز کہی کان
تک نہیں آنے دیتے وہ بچہ بڑھ کر اس تعلیم و تربیت کے اثر سے ضرور صدق دل سے اس
فعل کو جائز اور اپنی بہبود کیلئے ضروری سمجھتا ہے لیکن باہنہ اس فعل کی این جہانی سزا سے بری
نہیں رہتا اور ضرور سخت دل سیبہ کا راقسی القلب ہو جاتا ہے +

۴ ڈاکٹر پال ڈارلن کتاب ایلیمینٹز آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم ص ۸۹۹ لکھتے ہیں کہ انسان
کی اصلی قدر قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت و غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کیلئے
جو تیر سے پرے تک جاتا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ
اسکی صفت و خواہش کا ظہور ہے (یعنی یہ کہ اسکی فیتہ کیسی ہے) اس دلیل کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ
کیلئے ملاحظہ ہو باب کتاب بڑا (انسان کی اصلی یعنی روحانی صفت و خواہش ہے نہ علم خیال اس صفت کے سنگ
دست ہو کہ بسیط اور دماغی روح کی صفت و امی ہونی چاہئے اور علم جو کہ جسم کی صفت و قوت ہو گھٹا طبع اہتمام
ہے اس لئے وہ روح کی صفت نہ ہوگا اور ان کے اس خیال کو مانکر روح نے جسم کی مطلق علم کی صفت
حاصل کی ہے پر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان کو جو قدرت عقل و شعور کی دگئی ہے یہی ایک صفت ہے جس سے انسان
کی قوت حیلان کی روح سے افضل مانی جاتی ہے اس لئے اسکو اپنے فضول جسم کا اسکی غلطی اور صحت کو اسکی
قدر و قیمت میں کچھ دخل ہی نہیں یہ بھی دیکھو کہ ہماری پیش کردہ دنیا لون و ظاہر ہوتا
ہے انسان کے غلط اعتقاد کا اثر نہ صرف جسم تک ہی محدود ہے بلکہ اسکی روحانی حالت میں بھی یا نری
پیدا کرنے میں بھی وسیعہ جی خلیل ہے - (باقی جوفہ ۴۲)

غرض فطری اور کسبی روحانی اور جسمانی قہر قسم کے تمام افعال کا یکلیہ قاعدہ ہے کہ جو اثر کسی فعل میں دولیت ہو اسکا بجالانے والا اس اثر سے بے بہرہ نہیں رہتا اور جس چیز کو غلطی سے اپنا مدعا و مقصود سمجھا جاتا ہے وہ کبھی مدعا و مقصود کا کام نہیں دیتی اور عقل انسانی یا حیذہ اخلاقی کو جہان و مہو کا ہوتا ہے وہیں ضرور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب اس قانون فطرت کو ملحوظ رکھ کر مذہب کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس چیز کو تلاش کیا ہے اس کے حصہ کے میں بہت سی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا ہے کبھی اینٹ پتھر وغیرہ کو تلاش سمجھ لیا ہے اور کبھی بارش اور ہوا کی طاقنوں کو مسجدہ کر کے تعد و مسبو دوں کا معتقد ہو گیا ہے اور کبھی اسے احد سمجھا ہے تو بہت سی جسمانی خواص سمجھ کر تسلیم کرنے لگا ہے۔ کبھی ممتاز انسانوں کے جسم میں اس کے حلول کا قابل ہوا ہے اور اس کو جسمانی ضروریات میں مبتلا کر کے بجائے ناپید اور پاک خدا کے فنا کی انسان کی پیشتر میں محو ہو گیا ہے اور کبھی دیگر انسانی ضروریات سے پاک مانا ہے تو اب بیٹے کا شہ فرض کر کے ایک انسان کو خدا کی طاقنوں میں اس کا شریک ٹھہر لیا ہے اور کبھی نظام عالم اور کثرت خالقیت کو سمجھنے کے بہاد سے اسے صفا کو ناقص اور ضرر مند چن کر اس کا ساتھ قائمیت وغیرہ میں شریک گردان لیا ہے اور اگرچہ اسکی نسبت عقل و قیاس سے بالاتر اور اس کے کارخانہ قدرت کے ناقابل فہم بہنکی آواز بھی انسان کے منہ سے نکلی ہے مگر مجھ دیگر انسانی خیالات کی آمیزش سے حلول انقص خالقیت وغیرہ میرے اس خیال کو مٹا دیا ہے اور اس طرح کے بہت سے انقلابوں کے بعد صاف لفظوں

اور دوسرے قبر سے پر تو نک بائیں دے اپنے عذابِ ثواب کا اصول حدیث کا اس موقع پر ظاہر ہوگا کہ نہیں خدا کیسے نیک نیت کو دیکھ کر اس کو دوزخی یا دشاہو کی طرح کوئی جاگیر بخش دیتا ہے بلکہ عذابِ ثواب کا اصول حقیقت میں صداقت کو پیدا کر کے اپنے شری قلمدہ ایسی خدا سے قرب حاصل کرتا رہی اور خدا سے دور ہو کر بدستور میں اس حقیقت خدا سے دور ہوتا ہے کیونکہ یہ تو جس طرح کہ کسی شخص نے قتل کا حق کر لیا اب کا کام چھوڑ کر خلافِ حق اتفاق کیا ہے سو اسی میں اس دماغ غلطی کی وجہ سے عداوت پیدا ہی نہیں ہوتی بلکہ اس وقت اصل قلمدہ سے قرب حاصل ہوتا ہے یہ خیالِ اعمال پر غرض یہ جہانِ ہوا و ہوا جہانِ انسان ہرگز عقل کی مسامتہ کے لیے کمال حاصل کر کے ایک کھنڈا پڑی روح کو اس کی روح کو تین کی بجائے چھ جہانوں میں بھجواتا ہے

مِنْ اَللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اور كَلَّا يَحْطِطُوْنَ بِسُئْرِ عَمَلِهِ كِي اُو اِنِّى اَمْلِيْ كَالْاَنصَابِ
تو منہ پر اور انسانی عقل کی کوتاہی کا اظہار کیا ہے -

پس جب بنفطرت کے ان تمام اختلافات اور عیوب کی نسبت ان متضاد خیالات میں سے
جو اعتقاد درست اور واقع کے مطابق ہوگا مذکورہ بالا قانون عام کو دیکھ کر یقیناً کہنا پڑتا ہے
کہ وہب کا حقیقی فائدہ اس اعتقاد پر غریب ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر تمام قسم کے عقاید چونکہ
غلط ہیں اس لئے مستحب عدہ وہ ضرور ضرر مند ہوں گے یا کم از کم ان سے کچھ فائدہ ہوگا مثلاً
اگر عیوب و واقعی تمام کمالات سے منصف اور تمام عیوب سے بری اور تمام احتیاجوں سے
پاک ہے تو جس نے اُسے دُخت سمجھا ہے اس پر وہی اثر ہوگا جو غذا کی تلاش میں نہر کھانے
والے پر ہوتا ہے۔ وہ وہ پینے کیلئے پیالہ کٹورا گلاس وغیرہ مختلف رسائل میں لیکن انہیں
دو وہ ڈالکر پینے کی بجائے اگر کوئی خالی بیٹنوں کو کوٹ کر پھانک جائے تو اس فعل سے وہ
کا فائدہ ایک طرف اٹھا سدا تباہ ہو جائیگا اسی طرح آگ پانی وغیرہ مختلف طاقتوں کو جو
ناویدہ ہستی کے اظہار قدرت کا نشان ہیں دیتا اور خدا مان کر پشیمانی کرنے سے خدا کی معرفت
ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ جہالت کی تاریکی اور بڑھ جائیگی۔ طبیب صحت کی تیسرا اور مرض کی دوا
بتانے والا ہے لیکن اگر کوئی بجا طبیب کی بتائی ہوئی دوا استعمال کرنے کی بجائے طبیب ہی
کو مجسم صحت سمجھ کر اسی آستان بوسی پر اکتفا کرے تو مرض ہرگز دور نہ ہوگا اسی طرح جو لوگ کسی
برگزیدہ بندے کو خدا کا اوزار سمجھ کر عبادت کریں وہ گمراہی سے نجات نہ پائیں گے۔ ہوا کے
غیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص ہوا کی اس خاصیت کا معترف ہو مگر سمجھتا
ہو کہ بڑے پاکیزہ ہوا کے بدبودار اور منفقین ہوا کی ضرورت ہوا اسی کی تلاش میں سرگرم رہے
وہ صحت بخش ہوا کے فائدوں سے محروم اور مختلف امراض میں مبتلا رہیگا اسی طرح جو لوگ معرفت
خدا کو باعث نجات سمجھتے ہیں مگر شرک و لدیت اور دیگر عیوب اور جسمانی خواص سے اسکو منصف
مانتے ہیں اور اسی طرح کے خدا کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ سچے خدا کی معرفت ہی بیکانہ اور نور پرستی

آتش ناپسند گئے۔ سبب یہ کہ ایک عنصر کا نام ہے) ایک چیز ہے مگر جب آئین روشنی کی صفت ہوتی ہے تو یہ (انچھا آتا ہے) اور یہ صفت نہ ہو تو وہی کاربن محض ایک کوٹلا ہوتی ہے پس جو شخص میرے کو تلاش کرتا ہو مگر روشنی کی صفت سے آتش نہا ہو وہ لبرٹری مین بہرہ ناپتا ہو اگوٹے سے ہاتھ کاٹے کر لگے۔ اسی طرح اگر خدا ایک واحد ہستی ہے جو تمام صفات کمال کھتی ہے تو اسکو تلاش کرنا واجب کی صفت مثلاً خالقیت یا قدرت وغیرہ میں لاشریک اور لگانہ ہونا اسکی ذات کو منقطع سمجھئے تو وہ کمال خدا کا ایسا ہی عارف ہوگا جیسا روشنی کے بغیر میرے کو تلاش کرنا ہوا۔

عرض جس طرح عقل کا حقیقی مدعا یعنی سچا علم اور اس کا فائدہ ہیئت حاصل ہوتا ہے جیسا کہ دین کسی قسم کی کوتاہی اور تدبیر میں کسی طرح کی غلطی نہ ہو وہی طرح مذہب کا اعلیٰ مقصد یعنی وصال ربانی اور عرفان الہی بھی جیسا کہ گناہ اسکی نسبت کوئی غلط فہمی اور کوتاہی اندیشی واقع نہ ہونے پائے اور جس طرح سے پھر عقل کو سچی غلطی پر بندہ و سرادتی ہے خواہ غلطی کرنا والا کیسا ہی نیک فیت اور طالب صداقت ہو وہی طرح عقل جیسا کہ سوسہ اجزائے فطری یعنی مذہب بھی غلطی کرنے سے مستوجب سزا ہوگا اور اس لئے عقل اور مذہب دونوں میں بے سوچے سمجھے دوسروں کی کورنہ تقلید سے قدم اٹھانا باعث ہلاکت اور پوری تحقیق و تفتیق اور کمال سعی و کوشش سے انقیت کو تلاش کرنا فرض اتم اور واجب نامہ مانا گیا ہے۔ سچ گوئی مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ مذہب ہر شکل صورت میں اور ہر حال سے مذہب یعنی معبود کی پرورش ہر طریق اور کیفیت سے باعث نجات ہے اور اس خیال کو اپنے غم میں فلسفیانہ مذہب اور سائنسی کا رستہ سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کسی ایک روش کو ہدایت نجات سمجھنے والا ان کے نزدیک تنگ خیال اور متعصب ٹھہرتا ہے ان کا خیال ان کے نزدیک چلے ہے کیسا ہی شریف اور اعلیٰ ہو مگر نیچر کا مطالعہ اور فوائین قدرت کے تمام مناظر اس خیال کی ٹیڑھی بڑے زور سے ملگزیب کرتے ہیں۔ اگر کاڈو لوریل کا کام مٹی کے تیل سے اور شیردر کا فائدہ کھیا سے حاصل ہو سکتا ہو تو بیشک ناویدہ خدا کا وصال پتھر کی پوجا سے مدینہ آئے گا۔ اور اگر یہ کہنے والا کہ لوگ مختلف کثافتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور صفائی کا خیال نہیں رکھتے اس لئے طاعون

کاشکار ہوتے ہیں یا سکتا کہ متعال کرتے ہیں اسلئے اعصابی اور دماغی طاقتوں سے خروم رہتے ہیں "تنگ خیال اور متعصب سے توبیخ مختلف ناقص نہیں کہ باعث ہلاکت کہنے والا اور ایک کامل خدا کے اعتقاد پر اصرار کرنے والا ہی اسی خطاب کا مستحق ہوگا۔ یہ نہیں معلوم کہ جو لوگ لعل اور سنگ کو برابر سمجھتے ہیں وہ اپنے خیال کو فلسفیانہ اور سائنٹیفک کہہ سکتے ہیں یا نہ لوگ جو کہتے ہیں :-

کیا اندھا اور بینا برابر ہیں کیا تم فکر نہیں کرتے؟

ناپاک اور پاک برابر نہیں خواہ تم کو ناپاک کی کثرت سے دھوکا ہو۔

اندھا اور بینا برابر نہیں اور نہ روشنی اور تاریکی برابر ہے اور نہ دھوپ اور چھاؤں برابر ہے اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ
أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (۵)

لَا يَسْتَوِي الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ
وَلَا الَّذِينَ يُؤْتُونَ الْحَبْلَ وَالَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ (۶)

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا
الظُّلُمَةُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا

النُّورُ وَلَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (۷)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ
لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ

(زمر پڑھ ۱۷)

کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے۔ بیشک نصیحت عقلیں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

تہذیب کی پیمائش
مجھے کی وجہ۔

آفتاب کی روشن شاعین اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ آنکھوں کو نہیرہ کرتا ہے اور لوگ انکی گرمی اور نور کے لطف میں محو ہو کر انکی حقیقت کو دریافت کرنے سے غافل ہو جاتے ہیں اور بہت کم روشن دماغ ہوتے ہیں جو آفتاب کی اہمیت کو تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں یہی کیفیت مذہب کی ہے کہ انکی چہرہ پر جو اخلاق کا گلہ نظر آتا ہے انکو دیکھنے والے اسی کے نظارہ میں غرق ہو جاتے ہیں اور چونکہ اخلاق کا اثر ادب اور دنیا میں اور محسوس ہے اور اسی لیے مذہب

کی نہایت ابتدائی اور بد نما شکلوں میں ہی اس وقت کے لوگ اخلاق کے بہت کچھ حامی ہی نہیں
 لہذا اکثر غور کرنا پڑا کہ وہ کون کون سے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مذہب میں جو کچھ فائدہ ہے وہ یہی نہیں
 اخلاق کی اشاعت ہو سہا نہیں ہے جو لوگ مذہب کی دوسری تسلیم یعنی خدا پر ایمان لانے سے
 چڑھتے ہیں وہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ کسی طرح اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ثابت کریں
 اور جو لوگ خدا کے اعتقاد کو ایسا خوفناک دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ اسکی ضرورت اور پیچھے عرفان کے لطف سے
 بھی چاہئے ان اشنا نہیں ہوتے وہ محض اخلاق کو اپنا مقصد بناتے نظر نہیں کرتے کہ اخلاق کا جملہ
 کم بیش ہر مذہب میں دیکھتے ہیں اسلئے یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ ہر ایک مذہب اپنی واحد
 مقصود کو پورا کر رہا ہے اور اس سلسلے میں سب کی پیروی باعث نجات ہی مگر حقیقت میں تو دونوں غلطی
 پر ہیں۔ نا اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ہے اور نہ مذہب میں اخلاق اور نہ مذہب کا
 فائدہ محض حسن معاشرت -

مذہب کے بغیر اخلاق
 کا وجود ناممکن ہے

انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے فائدہ سے کسی صورت میں دست بردار
 ہوتا ہے جب اس سے بہتر کسی اور فائدہ کی توقع ہو یا کسی طبری نقصان کا اندیشہ ہو۔ طالب علم
 جو اپنے مطالعہ میں رات کی میٹھی نیند کے فائدے سے تنکش ہے تو محض اسلئے کہ اس فائدے
 کو چھوڑ کر علم کے بے بہا مفاد سے بہرہ اندوز ہو گا اور کاشتکار جو گرمیوں کی دھوپ میں ہل
 چلانے میں مصروف ہے اور ٹھنڈی ہوا اور سایہ کے فائدے سے محترم ہے تو محض اسی لئے
 کہ وہ کہانی سے سال بھر تک ہو کام نہ کرنا چاہتا ہو اور اگر خیال نہ ہو تو صرف دوسروں کے نقصان
 کا خیال کہی فائدہ حاصل کرنے سے روک نہیں سکتا۔ انسان تمام دنیا کی جڑی بوٹی اور چرند
 کو اپنی غذا بناتا ہے اور تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو اپنے صرف میں لانا ہے حالانکہ یہ تمام چیزیں
 دوسری مخلوق کو مثلاً نقصان پہنچا کر حاصل ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنی کوئی اور بڑا فائدہ ہاتھ سے جاتا یا کوئی
 بڑا نقصان اپنے اوپر عائد ہوتا نہیں نظر آتا اس لئے اور ان کے نقصان کی ذرا پروا نہیں کرتا
 اور نہ صرف یہ کہ انسان غیر انسان مخلوق کے نقصان کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ اپنے ہی نوع کی ہی پروا نہیں

کرنا اور جتنی چیزوں کی عسام بنی نوع کو ضرورت ہو ان کو پہنچانے واسطوں خرید کر اپنے صرف میں لانا ہے اور جو لوگ اس قدر قنوت نہیں دیکھتے اور اس لئے تکلیف اٹھاتے ہیں ان کی رعایت نہیں کرتا اور جب یہ صورت دنیا کے ہر ایک کام میں دیکھی جاتی ہے تو اگر ایک لحظہ کے لئے مذہب کو مٹانے کی کوشش بارور مان لی جائے اور خدا کا وجود اور اس کے جود و سزا کی طاقتوں کو معدوم فرض کر لیا جائے اس وقت جو لوگ دوسروں کا مال جھینے اور جان و آبرو لینے میں اپنا فائدہ قصور کرتے ہوں اور غیر دنیوی حکومت کے دائرہ اثر سے باہر یا خود برسر حکومت ہونے کے سبب چوسہ طاقتور ہوں یا مخفی ریٹہ دوائیوں سے کامیاب ہو سکتے ہوں وہ اپنی انسانی پاکیزگی سے محروم ہو کر دنیا کی پانچ کو بیٹھے اور دنیا پر کیا باندھنا نہیں اور اس وقت کونسی طاقت ہوگی جو ان لوگوں کو حسن اعتقاد پر مجبور کرے گی اور دنیا میں امن و امان قائم رکھگی؟ کہا جاتا ہے کہ جب تک مذہب ممالک میں اکثر لوگ مذہب کو چھوڑ چکے ہیں اور باوجود اس کے وہ جن اخلاق کا اصلی ثبوت ہیں اور معاشرت کو ایک مذہب سے کوئی نقصان نہیں پہنچا کر اول تو دیگر کمزور اقوام کے ساتھ انکار کرتا دہشت کچھ انکی اخلاقی حسن و خوبی پر روشنی ڈالتا ہے اور ثبات کرتا ہے کہ نیک بڑا نا محض انہی کے ساتھ ہے جو برابر کے طاقتور اور کلام بکھیرا دینے والے ہیں لہذا اس گفتگو کو طول دینے کے بغیر دوسری بات یہ کہ مذہب کا ہزار سال کا طولانی اثر چند صدیوں میں ہی ختم نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ چند نسلوں کی ادنی تعلیم اس کو بالکل فنا کر دے تعلیم کے برائی کا اثر روح کو تملیک کر لیا اور اب اور آئندہ ہزار ہا جمالی اور روحانی نقصان پہنچا دلا ہے اور کوئی ایسا قانون یا قانون کا بنانے والا ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت کرنا ہے اور اسکی نظر کبھی اور کسی وقت خطا نہیں کرتی غرض یہ خیال مذہب کی بکت خواب کا عالم دنیا کی فضا میں پھیلا ہوا ہے اور اسی کی کشش ہے جو انک عقل اور جہل کے دلوں کو پیرے طور پر جس فضا میں پھیلا ہوا ہے اسکی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی اور یہی کشش ہے جو دیگر مصل کے قول پر رونا دھونا کرتے ہیں کہ ان نسلوں کے بعد اس کے فاضل ہونے پر یہ کئی ضرورت کی شکل میں حکم دیتی

ہندوؤں کے اخلاق

پس مذہب کے بغیر اخلاقی ترقی کی نظیر اس وقت پیش ہو سکے گی جب یہ مادی تسلیم اور خدا کا انکار بھی مذہب کے عمر کے برابر طول کھینچے اور تمام زن و مرد پر مذہب کی طرح قابض ہو اور پھر اس وقت لوگ اخلاق میں نمود بن سکیں۔ اور حقیقت میں اگر خدا منحوس ہو گا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت ہی انسان تمام عالم خدا سے منکر ہو تو وہ وقت نہایت منحوس ہو گا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت ہی انسان ہی رہے اور مشنہ بن جائے تو نہ ملکی حکومت و قانون کی پیش جائیگی اور نہ کھوکھی اخلاقی تعلیم کے بنائے کچھ ہنگامہ اور جو لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہونگے وہ وہ قیامت برپا کریں گے کہ عالم تہ و بالا ہوجائیکہ مگر یقین ہے کہ بفضل خدا ایسا دن نہیں آئیگا اور جب تک مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے ان مشتے چند راویلا کرنے والوں کی کوشش مذہب کو نابود کرنے میں کامیاب نہ ہوگی کیونکہ فطرت کو بد بنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

ملک کی مدبر اور
اس کا نقص

ایسی کوشش کرئیے اب بھی اگرچہ چاہتے ہیں مگر مذہب کے لیے نیاز نہیں ہو سکتے
رومہ والوں نے ملک کو دیونا مانا تو اب ڈاکٹر میل اخلاق کو بحال رکھنے کیلئے انسانی زندگی کو مسیو و بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں !

کہ ”بجائے نادیدہ طاقت کے اس زمینی زندگی کو خدا بنا کر ہم اعلیٰ اخلاقی خیالات کی اشاعت کر سکتے ہیں“ یعنی خدا کے لئے بلکہ اپنی انسانی زندگی کیلئے ہم ناجائز فائدوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ

”یہ چوڑا سا حصہ اور یہ تہوڑی سی بے حقیقت عمر اگر دنیا کے پرے تک دراز نہ مانی جائے

تو ایسے چوڑے سے میدان پر اعلیٰ خیالات کی بنیاد رکھنی ممکن ہے اور یہی چوٹی عمر کا یقین

کر لینے کے بعد تو ہی یونانی فلاسفر ایسی کیوں مہیں کا عقیدہ اشاعت پاسکتا ہے

کہ کہا لو اور پی لو کل تو مرنا ہی ہے“

اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ

”انکار انسانی کی زندگی اگرچہ حقیر ہے مگر نفع انسان کی زندگی خاصی طویل اور بے انتہا ہے

اور جب ہمیں سے خاص خاص ملکوں کی زندگی خدا بن سکتی ہے چنانچہ روحہ والوں نے ایسا کر دکھایا
تو عام نوع انسان کی زندگی سے یہ تو کمین دہیا ہو سکیگا

چنانچہ ایسا اثر پیدا ہوئی تہذیب تہذیب ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یہ اعلیٰ اخلاق اپنے عروج کیلئے کسی معاوضہ کی امید پر منحصر نہ ہوگا بلکہ اسکا ایسا معاوضہ ہوگا
جو دیکھا جاسکے اور جو تکلیف کے وقت تسلی اور کمزوری کے وقت سہارے کا کام دے
اور وہ معاوضہ اگلے جہان کی مشتبہ زندگی نہیں بلکہ اسی زندگی میں ان لوگوں کی خوشنودی
ہے جنکی ہم عزت کرتے ہیں اور یہی طور پر ان تمام مردہ اور زندہ لوگوں کی پسندیدگی ہے جنکی
تعریف و تعظیم کے ہم معترف ہیں کیونکہ یہ خیال کہ ہمارے مردہ آبا و اجداد ہمارے اطوار کو پسند
کرتے ہوں گے ایسا ہی طاقتور ہے جیسا یہ خیال کہ زندہ لوگ پسند کرتے ہیں اور یہ تصور کہ
سقراط، ہارڈ، واشنگٹن، انسانی نس یا مسیح ہمارے ساتھ ہمدی رکھتی ہوں گے
یہ کہ ہم بھی اسی نیت سے کام کرتے ہیں جس نیت سے وہ کرتے تھے بہت سی نیک دلوں کے
لئے اعلیٰ خیالات کیواسطے قوی محرک ہوا ہے

ڈاکٹر موصوف اس تدبیر سے نیک اخلاق پیدا کرنے کے لئے خدا کو چھوڑ کر کوئی محسوس محرک پیدا
کرنا چاہتے ہیں مگر جہاں آکٹھیرے ہیں دیکھا گیا تو نگہی ہی غیر محسوس طاقت پر ہے یعنی خدا نہ ہی
اپنے آبا و اجداد اور بزرگوں کے ارواح کو حاضر ناظر مان کر انکی خوشنودی کا فائدہ بنظر رکھنا پڑا
اگر انکی زور و اثر تقریب کے ساتھ حسین بزرگوں کو شفیع بنایا گیا ہے وہ فلسفیانہ خیال ہی لکھ ہوا جاتا
کہ روح کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد جسمانی اجزا اپنے اپنے عناصر میں جل جلتے ہیں اور عجباً
بن کر اڑ جاتے ہیں تو پھر دیکھتے کہ یہ مردہ اور زندہ لوگوں کی خوشنودی کیونکر ہم سے ہمارے
معاوضہ کو چھوڑ سکتی کیونکہ جب وہ مگر کچھ رہے ہی نہیں تو اب خوشنودی مٹی اور ہوا کی گویا تسکین
دیگی! عرض ناممکن ہے کہ کوئی طاقت ہونیوالی اور جزا و سزا دینے والی ماننے کے بغیر انسان
نیک اطوار پر مجبور ہو سکے پس فطرت انسانی میں داخل ہونے کے سبب اگر مذہب کی اصلاح

مذہب میں اخلاق
نہیں

ترقی انسانی فرض ہے تو مدار اخلاق ہو نیکی باعث اُسکی تلقین و اشاعت اخلاقی فرض ہے۔
ان لوگوں نے مذہب کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا اور اس لئے مذہب کو چھوڑ کر
اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی ماہیت سونا آتشا نہیں ہیں اور جتنے
ہیں کہ مذہب خدا پر ایمان لانا یا کام نام ہے لیکن جو لوگ تمام مذاہب کو باعث نجات اس لئے مانتے
ہیں کہ سب میں اخلاقی تعلیم موجود ہے وہ لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود مذہب
کی حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ اُسکی اصلی خواہش خدا کا اعتقاد اور اُسکی ذات
وصفات کی معرفت ہر مسئلے کو شروع سے لیکر آج تک مذہب کی تمام شکلوں میں اور مذہبی
ترقی کے تمام مراح میں ایک بانا رہتی کا یقین کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے
کو اعلیٰ مقصد اور انتہائے نظر مانا جاتا ہے اور جب مذہب کا یہ مطلب ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا
کہ یہ اور چیز ہے اور رحم و انصاف شرافت و شجاعت وغیرہ جدا گانہ اوصاف ہیں پس جس طرح شجاعت
اور دلیری کی مشق کرنے سے صنعت و حرفت یا نجوم کی مہارت و تجارتی و معاشی کا علم حاصل
نہیں ہو سکتا سچائی اور ہمدردی کا وصف پیدا کرنے سے علم و حکمت کا وقوف پیدا نہیں ہوتا
اسی طرح انسان نیک برتاؤ اور حسن معاشرت میں لاکھ ہتھیار پیدا کرے معرفت و شہد و سہ پرہیز یا
نہ ہو سکیگا۔ پس جو لوگ محض اخلاق سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ زمین پر چلنے سے
آسمان پر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔ غرض اگر دنیا میں علت معلول کا قانون ناقابل
تنبیخ ہے اور اگر ہر ایک مدعا کیلئے اس کے مناسب حال اسباب ضرور ہوا کرتے ہیں تو یا
تو خدا کا عرفان حاصل کرنے کے لئے مذہب کی اُس حد تک پہنچنا ضرور ہوگا جس میں خدا کی سچی
معرفت کی تلقین ہو اور خدا کو انہی اوصاف و خواص سے ماننا ہوگا جو اقصیت رکھتے ہوں
اور اگر نہیں یعنی اگر خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ مذہب
کی اصلی کشش انسان کے اندر ایک غیر ضروری عنصر ہے اور اس طرح نتیجہ وہی ہوگا جو مذہب
سے انکار کر دینا لے لیتے ہیں فرق صرف اس قدر ہوگا کہ وہ لوگ مذہب کے علاوہ دشمن ہیں

اور یہ لفظ ہر اسکی ضرورت کا دعویٰ کرتے ہیں اور درپردہ جھگینی چاہتے ہیں اور انکی جانب سے جو حمایت ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک اور جذبہ فطرت یعنی اخلاق کی ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خدا کی معرفت پیدا ہونیکے بعد خواہ وہ کسی درجہ کی ہوا سکڑا تھو نہ تھو
اور تعلق پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے واسطے ایک طریق وہ غور و فکر کی شکل میں
ہیں جن کو عبادت کہا جاتا ہے اور دو سطر طریق یہ ہے کہ جن قسم کے اوصاف اور خواص خدا کے
معلوم ہوتے ہیں اسی قسم کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً خدا رحم
الضفاں انتقام وغیرہ تو ان سے دنیا کو فائدہ نہیں پہنچتا ہے اس لئے انسان ہی اپنی طاقت
کے موافق ان اوصاف کو حاصل کرے اور مخلوق خدا کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو اپنے
ذہن میں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اس لئے اخلاق بہت بڑی حد تک مناسبت اور تعلق میں
مدد دینے والے ہیں اور نہ صرف دنیوی حیثیت سے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی نہایت ضروری اور
مفید ہیں اور اس لئے مذہب اعتقاد کے بعد اخلاق کی ہی ایسی ہی تاکید کرتا ہے جیسا غور و فکر یعنی
عبادت کی۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اخلاق اور عبادت سے جو مناسبت اور تعلق خدا کی ذات سے پیدا
ہو گا وہ قدر و کیفیت میں اسی درجہ پہ ہو گا جس درجہ تک خدا کی معرفت حاصل ہو چکی ہے مثلاً اگر
کوئی شخص خدا کو مجسم اور مکان اور زمانہ میں محصور سمجھتا ہے اور یہ عبادت اور اخلاق سے اس کے
ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق ایک مجسم چیز سے ہو گا اور اسی کی معرفت کا نقش دل پر
گہرا ہوتا جائیگا اور یہ نہ ہو سکیگا کہ مجسم سمجھ کر عبادت کرتا ہو اور اس عبادت سے ہی اس کا جسم
پاک ہوتا دل میں بیٹھ جائے۔ پس اخلاق کو تعلق اور مناسبت کیلئے ضروری اور مفید تسلیم کرنے
کے بعد بھی مذہب کا مدار معرفت ہی پر رہتا ہے اور کیسے طرح ثابت نہیں ہوتا کہ ناقص معرفت کے
وقت اخلاق حسنہ حاصل کرنے سے انسان عارف کامل بن سکیگا اور محض جن ہم ملامت سے
سچے خدا تک پہنچ سکے گا۔

پابندی اخلاق
نہی تیری کا ذریعہ
ہے۔

مختلف مذہب
کی روشنی میں

اور علما و اہل دین بھی شک نہیں کرتے کہ مذہب کی مختلف شکلوں میں سے بعض ہیں بعض

کی نسبت خدا کی واقعی معرفت تک پہنچنے کی قابلیت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے ناقص اہل
 میں سے بعض کو بعض سے اچکا کہہ سکتے ہیں مثلاً اگر درخت یا پتھر کو خدا جماعا جاتا ہے تو چونکہ
 پتھر اور خدا میں بہت بڑا تفاوت ہے ایک محسوس ہے تو دوسرا غیر محسوس ایک مادی ہے اور
 دوسرا غیر مادی ایک محدود ہے اور دوسرا غیر محدود اس لئے یہ خیال خدا کی معرفت سے بہت دور
 بلکہ اس سے متناقض ہے اور اگر خدا کو درخت اور پتھر سے بالاتر سمجھا جاتا ہے مگر اعتقاد کیا جاتا ہے
 کہ انسان کو متوجہ کرنے کیلئے اس نے درخت میں ظہور اور حلول کیا ہے تو یہ خیال پہلے خیال کی
 نسبت معرفت سے کم بعد رکھتا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ شخص خدا کو جسم میں آنے اور محتاج بننے
 کے لائق سمجھتا ہے سچے عرفان سے بیگانہ ہے اور اگر خدا کو جسم میں در آنے سے بھی پاک سمجھا
 جاتا ہے مگر ولدیت وغیرہ بعض جسمانی صفات سے متصف مانا جاتا ہے یا اسکی صفات کمال
 میں سے کسی صفت سے عاری مانا جاتا ہے تو بعینہ خدا کے حلول کر نیکی نسبت یہ خیال شریف اور
 برتر ہوگا مگر ایک گونہ ناقص سمجھنے کے باعث سچی معرفت سے ہمیں بھی نا آشنائی ہے اور جس طرح
 بچہ پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک اپنی نشوونما کے مراحل میں رفتہ رفتہ جوانی سے قریب ہوتا
 جاتا ہے اور بلوغ کی استعداد میں ترقی کرتا جاتا ہے لیکن اگر بالغ ہونے کی وقت ایک دن مشیر
 بھی مریجائے تو خواہ اسے ایک شیر خوار کی نسبت بہت زیادہ لذتیں اور فائدے حاصل ہو گئے
 ہوں گے مگر بلوغ اور جوانی کی نعمت سے ضرور محروم جائیگا اسی طرح معرفت کمال کی استعداد خواہ
 کیسی قوی پیدا ہو چکی ہو لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے جس درجہ پر انسان ٹھہر جائیگا اگرچہ اپنے
 سے بہت تر خیالات کی نسبت فائدے میں رہیگا مگر اس بالاتر نعمت سے ضرور نا آشنا رہیگا۔
 اور جس طرح قریب البلوغ لڑکا کہی بے اعتدالی سے ایسا مرضی ہو سکتا ہے کہ شیر خوار سے سچی راہ
 اور لذت کو بھی کہو دے اسی طرح خدا کی نسبت کوئی سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا ممکن ہے کہ شکر
 اور نقص کے اعتقاد کو اعلیٰ خیالات سے ملا کر معرفت سے ایسا دور جا چڑھے کہ مجمل طور پر بالاتر
 ہستی کو ماننے والا اس سے بہتر ہو۔

غرض دنیا کا نظام قدرت اور سچے کے نام کا روبرو بالافتاق اور بلا استثناء و
میتے میں کہ مذہب کا سچا فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ مذہب سچا جو اور جو ہر ٹے مذہب
سے سچے فائدے کی امید رکھنا سراب سے دریا کو پانا اور شیر قالین سے شیر بیتان کا کام
لینا ہے یعنی بیچ -

سو حکم عقل ترقی اور دیگر جذبات فطرت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا
تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اس کا کمال عموماً تربیت اور دوستی کی
دہائی پر منحصر ہے اور جب انسان کو ایک حالت میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گذرتا ہے اور جنت پسندی
کی برکت سے اور ایک حالت متحرک سے ملول ہو جائے تو بلوغت کی بھی انسان کی فطرت میں بے
ہے اس میں اپنی حالت کو بدل کر اس سے بہتر حالت میں جائیگی استعداد پیدا ہوتی ہے تو اس وقت
اپنی حالت پر متحسناً نگاہ ڈالتے رہنے سے اور محاکہ کسی اور قوم کی بہتر حالت پر مطلع ہونے
ان میں سے کسی کو کوئی نیا خیال سوچتا ہے اور اکثر ہتم باشندان اور باریک نکات کو دریافت کیے
کیئے دیکھا گیا ہے کہ کبھی تمام قوم نے دفعۃً ترقی نہیں کی بلکہ عموماً اپنے زمانہ میں کسی ایک یا چند
اشخاص کو اختراع و ایجاد کی عفت حاصل ہوتی ہے اور پھر اس ایک یا چند افراد کی کوشش سے
اور نیز اپنی موجودہ حالت کی ملائمت سے ملک اور قوم اس جانب توجہ کرتی ہے اور اگرچہ عموماً
ایسے لوگ بھی اس وقت موجود ہوتے ہیں جو نئے نکات کو فطرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور
اس سے اختلاف ظاہر کرتے ہیں لیکن اگر نیا خیال واقعی ترجیح اور برتری رکھتا ہو تو ایجاد کی کوشش
بارور ہو جاتی ہے اور بتدریج پرانے اوہام نے خیال کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ زمین کے
سطح ہونیکے بعد حرکت کرنا، اشیاء کے میدان طبعی کی گردش ثقل کا، عام وسائل نقل و حرکت
بعد بخار کی طاقت سے کام لینے کا، نامہ پر کام کیلئے اور دیگر تداویع علاج کیلئے عام ذرائع کے بعد
برقی طاقت کو استعمال کرنے کا اور اس کے بعد بے تاثر میکانیکی کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے کہ
ایک مدت دراز تک ایک خیال پر قائم رہنے اور اس سے کام لینے کے بعد انسان میں قابلیت

مذہب کی تدریجی ترقی

ہوئی کہ اور طرف توجہ کرے اور پھر اُس وقت کسی بندہ خدا کو دنیا خیال سوچا اور رفتہ رفتہ اُس کی رواج ہوا۔ ڈاکٹر ایچ اے ایل انرجی یعنی طاقت کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

طاقت دنیا میں مادہ کے علاوہ ایک اخفیتی وجود ہے جو ہمارے عوہیں پر ایسا براہِ رست
انہیں کرنا جیسے مادہ کرتا ہے اور سچاس سال گزرے کہ اس جی کا کیوں علم نہ تھا اور اتنا دل
ایک بلبلانہ ضروری تھا جس کے بعد اس کے موجد دن کو اس کے وجود اور اس کی
حقیقت کا یقین آیا۔ +

اور زمین کے گول ہونیکا خیال تو غیر بہت پرانا ہے مگر ان دوسرے خیالوں کی ایجاد کا وقت
زمانہ کو یاد ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اُس وقت تمام دنیا میں سے ایک ہی مرد ایسا نکلا ہے جس نے
خلاف معمول ایک انوکھی بات معمولی واقعات میں سے نکال لی سیب کا درخت پر سے گرنے لگے
نہیں دیکھا اور گچی پر سر پوش کی حرکت سی یا اور طرح پر بخار کی طاقت کو کون نہ جانتا تھا مگر
نیوٹن اور جیمز واٹ ہی وہ خوش قسمت تھے جن کو ایسے معمولی واقعات کے کشش ثقل اور
سیسٹم انجن جیسے گراںمایہ اور متم ثباتان نتائج تک پہنچایا۔ انسان کو برہمی سے پکڑنا اور اینٹ
پتھر کی طرح ان سے سلوک کرنا اس کی آنکھوں سے پوشیدہ تھا مگر کسی نے ترس نہ کھایا اور جو
ترس کہاتے تھے ان کا کہنا زمانہ نے نہ سنا اور گرینول شاد پ ہی وہ باقبال نکلا جسکی
باریک نظر نے اس اخلاقی نقص کو دور کرنے کی تدبیر نکالی اور ان مادہ غلامی میں وہ کام کر گیا
جسکو آج زمانہ فخر سے یاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قاعدہ ہی ان تمام قسم کی ترقیوں میں
دیکھا جاتا ہے کہ ہیئت کی تاریکی میں جب کسی ترقی کا شکار ہو چکا ہے تو اگرچہ فی ذاتہ وہ شکار
پاک اور بے عیب ہوتا ہے مگر اکثر اوقات گرد و پیش کی تاریکی اُس قومین کی طرح کی آمیزش
کر دیتی ہے اور وہ خیال باوجود پاک اور اعلیٰ ہونے کے دوسرے خیالوں میں لکڑیاں پاکی اور
پست ہو جاتا ہے۔ بجائے مسطح ہونیکے زمین کے گول ہونیکا خیال ایک واقعی اور سچا خیال
تھا مگر اس کے ساتھ دوسرے مسلمات مل گئے اور گول مائیکس کو عالم کے وسط میں ساکن تسلیم

کیا گیا اور عالم کا مرکز ٹھہرا کر تمام موجودات کو اُس کے گرد حرکت کرنے والا اور اس طرح اس چھوٹے سے گرتہ کو تمام ستاروں اور سیاروں کی سپدائش کا مقصد سمجھ لیا گیا۔ غرض دوسری خیالات کی آمیزش سے زمین کی نسبت جو یقین قائم ہوا وہ رستی سے بہت دور ہو گیا علیٰ ہذا جب سیاروں کو آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے مانا گیا تو اس خیال کے ساتھ جسکی واقعیت آج تک مسلم ہے یہ آمیزش جو گئی کہ ہر ایک سیارہ میں ایک روح مانی گئی جو اس سے آفتاب کے گرد وطن کرداتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آسمان کی چند تہیں مانی ہوئی تھیں انہیں ہی روح اور حرکت ارا دی کا وجود مانا جاتا تھا پس اسی تاریک خیال کے بعد جب یہ روشن خیال کیسے پلہنے پیدا کیا تو زمین و آسمانوں کی بجائے سیاروں میں فرض کر لی گئیں اور بہتیت محبوبی سیاروں کے بارہ میں واقعی علم حاصل ہوا۔

غرض اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جذبات فطری میں ترقی درجہ بدرجہ ترقی ہے اور تربیت پر منحصر ہے اور ہر ایک ترقی کو یا نبیوالے ابتدا میں چند افراد ہوتے ہیں اور ترقی کے درمیانی درجوں میں ایجاد کرنیوالوں کی تعلیم کر دینا کے تاریک خیالوں سے کوئی مکتدہ رہ جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور روشن خیال پیدا ہوتا ہے جو اپنی حیثیت کے موافق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موجب کیلئے جگہ خالی کر جاتا ہے۔ یہی صورت ہر میں دیکھی جاتی ہے کہ اُس کا تخم فطرت میں موجود ہے اور انسان اپنی جبلت کشش کے سبب سے اسکی تلاش شروع کرتا ہے مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال کو اُس پاک کشش کے ساتھ ملا لیتا ہے مگر کچھ مدت یہ حالت قائم رہنے کے بعد حسب قاعدہ ملالت اور ناپت بیدگی کا میدان پیدا ہوتا ہے اور کسی نذر کو قبول کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اس وقت کوئی خدا کا بندہ پیدا ہوتا ہے جو اس زمانہ اور حالت کے موافق مذہب کے متعلق کوئی روشن خیال پیش کرتا ہے اور اگر چہ ابتدا میں اُس کے جدت اور انوکھے پن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر آخر وہ استعداد جو قوم میں

پیدا ہو چکی ہوتی ہے غالب آتی ہے اور اس خیال کو تسلیم کر نبوالے پیدا ہونے لگتے ہیں اور کچھ عرصہ اس روشنی کا فروغ رہنے کے بعد پھر گرد و پیش کے تاریک خیالات غلبہ پا کر اسکی خوبی کو ڈھک لیتے ہیں اور نیک و بد خیالات مل کر بہتیت مجموعی واقعیت کو دور رہ جاتے ہیں اور پھر اسی قسم کا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد کوئی اور شخص پہلے شخص کی تعلیم کے ساتھ دیگر تاریکیوں کے متعلق اپنے چند اور روشن تجربے لیکر پیدا ہوتا ہے اور جب دستور پھر باقی ماندہ تاریکیوں کے سبب سے کوئی اور شکل پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً زمانہ جہالت و وحشت میں جب فطری کشش نے مجبور کیا اور یہ پاک خیال پیدا ہوا کہ کوئی مہتمی ہم سے بزرگ اور ہماری مالک اور پیتش کے لایق ہے تو چونکہ ان لوگوں کی نظر صرف محسوسات قریب تک می پڑھتی اس لیے کسی نے کسی خوب صورت پتھر کو کسی نے کسی عجیب و غریب خست کو اور کسی نے کسی سفید جانور کو محسوسات میں سب سے بزرگ سمجھ کر اسکی پیتش شروع کی اور یہ وہ پہلا اختلاف ہو گا جو اس کے ماقبل کے متحدہ خیال کے بعد پیدا ہوا اور پھر اس حالت میں رہنے کے بعد جب ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو کوئی شخص اٹھا جس نے دخت پتھر وغیرہ کو بقید راوذا قابل عبادت بنایا اور ان کے خیال کو ان محسوسات سے بالاتر سمجھا یا چاہا مگر چونکہ انکی نظر وسیع نہ تھی اس لیے جو طاقتیں ان چیزوں سے دوسرے درجہ پر نہیں صرف انہی کی طرف متوجہ ہو سکے جس سے وہ اس کشش میں تو کامیاب ہو گیا کہ یہ دخت پتھر ہی سب سے بالاتر نہیں ہیں بلکہ ان کے اوپر بارش اور ہوا آفتاب اور ماہتاب وغیرہ کی طاقتیں ہیں جو محسوسات پر حکمران ہیں اور واقع میں یہاں تک جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بالکل سچا اور درست ہے اور اس لیے اس مسئلہ کو صرف اسی درجہ تک ماننے والے اور ایٹم پتھر کو معبودیت سے اس بنا پر بے طرف کر نبوالے کہ ان سے بالاتر اور یہی کوئی مہتمی ہے اس بارہ خاص میں برسر حق ہیں مگر پھر اس خیال میں دیگر تاریک خیالات کی آمیزش کا موقع آیا اور ہر چیز کو بے سمجھ بوجھ خدا مان لینے کی جرعات تھی اس نے دخت پتھر کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب وغیرہ

دیوتاؤں کو سجدہ کروایا اور زوجت پنچھر کی ناقابل عبادت ہونیکا پاک خیال ہوا اور آگ کی
 خدائی کے ساتھ ملکر حقانیت سے دور جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی استعداد پیدا ہونے
 پر اسی طرح کے روشن خیالوں کی تعلیم سے ترقی کرتے کرتے اُس درجہ پر آئے کہ کسی نے سب سے
 بالاتر اور جو اس سے پرے کسی سہتی کا نشان بتایا اور اس عالم کی محسوس اور نامحسوس تمام شیا
 کا تغیر اور انقلاب دکھا کر اس معبود کا پتہ دیا جو ہمیشہ کیساں رہتا ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنے
 کے بعد انسان کی دنیا پر نظر نے ایک اور شکل میں اپنی تاریکی کو ظاہر کیا کہ کبھی اپنے صبر
 تعلقات اور رشتے مان کر اور کبھی اس خیال سے کہ جب وہ ہماری گرفت سے باہر ہے تو ہماری
 دستگیری اور مدد کے لیے کئی کئی شکل میں ظہور کرتا ہوگا اُس کے لئے اولاد اور اولاد تسلیم
 کئے اس طرح باوجود نادیدہ خدا کو ماننے کے اپنی تمام توجہ دیدنی اشیاء میں صرف کرنے لگے
 اور کبھی دنیوی امثیا کو با عظمت اور بزرگ ماننے کی جو عادت راسخ ہو چکی تھی اُس کے سبب
 ایک نکتہ سب چیزوں کو اُس کا مخلوق اور محکوم ماننے پر رضامند نہ ہوئے اور اگرچہ اپنے
 تئیں اس سے بے نیاز نہ مان سکے مگر یہاں کی بعض چیزوں کو جو سب سے بڑی نظر آئیں ملا
 مادہ یا روح اور اُن کے خواص کو اسکی خالقیت پر مستغنی اور اسکی طرح قدامت اور عظمت سے
 بہرہ ور سمجھ کر ناقص اُس پاک تعلیم میں ملا کر ایسی تاریکی پیدا کی جس سے شاہد ازل کا چہرہ اپنے
 واقعی حسن کے ساتھ آنکلی کوتاہ نظروں میں جلوہ گر نہ ہو سکا۔

غرض عقل اور مذہب کے کیساں داخل فطرت ہونے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے
 یہ نتیجہ پایا جاتا ہے کہ ابتدائیں سب بنی آدم محض فطری حالت میں ہوں گے اور مذہب کی
 نسبت کیساں کیفیت رکھتے ہوں گے جیسے کہ اُس وقت عقل کی نسبت ابتدائی اور کیساں
 حالت میں تھے مگر عدائے مذہب یعنی خدا کی تلاش میں مصروف ہو کر جو کشش اُن کو قدرت
 کی جانب سے دی گئی تھی اس میں اپنی خواہشوں کو ملا کر اُس کے متعلق مختلف رستے اختیار کئے ہو گئے
 جیسے عدائے عقل یعنی فلسفی یا وقعت کی تلاش میں وقعت کو بہت سے غیر واقع خیالات سے

حاکم مختلف رہیں اختیار کر رہے ہیں پہ مذہبی تجربہ کار وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہونگے جو مناسب حال کوئی فاضل تعلیم دیتے ہونگے اور لوگوں کے مختلف عقائد کا فیصلہ کرتے ہونگے جیسے عقلی تجربہ کار اپنے اپنے وقت میں نئے فلسفیانہ نکات کی تعلیم دیکر اختلافات عقلی کا فیصلہ کرتے رہے ہیں پس جن لوگوں میں طلب صادق اور شوق حقاقت موجود ہوتا ہوگا وہ ان ہادیوں کے فیصلہ پر کاربند ہو کر اپنے مدعا میں کامیاب ہوتے ہونگے جیسے طالبانِ نوعیت اور ثانیقین فلسفہ عقل کی رہنمائی سے علم و مہر کا لطف اٹھاتے ہیں اس طرح ایک طرف عقلی فرقے اور سکول ہوتے گئے اور دوسری جانب مذہبی گروہ اور شاخیں نکلتی آئیں ایک اپنے رہنماؤں کو موجود کہتے ہیں اور دوسرے اپنے ہادیوں کو پیغمبر۔ ایک طرف ڈیوی، جیٹرو، ایڈکینسن، واڈسن، ہارٹز اور ٹرلنجن ایسے رہنما بنکر عقلی فضا میں قابلِ تعظیم و تسلیم قرار پائے تو دوسری طرف کرشن اور زردشت بدھا اور کنفیوشس۔ موعی اور مسیح مذہبی دنیا میں لائق عقیدت اور مداریا بن گئے

(پہلے) لوگ ایک فرقہ تھے پھر خدا نے انبیاءِ خوشخبری بھیجے والے اور اعدائے ڈرانے والے بھیجے اور ان کے ساتھ احکامِ بانی نازل فرمائے تاکہ لوگوں کے مابین انکی اختلافات کا فیصلہ کریں اور اختلافِ انہی لوگوں نے کیا جنکو وہ (حکمِ ربانی) اختیار کیا تھا اور اختلافِ ایسے وقت کیا جب ان کے پاس رسولین آچکی تھیں اور اختلافِ اپنی خواہشوں کی سبب کیا پیش آنے لگا تو حکمِ اس اختلاف کے بارے میں ان لوگوں کو ہدایت کی جو ایمان لائے اور جو ایمان نہ لائے کیطریقہ بتایا

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَلِيغًا فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (بقبرہ پارہ ۲۷ ع ۲۱)

۱۔ ملحدان کا چرغ بنانا والا۔ ۲۔ علاج کیلئے ٹیکا لگانے کا موجد۔ ۳۔ نور کو گراں کا موجد۔ ۴۔ تاریکی کا موجد۔ ۵۔ بقیہ نمر و ن کرنا بت کر کے بت پرست پر ایمان کی خیال پیدا کرنا والا۔ ۶۔ اکینہ نور کو گراں کا موجد جس کو زندہ انسان کی ہڈیوں کے عکس لیا جاسکتا ہے۔

باب سوئم

وحی

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟۔ مسٹر پارکر کا خیال۔ روحانی حواس کی کشف کی چند شاہین۔
یقین حاصل ہوئی عقلی اور طبی صورتیں۔ خدا کو ماننے کے دو طریق۔ جذبہ فطرت اور استدلال کی آمیزش۔
استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے۔ عقل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتی۔ مذہب کے تین خادم ہیں
تجربہ مین قوی عامل ہوتا ہے اور ضعیف مہول۔ وحی مین خدا عامل ہوتا ہے اور انسان مہول۔
بنی اگرچہ بہت ہیں مگر تمام انسان بنی نہیں ہو سکتے۔ ہستیا دین تفاوت درجات کا یا نوع کا؟
تفاوت حالات۔ انبیاء کی ضرورت۔ الہامی کتابوں کی ضرورت۔ نسخ شرائع ایسا شہر عبت
کے فائدہ سے حقیقت مین تجربہ سے معلوم ہو سکتے ہیں تعلیم کے غنا و غنی کا امت مین کچھ عرصہ تک
رہنا بھی ضرور ہے۔ سلسلہ افتاد و حمایت کی ضرورت۔ وحی اور الفاظ۔

کیا وحی انسان
اپنا فعل ہے؟

جس طرح سے عقلی موجودوں پر فلسفہ کے نئے نکات کا ظاہر ہونا خلاف عقل نہیں اسی طرح مہربی
موجودوں پر فتنے کا مازہ و قایم کا انکشاف قدرت کے عام قانون کے مخالف نہیں مگر اب سوال یہ
کہ آیا جس طرح سے عقلی موجود غور و فکر اور استدلال و استقراء سے کسی نکتہ کو دریافت کرتے
ہیں اور انکی اپنی طبیعت کا میلان اور محض ذاتی کوشش ان کو کسی ایسا تک پہنچا دیتی ہے اسی
طرح انبیاء بھی اپنی ذاتی قابلیت اور فطری استعداد سے اس نعمت کو پالیتے ہیں یا ان کے
انکشاف مین جس کو وحی والہام کہتے ہیں کسی بالائی طاقت کا ہی دخل ہوتا ہے۔ پس جو لوگ
فلسفیانہ نظر سے یہی خودیوں کا اعتراف کرتے ہیں وہ عموماً پہلے خیال کے حامی ہیں چنانچہ
سٹرٹی پارکر اس ضمن کو نہایت قابلیت سے لکھتے ہیں اور مذہب کا فطری نظریہ با
سپر چوٹلر کا عنوان قایم کہہ کے فرماتے ہیں کہ:-

مشرکوں کا خیال

”اس عقیدہ کی تفسیر یہ ہے کہ جس طرح جسمانی خواہشوں کیلئے فطرت نے اُن کے سامان ہیکے ہیں اسی طرح روحانی خواہشوں کی واسطہ بھی ہیکے گئے ہیں اور یہ کہ عیسوی رشتی اور کچھ آواز اور کان۔ خوراک اور ذائقہ۔ رہتی اور ذہن۔ حُسن اور تخیل میں باہم تعلق ہے اسی طرح خدا اور روح میں بھی تعلق ہے اور یہ کہ عیسوی طبعی میلان کی پیروی اور جسمانی توجہ کی اطاعت کرنے پر جسم کی خواہشوں کیلئے جو کھچر کھچر ہو سامان ہیکے پاتے ہیں اور صحت اور قوت حاصل کرتے ہیں اور عیسوی قلبی قوانین کی پابندی کرنے پر قلبی ضرورتوں کا سامان ہیکے پاتے ہیں اور دماغی یا قلوبیت کو جو قلبی صحت پر حاصل کرتے ہیں اسی طرح اگر ہم ایک اور طبعی میلان کی پیروی کریں اور حاصلہ خلائی و مذہبی کو ملحوظ رکھیں تو انکی ضرورتوں کیلئے بھی سامان ہیکے پائیں گے اور سب سے بڑا اخلاقی صحت یعنی اخلاقی اور مذہبی راستی اور روحانی امن شعور اور راست حاصل کریں گے۔ اس عقیدہ کی تفسیر یہ ہے کہ خدا اور روح میں جو قرب ہے دنیا اور جسم کا قرب اس سے زیادہ نہیں کیونکہ ہم خدا ہی میں زندہ ہیں اسی میں چلتے ہیں ہیں اور اسی میں بہو جو حاصل ہوتا ہے اور عیسوی ماورے قبضہ پائے کیلئے اور جسمانی ضرورتیں ہیکے کرنے کیلئے ہم جسمانی خواہشیں رکھتے ہیں جن سے فطری طور پر تمام مادی ہشیا کو جو ضروری ہوں حاصل کرتے ہیں اسی طرح خدا تک پہنچنے کیلئے اور روحانی ضروریات ہتیا کرنے کیلئے ہم روحانی خواہشیں رکھتے ہیں جن سے تمام روحانی ہشیا کو جو ضروری ہوں حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم جسمانی حالات کا لحاظ رکھتے ہیں تو فطرت کو اپنے پہلو میں پاتے ہیں اور جب روحانی قوانین کا لحاظ رکھتے ہیں تو خدا کو اپنے پہلو میں پاتے ہیں اور جو لوگ ان حالات کو مد نظر رکھیں وہ ان سب کو صداقت بخش سمجھیں۔ ہم عقل، ضمیر اور عینہ مذہبی کی وساطت سے انکی بارگاہ میں دخل پا سکتے ہیں جیسے کچھ کان اور ہاتھ کی وساطت سے براہِ رست نیچر تک پہنچ سکتے ہیں پس اپنی رہتوں میں سے اور ایک کشش ثقل جیسے یقین یا تہمت اور عام قانون کے ذریعہ سے خدا انسان پر بھی کرتا ہے اور اس پر اپنی کا الہام کرتا ہے

اور کیوں نہ ہو کیا راستی خدا کا ویسا ہی خاصہ نہیں جیسے حرکت مادہ کا خاصہ ہے؟ اس لیے اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہمیشہ کیلئے فاعل ہے تو وحی کوئی معجزہ نہیں بلکہ ذی شعور روح پر خدا کے اثر و تکریم کا ایک با ترتیب قاعدہ ہے جیسے کشش ثقل بے شعور مادہ پر اثر کرنے کا قاعدہ ہے پس وحی کو گاہ و گاہ خدا کا کنترل نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ انسان کا دائمی عروج - اور رخصت کا علم حاصل کرنے کیلئے انسان کو اس کی اپنی ذات کو پرے پرانی دستاویزوں (الہامی کتابوں) کی طرف نہیں بھیجا جاتا کیونکہ اعتقاد اور عمل کا واحد قاعدہ یعنی کلمۃ اللہ انسان سے بہت ہی قریب اور خود اس کے دل میں موجود ہے اور اسی کلمہ کے ساتھ وہ تمام دستاویزوں کی خواہ کوئی بھی ہوں پرتال کر سکتا ہے۔ خدا کے حسن و مطلق کی طرح وحی ان چند مصنفین پر محدود نہیں جن کو یہودی عیسائی یا مسلمان مانتے ہیں بلکہ اسکی وسعت ماحسی قدر ہے جس قدر نسل انسانی وسیع ہے۔ خدا تمام فضائیں ہے اسی طرح تمام روحوں میں ہے اور جس طرح وہ بے شعور اور مجبور مادہ پر اثر کرتا اور اسکو مجبور بناتا ہے اسی طرح آزاد اور ذی شعور انسان پر وحی کرتا ہے اور اسکا مددگار ہوتا ہے۔“

روحانی حواس

جس صفت کو مسٹر پارکس مذہبی خاصہ اور روحانی حواس کہتے ہیں اور جس کے قوانین کا لحاظ رکھنے سے ان کے نزدیک کشف و الہام پیدا ہوتا ہے اسکو پروفیسر جمیل ایل ایل ڈی انسانی وجود کا نہ صرف مذہبی بلکہ ایک عام حاسہ مانتے اور اپنے لیکچر میں جرات منوں نے ”مادہ ہستی کے تحقق“ کا عنوان قائم کر کے ویسے مختلف واقعات اور تجربوں کے بنیاد پر اسکو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ +

”بہاری مثالوں کے تمام سلسلہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی شعور کے اندر دیگر حواس کے علاوہ
ان سے زیادہ پر زور اور عام ایک اور حاسہ ایسا موجود ہے جو (تعمیر چشم گوش کی واسطہ کے) گہمی حیر
کے تحقق اور وجود خارجی کا علم دیتا ہے اور وہ ایسا تصور ہے جسکی بنا پر انسان کہ اٹھتا ہے
کہ ”وہ دیکھو وہ چسپ ہو جو ہے“ اور جسکی نسبت موجودہ سائنس کا ادبی علم النفس کا فصلیہ

ہے کہ قہر کی وقعت کا یقین ہی اس سے پیدا ہوتا ہے

لیکن خواہ ناہی خاصہ جداگانہ موجود ہو یا پروفیسر جیسے کا یہی حاسہ تحقق ہونے پر کشف پیدا کرنے کیلئے اس خاصہ کا ظہور جس وضاحت و پروفیسر مذکور نے بیان کیا ہے وہ طرز بیان میں وہ انہی کا حصہ ہے اور میرے نزدیک اس ضمن سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ میری تحریر میں اب تک مذہب کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے کہ وہ اکثر حالات میں جذبیہ عقل سے مشابہت رکھتا ہے اور جو شخصیتیں مذہب کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرز سے مذہبی تجربہ یعنی کشف و الہام کا ظہور ہوتا ہے اسکا بھی ذکر نہیں ہوا پس سٹر پارک کے خیالات پر رائے قائم کرنے سے پہلے ان کے لکچر کا کچھ حصہ نقل کرنا ضرور ہے۔ کشف کی صورت و کیفیت شناسانی حاصل ہو جائے اور فیصلہ کرنے میں تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھنا آسان ہو اور اس ضمن میں کی عظمت کے لحاظ سے اس کتاب کی طوالت میں خیال کرتا ہوں کہ قابل معافی ہوگی۔ پروفیسر مذکورہ بالا نتیجہ کو چند اور نظائیر ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ +

”ایک ہم نوعی طور پر اس دعوے کو پیش کرنے میں کہ خالص تجربہ ہائے مذہبی کے عالم میں بہت سے اشخاص ہیں اور اگرچہ ہم یہاں نہیں کہتے کہ ان کی تعداد کس قدر ہوگی اور جو ان پر متقدمین اور اپنے ایمانیات کو نہ صرف اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں جس قدر ان کا ذہن تصور کر سکے بلکہ شیعہ ہستی کے طور پر براہ راست آشنا ہوئے ہیں اور چونکہ کیشی مشاہدہ گھٹا بڑھتا رہتا ہے اس لیے ایسے ایماندار کے اعتقاد میں بھی نبض و بسط کی موجودیت پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کلیات کے طور پر اس قاعدہ کو بیان کرنے کی نسبت مثالوں سے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا اس لیے میں چند جوامحات پیش کرتا ہوں اور پہلے ہی نظیر کا ذکر کرتا ہوں جس میں ایسے کشف کے نزاع کا ذکر ہے اور میرے ایک دوست کی مذہبی زندگی کا نقشہ ہے وہ ایک شیفک مین یعنی اہل علم ہے اور اسکا تجربہ عام کرنا ہے کہ ایسا کشف ذہنی تخیل کی نسبت احساس سے زیادہ مشابہت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

کشف کی چند مثالیں

”میرل دس سال کے اندر چن رفتہ رفتہ لاؤریہ اور لاہریہ ہوتا گیا لیکن پہر بھی میں نہیں کہتا کہ میں کبھی اس ناقابلِ تحریف کیفیت کو بالکل کھو دیا ہو جس کو ہسپرڈٹ سپنسر اٹھارہ کے پیچھے چھپی ہوئی مکمل مٹی“ کے نام سے نامزد کرتا ہے بلکہ سپنسر تو اسکو تعلق میں نہ آئی بلکہ مٹی کہتا ہے مگر میرے لیٹے وہ ایسی بالکل ناقابلِ فہم ہی نہ تھی کیونکہ اگرچہ میں نے خدا کی طفلانہ عبادت چوڑی ہوئی تھی اور کبھی دستور کے موافق نماز کی تھیں اور انہیں کرتا تھا مگر موجودہ تجربہ یا سکا شنف ثابت کرتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ ویسا ہی علی تعلق تھا جیسا عبادت میں ہوا کرتا ہے جب کبھی مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور خصوصاً جب کبھی انجریا یا داری یا کاروبار میں کوئی جھگڑا پیش آیا یا فکر لاحق ہوا۔ میں اب سمجھا ہوں کہ ان دنوں یہی حالت کے اندر میں مدد کیلئے اسی کی طرف جھکتا تھا جسکو وہ ”کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ غرض ایسی تکلیف کے وقت میں وہ میرے پہلو میں ہوتا تھا یا میں اس کے پہلو میں کچھ ہی سمجھتا تھا مگر تعلق ضرور ہوتا تھا جو مجھے پستی دیتا تھا اور ایسی بے پایان پائیداری بخشا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حاضر ہے اور حیات کرتا ہے اور حقیقت میں زندہ انصاف صداقت اور قوت کا نہ غائب ہو نہ بالآخر شمشیر تھا جسکی طرف میں اپنی کمزوری کی حالت میں علامت بھجھتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھ کو اس حال سے نجات دیتا تھا مجھے اب معلوم ہوا کہ میرا اس کے ساتھ نمایاں اور شخص تعلق تھا کیونکہ گذشتہ سالوں سے مجھے اس لفظ و پیام کی توتلے چوڑ دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک کامل اور نمایاں نقصان پہنچا ہے۔ ان دنوں جب کبھی میں اکی طرف جھکاؤ اس کو پانے میں ناکام نہیں رہا لیکن پچھلے سال ایسے آگے کہ کبھی تو میں اسے پالیتا تھا اور کبھی بالکل نہیں پاسکتا تھا مجھے بہت سو ایسے موقعے یاد ہیں کہ تمام رات اس بیچ میں بینہ نہیں آئی اور میں تاریکی میں کروٹیں بدلتا رہا ہوں کہ اپنے اس اعلیٰ اور برتر شناسا کا دامن پکڑ سکوں جو پہلے ہر وقت ساتھ رہتا تھا اور حیات کرتا تھا گویا اب اکی رہتی رہو کہ میں کہوئی گئی ہے اور جیسے اسکے میرے سامنے ایک ہونکا میدان ہے جس میں کچھ نہیں ملتا اور اب فریادیں پچاس سال کی عمر میں اس کشفی طاقت نے مجھے

بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا ہوں بلکہ میری زندگی موت سے بدل گئی ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اب مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے وہ گذشتہ تجربے اور خوش اعتقاد لوگوں کی نماز کی ان تہی اگرچہ میں نے اسکو کبھی نماز نہیں کہا اور اب معلوم ہوا کہ (جس کو وہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں وہ میرے لئے سچ نہیں تھا) قابلِ فہمیدہستی "تہی بلکہ میرا اپنا معین و شخص خدا تھا جس پر میں حاجت کیلئے پورا توکل کرتا تھا اور جس کو میں اب کہہ رہا ہوں کہ وہ یہ ہے"

غریبی یا یسوع میں اس سے زیادہ کثیر الوقوع واقعہ کوئی نہ ہو گا کہ ایمانداروں کا ایمان اور اعتقاد قبض و بسط یا قوت و ضعف میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور غالباً ہر مذہبی آدمی کو کوئی خاص وقت ایسا نظر یاد ہو گا جبکہ صداقت کا بے وسطہ شاہدہ اور زندہ خدا کی ہستی کا براہِ راست تخیل اگر اس کے اعتقاد کے ضعف اور ہستی کو فنا کر دیتا ہو جیسے رسولِ کامل کا تجربہ ایسی قسم کا ہے وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مجھے گذشتہ جمعہ کی شام کو ایک الہام ہوا۔ میں مقامِ میدی میں تھا اور اپنے اہلِ کعبہ کے حاضر و احوال کے بارہ میں گفتگو کر رہا تھا جبکی نسبت میں نے کہا کہ بہت کم شناسا ہوں مگر پٹنام روحانی حالات پر بحث کرنے لگے اور اثنائے گفتگو میں میں نے دیکھا کہ گویا تمام عالم میرے سامنے ایک دھندلی سی چیز کی طرح گہراؤ سے نکل کر اکٹھا ہوا ہے اور اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی صفائی کے ساتھ خدا کی ہستی کو اپنی اندراور اپنے ارد گرد محسوس نہیں کیا تھا۔ تمام کمرہ میرے نزدیک خدا سے گھرا ہوا تھا اور تمام ہوا ایک ایسی چیز کے وجود کے ساتھ لہرا رہی تھی جسکو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے اور میں اس وقت ایسی صفائی اور اطمینان سے بول رہا تھا جیسے پیغمبرِ مہرِ مہر میں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ الہام کیا تھا میں نے اس وقت تک اسکا تجربہ نہیں کیا تھا لیکن میں کہیں اس کو کھل کر لون گا اور اس وقت تم سنو گے اور اسکی عظمت کا اعتراف کرو گے"

ایک اور طویل اور زیادہ مکمل تجربہ ایک پادری کا ہے جو میں مسٹار وڈ کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں

وہ کہتے ہیں :-

”بچے وہ رات بھی یاد رہے گی اور قلم کوہ کی وہ جگہ بھی یاد رہے گی جہاں میری روح کھل کر ایک غیر محدود ہستی کی طرف گئی تھی اور جہاں اُس وقت ظاہری اور باطنی دونوں جہاں ایک جامع ہو گئے تھے۔ وہ ایک عین ہستی کا دوسری عین ہستی کی طرف جانا تھا یعنی ایک عین ہستی میرے اندر ظاہر ہوئی تھی اور ایک دوسری عین ہستی تک پہنچ گئی تھی جو بے تھا ہستی اور تارون کی بھی پرستے تک پہنچ چکی ہوتی تھی۔ میں تھا اس ایک کے ساتھ کھڑا تھا جس نے مجھے بتایا ہے اور دنیا کی غول، محبت اور غم وغیرہ تمام حالتوں کو پیدا کیا ہے۔ میں نے اسے تلاش نہیں کیا تھا مگر پھر بھی میری روح کا اُس کے ساتھ کامل اتحاد محسوس ہوتا تھا اور دیگر گرد و فواح کی اشیا کا معمولی احساس اُس وقت میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اس لحظہ کیلئے سب چیزیں سو ایک ناقابل بیان مسرت اور جوش کے نامور ہو گئی تھیں۔ اس نظارہ کو مفصل بیان کرنا ناممکن ہے، اسکی مثال صرف یہ ہو سکتی ہے کہ گویا بدجے کی ایک شش چوکی بج رہی ہے جس میں تمام شے رملنے کے بعد ایک ہم آہنگی اور ایک آواز پیدا ہو رہی ہے اور جس میں سننے والا اور کچھ محسوس کرنے والا کتنا سو اس کے کہ کئی روح اوپر کو اٹھ چکی ہیں اور اپنے جوش میں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے رات کے سکون میں ایک دس سے بھی زیادہ سنجیدہ خاموشی کے اثر سے تھر تھری پیدا ہو رہی تھی اور تاریکی میں ایک ایسا وجود پیدا تھا جس کو میں معلوم کرتا تھا مگر دیکھ نہ سکتا تھا اور مجھے اپنے وجود کی نسبت شک ہو تو ہو لیکن اُس کے وجود کی نسبت کوئی شک نہیں تھا اور فی الحقیقت اس وقت میری اپنی ہستی اور کئی ہستی سے کم تھی۔ خدا کی نسبت نہایت اعلیٰ ایمان اور کمال نہایت ہی سچا تصور یہ دل میں ایسا وقت پیدا ہوا۔ میں اس وقت گویا کہہ طور پر کھڑا تھا اور اس سرور کی ہستی کو اپنے ارد گرد دیکھ رہا تھا اور دلی جوش اُس وقت جیسا کہ پہلی بار میں ہوا۔ میں اس وقت بالکل خدا کے سامنے کھڑا تھا اور اسکی روح نے مجھ کوئی زندگی بخشی ہوئی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ اُس وقت میرے خیال یا اعتقاد میں کوئی نیا تغیر پیدا نہیں ہوا تھا سو اس کے کہ وہ پیدا اعتقاد و عبادت

بجداً عقیدہ تھا اُس وقت نگہ نہ ہو کر بھول گیا تھا۔ اس وقت میرا عقیدہ تباہ نہیں ہو گیا تھا بلکہ نہایت تیزی سے اور نہایت عجیب طور پر اسکی یہ کھل گئی تھی اُس وقت سب کوئی بحث جو خدا کی ہستی کے خلاف ہو میرے عقیدے کو متزلزل نہیں کر سکی اور ایک بار خدا کی حضوری محسوس کرنے کے بعد میں نے آج تک اسے گم نہیں کیا بلکہ اسکی ہستی کی اتنی ہی شہادت میرے دل میں ہی وقت سے مستحکم ہوئی ہے اور مطالعہ اور غور و تأمل سے معلوم ہوا ہے کہ ایسا ہی علی تجزیہ اور لوگوں کو بھی ہوتا ہے جنہوں نے خدا کو پایا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بجا طور پر اسے معرفت کہہ سکتے ہیں۔ میرا عقد فلسفہ نہیں پڑھا ہوں جو اس تجربہ پر واقع ہو نہ میرے اعتراضوں کو دفع کر سکے اور نہ لکھنے میں اُس کو واضح کر سکا ہوں بلکہ میرے الفاظ نے اُس کے اصل رنگ پر کسی قدر پردہ ڈال دیا ہے مگر عجیب کچھ بھی وہ ہے جسے اسکا اپنی طاقت کے موافق بیان کر دیا ہے۔“

اور ایک اور اس سے زیادہ واضح تجربہ ہے جو ایک سوٹو زلیٹنڈ کے باشندے کو پیش آیا، اوڈین اُسے فرامیسیائی بان سے جمد کر رہا ہوں۔ وہ لکھتا ہے:-

”میں بالکل تسلسل نہ تھا ہم لوگوں کے سفر کا چھٹا دن تھا اور تنظیم عہدہ تھا۔ ہم ایک دن پہلے مقام سکسٹ سوٹو زلیٹنڈ کو جانے کیلئے رہانہ ہوئے تھے۔ میں نہ تھکا ہوا تھا اور دھوکا بھیاس تھا اور میرا قلب بالکل سکون میں تھا اور مقام فارلز پر پہنچ کر کسی غیر دعا فیت ہی معلوم ہو گئی تھی اور مجھے کوئی فکرو اندیشہ نہ تھا اور ہمارا رہبر بھی واقف کار تھا اور جین استہ پر پہنچا جاتا تھا اسکی نسبت ہی کسی غلطی کا گمان دل میں نہ تھا۔ غرض میری حالت بالکل اطمینان اور سکین کی تھی ایسی حالت میں ناگہان مجھے ایک شے کی حضوری ہوئی جو میرے اوپر چھا گئی۔ مختصر یہ کہ میں نے جانا کہ میں خدا کے حضور میں ہوں اور معلوم ہوا کہ اسکی نیکی اور اسکی طاقت میرے باطن میں درائی اور اس جوش کا بھجکا ایسا سخت تھا کہ میں فیقون کو کہا کہ تم چلو اور میرا انتظار نہ کرو اور میں کھڑا نہ رہ سکا اور ایک پتھر پڑھ لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ اُس نے مجھ کو زندگی میں اپنی معرفت دی اور مجھ جیسے ناچیز اور گنہگار پر عنایت کی اور میں نہایت خضوع و خشوع سے

وعلی کہ میری زندگی اُس کے کاموں کیلئے مخصوص ہو۔ مجھے کسی طرف سے جواب ملا وہ یہ تھا کہ مجھے ہمیشہ اکی صفا مندی کے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے تمام کاروبار کا فیصلہ اسی پر چڑھنا چاہئے۔ یہ آہستہ آہستہ اس حالت و جد نے میرے دل کو چھوڑنا شروع کیا یعنی میں نے معلوم کیا کہ خدا نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے لیکن اب بھی اندرونی شورش کا ایسا اثر تھا کہ میں چلنے کے قابل تو ہو گیا مگر آہستہ آہستہ اور چونکہ میں زار زار رویا تھا میری آنکھیں سُرخ تھیں اور میں ہمیں چاہتا تھا کہ میرے رفقائے میری اس حالت کو دیکھیں..... و بعد کی حالت چارپا یا پنج منٹ رہی ہوگی مگر مجھے اُس کا عرصہ طویل معلوم ہوتا تھا۔ میرے رفیقوں نے مقام دیون کے گزر پر میری منٹ انتظار کیا لیکن میں ان سے کوئی پچیس یا تیس منٹ میں مل سکا۔ وہ تقریباً سیسے کے دل پر یا گہرا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھتا ہوا خیال کرتا تھا کہ کیا حضرت موسیٰؑ نے طرینا پاس سے زیادہ خدا کی جڑ دیکھا ہوگا؟ اتنی بات اور سن لو کہ میرے اس وجد میں خدا کی نہ کوئی شکل تھی نہ رنگ تھا نہ بو نہ مزہ اور نہ اُس کا جلدہ کسی خاص سمت کو تھا بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے وجود کو اُس روح الارواح نے بدل دیا ہے ارجس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ لفظوں میں اس حالت کا نقشہ چھینوں اسی قدر مجھے یکوشش ناممکن ثابت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جو میں کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا حاضر تھا گو دکھائی نہ دیتا تھا اور نہ کسی اور واسطہ کے تحت میں آسکتا تھا تاہم میری قوت فہم نے اسے پہچانا۔“

(دو نظیرن کو چھوڑ کر) یہ نو گاہ گاہ خدا کی حضوری کی مثالیں نہیں مگر خدا کی حضوری کا خیال اس اعلیٰ عاوت ہوتا اس تجربے میں نظر آتا ہے جو میں پروفیسر سٹارڈلٹ کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں اور غالباً ہزاروں بے قصع عیسائی اس قسم کے تجربے بیان کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نجاس سالہ شخص کا تجربہ ہے وہ کہتا ہے کہ“

خدا میرے لئے تمام خیالات تمام ہشیا اور تمام اشخاص سے زیادہ ثابت اور متحقق ہے۔ میں اکی حضوری کو صریح طور پر محسوس کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ میں بالکل اسکے توانین کے

مطابق زندگی بسر کرنا ہون جو میرے جسم اور میرے دل میں لکھے ہوئے ہیں۔ میرا اس کو دھوپ میں اور بارش میں ہر جگہ محسوس کرتا ہوں اور میں اپنی اس کیفیت کو صرف یوں بیان کر سکتا ہوں کہ وہ خوف اور ایک لذتِ اطمینان کا مجموعہ ہے۔ میں اس سو دعا اور حمد میں اس طور پر باتیں کرتا ہوں گویا اپنے کسی رفیق سے گفتگو کر رہا ہوں اور ہماری گفتگو بہت ہی سست و محض ہوتی ہے وہ مجھ کو ہر بار جواب دیتا ہے اور بعض وقت تو جواب الفاظ میں اور ایسا صاف ہوتا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے جسمانی کان اسے سنتے ہیں مگر عموماً وہ جواب ایک مضبوط قلبی نقش ہوتا ہے اور اکثر بائبل کی کوئی آیت ہوتی ہے جس سے اس کا کوئی نیا نظارہ اور اس کے جسم اور اس کی حمایت کا منظر پیش نظر ہوتا ہے اور طبعاً بعضی کے حالات اور فاعلی کار و بار اور مالی شکست کی بابت اس کی درد و رحمت کی سیکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں جنہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں وہ مجھ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور اس کی وجہ سے میرے اندر ایک پائدار سرت موجود رہتی ہے۔

اس کے بغیر زندگی ایک تکی و قیام میدان اور بے پایاں و بے نشان صحرا سے مشابہ ہے۔

چند مثالیں اور مختلف العمر و کور وراثت کی ذکر کرتا ہوں۔ یہ سب پر فوسٹرسٹارلک کے تعلیمی نسخہ سے لی ہیں اور ایسی مثالیں پیش کر رہا ہوں کہ جن سے یہ تجربہ ایک شاہین شاہ شخص کا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ:

”خدا میرے لیے بالکل متعلق رہتا ہے۔ میں اس سو باتیں کرتا ہوں اور اکثر جواب پاتا ہوں اور جب کبھی خدا سے ہدایت کی درخواست کرتا ہوں تو ایسے خیالات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو دفعۃً آتے ہیں اور تمام ان خیالات سے جدا اور ممتاز ہوتے ہیں جو میرے دل میں اور ذہن سے موجود ہوں۔ ایک سال کا عرصہ گزرا کہ مجھے چند خدمت تک ایک ٹری ٹشویش دی تھی۔ جب پہلے پہلے وہ ٹشویش پیدا ہوئی ہے تو میں ششدر رہ گیا تھا کہ ٹری ٹشویش ہی وہ چیز یعنی دوایتین گھنٹہ میں مینے میرے طور پر پہلے پہل کا ایک فقرہ نہ کہ میری عظمت تیرے لیے کافی ہے، اور یہ جب مجھ کو اس ٹشویش کا خیال آیا مینے وہی فقرہ سنا۔ مجھے یاد نہیں کہ مینے کبھی خدا کے وجود کی نسبت شک کیا ہوا اس کا یقین میرے دل سے نکل گیا ہو۔ اور اکثر خدا نے نمایاں طور پر میرے کار و بار میں دخل دیا ہے اور میں محسوس کرتا

ہوں کہ اُس نے ہمیشہ مجھے مختصر تفصیل سے آگاہ کیا ہے اور دو یا تین دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اُس نے مجھ کو ایسی تدبیر کی ہدایت کی ہے جو میرے میلان اور میری تجویز کے بالکل خلاف تھی۔ ایک اور سترہ سالہ شخص کا تجربہ ہے جو اگرچہ ایک بچے کا ہے مگر سائیکالوجی (علم النفس) کے دو کچھ کلمہ نتیجہ خیز نہیں ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

”میں بعض اوقات گرجا میں جاتا ہوں وہاں بیٹھتا ہوں اور فریضہ ادا کرتا ہوں مگر باہر کھڑے سے مشتیر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا خدا میرے ساتھ ہے میری دہن جانب ہوا میرے ساتھ زبور پڑھتا ہے اور مجھ کو گاتا ہے اور پر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں اُس کے پاس بیٹھ سکتا ہوں اپنی باتوں سے اس کی کوئی بے حسکتا ہوں اور اُسے بوسہ دے سکتا ہوں اور جب میں قربان گاہ کے پاس جاتا کرتا ہوں تو اُس کو پانے کی کوشش کرتا ہوں اور اکثر اکی حضوی محسوس کرتا ہوں۔“

مختلف مقامات سے چند اوشالین لکھتا ہوں۔ ایک کہتا ہے۔ ”خدا مجھے ایسا محیط ہے جیسا کوئی جہانی کرہ۔ وہ میرے لیے میرے اپنے سانس زیادہ قریب ہے۔ میں حقیقی طور پر تسبیح رہتا ہوں اسی میں حرکت کرتا ہوں اور اسی میں میرا تمام وجود ہے۔“

ایک اور کہتا ہے

”ایسا اوقات مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں خدا کے حضور میں کھڑا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں اور میری مناجات کے جواب مجھ ملتے ہیں اور بعض اوقات وہ جواب بالکل پہلے سے ہوتے ہیں اور اللہ ہی اثر سے اکی حضوی اور اس کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کچھ وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھ سے بہت دور معلوم ہوتا ہے مگر یہ ہمیشہ میرا اپنا ہی قصور ہوتا ہے۔“

ایک اور کہتا ہے۔

”میں ایک حضوری کا احساس رکھتا ہوں جو قوی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بخش ہوتی ہے اور وہ میرے اوپر مطلقا قی رتی ہے اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے مجھ کو تلمے ہو رہی ہے۔“

† اس قسم کے تجربے اگر کشف ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور طلبانِ خدا ہر زمانہ میں اپنی اپنی استعداد

”یہ ہے اُس وجود مطلق کا خیال جو انسان کے دل متعیش ہوتا ہے اور یہ ہے وہ اعتقاد جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ جسے کل ہستی پیش نظر ہوتی ہے اور ایسے نمایاں طور پر جیسے خللِ بلوغ کے قوت میں خیالی تصویریں۔ اور ہمارے اوضاع و احوال پر اُن کا ایسا پختہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ عاشق کے دل پر اُس کے محبوب کے خیال سے یوں عاشق کے اندر خصوصیت کے ساتھ ایسا احساس ہوتا ہے کہ خواہ وہ کسی چیز

کے موافق اس شربت کا مزہ چکھتے رہیں۔ یہ قوی اقبال و ادب کا اثر ہے جو حوالی ہمت میں دماغ تک دیگر طرح کی خوبیوں کے ساتھ اس قسم کے تجربوں کو بھی نقل و تحریر سے زندہ رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہیں اور دوسری طرف جو میں غفلت و جہالت کا شکار ہو چکی ہیں وہ جیسے اپنے دنیوی ہنر و دون کی قد نہیں کرتیں اسی طرح ان باطنی اہل کمال کے اکھاڑوں کو قائم رکھنے کی بھی آرزو نہیں رکھتیں ان کے پاس اگر کچھ سرمایہ ہے تو وہ چند غفلت گان لحد کی سرگزشتیں ہیں جو گذشتہ قدر دانوں کی برکت سے فرسودہ اور اُن میں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں چنانچہ میں خود عطار رحم کی کتاب سے دو چار اسی قسم کے حوالے نقل کرتا ہوں۔

خواہ بایں دید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ نیکو کمال ہوا انہوں نے فرمایا کہ ”لو لکین میں ایک وفعلت کو میں شہر سے باہر نکل گیا۔ چاندنی رات تھی اور جہان سکون میں تھا۔ مجھے ایک حضوری ہوئی کہ یہ اٹھاد ہزار عالم اس کے سامنے ایک ذرہ معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل سے ایک شور مٹھا اور عجیب حالت ہی ہوئی۔ میں نے عرض کی یا اہی اہی بڑی بارگاہ اور اہی خالی ایسا کارخانہ اور اس طرح پوشیدہ۔ آواز آئی کہ بارگاہ سلیمہ خالی نہیں کہ کوئی آئینہ بلکہ اس لئے خالی ہے کہ ہزار شستہ یعنی ہر ناپاک اور نالائقی کو اس بارگاہ میں داخل نہیں کرے۔“ میں نے یقین کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اُس نے مجھے نام موجودات سے متعین کر دیا اور اپنے نور کا جلوہ مجھ پر بظاہر کیا اور اپنے اسم را نامیاں فرمائے اور اپنی عظمت اور اپنی ذات مجھ کو کہا ”میں تو اُس ذات اور اپنی صفات کا خیال کیا میرا نور خدا کے نور کے سامنے آئیکی تھا اور میری عظمت خدا کی عظمت کے سامنے حقارت تھی اُس طرف ہم تن صفائی تھی اور اس طرف ہر تپا لک و رت پہر جو دیکھتا ہوں تو اپنے تئیں اُس کے نور میں پاتا ہوں اور مجھ پر حشف ہر اک میں جو کچھ کرتا ہوں اسی کی قدر سے کر سکتا ہوں اُس کا نور میرے ہم میں چمکا حقیقت

کی طرف متوجہ ہو جس کا اپنا مطلوب ہر وقت اُس کے سامنے رہتا ہے، اُس کے محافظہ سے کہیں نہ
نہیں ہرانا اور ہمتیاس پر اپنا اثر کر رہا رہتا ہے۔“

یقین حاصل ہو چکی عقل
اور قلبی صورتیں

ایسی حضوری کے احساس سے جو خیال پیدا ہوتا ہے مجھے اسکی نسبت اور ہی کچھ کہنا ہے
ایسی حضوری جس کو محال ہو سکے اعتقاد یا ہی نچتہ ہوتا ہے جیسا کسی ظاہری حواس کے تجربہ کا ہوا

یہ ظاہر مولیٰ کے عبادت جو میں کرتا تھا وہ بھی میری طرف متوجہ تھی بلکہ اسکی طرف سے تھی اور میں ہی سمجھتا رہا کہ
میں عبادت کرتا ہوں۔ جیسے عرض کی خداوندیہ کیلئے معاملہ ہے جواب ملا کہ سب کچھ میں ہی ہوں کوئی اور نہیں ہے
کام کا ارتکاب تیری طرف سے ہے مگر اسکی محافظت اور توفیق میری جانب سے ہے۔ جب تک میں توفیق نہ دوں تجھ سے
عبادت یا اور کوئی کام نہیں ہو سکتا عرض اس وقت مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ یہ میری آنکھیں ہیں نہ میرے کان ہیں
اور نہ میری ہمتی ہے وجود بے ہی کا ہے اور اس وجود نے باوجود میرے موجود نہ ہونے کے مجھے اپنی ہمتی سے
آگاہ کیا ہے پس میں خدا کو خدا سے دیکھتا تھا اور نہایت سکون اور اطمینان کا عالم تھا میرے کان سنتے نہیں تھے
زبان بولتی نہیں تھی اور نہ کسی علوم و فرائض ہو گئے تھے۔ میں اس بے سامانی کج حالت میں بہت مدت بسر
کی۔ پس خدا نے مجھ پر غایت کی اور مجھ کو ازل کی علم بخشا اور اپنے ذریعے مجھے نگہیں غلبت کین۔ پس میں نے کسی
کے نور سے اسکو دیکھا اور اسکی وساطت سے تمام موجودات کو دیکھا اور اسے القا ہوا کہ کیوں بائزید کو کیا ہے ہم
اور ہامہ اور بے آلہ اور بآلہ سے جیسے عرض کی خدا یا میں اس شرف پر مغرور نہیں ہوتا اور اپنی ہمتی کیلئے تجھ سے
مستغنی نہیں ہوں۔ میں نہ ہوں اور نہ میرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ تو میرا ہو اور میں ہوں اور میں تجھ سے بہتر
کردن اس سے بہتر ہے کہ تیرے بغیر اپنے نفس سے گفتگو کردن حکم ہوا کہ شریعت کا خیال کیا کہ اولاد مذہبی کی حد سے
چاؤن باہر نہ نکال تا تیری کوشش مشکور ہو۔ اس کشفی حالت کے بہت سو کلام کے بعد فرماتے ہیں کہ کہیں کشفی
ترقی میں میں روحانیت کے درجہ پر پہنچا اور وہ پہلی دفعہ تھی کہ میں نے توحید کو دیکھا کئی سال تک میں اُس ہی
میں دوڑتا رہا۔ پھر معلوم ہوا کہ میں پرندہ بن گیا ہوں جو اسکی صفات کے فضا میں اڑتا ہوں اور نیز دل میں خیال کیا
کہ میں ضلالت پہنچ گیا مگر آگے اہمیت کا میدان تھا نہانچہ مجھے معلوم ہوا کہ اگر مابین تیس ہزار سال مصائب کے

کرتا ہے اور یہ اعتقاد اُن نتائج سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے جو منطقی استدلال سے پیدا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ بہت لوگ کن مین ایسا احساس ہی نہ ہو لیکن جس کسی میں پیدا ہوا ہو وہی مستحکم طور پر تودہ اپنے عقیدہ کو ایسا حق اور صدق جانتیگا کہ گونچنے سے سخت دوسل کے خلاف پیش کیجائے اور گو وہ خود اسکی تردید کے قابل نہ ہی ہو مگر اُس کے اعتقاد میں کتنی منزل

فضائیں اور تیس ہزار سال الہیت کی فضا میں اور پچیس ہزار سال فردانیت کی فضا میں مڑا رہا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ سینے اس طرح کی چار ہزار دایان تبلیغ کی ہیں مگر نگاہ کی نواپنٹے تین درجہ انبیاء کے آغاز میں پایا پہرینے اس سے نہایت فضا میں اس قدر سفر کیا کہ میں سمجھا اس سے اوپر اور کوئی قرب کا درجہ نہ ہو گا مگر دیکھا تو لپٹا سر انبیاء کے پاؤں پر پایا اور معلوم کہ دوسرا کی انتہا دانیاء کی ابتدا ہے۔“

خواجہ ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں ”چالیس سال گذرے ہیں کہ مجھ میں اور میرے دل میں جدائی ہو گئی ہے اس عرصہ میں نہ مجھ کوئی آرزو پیدا ہوئی اور نہ کسی شہوت نے ستایا اور نہ کوئی خیال دل میں گذر اور یہ جیسے ہے کہ سینے کا کوچا ہوا اور وہ اس طرح ہوا کہ سینے ایک چمک دیکھی جو محسوسات سے پرے غیب تک پہنچی ہوئی تھی اور میں اسے دیکھتا رہا بیان تک کہ میں خود اس نور میں گم ہو گیا۔“

ایک دفعہ شیخ جنید بغدادیؒ خواجہ ابوالحسن نوریؒ کے پاس آئے نوریؒ نے فرمایا کہ ”یا ایہ الطائفین ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوں اور طاقت سلب ہو چکی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ تیس سال ہو کہ جناب جلدو کرتا ہے میں گم ہو جاتا ہوں اور جب میں ظاہر ہوتا ہوں وہ غائب ہو جاتا ہے عرض اسکی حضوری ہمیشہ میری غیبت میں ہوتی ہے میں ہر چند زاری کرتا ہوں مگر اہر سے جواب ملتا ہے کہ یا تو رہیگا اور یا میں“ جنید نے کہا ”اے نوریؒ ایسا ہونا چاہیے کہ تو نہ ہو اور جو کچھ ہو ہی ہو۔“

حضرت ابراہیمؑ عدویہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ جو اس قدر عبادت میں مصروف ہیں کہیں اپنے خدا کو دیکھا ہی ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اسکو نہ دیکھتی تو کبھی عبادت نہ کرتی ”چنانچہ ان کا قول ہے کہ ”اے بنی آدم خدا کی طرف نہ آنکھوں کو راہ ہے اور نہ زبان کو کان اس بارہ میں کہہ میں نہیں سکتے اور پاؤں حیرت کے مارے

ہے ایسا غلط فہم جو رائے معرفت آپہی کے خلاف ہو اس کو استدلال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس استدلال عقلی کا زور اس بات پر ہے کہ عقائد کی بنیاد واضح ثبوت پر ہونی چاہئے اور ایسے ثبوت میں چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضرور ہے (۱) اصول کلیہ صحت بیان ہو سکیں (۲) حسی واقعات صحیح اور نمایان ہوں (۳) ان واقعات سے جو خیال قائم کیا جاوے وہ مشخص معین ہو۔ (۴) سوالات منطقی اصول کے ملوث واضح ہوں۔ مبہم اور ناقابل توضیح خیالات کا استدلال عقلی میں کوئی دخل نہیں اور یہ فی الحقیقت قوائے ذہنیہ کا ایک عظیم الشان تقاضا ہے اور ہمارا تمام فلسفہ اور تمام علوم ظاہری ایسا کا ثمرہ ہیں۔

لیکن اگر ہم انسان کی قلبی حالت کو دیکھیں اور اسکی اس زندگی کا مطالعہ کریں جو علم و فہم سے قطع نظر کوکے وہ کہتا ہے اور جس کا اندرونی اور ذاتی طور پر وہ اتباع کرتا ہے تو ہکو اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس حالت اور اس زندگی کا وہ حصہ جس کو استدلال عقلی ہنرمندان ظاہر کرتا ہے یعنی واضح اور مفصل دلائل کے سوا کسی امر پر یقین نہ کرنا (یہ نسبت ایک سرسری اور مصنوعی حصہ ہے آئین

چل نہیں سکتے۔ یہ کام دل کا ہے کوشش کرو کہ دل بیدار حاصل ہو کہ جب دل بیدار ہوگا تو ہر اس کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں کیونکہ بیدار دل ہی وہ ہے جو خدا میں گم ہو جائے اور جو اس میں گم ہو اس کو مددگار کی نیابت موزم بہا میں ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ اور دینار میں درائین اور مدت تک باہر دھنیں خداوند نے عرض کی کہ باہر آئے اور خدا کی صنعت کو دیکھئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو اندر آنا کہ اصل حق کو دیکھے۔ چھپر صلح کے دیدار نے ایسا محو کیا ہے کہ صنعت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

ہاں تصورات کے حوال میں اس قسم کے کشفی اظہار اکثریت سے مل سکتے ہیں مگر یہ ضرور ہو کہ وہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یا تو فہم غریب یا بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے اور ایسا کسی الہام میں انکی رفتار کو تیز کر نیکیہ کو کچھ اور علی غایہ یہی ہوتا ہے کہ جس کے واسطے اس کیفیت کو ظاہر کرنا ضرور تھا وہی ایسا کہ خواہ بایزید کے کشف میں دیکھا گیا ورنہ ان دونوں فنون کے سوا عام طور پر ان تصورات کو کشف کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے ہر مہین ناگزیر ضروری کی آبرش نہ ہو چنانچہ شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ہر مہینا ہر مہینہ کا دعویٰ تکرار کیا گیا کہ دعویٰ سچا ہی ہو تو اپنی تعریف ہوگی اور صدیق اپنی تعریف نہیں چنانچہ شیخ ذوالنون کا متفقہ یہ کہہ دینا ہے کہ گناہ

تو شک نہیں کہ زندگی کا یہ حصہ ایک خاص عوالم کہتا ہے کیونکہ اس میں بکواس زیادہ ہوتی ہے
 اور ثبوت نامہ کہ اور کچھ سمجھ کر کے زبان بند کر دیا کرتے ہیں لیکن اگر تمہارا وجدان اور قلبی میلان
 اس کے نتائج کے خلاف ہو تو دل کو پہرہ لینے اور اپنی بات پر یقین لانے میں یہ بالکل ناکام رہتا ہے
 اگر تمہارے اندر وجدان ہے تو تمہاری فطرت میں اس کا مرکز استدلال عقلی کے مرکز سے زیادہ
 عینی ہے۔ تمہارا وجدانی علم تمہاری قلبی تحریک تمہارا اعتقاد اور تمہاری ضروریات یہ سب ملکر
 ایسے مقدمات بناتی ہیں جن سے تمہارا دل ایک نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے اور تمہارا عزائم کوئی جاننے
 ہے جو جان لیتا ہے کہ نتیجہ ان نتائج سے زیادہ سچا ہے جو عقلی کچھ کچھ سے پیدا ہوتے ہیں خواہ
 وہ کیسی ہی قوت سے مقابلہ کر رہے ہوں اور یہ استدلال عقلی کا درجہ میں کمتر ہونا خواہ وہ مذہب کی
 تائید میں پیش کیا گیا یا اس کی تردید میں ہر جگہ نمایاں ہے وہ بڑے بڑے فخر جن میں نظام کا پتہ
 سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب
 ایسے حقیر ہو گئے ہیں کہ کتب قانون میں انکی بجائے خاک بہری جلتے تو مضائقہ نہیں
 اس تیر خیال کی صرف یہ وجہ ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جس کو وہ دلائل
 ثابت کرتی تھیں۔ آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں ہے جس نے اس دنیا کو
 اپنا جلال ظاہر کر نیکی کے لئے پیدا کیا ہے بلکہ ہمارا عقیدہ کیوں پیدا ہوا ہے اسکو تقریر میں ہم
 بیان نہیں کر سکتے۔ نہ دوسروں کو تسلی دینے کے قابل اور نہ اپنی تسلی کے قابل۔ آج جو خیال پیدا
 ہو رہا ہے کیا خالق اگر کوئی ہے تو وہ رحیم قدیر خدا نہیں بلکہ ایک جبار اور محدود ہستی ہے میں
 اس کے خلاف ہی ایسی ہی بحث کر سکتا ہوں جیسی خدا کے ثبوت کے خلاف ہو سکتی ہے۔
 حقیقت یہ ہے کہ اہمیات اور مذہب کے دائرہ میں عقلی دلائل جیسی تک مفید ہرگز نہیں کہہ
 خود۔ باری وجدانی رغبت میں نتیجہ کو مانتی ہو۔ اس حالت میں بیشک ہماری ضمیر اور ہماری عقل ملکر
 کام کرتی ہیں اور اسی سے ایک دنیا پر حکومت کرنا اور اعتقاد جیسے بدھ یادوں کی تصحکات سب
 میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس وقت ہمارا میلان طبعی اعتقاد کا اصلی عنصر رہتا ہے اور عقلی دلائل صرف

اسکو تہمید کے کلیۃً قاعدہ بتانے کا کام دیتا ہے۔ پس بے دلیل اور فوری یقین ہماری فطرت میں نہ نشین ہوتا ہے اور ثبوت عقلی سطح پر تیرنے والا بکسر ضعیف رہتا ہے اور زمین پر رہنے والی شخص کو خدا کی سستی کا ایسا ہی یقین ہے جیسا مینے گذشتہ حوالجات میں بیان کیا ہے تو ہمارا اعتراضی دلائل اس کے اعتقاد کو بدلنے کی جو کوشش کریں گے محض بیہودہ ہوگی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ خلاف عقل اور بے ثبوت باتوں کو مذہب میں فوقیت دینی چاہئے اور عقل سے بالکل آنکھ بند کر لینی چاہئے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ واقع میں دنیا کرتی یونہی ہے۔

نہا کو ان کے دور
تاریخ -

فاضل پر فوسیر نے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بجا فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مذہب کی بنیاد وجدان پر ہے اور نہ ہی جذباتی فطرت میں موجود ہونے کے بعد دوسرے پیش آتے ہیں ایک تو وہ تجربہ اور کشف کا راستہ ہے جبکہ چند مثالیں انہوں نے لکھی ہیں اور جو عقلی اُنکے مذہبی دنیا میں بشمار موجود ہیں اور دوسرا رشتہ استدلال عقلی کا ہے جو بعض لوگوں نے وجدان کی دنیاوی کے بغیر اختیار کیا ہے یعنی انکی غیبت مذہب کی تلاش اور مدعا سے مذہب کی جستجو میں پڑا۔ وجدان اور جذبہ فطری سے ہوتی ہے مگر اس پر یقین اور اعتقاد کرنے کیلئے ویسا تجربہ اور کشف حاصل نہیں ہوا اور بجائے اس کے عقلی غور و فکر اور قیاس استدلال سے کام لینا پڑا ہے۔ اسکی عمدہ مثال موجودہ فلسفہ ہائے مذہبی میں مشہور جرمن فلاسفہ ایمینوئل کانت کے مسکات میں ملتی ہے جس کے عقیدہ کو ڈاکٹر مصطفیٰ یون بیان کرتے ہیں :-

جذبہ فطرت اور استدلال
کی استیصال

”ایمینوئل کانت خدا کی نسبت، پیش بینی کے ساتھ پیدا کرنا کی نسبت، روح اور روح کی آواز اور حیات بعد الموت غرض ایسے عقاید کی نسبت عجیب ہے کہ تو میں۔ وہ کہتے ہیں کہ چیزیں علم معمول نہیں ہو سکتیں (یعنی انکا علم نہیں ہو سکتا) کیونکہ ہمارے فطرتاً ہیثیتہ چاہتے ہیں کہ کوئی محسوس چیز جس پر وہ عمل کریں اور چونکہ لفظ خدا روح اور سرمدیت کے مقابل میں کوئی محسوس معنی موجود نہیں اسلئے استدلالی طور پر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا لفاظ کوئی اصلیت نہیں رکھتے مگر عجیب بات کہ عملی طور پر ہم ان کے معین بنی مراد لیتے ہیں۔ ہم اس طرح کاروبار کرتے ہیں گویا کوئی خدا نہ کہ تو میں

ایسے طور پر غور و فکر کرتے ہیں گویا ہم آداویہ بن۔ نظامِ فطرت کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں گویا وہ خاص پیشین بینی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ تدبیر کرتے ہیں گویا ہم فریفتنی ہیں اور ہر ہم پاتے ہیں کہ یہ الفاظ ہماری اخلاقی زندگی میں ایک واقعی اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ پس ہمارا اعتقاد کہ یہ محسوس اشیاء موجود ہیں اس بنا پر ویسا ہی اعتقاد ہے جیسا اس صورت میں ہوتا جبکہ ہم اس کو حقیقت میں تصور کر سکتے ہیں ہمارے ذہن کا یہ ایک عجیب نظارہ ہے کہ ہم یہی چند اشیاء کے حقیقی وجود کے قائل ہیں جن کا تصور ہم کسی طرح ہی نہیں کر سکتے۔

اگرچہ کائنات نے اپنا اعتقاد کو محض جذبہ فطرت پر بنا لیا ہے اور دیگر عقلی دلائل کو کام نہیں لیا بلکہ انکو کافی نام ہے مگر چونکہ جذبہ فطرت کو ملت ٹھہرا کر اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے اس لیے ان کا مسلک بھی استدلال عقلی میں ہی داخل ہو گا اور معرفت کے ان تجربوں سے جدا گانہ ہو گا جنہیں خدا کی براہِ راست حضوری اعتقاد کو مستحکم کر دیتی ہے پس غالباً میں غلطی نہیں کرتا ہوں جبکہ کہتا ہوں کہ فطری کشش کے بعد دوسرا مسلک ہو جاتے ہیں ایک میں جذبہ فطری کی شہادت پر عیسائی کائنات کا خیال ہے یا کسی اور عقلی شہادت پر خدا کو ثابت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا مسلک ہے جنہیں اپنے عینی مشاہد سے اور اپنے کشف و اہام کو مایا یا مان ٹھہرایا جاتا ہے اور خدا کو اس لیے مانا جاتا ہے کہ اسکو دیکھا ہے۔ پس یہ جدائی کشش کے بعد جو عقلی طریقے خدا کو ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے کے ہر زمانے میں مختلف عقلا نے ایجاد کئے ہیں اگر انکی اس کوشش کو بھی وحی و اہام کے نام سے لقب کیا جائے تو ایسی وحی کی نسبت مٹھ پیار گئی کا خیال بیشک درست ہو گا کہ اس میں کسی بالائی طاقت کو دخل نہیں اور صرف وہی جذبہ فطرت اور عقلا نہ غور و تامل کی طاقت ہے جس نے ان عقلا کے ذہن میں خدا کو ثابت کرنے کی دلائل پیدا کیں اور جذبہ فطرت اور عقلی دہوش کا نشان انسانوں میں پایا جاتا ہے اس لیے عقلی مخر دکی وحی کو اگر وحی کہا جائے تو بقول ان کے یہ ایسی ہی وسیع ہے جیسی وسعت نسل انسانی کو حاصل ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ محض عقلی استدلال وحی کے لقب سے لقب ہے اور یہ کہی مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے بلکہ جذبہ

بالائی عقلی انسانکی
اپنی ترقی ہے۔

فطرت سے مذہب کی تلاش پیدا ہونے کے بعد اُس کا وجود اور اسکی اشاعت اُنہی لوگوں کے
توسل سے ہوئی ہے جو براہِ راست خدا سے تعلق رکھنے کا اور اُس کے جلوے دیکھنے کا دعو
کرتے ہیں اور پھر جب مذہب کے مخالف اسکا انکار کرتے ہیں تو اُن کی دِان بندی کیواسطے
مذہب کی جانب سے اپنے اپنے حال اور زمانے کے مناسبت علی دلائل پیدا کی جاتی ہیں۔
پروفیسر جمیس ایک اور لکچر میں فرماتے ہیں +

مٹرف کے مضمون نے ہمیں اس سوال تک پہنچایا ہے کہ آیا وجود باری تعالیٰ کا احسا
کیا ایسا احساس ہے جس کو ظاہر میں نظر ہی صحیح مان سکے۔ اس سوال کو پہلے تصوف کے آگے
پیش کیا تو اگرچہ تصوف نے بڑے زور سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کیا مگر اس کے تجربے
ایسے مخفی اور زیرِ باہر مختلف ہیں کہ اس کا فیصلہ عام طور پر قابلِ تسلیم نہیں ہوتا البتہ فلسفہ دعو
کرتا ہے کہ جو فیصلہ اسکی بارگاہِ صمد اور مودہ عام اہلِ الارے کے نزدیک قابلِ تسلیم ہوتا ہے
اس لیے یہی سول فلسفہ کے آگے پیش کیا جاتا ہے..... (آگے فلسفہ کے روضہ فیصلہ لکھ
دہن نے کیلئے اسکو یوں بیان کرتے ہیں) ملے اعتقاد ہے کہ مذہب کا اصلی حشر بنیادِ خدا
ہے اور فلسفیانہ اور عالمانہ دلائل جو اسکی تائید میں پیش کی جاتی ہیں وہ دوسرے درجہ پر ہیں
اور ضمیر کے فیصلہ کو ان سے وہی نسبت ہے جو کسی مضمون کو اس کے دوسری زبان کے ترجمہ
سے ہوتی ہے مگر صرف اتنا کہنے سے غلط فہمی واقع ہوتی ہے اس لیے میں بیان کرتا ہوں
کہ میرا مطلب کیا ہے۔

عقل مذہب کو پیدا
نہیں کر سکتی۔

جب میں عالمانہ دلائل کو دوسرے درجہ پر کہتا ہوں تو اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی دنیاوی
چوبیسین بھی احساس پیدا نہیں دہتا تو تو میں یقین نہیں کرنا کہ ایسی دنیا میں محض عقل کی مددائی
سے مذہب پیدا ہو جائے اور میں یقین نہیں کرنا کہ ایسی دنیا جس میں ایک طرف تکالیف اور دکانیہ کے
ساتھ اُن سے نجات پانے کی تلاش اور دوسری طرف عارفانہ الہام نہ ہوتے تو ایسی دنیا میں
صرف خشک عقلی غور و فکر ایسا مذہبی فلسفہ پیدا کر سکتا ہے کہ آج ہمارے پاس موجود ہے۔

دنیا میں صرف مظاہر قدرت کی عالمانہ چھان بین ہوتی اور یہی دنیوی علوم مرتب ہوتے جو آجکل موجود ہیں یا نہیں اس علوم کے ساتھ ہی قدرت روحانی مناظر کی تلاش کیجاتی جیسا کہ اب بعد میں اسکی طرف میلان ہوا ہے لیکن وہ بلند پروازی ان جوہر ساختہ ادنیائی دلائل غریبی کی صورت میں کیجاتی ہیں اسکی طرف اس دنیا کے گوگون کا میلان ہرگز نہ ہوا کیونکہ ان کو خدا کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی پس بالائیل عقل میرے نزدیک عقاید ثانوی اور برونی عالمین میں جن کو عقل نے ضمیر کی ہدایت اور وجدان کا اشارہ پا کر بنالیا ہے اگر آپ کے آخری کتب میں ”ماہب جو کچھ لکھا کرتا ہے وہ حقیقت میں ذاتی تجربہ کی چیز ہے۔ وہ خدا کو واقع میں حاضر نظر جانتا ہے اور بندہ اور خدا میں تعلقات و ادوسہ کو واقعی سمجھتا ہے پس اگر اس عنیدے سے میں اپنے دل پر کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہوا راستہ لال عقل سے مارو لینے کی ضرورت ہونا مستلزام ہے اتنا بڑا سہارا دینے سے قاصر ہو گا جسکی اسے ضرورت ہے۔ اسند لال بیشک اخات کی تقسیم تعریف اور توضیح کر سکتا ہے لیکن انکو پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ان کو شخص معین کر سکتا ہے اور مذہب میں یہاں تک نہ۔ ماحات ہے کہ گویا خدا وہ سامنے موجود ہے پس اسے صرف وجدان ہی ثابت کر سکتا ہے۔ فلسفہ اس فضائیں دوسرے درجہ کی قوت ہر اور عقیدے کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتا پس تفسیر ہمہ تناسات کے ساتھ مکونیتجہ نکالنا پڑتا ہے کہ تجاربہ ہی کی صداقت کو محض عقلی عمل (عقل) سے ثابت کرنا بالکل خلاف امید ہے۔“

ذہبی کے خیر و شر میں

عرض معلوم ہوا کہ مذہب کے تین خاوم ہیں۔ جذبہ فطرت، تجربہ یعنی کشف اور استدلال۔ ان میں جذبہ فطرت اہل الاصول ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کم و بیش تمام انسانوں میں موجود ہے اور اسکی نسبت یہ سوال بے محل ہے کہ ابھر کسی بالائی طاقت کو دخل ہے یا خود بخود موجود ہے کیونکہ انسان اور فطرت انسانی کا جو خالق مانا جائیگا اسی طرف فطرت اور جو اس فطرت ہی منسوب ہوئے گئے اور استدلال چونکہ عقل کی ایجاد ہے اسلئے جہاں عقل کا وجود ہو گا وہاں اس کا وجود بھی ممکن ہے پس براہ راست بالائی طاقت کا دخل صرف انہی حالات کی نسبت دیکھنا باقی رہا جن میں

بیواسطہ خدا کی حضوری ہوتی ہے سو اسکی نسبت غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تجربہ کیلئے کچھ نہیں کیا قانون مقرر ہے کیونکہ جو فائدہ عام طور پر تجربہ کیا واسطے مقرر ہوگا ضرور ہے کہ انبیاء کے تجربے پر ہی وہی فائدہ ہو سکیگا۔

تجربہ میں غلطی
اور ضعیف سمجھ

موجودات عالم میں سب کے کم درجہ جمادات کا ہے اور سب کے اوپر سب تیب نباتات حیوانات اور انسان کا درجہ ہے اور ان سب کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور علیٰ غراط قانون میں قوت کیمیائی، قوت نور، قوت حیوۃ، قوت فعل، اور قوت ارجاع ایک دوسرے سے منسلک و برتر ہیں اور ایک دوسرے پر مؤثر ہے جمادات کو نباتات اپنی نسلوں اور سامون سے جذب کرتی ہیں وہ ان کے بدن میں پنچکڑان کو نشوونما بخشتی ہیں اور کبھی بعض جمادات اپنا اثر سے ان کے نشوونما کو زایل کر دیتی ہیں حیوان جمادات اور نباتات دونوں سے خوراک حاصل کرتا اور اس سے بڑھتا ہوا ہے مگر کبھی وہ بھی اپنے اپنے اثر سے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ انسان (ا) سب کو اپنی ضرورتوں میں صرف کرتا ہے اور کبھی فائدہ اٹھاتا ہے کبھی نقصان۔ اسی طرح کیمیائی طاقتیں جب اپنی اصلی حالت میں ہوں کسی غیر چیز کے درنے پر اگر وہ ٹھوس ہوں مثلاً لوہار میں مین دفن کر دیا جائے تو تحلیل کر دیتی ہیں اور اپنی موجود شکل میں لے آتی ہیں اور اگر مستحکم ہو مثلاً روئی زمین میں دبا دی جائے تو اسے اجزا کو خاک بنا کر پیر کر دیتی ہیں اور اپنی ترکیب کے قانون کو ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن قوت نمونہ اپنے اثر سے کیمیائی ترکیب سے فائدہ اٹھاتی ہے اور تحلیل کو باطل کرتی ہے یعنی رخت کی جڑیں جڑ میں مین دفن ہوتی ہیں بجائے تحلیل ہو کر مٹی ہو جانیکے زمین کے ذرّوں کو جذب کر کے اپنی جسم کو بڑھاتی ہیں۔ تنوت حیوۃ ان دونوں سے فائدہ لیتا ہے اور کبھی کسی چیز کو تحلیل کر کے کام میں لاتی ہے اور کبھی ترکیب سے اپنا مطلب نکالتی ہے۔ قوت فعل جو ان سب پر خالق ہے سب سے خدمت لیتی ہے وہ ان سب کے کیمیائی خواص سے ترکیب و تحلیل کا کام لیتی ہے اور غذا و دوا کا استعمال کر کے جسمانی اجزا کو پیوستہ کرتی اور غیر مفید مواد کو تحلیل کرتی رہتی ہے نباتات کی قوت نمونہ سے فائدہ اٹھا کر غذا اور دوا کے سامان فراہم کرتی ہے اور حیوان کی قوت حیوۃ سے مستفید ہو کر اسکو انسانی

ضرورتوں کیلئے مطیع و منقاد بناتی ہے اور اس طرح قسبِ کم کے اجسام اور ہر طرح کی طاقتیں ایک دوسرے پر اثر کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فریق اثر کر رہا ہے اور دوسرا اثر قبول کر رہا ہے۔ ایک فاعل ہے اور دوسرا منفعل۔ جمادات سب سے نیچے ہیں اس لیے سب کا اثر قبول کرتے ہیں اور جو اثر ان کا نباتات وغیرہ پر دیکھا جاتا ہے اس میں فاعل و حقیقت اور مفعول ہوتے ہیں یعنی نباتات اپنی جڑوں کی کشش سے کہاؤ کو اور تنہ اور پتوں کی کشش سے خم اور ہوا کو جذب کرتی ہیں انکی فاعلیت ہو جو اجزاء جسم میں در آتے ہیں ان پر نباتات کی قوت محلکہ اپنی طاقت کا اثر ظاہر کرتی ہے اور تحلیل کر کے جزو بدن بنالیتی ہے یا اگر نبات کسی بیہی میں یا مہر میں پیدا ہوئی ہے جس کو لوگ نشوونما کیلئے مضر کہا کرتے ہیں تو وہ ان ہی فاعلیت اس میں یا ہوا کی طرف منسوب ہونے کی بجائے حقیقت میں نبات ہی کو فاعل ہے یعنی اسکی قوت کشش یا تو نامناسب تھا کہ کشش ہی نہیں کرتی اس لیے اسکی جسمانی ترقی یا بالفاظ دیگر اسکی نباتیت ذایل ہو جاتی ہے اور یا اسکو کشش کر نیکی بعد جب قوت محلکہ ان ذرات کو جزو بدن بناتی ہے تو چونکہ وہ ذرات نہائی غذا کے بنائی ہوئے ہیں ان سے جو جسم بنتا ہے وہ نبات نہیں رہتا۔ غرض ہر حال میں جمادات کا اثر نباتات پر نباتات کی اپنی کشش اور فاعلیت پر موقوف ہے۔ اور اسی طرح جمادات اور نباتات دونوں کا اثر حیوان پر اس کے اپنے منہ سے نکلنے یا متغیر ماسم سے کشش کرنے پر یعنی اسکی اپنی فاعلیت پر منحصر ہے اور علیٰ ہذا القیاس انسان جو کچھ مفاد ان اشیاء سے اٹھاتا ہے اس میں بھی وہی فاعل ہے اور دیگر تمام اشیاء منفعل۔ اسکی طبعی کشش خوراک کو جزو بدن بناتی ہے اور ارادی حرکت نباتات اور حیوانات کو کام لیتی ہے اگر وہ ذرت کو اٹھانا گئے ہوئے کو توڑنا یا ٹوٹے ہوئے کو اٹھانا نہ چاہے تو قوت نمود کا کوئی اثر اس تک پہنچے گا اور اگر جانور کو اپنے ساتھ لہانا اور مطیع کرنا نہ چاہے تو قوت حیات اس پر کوئی عمل نہ کرے گی۔ غرض ہر ایک عمل میں اعلیٰ اور ترقی علیٰ ہوتا ہے اور ادنیٰ اور ضعیف منفعل اب اس عمل سے اور عمل کا اثر ظاہر ہونے سے جو کیفیت اور شناسائی و یقین کو اکید دوسرے سے ہوتی ہو اگر اس کا نام تجربہ کہیں (اور حقیقت تجربہ ہی کہہ سکتے ہیں)

تو بیشک انسان کو حیوان کا تجربہ ہے اور حیوان کو انسان کا مگر اس تجربہ میں حیوان کی اپنی
کوشش کو چندان دخل نہیں۔ بیشک کتے میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان سے مانوس نہ کر
اس پر اپنی جان فدا کرے اور اس کی عادات و خصائل سے آگاہ ہو کر اس کے اشارہ پر چلے
لیکن جب تک انسان کتے کو مانوس نہ کرنا چاہے کتا انسان کا تجربہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتا
اور اسی طرح اگر نباتات میں شعور فرض کر لیا جائے اور جو حالت اس کی غلبندی یا کھانے کیے وقت
ہوتی ہے اس کے احساس کا نام تجربہ رکھا جائے تو جو تجربہ نبات کو حیوان یا انسان کی نسبت
ہے وہ اسکو ہرگز حاصل نہ ہو اگر انسان اور حیوان خود اس کی طرف توجہ نہ کریں۔ علیٰ ہذا لکھ رہی کہ
آگ کا اور لوہے کو متغاطیس کا تجربہ ہرگز نہ ہو اگر آگ اور متغاطیس ان کو یہ تجربہ کر دانا چاہیں
میں شاید اس ضمن میں کہ جس طرح چمکے دل میں ہے اب تک اور انہیں کر سکا اور اس
یہ شاید کوئی یون کہ سکے کہ خوراک انسان اور حیوان میں جاتی ہے گو اسکو تحلیل کر کے
جزو بدن بنانے والی طاقتیں انسان و حیوان میں ہوتی ہیں۔ مگر اس کے بعد خوراک کے
اجزاء کا اثر بھی کہا نہیں لے پر ہوتا ہے جس سے وہ کہیں تو انا ہو جاتا ہے اور کہیں مختلف اثرات
کا شکار بنتا ہے اور اس اثر میں فاعل خوراک ہے اور اس کے علاوہ شیر جو انسان کو بہاڑتا ہے
اور یوں اسکا تجربہ حاصل کرتا ہے اس میں انسان کے اپنے فعل کو کچھ ہی دخل نہیں اور خود شیر
فاعل ہے اور انسان منفعل ہے۔ مگر نہیں، یہاں شیر کو انسان کا جس قدر تجربہ ہے وہ یہی ہے
کہ اس شکل کی چسپیز گوشت دار ہوتی ہے جو میری غذا ہے اور کھانے کے بعد اس واقعہ سے
آہستہ آہستہ جو انسان کے گوشت میں ہوگا مگر انسان کی شکل اور گوشت کا ذائقہ عام
جراثیمی صفات میں جن کا اسے تجربہ ہوا اور نہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے جو صفات
رکتا ہے انکا تجربہ شیر کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ بہادر انسان شجاعت کے زور سے اور شیر کا
ایک طرح عقلی تدبیر دن سے اسکو زیر کر لیتا ہے اور اس وقت اس تجربہ میں فاعلیت ظاہر ہے کہ
انسان کی جانب سے ہو اور اسی طرح اگر خوراک کے ذرات میں شعور ہو اور ان کے اثر کا نام تجربہ

رکھا جاوے تو خوراک کو جو تجربہ کھانیوالے کا اپنا اثر کر نیکی وقت ہوتا ہے وہ اسکی علم جسمانی صفت کا ہوتا ہے ورنہ خاص حیوانی یا انسانی صفات کا تجربہ خوراک کو ہی وقت ہوتا جبکہ وہ ارادی حرکتوں سے اسکی طرف جھپٹتا ہے عقلی تدابیر سے اسکو ہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اور طبعی کشش سے اسکو جذب کرتا اور جو بدن بناتا ہے اور ان صورتوں میں وہ غور و فاعل ہوتا ہے اور خوراک منفعّل -

عرض تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا کہ اعلیٰ کی تعلیت کے بغیر ادنیٰ کو اس کا تجربہ نہیں ہوتا بلکہ انسان کو بہت بڑا تجربہ اپنی عقل سے زمین کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور آسمان کی چوٹی تک اور جو حالات اجسام مغلی اور اجرام علمی کے اس پر منکشف ہوئے ہیں ان کے گہمہ زمین وہ اپنی عقل کو غیر محدود اور چرچہ زکو اپنی گرفت کے اندر سمجھنے لگا ہے مگر وہ آفتاب کو باپ رہا جو یازمین کو تول رہا ہوا اسکی اپنی کشش سے جس قدر تجربہ حاصل ہوا ہے وہ محض کم درجہ کی مخلوقات کا ہے۔ اس نے چاند کے پہاڑوں کو دیکھ لیا تو آفتاب کے مانغون کو جانچ لیا تو محض روشنی اور روشنی کے مختلف رنگوں کو دیکھا ہے جو ایک کیفیت ہو اور ان کے باپ تول اور عناصر کی نسبت قیاس دوڑائے ہیں جو جادوی جسم اور ان کے غوام ہیں۔ اپنے سے کسی بالاتر ہستی کا تجربہ ایک طرف وہ خود اپنا اور اپنے برابر والوں کا تجربہ بھی نہیں کر سکا۔ انسان کی نسبت اس کے معلومات کیا ہیں؟ محض جسمانی ساخت جسمانی عناصر اور جسمانی خواہش عرض وہی باتیں جو کم و بیش اس سے کم ترتیب یعنی حیوان اور نباتات میں ہی پائی جاتی ہیں مگر جس چیز کے سبب انسان انسان بنا ہے اور جو اسے دیگر موجودات سے برتری دیتی ہے اس کا انکشاف نہ آج تک ہوا ہے اور نہ غالباً آگے کہی ہو۔

پس جب یہ کیفیت ہو اور اس نے اعلیٰ کو بلکہ برابر والے کو بلکہ خود اپنے تئیں ہی نہیں دیکھ سکتا تو کس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس بالاتر سے بالاتر ہستی کا ملبہ اور اسکی ات و صفات کے متعلق انکشاف انسان خود اپنی کشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جب یہ صورت ہو تو روحی

روحی و مادی
تجربہ و عمل

جو ایک اعلیٰ کورجہ کا تجربہ ہے اور حسین نہ صرف جلوہ ربانی پر کشف ہوتا ہے بلکہ انسان پر ایسے تجربوں سے خدا کی معرفت حاصل کرنے اور خلق اسد کو ایسے عرفان تک پہنچانے کے سبیل بھی جن کو عبادت کہا جاتا ہے منکشف ہو جاتے ہیں اسکی نسبت کیونکہ دعویٰ ہر محتاج ہے کہ ایسا بڑا انکشاف خود انسان کا اپنا دائمی عروج ہے۔ اور اسکی اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور خدا کی فاعلیت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مشریاد کس بہکو "وحی کوئی معجزہ نہیں" کہہ کر ڈراتے ہیں اور بیشک معجزہ کا لفظ آجکل کسی چیز سے نفرت دلوانے اور خوفزدہ کر نیکی لینے کافی ہے لیکن اگر معجزہ کے معنی مخلوق قانون قدرت کے ہیں تو ادنیٰ کا محض اپنی کوشش سے اعلیٰ تک پہنچ جانا بیشک معجزہ ہے اور اس جرم کے مرتکب مشر یا سرکس ہیں کہ وحی کو خلاف قانون تجربہ مان کر آجکل کے فلاسفہ سے معجزہ منوانا چاہتے ہیں مگر جو لوگ خدا کی فاعلانہ حرکت سے ایسے جلووں کا نظر امانتو ہیں وہ بالکل لاف نیچے یعنی فطرۃ اللہ المستمرہ کے موافق اعتقاد رکھتے ہیں اور معجزہ ماننے کے گنہگار نہیں ہیں۔ سرکس کا گھوڑا خواہ کیسا ہی صیل ہو اگر مالک تعلیم نہ دے کہوڑا اپنے آپ اسکے اشاروں کو نہ سمجھ سکیگا اور ہاتھ اٹھانے پر سیدم ہو کر نہ لیٹ جائیگا اسی طرح انسان خواہ کیسا ہی تجزیہ شریف ہو جب تک خود خدا اپنی حضور ہی نہ دے محض اپنی کوشش سے اسکی معرفت کا عین الیقین حاصل نہ کر سکیگا اور اس کے نور سے روح کو منور نہ کر سکیگا۔ چیز وہ ہے کہ مٹی اور ہوا سے نبات ابھی اجزا کو جذب کرتی ہے جن میں نبات بننے کی قابلیت ہے۔ نبات میں سے حیوان ابھی پتوں اور پھلوں کو کھاتا ہے جو اس کو گودا میں نبات و حیوانت وغیرہ میں سے انسان ابھی کو ہمتا ہے جو کام کے لائق ہیں اسی طرح خدا ابھی بندہ و نپوتی کرتا ہے جبکی فطرت اس بارگرا نیامی کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی اپنی قابلیت کو یہی اس منصب میں دخل ہے اور اس لیے انبیاء کو حسب فطرت دیگر ذی نوع سے فائق اور افضل مانا جاتا ہے گزرات کی کشش کو خوراک جذب کرنے میں حیوان

کی خواہش کو نبات کے نگلنے میں انسان کے ارادہ کو مخلوقات سے کام لینے میں جس قدر دخل ہے بس اسی قدر دخل خدا کو وحی بھیجے میں سمجھا جاسکتا ہے یعنی اسکی طرف سے فعل اور انسان کی طرف سے افعال۔ پس اگر نبات حیوان اور انسان کی فاعلیت معجزہ اور غلاف قانون نہیں ہے تو خدا کی فاعلیت ہی معجزہ نہ ہوگی۔

مشرقیہ اگر کہ یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام کو الزام دیتے ہیں کہ وہ چند مصنفین پر وحی کو محدود سمجھتے ہیں اور خدا کے حاضر ناظر اور سرمدی فاعل کو تیرکا واسطہ دیکر تمام انسانوں کو وحی کا شرف دلوانا چاہتے ہیں مگر نہیں معلوم یہود و نصاریٰ پر یہ الزام کہاں تک درست ہے البتہ اسلام کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہتان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اسلام ہر قوم میں رسول بھیجے گا مدی ہے **وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اَلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرًا** (فاطر ۲۳: ۲۴) اور خدا کی رحمت کو انسان ایک طرف تمام شیا پر وسیع ماننا ہے **رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ** (اعراف ۱۹) مگر اس بارہ میں وہی عمل کا قانون پیش نظر رکھنا ہوگا۔ انسان جو جانور خریدتا ہے چاہتا ہے کہ اس کے اشاروں پر کام کرے اور اس غرض کیلئے سب پر حتیٰ الوسع جان کھپاتا ہے مگر تمام عمر کے عمل میں چند ایک ایک آدھ جانور ہی ایسا نکلتا ہے جو اسکی آرزو کو پورے طور پر بر لاتا ہو۔ کتے سب کیسان میں مگر شکار کی مہارت اور آقا پر جان قربان کرنے کی صفت سب میں موجود نہیں اور جن میں موجود ہے ان میں سے ہی وہ بہت ہی نادار ہیں جنکی خدمت اور وفاداری کے گیت گائے جائیں اسی طرح باریک ذرات والے جادات اور سبز پتوں والے درخت سب میں مگر ان میں وہ بہت کم ہیں جو نباتات کو تر و تازہ اور جانوروں کو فربہ کرنے کی خاصیت رکھتے ہیں غرض ان سب حالات میں کام لینے والوں کی طرف سے نیک نہیں رہتا مگر کام انیولے کی استعداد کے سبب اثر میں ہزاروں کوس کا فرق نظر آتا ہے یہی کیفیت اس فعل کی ہے جو خدا کی طرف سے روحانی صفائی کے لئے کیا جاتا ہے۔ مبدا فیاض کی جانب سے نیک نہیں مگر مادہ قابلیت چند انسانوں میں پایا جاتا ہے اور وہی اس برکت کو بھی مستفید

نبی اگرچہ بہت ہیں
مگر تمام انسان ہی
نہیں ہو سکتے۔

ہوتے ہیں۔ آفتاب کی روشنی درجات رنگوں سے مرکب مانی جاتی ہے (جب کسی شفا
چیز پر پڑتی ہے تو اپنا پورا جلوہ دکھاتی ہے لیکن رنگ ایشیہ اپنی ہر رنگ شاعون کے سوا
روشنی کے باقی تمام رنگوں کو جذب کر لیتا ہے اور اس لیے روشنی شیشے کے ہر رنگ ہو جاتی جو
سیاہ چونکہ (محب تحقیق جدید) تمام رنگوں سے محروم ہے اس لیے وہ روشنی کو بالکل جذب کر لیتا
ہے اور روشن دان کو سیاہ کر دینے سے کمرہ تاریک ہو جاتا ہے مگر اس طرح تاریکی پھیلنے
یا مختلف رنگوں کی روشنی پیدا ہونے سے آفتاب پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا اور اس کے فیض
عام سے کیونکہ انکار نہیں ہر طرح وحی ربانی اپنے کامل اوصاف سے اسی باقبال پر نازل ہوتی
ہے جس کا قلب رذائل کے تمام الوان سے پاک اور نور معرفت کو اخذ کر نیکیے قابل جلوہ
پزیر کہ ایسے نفوس قدیرہ کم ہیں اس لئے منصب نبوت بھی اسی نسبت سے عطا ہوتا ہے۔

مشر پارکو اس اختلاف حالات سے انکار نہیں کرتے مگر اسے تسلیم کرنے میں اپنے
اماندا کو بھی نہیں بدلتے چنانچہ فرماتے ہیں ﷺ

چونکہ خدا نے فطرۃً کسی نسل اور کسی انسان کو عقل ضمیر محبت اور روح سے محروم نہیں کیا اسی طرح کسی
کو وحی سے بھی محروم نہیں رکھا۔ یہی ہماری تمام ہستی کیلئے روشنی ہے اور تمام انسانی قابلیتوں
کیلئے بنیاد ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اس نایاب ہستی کا علم تمام محسوس علوم
کی منطق شش طین اور روحانی دنیا کا رستہ پاتے ہیں جیسا انسان مادہ کے بغیر نہیں رہ سکتا
وہیابی خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا پس نظر کی طرح وحی ہی اپنی نوع میں سب جگہ گیاں ہوگی۔ البتہ
درجات کے لحاظ سے ایک قوم کی نسبت دوسری قوم میں اور ایک انسان کی نسبت دوسرے انسان
میں تفاوت ہوگی۔ کیونکہ وحی کا درجہ دو چیزوں پر منحصر ہوگا ایک فطری قابلیت اور خاص خاص
ذہنی اخلاقی اور مذہبی جذبات پر جو ہر شخص کو خدا کی طرف مودے گئے ہیں اور دوسرے اس
طریق استعمال پر جو انسان ان عطیوں کی نسبت خمستہ بار کر کے مختصر یہ کہ درجات کا فرق
انسانی فطرت کی مقدار اور اطاعت کی مقدار پر موقوف ہے اور چونکہ انسان اپنے فطری عطیوں

استعداد میں تفاوت
درجات کا بھی یا نوع کا؟

میں اور اس بہت زیادہ ان عطیوں کے استعمال میں باہدگر مختلف ہیں اس لیجان میں نہایت حقیر درجہ کے گنہگار سے لیکر اعلیٰ درجہ کے پارسا تک وحی کے درجات بھی مختلف ہوں گے۔

یہاں ”خدا کے بغیر ذرہ سکنے“ سے تمام انسانوں کے بیٹے وحی کو عام ماننا تو ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے فیض عام کی شیشہ کو منور سمجھنا البتہ وحی کے درجات کا مختلف ہونا وہ بخلاف فرماتے ہیں کہ انسان کی اپنی استعداد اور اس کے استعمال پر منحصر ہے لیکن یہ بات کہ وحی ہوتی سب کو ہے اور صرف درجات کا تفاوت ہی اس میں بہت کچھ کلام ہے۔ حقیر درجہ کے گنہگار چرپن وحی کا آنا وہ تسلیم کرتے ہیں اگر اس سے مراد وہ تخلیقی ربانی ہے جس کی انسانی روح کا ذات و صفات کا تجربہ حاصل کر کے صاف اور منور ہو جاتی ہے اور نہ صرف نور اور صفائی حاصل کرتی ہے بلکہ اپنی روشنی سے دیگر جو بندگان راہ کو مشعل دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو گنہگار پر ایسی وحی اور ایسی تجلی کا ہونا بالکل خلاف قانون اور خلاف واقع ہے اور خود مسٹر پارکر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ”بیوقوف کو انائی کی بدکار کو نیکی کی اور نہ کو مذہب کی وحی نہیں سکتی“ پس اس بنا پر صرف درجات کا فرق نہیں ثابت ہوتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پر وحی ہوتی ہے اور دوسرا اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اور اگر ان کا مقصد اس جذبہ فطرت سے جو انسان کو بالائی ہستی کی طرف کھینچتا ہے اور جس کو جذبہ مذہبی کہتے ہیں یا جو جذبہ نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے اور جذبات اخلاقی کے نام سے موسوم ہے تو بیشک یہ دو فوج جذبے کا فرومون اور فاسق اور پارسا سب میں موجود ہیں۔

ہمیں اس کو رستہ دکھا دیا ہے اب چلے شکر ختم
کرے یا ناشکری
کیا ہمیں اس کو دو آنکھیں زبان اور دوا لب نہیں دے
اور کیا اس کو دو نور سے نہیں بتائے
رعد (تائی اس کو اس کی بدکاری اور نیکو کاری

إِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَكَرْنَا قَرَامَنَا
كُفْرًا ط (دہر پڑا ع ۱)
الْمَخْجَلُ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَقَتَيْنِ
وَهَدَيْنَاكَ النُّجْدَيْنِ ط (بلد پڑا ۲)
فَالَهُمَا فَجُورُهُمَا وَلَقُوا ط (شس پڑا ۲)

تفاوت حالات

یہ دونوں جذبے یعنی مذہبی اور اخلاقی چونکہ خدا کی طرف سے ہیں اس لیے مجازاً ان کو وحی کہا جائے تو مضائقہ نہیں مگر حقیقت میں یہ وحی نہیں ہیں البتہ ان کے وجود سے وحی کا رستہ صاف ہوتا ہے اور انسان میں ترقی کی خواہش پیدا ہو کر وہ اپنی طرف سے یہی کوشش بجاتا ہے جس سے نور ہمدی کو اخذ کرنے کی قابلیت ہو اور یہ کوشش کائنات متنازع میں اختلاف پیدا کرتا ہے مثلاً اگر شیشہ ڈل مادی کدورتوں اور جسمانی ناجائز خواہشوں سے بالکل صاف ہو گیا ہے تو آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست اس پر جلوہ کرتی ہے اور وہ اس آئینہ کی طرح منور ہو جاتا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھا ہو اور یہی لوگ ہیں جن کو رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور اگر پاکیزگی کے اس درجہ تک نہیں پہنچتا اور نور بے کیف کو بے واسطہ اخذ کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو منور ہونے کیلئے کسی اور قلب مصفا کی وساطت تلاش کرتا ہے جس پر آفتاب کے سامنے رکھے ہوئے آئینہ کی شعلے باز گشت دوسری چیزوں کو ان کی حیثیت کے موافق روشن کر دیتی ہے وہ شخص قلب منی کے جلوہ سے حسب طاقت نور حاصل کرتا ہے اور ایسے لوگ پیغمبر کی اہمیت اور اس کے پیروں میں رہتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص جسمانی خواہشوں اور دنیوی آلائشوں سے مغلوب ہو کر مذہبی جذبہ کو ضائع کر دیتا ہے تو وہ اس سیاہ تختہ جیسا ہے جو آفتاب کی تمام شعلوں کو راہیگان چھوڑتا ہے اور مطلق روشن نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ بجا وسط منور ہو سکتے ہیں اور نہ کسی دیرمانی واسطہ یعنی نبی کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں اور باوجودیکہ دنیا میں انبیاء کی آواز کا ہر طرف غلغلہ ہے مگر وہ لوگ سوئے تاریکی اور گمراہی کے کچھ نہیں پاتے۔ اور اسی لیے ارشاد ہے کہ انبیاء کی ہدایت انہی لوگوں کو مفید ہے جو جذبہ مذہبی کے سبب بے دیکھے خدا کی طرف متوجہ ہیں ورنہ جس طرح بہت لوگ اس سوا راہست پاتے ہیں اسی طرح اکثر شخص گمراہ ہی ہوتے ہیں اور وہ وہی ہیں جنہوں نے اپنے اذی عہد کو نور دیا ہے یعنی جذبہ نبوی ضائع کر دیا ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (معدنہ)

یہ سیکل کتب ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْهُم كَثِيرًا
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ
يَقْتَضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ
(بقرة پاره ۷۵)

وہ اس سے اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت
دیتا ہے اور گمراہ اپنی کو کرتا ہے جو فاسق ہیں اور جو
خدا کے پیمان کو رازل میں مضبوط کرنے کے بعد تڑپتے
ہیں۔

انبیاء کی ضرورت

غرض مذہبی جذبہ جو سب میں موجود ہے وہ اور چیز ہے اور صرف انسان کو استعداد
پیدا کر نیک کام دیتا ہے اور وہ جلوہ ربانی جس کو وحی کہتے ہیں اور چیز ہے جو بالاتر ہستی کی اپنی
توجہ اور قابلیت سے حاصل ہوتا ہے۔ بشر یا دیگر کی نظر صرف جذبہ مذہبی تک محدود ہے
اور اسی کو وحی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس کو تمام انسانوں کے لئے عام ماننے میں اور وہ اور ان کے
دیگر بھی خیال جو انبیاء کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ انسان محض خدا کو ماننے سے
نجات پا سکتا ہے اور کلمۃ اللہ خود اس کے اندر موجود ہے وہ اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیتے
ہیں کہ مذہب جیسا کہ ذکر ہو چکا تجربہ کی چیز ہے اور تجربہ ہی ایسی ہستی کا جزو اذروٹے فطرت
انسانی ہستی سے بالاتر ہے پس اس کی معرفت اور اس کی ذات و صفات کے تجربہ کیلئے خود اس
ذات کی توجہ و درکار ہے۔ یہ لوگ مذہب اور عقل اور نیز مذہب اور اخلاق میں تمیز نہیں کرتے
اور اس لئے اپنی عقل کے گھٹن میں سمجھتے ہیں کہ جس طرح وہ حیاتیات کی تحقیق کر سکتی ہے
اسی طرح انبیاء میں بھی اس سے کام نکل سکتا ہے۔ اور مذہب کا ثمرہ محض اخلاق کو سمجھ کر
کہنے لگتے ہیں کہ اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے پر مذہب سکھانے والا ہے کی ضرورت نہیں رہتی
حالانکہ دونوں اصول غلط ہیں عقل محض حیاتیات پر حاکم ہے اور اپنی ہم تپہ لینے روح اور اپنے
سے بزرے یعنی خدا کی نسبت وہ کوئی تجربہ نہیں کر سکتی۔ اور اخلاق مذہب کا واحد ثمرہ بلکہ
مہتمم بالشان ثمرہ ہی نہیں۔ اخلاقی جذبہ بیشک نجیب و شریف کشش ہے مگر مذہب کا یہ
نہایت پیشانیافتادہ نتیجہ ہے مذہبی جذبہ خدا کی تلاش کرنا ہے پس اس کا حقیقی ثمرہ خدا کی معرفت
سچا اہت خدا کی معرفت حاصل ہونے پر اور یہ معلوم کرنے پر کہ تمام موجودات اُسی کی مخلوق ہے

خدا کی محبت پیدا ہو کر تمام انون محبت سے اپنے محبوب کے ساتھ محبوب کی تمام چیزوں سے
 الفت پیدا ہو جاتی ہے اور نقصانے الفت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہی اسلئے
 اخلاق ہیں۔ لیکن چونکہ اخلاق کا فائدہ محسوس اور نمایاں ہے اور انسان کو دوسروں سے
 نیک بڑاؤ کرنے پر اپنی ذات کیلئے بھی بہت راحت و آرام ملتا ہے اسلئے انسانی عقل
 اگر کامل ہو تو اخلاق کا تجربہ کر سکتی ہے اور عقلاً زمانہ مذہب کے ایک سو ہو کر بھی اسکی ضرورت
 کو محسوس کرتے ہیں پس اگر نجات اسی کا نام ہے کہ انسان اس دنیوی زیست میں لوگوں سے
 نیک سلوک رکھے اور اس کے عوض میں ان کیلئے سعادہ بڑاؤ کا لطف اٹھائے تو
 پھر بھی اگرچہ مذہب کے بے پروا ہو کر تمام لوگ اخلاق پر قائم نہیں رہ سکتے گھنا یا بعض انا اور
 دور اندیش محض عقل کی رہنمائی سے نجات پاسکین گے اور اس صورت میں ان کے لئے
 نہ صرف مذہب کھانا یا لون یعنی بغیر ن کی بلکہ مدعاے مذہب یعنی خدا کو ماننے کی بھی ضرورت
 نہیں لیکن اگر نجات محض دنیوی راحت و آرام کا نام نہیں بلکہ اس تجلی ربانی اور معرفت الہی
 کو کہتے ہیں جو اس دنیا میں اور اس پرے ابد الایات تک انسانی روح کو سنوار اور لباش رکھتی ہو
 اور کشف و شہود کے وہ تجربے کرداتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی دماغ کی دسترس سے باہر ہیں
 اور جسکی اشکال ابتدائے آفریش سے اب تک انسانی نظرت کے کسی معلوم گوشہ میں شعلہ زنج کر
 اس سے ہزاروں کنوئیں جھلکواتی رہی ہے تو ایسی نجات کا حاصل کرنا یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے
 اور محض جسمانی بلند پروازیوں سے اس تک پہنچنا ویسا ہی سوہوم ہے جیسے نور آفتاب کی حرکت
 کے بغیر تیر خانہ کے روشندان کا منور ہو جانا یا انسانی کوشش کے بغیر جنگلی گھوڑے کا باجے کی
 آواز پر نہڑنا چاہیہ اپنے وقت کے فلاسفر اور فیلسوف مادیات کو شوق سے دیکھیں بھالیں اور
 نہ صرف زمین بلکہ مریخ و مشتری کے چتہ چتہ سے واقف ہو جائیں لیکن اپنی حد سے قدم نہ بڑھائیں
 کشش ثقل سے سخت اثر میں جا پہنچیں مگر جسمانی خبروں سے اس مالا تیرہتی کیلئے نہ اڑیں
 اس تک پہنچنا ہے تو جسمانی آلاتیوں سے ایسے پاک ہوں کہ نور وحدت بیلو اسطہ ان پر چلے یعنی

خود غیر متعجب ایٹن اور یہ نہیں ہو سکتا تو خود پسندی چھوڑ کر اپنے صفوں کو کسی اور قلب صافی کے مقابل اکہین اور بالواسطہ آفتاب وحدت کے نور سے منور ہوں یعنی کسی نبی کی امت بن کر اس کی وساطت سے معرفت حاصل کریں کیا کہا ہے

نگینہ نور و نور شیدازل در ظرف ہر دیدہ باب دیدہ مزان نگر عکس آن مینی

تو خاشی ز نور قیاس نور و زمین ترا سود این بود۔ گرنور و عکس نبی نیا ن مینی

یہ لوگ اپنے طلب کے وقت اور دوسروں کو ساکت کر نیک لٹے قانون قدرت اور آفینچر کو ایک مہلک حربہ اور جیادیا حملہ کرتے ہیں مگر انوس ہے کہ مذہب کے بارہ میں خود قانون قدرت کا حفظ کیا ہو اسبق بالکل بھول جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس چیز کا تجزیہ وہ خود نہیں کر سکتے اسکا علم تجربہ کاروں کی شاگردی کے بغیر کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ کہ پرانی دستاویزوں (اہامی کتابوں) کو تعوییم پارینہ سمجھتے ہیں اور خود کلمہ الحق سے واقف ہو نیکادعوئے کرتے ہیں۔ حالانکہ ان جسمانی تجربوں میں بھی وہ پرانی دستاویزوں سے مستغنی نہیں ہیں جو سائنس کے تجربے نئی تحقیق کے موافق ساہا سال سے ہوتے آئے ہیں اور جنکی دستاویزین دفتر کے دفتر تیار ہو چکی ہیں اگر ان سب کو دریا برد کر دیا جاوے اور آجکل کا ایک طالب علم یہ دعویٰ کرے کہ کلمہ اہم "خود اسکے دل میں موجود ہے اس لئے ان دستاویزوں کی ضرورت نہیں وہ اپنی واحد کوشش سے ان تمام قوانین کو کیونکر دریافت کر لیکھا جو نیوٹن کے وقت سے آج تک بتدریج معلوم ہوتے آئے ہیں اور وہ صنفین کیونکر ایجاد کر سکیگا جن سے ان بزرگوں کی برکت سے ہر آج بہرہ ور ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیوٹن کو سائنس کا امام نہ مانے اور اسکی اسٹیوری پر اعتقاد نہ رکھے کہ روشنی چند رنگوں سے مرکب ہے وہ نہ گوشہ بلور کو روشن مان کے سنے رکھ کر نیوٹن کی طرح آفتاب کی شانوں کا تجزیہ کرنا ضروری نہ سمجھینگا اور روشنی کے متعلق وہ علم حاصل کر لیکھا جسکی ترکیب اس فلاسفر نے ہکوبتالی ہے۔

اہل عین نے جب پہلی دفعہ دفاعی جہاز کو دیکھا جو یورپ سے آکر ان کے کسی بندر پر لنگر انداز

اہل کتابوں کی ضرورت

ہوا تھا تو چونکہ وہ اپنی پرانی صنعت و حرفت پر نہایت غرہ تھے اس نئی اور مفید ایجاد کو دیکھ کر متوجہ نہ ہوئے اور وہی بات کہی جو سٹر پارا کر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے، دوسرے کے تجربوں سے فائدہ نہ لینے کی یہ اپنی غلطی اُن سے سرزد ہوئی جس کے وبال میں آج تک تمام ملک چین مبتلا ہے اور اُس کو اب تک تے تی کی اس راہ پر چلنا نصیب نہیں ہوا جس کو دوسرے لوگ بڑی حد تک طے کر چکے ہیں۔

پس اگرچہ باوئی علم کی ہمتداد ہماری اندر موجود ہے مگر اس سے کام اسی طرح لے سکتے ہیں کہ جو لوگ پہلے اس کوشش میں سرگرم رہے ہیں انکی عالمانہ قابلیت کو تسلیم کریں اور خود پیر علم تک پہنچنے کی انہوں نے ایجاد کی ہیں اُن کو عمل میں لائیں اور یوں مدارج ترقی پر فائز ہوں اور دوسرے اگر ہم اُن کو بالکل نظر انداز کر دیں اور خود ابتداء سے ہر بات کو اپنی رائے سے دریافت کرنا شروع کریں تو اگرچہ بہت ہی کم مگر کس فی کس قدر علم سے آشنا ہو جائیں گے لیکن یہ فائدہ جو ہر کو حاصل ہوگا تو اس لیے کہ یہ تجربے ہم ادبیت پر کرتے ہیں اور ادبیت ہم سے کمتر اور خود ہماری فاعلیت کے زیر اثر ہیں اور جو چیز خود ہم پر سے اعلانہ اثر کر نیوالی ہے انکی نسبت ہماری جو کچھ کوشش ہو سکتی ہے وہ محض مستند ادب پیدا کرنے کی ادماں لوگوں کے بتائے ہوئے وسائل عمل میں لانے کی ہے جو ہم سے پہلے اس میدان میں قدم رکھ چکے ہیں ورنہ اُن لوگوں کی تمام باتوں کو بھول کر اور خود اپنی قوت پر بہرہ ور کر کے ہم اس کوشش میں آنا بھی کامیاب نہیں ہو سکتے جس قدر روایات کے تجربے میں ہونا ممکن ہے۔ اور اگر سٹر پارا کر کے کہنے پر نوع انسانی کو محض اپنے دل کے کلمۃ الحق پر چوڑ دیا جاوے تو پھر وہیں سے چلنا ہوگا جہاں سے ابتدائی تلاش کرنے والے چلے تھے یعنی کہیں چوہے کو خدا مانیں گے اور کہیں میٹھک کو یا اچکل کی ایجاد دیکھ کر کہیں شین کو سجدہ کرینگے اور کہیں بیٹری کو۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب میں نہ صرف عوام الناس کو بلکہ خود صاحب مذہب یعنی پیغمبر کو بھی گشتہ پیغمبروں پر ایمان لانا اور جس امر میں خود اسکو وحی ہوا انکی شریعت پر عمل کرنا فرض ٹھہرایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَايِهِمْ
اُفْتَكِرْهُ (انعام پائے عطا)

(پیغمبر) وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی
ہے پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔

سرخ شریف

اور اس طرح پیغمبر قسیم شریعتوں سے اور ان الہاموں سے جو خود اسکو ہوتے ہیں ایسا
دستور العمل تیار کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معرفت انہی کے عقد سے حل ہو سکیں اور ہر شخص
حسب حیثیت اور ہدایت سے منور ہو۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو اس امر کے کہ معرفت میں بالاتر مہتی کا تجربہ ہے اور
جسمانی علوم میں اپنے سے کمترین چیزوں کا اور طرح چربانی علوم اور معرفت کی تحصیل میں بہت کچھ
مشاہدت ہے۔ ایک طالب علم صرف تک کسی علم کے مقررہ اصول کے موافق عمل کرے ایسا اکثر اس
قابل ہو جاتا ہے کہ گذشتہ تجربہ کر نیوالوں کی بعض کوتاہیوں سے واقف ہو جائے اور جو مصلح
اور مجدد بن کر اس علم کو اصلاح و ترمیم سے ترقی دے مگر بعض اوقات جب کوئی علم یا علم کی کوئی شاخ
یہ مسئلہ پورے طور پر حل ہو چکا ہو تو اس میں آمینہ آنے والے طلبہ کو اصلاح و ترمیم کی گنجائش
نہیں جتنی اور اس صورت میں ان کا کام محض یہی رہ جاتا ہے کہ گذشتہ امتدادوں کے اصول
کو سیکھیں اور ان کے موافق عمل کرے ایسا فائدہ اٹھائیں مثلاً علم ہندسہ یعنی تخویر اقلیدس ایک ایسا
فن ہے جو بطور اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اب اس کے اصول و قواعد میں غلطی کا نا جہاں مگر ب
کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے اس میں جو کچھ ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اسی قدر ہے کہ
ان قواعد و اصول کو عملی اور یقینی ان کر اپنی اپنی استعداد کے موافق ان سے نتائج نکالتے ہیں
یا آجکل کے عالمان نے اس فن میں پروکٹیبل کلجیو میٹری کے نام سے جو ترقی کی ہے
اس میں اور کچھ نہیں کر سکے سوا اس کے کہ جن عقلی دلائل سے اقلیدس اپنے دعویٰ کو ثابت کرتا
ہے انکی جگہ پیمائش کے آلات استعمال کرنے لگے ہیں اور دو خطوں یا مثلثوں وغیرہ کو برابر جاننا
ثابت کرنے کیلئے قواعد کا یہ کو کام میں لانے کے بجائے زیادہ تر آلات سے پیمائش کو دکھا دیتے
ہیں مگر اس تبدیلی سے اصول علم میں کوئی ترقی نہیں ہوتی بلکہ کہنا چاہئے کہ عقلی غور و تامل کی جو

شق پہلی صورت میں ہوتی تھی آلات کے استعمال سے وہ فائدہ معروض ہو گیا۔ یا اگر علی مشق کو ایک فائدہ کہا جائے تو یون کہنا پڑے گا کہ ایک فائدہ کو چھوڑ کر اسی جیسا ایک اور فائدہ پیدا کیا گیا ہے مطلب یہ کہ علم اگر نامکمل ہے تو آئندہ آئیو اسے اس میں بہتر انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور مکمل ہے تو آئندہ یا تو کوئی جدید فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے تو پہلے فائدہ کی مانند۔ یہی کیفیت یہاں ہے کہ معرفت اور حیدل معرفت کے قواعد و ضوابط (شرعیات) خدا کی طرف سے قلوب مصفا پر لقا ہوتے ہیں مگر جب تک یہ قواعد یا ان میں سے بعض انبیاء کی نقلہ استل کے سبب ناقص شکل میں لقا ہوتے رہتے ہیں آئندہ آئیو لے لیا اور کئی غلطیاں واضح ہوتی تھیں اور اس صورت میں پہلی وحی کی بجائے دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام قواعد یا ان میں سے بعض اپنی حقیقی صورت میں منکشف ہوتے ہیں تو آئندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہیں ہوتی اور اس وقت یا تو جدید انکشاف ہوتا ہی نہیں یا حسب ضرورت کچھ لقا ہوتا ہی ہے تو اسکا فائدہ پہلے انکشاف کی مانند ہوتا ہے۔

مَا نَسِيْنَا مِنْ آيَةٍ اَوْ نَسِيَهَا فَاَتَتْ بِخَيْرٍ
مِنْهَا اَوْ نَسِيَهَا اَلَمْ نَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آقرہ پارہ ۱۷)

تجربہ کا عام قاعدہ ہے کہ اس میں استدلال عقلی کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی کسی فعل سے جو اثر مرتب ہوتا ہے اسکی نسبت بتایا نہیں جاسکتا کہ کیوں ایسا ہوا۔ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے خواص خاص حالات میں کہیں پھیلاؤ کہیں حرکت ، کہیں برق ظاہر ہوتی ہے۔ کوئین سے بخار اتر جاتا ہے۔ کلور فارم سے حس باطل ہو جاتی ہے منکھیہ سے انسان مر جاتا ہے اور خواص طریقوں سے اسکا استعمال بہت سوا مرض کو دور کرتا ہے تقاضیہ سوئی کے دونوں کناروں میں سے ایک میں سر اہدیتہ شمال کی جانب رہتا ہے اور دوسرا ہیشہ جنوب کی طرف اسطرح کے لاکھوں اثر پیدا ہوتے ہیں جنکی کوئی عقلی وجہ بتائی نہیں جاتی اور ایسا

احکام شرعیہ قادیہ
حقیقت میں تجربہ سے
معلوم ہو سکتا ہے۔

کیون ہوا؟ اسکا جواب نہیں ہو سکتا مگر اثر کو کچھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایسا ہوتا ضرور ہے۔ اسی طرح جو تجربے حاملان شریعت پیش کرتے ہیں انکی نسبت ہر جگہ کیون اور کس بیٹے کا سؤل ہی بے معنی ہے وہ لوگ تجربے سے دیکھتے ہیں کہ وہ مختلف قسم کے اعمال جن کو عبادت اور کارِ ثواب کہا جاتا ہے انکو مقررہ شرطوں کے ساتھ پورے طور پر بجا لانے سے روح کو جدا اور نور حاصل ہوتا ہے اور معرفت ربانی کے وہ کرشمے نظر آتے ہیں جن کو دل محسوس کرتا ہے مگر زبان ادا کرنے سے قاصر ہے اور اس کے خلاف کر نیسے اور ان اعمال کے ارتکاب جو جن کو گناہ کہتے ہیں روح میں ظلمت اور کثافت پیدا ہو کر لذتِ اذیرو حافی سے بیکارگی ہو جاتی ہے غرض عبادت اور گناہ کے ان اثر و ن کو جسمانی عقل اگر چہ چل نہ کر سکے مگر تجربہ کر نیوالے بس یقین کرنے میں ایسے ہی محسوس ہیں جیسے فیضانِ اور ڈاکٹر قوائے قدرت اور دواؤں پر یقین کرنے میں۔

لیکن جس طرح تجربہ کے ان ابتدائی اصول اور ان کے اثر و ن کو نامزد دوسرے درجہ پر جو اثر پیدا ہوتے ہیں انکی نسبت اسد لال کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً بھاگنے کے بعد دھتہ ٹھیر جانے پر جو پسینہ پاتا ہے اسکی وجہ بیان ہو سکتی ہے کہ چونکہ بھاگنے سے حرکت پیدا ہوئی ہے اور حرکت کے ذریعہ بدن ہو جانے سے وہی طاقت حرارت میں تبدیل ہو گئی ہے اور حرارت سے جسمانی طبع متون میں سلا اور سام میں پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے اس بیٹے بھاگنے والی کو پسینہ آ گیا ہے۔ اسی طرح عبادت کی ان مختلف صورتوں کی نسبت جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام متعین کرتے رہے ہیں کچھ کچھ توجیہ بیان ہو سکتی ہے مثلاً جو پیغمبر کسی ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے جو ہر وقت معصیت اور گناہ کی مرتبت میں ہو یا کسی اور وجہ سے روحانیت سے بالکل برگناہ اور اپنی حالت پر مغرور ہو یا نبی ان لوگوں کو معرفت تک پہنچانے کیلئے ہدایت کرے کہ اپنے اہل عیال اور مال دولت کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر کریں اور کسی وقت وہ بیان اور گیان کے سوا دنیا کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اس طرح سخت مرض کیلئے سب سے زیادہ تلخ دوا تجویز کرے اور اس کے خلاف جس قوم میں انکی فطری استعداد یا گندشتِ دنیا کی تعلیم کا اثر باقی ہونے کے سبب حق کے خلاف حد و زیادہ تکبر اور

اصرار نہ ہو اس قوم کا پیغمبر بجائے ہر وقت سخت عبادت میں مصروف رکھنے کے ہفتہ میں ایک دفعہ خدا کا خیال کرنے اور عبادت بجالانے کو معرفت کیلئے کافی قرار دے اور ان دونوں کے خلاف کوئی ایسا بنی جو ہر قوم اور ہر زمانے کی تعلیم کو واسطے مبعوث ہوا ہو اور عالم و جاہل شعی و سید کے لئے دستور العمل قائم کر سکے واسطے آیا ہو وہ ایک طرف کئی کئی دن غفلت میں گزارنے کو ممنوع قرار دے تو دوسری طرف ہر وقت خدا کی طرف و صیان لگانا بھی فرض ٹھیکہ اور اس طرح دن میں چند بار عبادت بجالانا فریضہ معمول معرفت گزارنے غرض کہا جاسکتا ہے کہ ایسے یا اسی قسم کے اور اسباب کی بنا پر جو خدا سے قریب یا دور کرتے ہیں انبیا اپنے اپنے وقت پر وحی و الہام سے یا بالفاظ دیگر اس بالاتر ہستی کے تجربہ سے عبادت کی مختلف صورتیں اور مختلف اوقات قرار دیتے رہے ہوں گے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے انبیاء کے احکام کو بجا لاکر ان کے اثر کا ذاتی تجربہ نہیں کیا اس کی طرف سے عبادت کی ان گونا گون شکلوں میں سے کسی کو کسی پر فائق سمجھنا اور ترجیح دینے کے لئے یا عام طور پر احکام کی علت بیان کرنے کے لئے مذکورہ بالا توجیہ یا اور دلائل کو پیش کرنا محض تخمین اور ظن ہے اور حقیقی اختلاف کا مادہ خود عمل کرنے اور اس کے اثر کو دیکھنے پر ہے۔

† بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی مذہبی حکم کی کوئی علت تلاش کرنے اور اس پر یقین کر لینے سے اس حکم میں وہ کشش نہیں رہتی جو محض مذہبی حکم ماننے کی صورت میں نظر آتی ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ فائدہ قریباً باطل ہو گیا ہو گا جو مذہب کا اصلی مدعا تھا مثلاً بہتوں کے مذہب میں صبح کو نہانا اور خاص اوقات پر صند اور گھیر غیر ملا کر ہون کرنا نہایت تاکید فرماتا ہے۔ اور پرانے خیال کے ہندو اس فرض کو نہایت غصیت سے اس کی وجہ کا سوال کر سکتے تھے غیر جانبدار تھے مگر حال میں جو مذہب کی ہر ایک مٹھی سے مخفی حکم کا عقلی سانچے میں ڈالنا اور اس کی کمزوریافت کرنا ایک عام پرفیشن ہو گیا ہے تو اس مذہب کے روشن خیال پیروکنے لگ گئے ہیں کہ غسل اور نہ ہون بدن اور مکان کی صفائی کے واسطے فرض ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غسل سے صفائی کا فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے حارثہ یا نہ ہون سے ہی ایسا ہوتا ہو لیکن اگر ان دونوں فعلوں سے صرف یہی غرض ہوتی

تعلیم کے علاوہ نئی کائنات
میں نیکو عرصہ ناس موجود
رہنا چاہی ضرور ہے۔

اور پھر عمل کرنے اور اثر کو دیکھنے میں یہ بھی بڑی وقت بہر کا انسانی طبائع کے اختلاف سے
ایک ہی فعل کا نتیجہ مختلف اشخاص میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہی نماز ایک شخص کے
لیئے ایک دن میں عرفان کا دروازہ کھول دیتی ہے اور دوسرے شخص کو ساہا سال میں ایک
جلوہ نظر نہیں آتا یا کچھ معلوم ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی آلودگی بھی موجود ہوتی ہے اور بعض اوقات

انہی ضرورت اسی قدر د جاتی ہے جس قدر کہ کپڑے دھونے اور مکان میں سفیدی کرنے اور جہاڑ دینے
کی ہے۔ اور اگرچہ ایسے روشن خیال پڑائے لڑکے سب سے ایسی کم ان دو نوعہ لوگوں کا صفائی کے دیگر لوازمات
کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہیں لیکن اگر غسل اور ہون سے محض یہی مطلب ہو اور یہ شائع ہو کہ دونوں میں
راہی بھی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان افعال کی عظمت نشان نہ ملے گی جو حکم خدا نے ان کی صحت میں لگوں
کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور جس طرح جہاڑ دینا خدا کی تعظیم کا ذریعہ نہیں بلکہ جانا یا فعل بھی اس سطح پر
آجائیں گے اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کا حقیقی فائدہ کیا ہے مگر اس قدر تو ظاہر ہے کہ مذہب اور مذہبی
احکام محض دل کو تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہنا اور جہاڑ دینا کیساں قرار پا کر جو خیال خدا کا اور جو دھیان
انسانی کی طرف اب ان افعال کو کھینچ لائے کی وقت ہوتا ہے وہ اس صورت میں کا فورہ جہاڑ دینا جو اس کو محض
ظاہری صفائی کی نسبت ہو کیا جائیگا اور جو خدا کے دھیان سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ اس وقت مشیر
نہ جائیگا۔ اسی طرح اسلام میں حج بیت اللہ جہاڑ سے فرضوں میں سے ایک ہے اور مسلمان ہر سال دنیا کے گوشہ
سے نہایت شوق کے ساتھ یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں (اللہم از قناہ) مگر جو روشن خیالی اچکل
تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسکی مسلمانوں میں بھی کمی نہیں چنانچہ ایسے لوگ خیال کرتے ہیں کہ تمام عالم
کے مسلمانوں کو سال میں ایک دفعہ کسی مرکز پر جمع کر کے تباہ خیالات کرنے کیلئے فرض قرار پایا ہے اور بیشک
یہ سائدہ بھی حج سے تصور ہو لیکن محض یہی فائدہ قرار دینے سے حج کی اتنی ہی عظمت رہ جاتی ہے جو چوڑے
پیمانہ پر سالاہ کا نفر نسوں اور کانگرسوں کی ہے اور عیساکہ اچکل خیال دور ایا جاتا ہے اگر کبھی واقعہ میں
تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس قرار پائے تو وہی بنائی حج کی قائم مقام بلکہ نعم العبدل ہوگی اور
اگرچہ کانفرنس والے ان جلسوں کو مقدس اور عظیم ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے

اس آلودگی کو عین معرفت سمجھ لینے سے اور اپنے تئیں خدا رسیدہ جاننے سے ایسی سکون نشی
 ہوتی ہے کہ وہی خدا کا بندہ کہ کسی وقت بالکل شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اس لئے علاوہ اس
 دستور العمل کے جس کو شریعت کہتی ہیں اور علاوہ اُن دلائل کے جو اس کی ترجیح اور فوقیت کے لئے
 پیش کیے گئے ہیں کسی ایسے شخص کا موجود ہونا بھی ضرور ہے جو ذاتی طور پر ان کیفیتوں سے واقف ہو
 اور ہر حالت کو اور اسکی صفائی یا آلودگی کو پہچان سکے اس درجہ سے نبی کا شریعت کی تعلیم دینے کے
 علاوہ کچھ مدت تک اُن لوگوں میں موجود رہنا بھی ضرور ہے تا ان اعمال کی بجا آوری سے جو حالات
 پیش آئیں اور جو نقص یا خوبیاں مختلف طبیعتوں میں پیدا ہوں وہ انکی نسبت اپنے تجربے سے ہدایت
 دیتا رہے۔ اسی طرح ہر اس دستور العمل کے علم سے اور اس پر عمل کرنے سے اور اپنے رہنمائی صحبت کا فیض
 لینے سے اس کے متبعین کا ایک ایسا گردہ تیار ہو جاتا ہے جن کے دل صاف ہو کر تجلیات بانی
 سے معمور ہوں اور پھر آئندہ کیلئے وہ لوگ نبی کے قائم مقام ہو کر دوسروں کو اپنے تجربوں سے
 فیضیاب کرتے رہیں۔

مگر ظاہر ہے کہ ان میں شامل ہر خدا کی طرف وہ عاجزانہ توجہ نہیں ہوتی جو اعمال مذہبی میں ہوا کرتی تھی
 وہ ان قدر کم رکھا جاتا ہے تو تسو اب سے اور اٹھایا جاتا ہے تو نذر احتیاط سے اور دل میں خیال ہوتا کہ
 کہ ان کا مزین تہ منویٰ بجا آگھوں سے اور جسم کی بجائے جان کو کام لیتا ہے تو یہی کم ہے اور میان قومیں
 میں جو بات ہوتی ہے۔ تعلق سے اور جو کام ہوتا ہے۔ طنطنہ سے۔ پس اگر کچھ کو اس کے اپنے درجہ سے گرا کر محض
 بان سلیگ یا عام اہل نامی پنجم قرار دیا جائے تو اس خیال کو دل میں جا کر اسکو بھالانے کے وقت خدا کی عظمت و جبروت کا
 وہ نقش ہر گاہ محض حکم بانی ماننے کی بدترین قبول شخص سادہ لوح مسلمان کے دل پر پڑے گا پس اگرچہ مذہبی احکام کو جو
 تلاش کرنا بعض اوقات اپنا اطمینان کیلئے اور اکثر اوقات دوسروں کو ترغیب دینے کیلئے بڑی حد تک مفید ہے اور اس لئے ہر خوشحال
 بزرگواروں کی ایسی کوشش قابل شک ہے مگر اس میں اتنی ترمیم ضرور ہونی چاہئے کہ جو بددعا کیلئے مذہبی حکم کو محض اس
 پنختر بھاسکا بلکہ یوں ظاہر کیا جائے کہ خود ان فائدہ دن کے جو خدا کے اس علم میں روحانی صفائی اور حصول نیت
 کے متعلق ہیں ایک فائدہ یا بعض اوقات ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے۔

سلارشا و دیگر
ضرورت

لیکن چونکہ نبی کا دل دنیوی آلودگیوں سے بالکل صاف اور تجلیات الہی سے کامل طور پر بہرہ ور ہے اس لیے جو کام وہ تنہا کر سکتا ہے اس کو اس کے متبعین باہم تقسیم کر کے پورا کر سکتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض احکام شریعت کی تفصیل اور تشریح اور انکی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں اور علماء دین کا لقب پاتے ہیں اور بعض کشف و مراقبہ میں ہنمک ہو کر اپنی صحبت سے طالبان حق کے عرفانی عقد و ن کو مل کرتے رہتے ہیں اور اہل تصوف کے نام سے مشہور ہوتے ہیں اور انکی وساطت سے علم عمل اور صحبت کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اور آفتاب وحدت کا نور کبھی اُٹھتے قلب کی وساطت سے دیکھنے کی علمی صورت پیدا ہوتی ہے اس لیے مذہب میں جس طرح ان روحانی تجربہ ور کو جن کو عبادت کہتے ہیں نور معرفت حاصل کرنیکا وسیلہ مانا جاتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ مَا يَرْجُوهُمْ (۱)
اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ اور یہ بہت ناگوار ہوتی ہے مگر خدا سے ڈرنے والوں کو ناگوار نہیں۔
اسی طرح ان تجربہ ور کو بڑے رہنماؤں کو بھی واسطہ گردان کر ان کا دھن پکڑنیکا حکم دیا جاتا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ط (۲) (مائدہ پارہ ۶ ع ۱)
اے ایمان والو! پیکر کلامی اختیار اختیار کرو اور خدا کی طرف آئیے کہ لو وسیلہ پکڑو اور اس کے رستہ میں کوشش سے کام لو تا تم نفع پاؤ۔
اور ان کی ہدایتوں کو جن کو مشرپ نام کر پانی و ستا ویزین کہتے ہیں تسلیم کرنے کے بغیر کمال نفع ناسید قرار دیا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَى سَيِّئِهِمْ شَيْئًا (۳) (انعام پارہ ۶ ع ۱)
انہوں نے جیسا چاہئے خدا کو نہیں پہچانا جو کچھ ہم پر اتار دیا۔
مگر وہ انسان اکثر حالات میں خود پسندی اور تکبر سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے برتر سمجھتا اور انہیں کرنا جن میں یہ مرض نہایت شدت سے موجود ہے وہ اپنی شان کے آگے خدا کی خدائی کو بھی پس نہیں کرتے اور کچھ کبھی خدا کا اقرار کرتے ہیں وہ چونکہ اسکی طرف سے

فیضان نور کے اہل نہیں ہوتے نہیں بدوشت کرتے کہ کوئی اور اس نعمت کو مستحق ہو اور یوں جو
 انبیاء سے منکر ہو جاتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے ایسے لوگوں کا لوہا مان لیتے ہیں تب بھی اپنی
 عقل و تدبیر پر ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ جہلا کے لئے انکی ضرورت ہو تو ہو مگر اپنے جیسے فلاسفہ
 کو ان سے بے نیاز مانتے ہیں اور جو اپنے تئیں ان سے بے نیاز نہیں مان سکتے وہ ایک
 اور صورت میں اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہیں کہ نبی کے اقوال کو واجب العمل گردانتے ہیں
 مگر اس کے وجہ کو ان فیض تسلیم نہیں کرتے اور انوار صحبت کو بے اصل ٹھیکر کر منکر معرفت سے آشنا
 رہ جاتے ہیں اور جو اس وادی میں بھی قدم رکھتے ہیں اور قلوب مصفا سے انکسار حاصل کرنے
 کے بغیر جا رہے ہیں دیکھتے وہ بھی بالطبع اپنی غفلت پر گرویدہ اور قلاوہ اطاعت کو اتارنے
 کے شائق رہتے ہیں اسلئے چند ابتدائی جلووں بلکہ چند ابتدائی اصولوں سے واقف ہو کر
 جن میں انکی اپنی نفسانی آلائشوں کا سہی بہت کچھ دخل ہوتا ہے اپنی تئیں بوجہ معرفت کا
 شان و سحر کھڑے ہیں دریا میں خشک لب رہ جاتے ہیں اور سب سے زیادہ حسرت و ناکامی کا شکار
 بنتے ہیں مغرض نہایت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو گوہر شب چراغ روز و ریشاق سے
 انسان کی جیب نمنا میں رکھا گیا تھا اسکی روشنی سے بہت کم حوصلہ مندوں نے فائدہ
 لیا ہے اور بہت کم سلیم المزاج ہیں جنہوں نے آوروں کے فضل و کمال کو اپنی لئے ثابت کرنیکا
 بے تحقیق دعویٰ نہ کیا ہو۔ سچ ہے۔

وَأَنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيْسَ بَعْضُهُمْ
 عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (ص ۲۳۰ ع ۲)

اور بیشک بہت سی وہم و ایک دوسرے پر زیادتی
 کرتے ہیں مگر جو ایماندار اور نیکو کام ہیں وہ ایسے
 نہ ہوں گے لیکن وہ بہت ہی کم ہیں

وحی اور انشا

غرض گذشتہ تحریر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ وحی ایک بالاتر ہستی کا
 تجربہ ہے جب میں ناعلیت اور حرکت کا آغاز ہستی کی جانب سے ہے اور انفعال اور قبول
 اثر انسان کی طرف سے اور اس تجربے سے اسکو وہ قاعدے معلوم ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے سے

اور لوگ معرفت الہی حاصل کر سکیں اور اس میں تعلق چوکہ محض روح انسانی اور خدا کا ہے اس لیے انسانی جسم اور جسمانی حواس کو اس انکشاف میں دخل نہیں ہوتا یعنی کوئی زبان سے بولنے والا اور دوسرا جسمانی قانون سے منہ والہ نہیں ہوتا مگر اس وجہ سے کہ جسم اور جسمانی حواس میں کوئی دخل نہیں ہوتا مگر باہر کا نتیجہ بھی یہی غلط ہے کہ وحی میں الفاظ نہیں ہوتے۔ وہ وحی یہ بیان کرتے ہیں کہ ”الفاظی وحی مفروضیات کو مبعوث خدا، انصاف، محبت، مذہب وغیرہ میں ظاہر نہیں کر سکتی اور الفاظ سے ان خیالات کو ادا کرنا ویسا ہی ہے جیسے کسی لفظ سے ایک بہرے آدمی کو آواز کا خیال دلوانا“ لیکن اگرچہ اس میں شک نہیں کہ خدا کی ذات و صفات اور اس کی صفات کا ظہور انسانی عقل سے بالاتر ہے اس لیے معرفت الہی کے متعلق جو وحی خدا کی طرف سے انسان کے قلب پر ہوتی ہے اس کی حقیقت اور کیفیت کو وہ لوگ ہرگز نہیں سمجھ سکتے جو اس سعادت سے بے بہرہ ہوں مگر جب عقلی دائرہ میں محدود ہو کر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو لامحالہ انسانی فطرت اور اس کے خواہش کے پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا ہو گا اور جب تک چاشنی معرفت حاصل نہ ہو اسی تحقیق پر اکتفا کرنا ہو گا اور جب انسانی فطرت کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک روح کو جسم سے تعلق ہے انسانی فطرت کا یہ ایک عجیب تقاضا ہے کہ جو خیالات میں گزارتے ہیں خواہ وہ بیرونی دلائل اور تجربوں کی بنا پر ہوں یا وہی طور پر دفعہ پیدا ہوں انسان کے ذہن میں ان کا طوابعینہ اسی صورت پر ہوتا ہے جس طرح ان کو بیان کرنے کے وقت زبان پر یعنی وہ معانی الفاظ کا لباس پہنی ہوئے ظاہر ہوتے ہیں اور انسان اپنے دل سے اسی طرح باتیں کیا کرتا ہے گویا کسی غیر سے ہم کلام ہے اور اگر کوئی شخص ایسی سٹیٹ میں پرورش پائے جس میں مختلف زبانوں کے لوگ موجود ہوں اور اس وجہ سے اس کو اپنی دفعتاً تمام زبانوں میں گفتگو کرنے کی قدرت حاصل ہو تو اس وقت معلوم کرنے کے لیے کہ اس شخص کی مادری زبان کونسی ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں کر نیچے تو جس زبان کو وہ استعمال کرتا ہو یا تنہائی میں خدا سے مناجات کرنے کے وقت جو الفاظ اس کی زبان

پڑاتے ہوں انہی کو اسکی مادری زبان قرار دیا جائے۔ مضر آرو باٹھ لکھتے ہیں

یہ خیال کہ کہ میں الفاظ کو محض خیالات کی گامی یا صرف آواز سمجھتا ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ بلکہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ وہی نظم و نسق میں الفاظ اس سے ہی زیادہ ہر ہمتا باشان خدمت ادا کرتے ہیں۔ جب ایک طالب علم کو جس کا نام نہ دیا جائیگا (اس سے غالباً انکی اپنی ذات مراد ہے) لالچ کے پیرل نے پوچھا کہ بنجور داؤد کس بولی میں خیال کیا کرتے ہو تو بول کے کو یہ سوال ایک تمام معلوم ہوا اور وہ حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ بولی کو محض پس چوڑے ٹوسے عضو یعنی زبان سے متعلق سمجھتا تھا اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ اس کو اسی وقت معلوم ہوا کہ بولی اور خیال میں یہی تعلق ہوا کرتا ہے۔ بیشک ہم سب چوڑے پیچھے ہو کر بول رہے آدمی تک کسی نیکی بولی میں خیال کیا کرتے ہیں اور حقیقت خیال کرنا کم و بیش بے خبری میں اپنا پیچھے گفتگو کرنا ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کرنے کے بغیر کہ شیر خوار بچے اور کم درجہ کے حیوانات خیال کرتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ ہماری دلی گفتگو خیالات کی پیروی ہے یا ان کے ساتھ ساتھ چلنے والی موجودہ مدعا کے سیٹھے ہم سمجھتے ہیں کہ بولی خیال کیلئے قریب و دوری ہر کام اور اسکی زندگی اور روح ہے اور وہی ایک ذریعہ ہے جس سے خیال تکمل پکڑتا ہے اور پختہ اور مشخص ہوتا ہے۔ الفاظ زبان سے بولے جائیں یا نہ بولے جائیں وہ خیال کی تحدید کرتے ہیں اور الفاظ کے بغیر اس طرح بے سند کہتے ہیں کہ، غیر معین آرزوئیں دھندلے تصورات اور ابتدائی امیدیں دماغ کے سامنے آتی ہیں اور اس طرح گم ہو جاتی ہیں جیسے صبح کے وقت شبیر اور بچے کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔“

پس خدا اور محبت وغیرہ اگرچہ سادہ اور مفروض خیالات ہیں لیکن انسان اپنی فطرت کے رو سے مجبور ہے اور یہ خیالات اس کے ذہن میں الفاظ کے بغیر ہی نہیں سکتے اور غالباً یہی ایک سبب ہے جس سے خدا کا خیال مختلف اوقات میں مختلف الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہو گا کیونکہ الفاظ اور زبان ہی انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہے پس جس وقت یا جس قوم میں ہر قسم کا مدعا ظاہر کرنے کیلئے الفاظ نہ ہوں گے اس وقت کے لوگ ہی چونکہ الفاظ کے بغیر اس ہستی کا خیال

نہ کر سکتے تھے اس لئے کہہ ہی گئی بڑے عجیب و غریب پتھر یا جانور کے نام سے اور کہہ ہی گئی قابل تعظیم
 انسان کے نام سے اور کہہ ہی سب کے زیادہ قابل عظمت رشتہ یعنی باپ کے لفظ سے یہ تصور ذہن میں
 قائم ہوا ہو گا اور بعد میں غلط فہمی سے اس نام کا درخت یا انسان معبود گردا گیا یا خدا کے ساتھ
 باپ کہہ کر کیا زبوا لیکو ہی بیٹا بنا کر خدائی منصب میں شریک سمجھا گیا ہو گا۔ غرض انسانی فطرت
 کو دیکھتے ہوئے کسی طرح ممکن نہیں کہ قلب پر وحی کا نزول ہو اور اس کے ساتھ الفاظ نہ ہوں
 مگر بعد میں وحی کی اشاعت کر نیز اولوں کی طرف سے یہ کوئی ناہی اکثر ہوتی ہے کہ الفاظ وحی کو محفوظ
 نہیں رکھا گیا بعض اوقات اولوں کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور کہہ ہی اپنی غلط یادداشت سے اس میں کمی بیشی
 کر دیتی ہے یا کہہ ہی ترجمہ ترجمہ ہوتے ہوئے اہل الفاظ کم ہو جانے پر مضمون کچھ کا کچھ ہو گیا ہے
 اور یہ سعادت بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہے کہ الفاظ وحی کو زین و عن بے کم و کاست
 یقینی طور پر محفوظ رکھیں۔



باب چہارم

ملانگہ - معراج - معجزہ

ملانگہ - روحانی مناظر - روحانی مناظر کا قاعدہ - قوائے قدرت کے محل کا قاعدہ - واقعات عالم کا عام قاعدہ - نتیجہ - ارواح مجرہ کی نسبت مشرماٹوں کی ایک سیر فکلی کا استدلال - جنات اور شیطانی وحی - معراج کے متعلق تہید - دل ربادل - ہست - قلبی رابطہ کے کئی اقدہ کا علم ہونے پر روح اپنے تئیں وہاں موجود سمجھتی ہے - روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں - معراج کی ایک توجیہ - معراج کے متعلق ابھی کچھ اور بھی پتہ چلتا ہے - روح کا اثر جسم پر - روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنا - روحانی اثر سے مڑہ جیسا جسم کیا جاسکتا ہے - روحانی اثر سے جسم میں ارادی حرکت پیدا کرنا - روحانی اثر سے جب کلام اللہ حرکت کرنا - طاقت کا انکار اور اسکی وجہ - نیز کی حرکتیں - انسان کی حرکت اور رنگ کا تجویز - سرہلیم کو کس کے تجربے - ڈاکٹر سپیلز کے تجربے مشرق و مغرب کے متعلق - روحانی عمل کیلئے ایسی ہی مناسب ہے - روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے - روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی - ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی علت ہی نامعلوم ہے - جسم کا جسم کو حرکت دینا ہی ایک راز ہے - روحانی اثر اس راز میں کتنے نظر آتے ہیں - معجزہ - یقین کیلئے کئی اقدہ کا ثبوت ضروری نہ کہ سب کا دریافت ہونا - روحانی طاقتیں ہمارا تہذیب کی زبان سے - معراج جسمانی روحانی عمل کیلئے قاعدوں کی تعلیم ضروری نہیں -

ملانگہ

۱۔ انہر الہامی مذاہب وحی کیلئے اور دنیا کے دیگر کاروبار کے لئے علاوہ ان طاقتوں کے جن کو عقل اور جوش دریافت کر سکتے ہیں اور جنھی طاقتیں ہی مانتے ہیں جو خدا میں اور محسوسات میں بطور واسطہ کے کام کرتی ہیں اور ذشتہ یا ملائکہ یا پوتوں کے نام سے نامزد ہیں وہ کہتے ہیں کہ مثلاً بارش کیلئے اور تقسیم اوراق کیلئے خدا کی طرف سے ایک ذشتہ مقرر ہے - موت کیلئے علیحدہ ذشتہ

تسعیں سے انبیاء کو پیغام الہی پہنچانے کیلئے ایک اور فرشتہ مامور ہے اور اسی طرح غلب ثواب و دیگر کاروبار کیلئے جداگانہ فرشتے مقرر جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ طاعتین احساس کی گرفت سے باہر ہیں لہٰذا اہل عقل کو انکی نسبت شک ہو نا لازمی امر ہے چنانچہ اکثر عقلا ان کے وجود سے بالکل منکر ہیں اور ایسے اعتقاد کو جاہلانہ ضعیف الاعتقاد ہی سمجھ کر انسان کے ذہن عقل پر اسکو ایک بدنامی داغ جانتے ہیں اور بعض جو مذہب کے پابند ہیں اپنی عاقلانہ نفرت کے سبب اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اس لئے اپنی اپنی استطاعت کے موافق ان اقوال و ہب کی جنہیں فرشتوں کا ذکر ہے تاویل کرتے ہیں اور ان اقوال سے محسوس مطلب لے کر انکی کوشش کرتے ہیں۔ غرض فی نہا علمی دنیا کا یہ عام میلان ہر ماہر ہے کہ فرشتوں کے معنی اور مہون تو مہون مگر کوئی علیحدہ نام محسوس مخلوق ہرگز موجود نہیں ہے چنانچہ مشر پار کرنے جو سلسلہ وحی و نبوت کا عمل کر نیکی کوشش کی ہے اس میں ایسی مخلوق کی ضرورت نہ رہتی پھر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خدا اور بندہ کے امین کوئی واسطہ اور فرشتہ عامل نہیں ہے کیونکہ بندہ ذات خود عرض کر سکتا ہے اور خدا ذات خود من سکھتا ہے جو شخص فریضہ العجا کر نیکی ضرورت نہیں رکھتا اسکو نوع انسان کی وکالت کر نیکی کو کسی اور کیل کی ضرورت نہیں۔ اس وقت جو دلیل مشر پار کرنے پیش کی ہے وہ میرے خیال میں دعویٰ پر چسپان نہیں کیونکہ وحی جیسا کہ سینے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا انکی محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے جس کو التجا اور عرض کرنے سے تشبیہ و بیجاوی ملکہ خدا کی طرف سے فاعلانہ توجہ ہے اور انسان اپنی استعداد کے موافق اسکا معمول اور متاثر ہوتا ہے پس اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بالآخر لطیف اور توحی ہی کتر کثیف اور ضعیف ہی پرفاعلانہ اثر کیوں کر کرتی ہے۔ اس طرح پھر غور کرنے کی جو قانون قدرت دریافت ہوگا عقلی دائرہ میں محدود ہو کر وہی قانون خدا کے اس فاعلی اثر یعنی وحی کے لئے بھی ماننا پڑیگا۔

روحانی مناظر

وہ روحانی منظر جو قدیم الایام سے لیکر آج تک بھوت، پریت، ماہرزا، ارواح، خیال، دھم و غیرہ ناموں سے مشہور ہو چلے آتے ہیں انکی صلیت چاہے کچھ ہو مگر ان کا لوگوں کو ہر ملک اور ہر زمانہ میں گاہ بگاہ نظر آنا اور لوگوں کا اپنی اپنی سمجھ کے موافق انکی وجہ قرار دینا اس کثرت سے

مردی ہے کہ ایسے واقعات کو انکار نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر کہ کسی مادہ میں ایسی مناظر کو قطعاً بے اصل اور خیالی مان لیا گیا ہے ان واقعات کی نسبت غور کر نیوالے انکی وجہ دریافت کرنے اور ان سے کوئی مفید سبق لینے کو باز نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ ان ملکوں کے جہاں ایسی مناظر کو جتنا فرض کر کے ماضیات وغیرہ علون کو اپنے خیال کے مطابق ان سے علاج معالجہ کا کام لیا جا رہا ہے۔ مہذب ممالک میں عالمانِ سمرزم۔ تھیبائیکیل۔ سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل سرج وغیرہ بہت سو گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے ان واقعات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچا اور نیز اگرچہ ابھی تک ان فرقوں میں ہم بہت کچھ سنتا ہے مگر تلاشِ تحقیق سے یہ نتیجہ یقینی پیدا ہوا ہے کہ ایسے واقعات غلط افواہ اور چوڑا نہیں ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان کے اندر بہت سی مخفی طاقتیں ہیں جو خاص خاص حالات میں عجیب اثر پیدا کرتی ہیں سٹرلیٹ بیڈلارڈ لٹن کی کتاب ایس ٹریجن سٹوری سے نقل کرتے ہیں کہ رپو

اس کتاب کو دیکھنے والے تھوڑے ہوں یا بہت ان میں سے نسبت بہت زیادہ ایسی ہونگے جنہوں نے کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ ضرور کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہو گا جس نے انکی عقل کو متغیر کر دیا ہو اور جو ضرور اس قسم کے خیالات تک لیگا جن کو سوپرسٹیشن یا صنیف الاحقاد کی تہو میں۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی خواب ہی ہو جس میں کوئی اطلاع یا مشین کوئی ہوا اور جو نہ صرف عجائبات ہی میں شمار ہو سکے بلکہ اسکو شجرت جنات یا روحانیات میں شامل ہونا پڑے۔ چھو یقین ہے کہ لوگ خواہ کیسے ہی تفسیر نہ ہوں کیسے ہی مہذب ملک اور روحانیات کو انکار کر نیوالے زمانہ میں ہوں انکی بیشتر تعداد نے ایسا ضرور دیکھے ہوں گے یا بالکل قابل اعتقاد شہادت ہوئے ہوں جن کو نہ سحرین اڑا سکتے ہوں گے اور نہ عقل اور فلاسفی سے ان کو مل کر سکتے ہوں گے اور ایسی مناظر کا شمار اس تعداد میں بہت زیادہ ہے جسکی روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور جس میں اڑائی باقی ہیں کیونکہ جو لوگ انکو دیکھتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو انکی طرف توجہ کریں اور سننے والے

یہی خواہ وہ کیسے ہی قابل تفتیش ذریعہ سے سنیں اس پر یقین کرنے سے ہر نیچہ گیر کرتے ہیں کہ وہ غلام الناس میں شکی مزاج قرار پائیں گے کیونکہ عام خیال ایسے مناظر کے برخلاف ظلم کی حد تک پہنچا ہوا ہے لیکن جو شخص مسیحی اس صراحت کا نہ کہہ کر میں تنہا بیٹھ کر پڑھیں گے وہ غور کر لیا اور اپنا حفظہ کو ڈھونڈ لگا تو غالباً اس کے کسی گہمی شہین ایک خواب سی یادداشت منور پائے گا جو اس کے نزدیک یادہ اور سیوہ نہ ہوگی اور جو میرے بیان کو درست ثابت کرے گی۔

آگے میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں تھیوسافیکل سوسائٹی اور سائٹھی قائل ٹیکیکل ایسوج کی بڑت ان مضامین کو کلائرٹلٹن کے وقت کی نسبت زیادہ تر مین عقل سمجھا جاتا ہے اور ہم ان کی نسبت زیادہ مددگی اور توجہ کے ساتھ بیان کر نیکے قابل ہیں مگر جو کچھ کلائرٹلٹن نے لکھا ہے وہ ان کے زمانے میں جس قدر صحیح تھا اسی قدر اب بھی ہے۔

سٹر کر و ایو اتعالت کی بڑی تعداد میں کر نیکے بعد اپنی کتاب کے آخر میں توجہ نکالتی ہوئی لکھتی ہیں کہ میرا یہی خیال ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جا کہ وہ مین اور ان کو یہ خیال کرنے کی عادت ہو جا کہ انہم سے علیحدہ مین لگا کوئی شخص ہے تو نہ صرف آئندہ زندگی کو سمجھنے کی بہتر قابلیت پیدا کر لیں گے بلکہ ان کو یہ سمجھ لینا بھی کہہ شکل معلوم ہو گا کہ جس طرح وہ ایک طرف ادبی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں بالکل سی طرح کا تعلق ان کو دوسری طرف رومانی عالم سے ہو اور اس لیے وہ عجیب بلتین جو بعض ادب کی طرف سے بعض متون پر ادراغ حاصلات میں وہ ظاہر ہوتی دیکھتے ہیں بالکل قرین قیاس ہے کہ وہی ہی شعائیں ان خوص کی ہوں جو روح میں دولت میں اور جو ماضی طور پر باقی تعلق کے سبب پر شیدہ ہو گئے ہیں۔

غرض معانی طاقتموں کا تجوہ اس کثرت سے ہو ہے کہ ان کے وجود کو انکار کرنا بغیر سٹرھڈلٹن انکار

روحانی مناظر
کا صرہ

+ کتاب نائٹ سائڈ آف ٹیٹرا باب اسٹو ۱۹۹ ص ۸۶

+ سٹرھڈلٹن لکھتے ہیں میں اپنے باور و توجہ میں ایسے اتعالت کا پیش آنا ثابت کر چکی کہ کشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا اس کام کا وقت گزر چکا۔ ہندوب دنیا کو یہ آفات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکرین مفسر جاہل ہے اور ایسے شخص کے خیال کو رد کرنے کی کوشش باری ہونے کی کوئی امید نہیں۔ (کلائرٹلٹن سائیکلک فینا منا باب ۱ ص ۱۲۷)

نہیں جہالت ہوا راتفاق واقعات کو دیکھتے دیکھتے کچھ قاعدے اور شرط بھی دریافت ہو گئے
ہیں جن سے میریزم کرنیوالے اکثر اوقات اپنے امادہ سے ان تماشوں کو دیکھ لیتے ہیں بلکہ ان سے
سلب اراض وغیرہ کا تھوڑا بہت کام بھی لینے کے قابل ہو گئے ہیں اور منجملہ ان قاعدوں کے
جو روحانی طاقتوں کو ظاہر کرنے کے لئے دریافت ہوئے ہیں ایک حسب سطر اور ضروری قاعدہ یہ ہے
کہ ایسا عمل کرنیوالے اپنے حاضر و ابعد کی طرح کسی شخص کو اپنا معمول ٹھیکہ کر سکا اپنے روحانی اثر
سے یہ پوش کرے کہ میں اور پھر اسکی مساطت سے دور دور کی خبریں اور مخفی امور دریافت کرتے ہیں دور دور
کی خبریں منگواتے ہیں اور کئی طرح کے شعبہ کے کہاتے ہیں۔ یا دوسرے عمل نہیں کرتے اور براہ راست
اپنی طاقت کا کرشمہ دکھاتے ہیں تب بھی اسوقت وہ پورے طور پر ہوش و حواس میں نہیں ہوتے بلکہ
ضرور ہے کہ ایک طرح کی بخودی جس کو ہیناٹم کہتے ہیں ان پر طاری ہو جائے کہ جسم اور جسمانی تعلقات
کشیف ہیں اور راز چھو کہ مخفی ہیں اس لئے اس کثافت کے ساتھ وہ دریافت نہیں ہو سکتے اس لئے
یا تو خود عامل کو بخود کر جسمانی کثافت سے قطع تعلق کرنا اور کس قدر لطیف ہوا ضرور ہوتا ہے اور براہ راست
اثر ڈالنے کی بجائے ایک واسطہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ واسطہ ہی عموماً بچوں یا عورتوں
کو ٹھیکہ کرتے ہیں اس لئے کہ انکی رومن جوان مردوں کی نسبت کسی قدر لطیف ہونے کے سبب اور
پھر بے ہوش ہو کر اور یہی رازوں کی پوشیدگی سے قریب تر ہوتی ہیں اور اس طرح عامل کی روح میں
جو ہوش حواس میں نیکی کے سبب کثافت رکھتی ہے اور دوسری چیزوں میں جو مخفی ہونے کے سبب
کشیف روح کے تصرف میں نہیں آسکتیں ایک واسطہ جو عامل کی نسبت لطیف تر ہے عامل کرنا پڑتا ہے
غرض یہ کہ کشیف سے لطیف کی طرف جانا ہو تو لطافت کا ایک درجہ درمیان میں لانا ضرور ہے اور
کشیف دفعۃً لطیف تک نہیں پہنچ سکتا۔

۴ تفصیل کیٹھولہ خطہ ہر کتاب لاف سائیکل فیما مناصفہ مشرہڈ سن اور کتاب آدر ساید آف ڈھتھ

مصنف سر رنڈلڈ میٹر جنہیں اکثر تجربے مصنفین کے کہتے ہیں۔

۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب لاف سائیکل فیما مناصفہ اور بالخصوص من بیریوم اور کتاب جیو پریو
مصنف مشرعیف ٹولیدو بیچ مائٹس۔

قول تدریس کے
عمل کا قاعدہ

یہ تو وہ قاعدہ ہے جو انسانی روح کے اثر کے واسطے مقرر ہے اب قدرت کے دوسرے کاموں کو دیکھنا چاہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرارت، روشنی، کشش ثقل وغیرہ لطیف طاقتیں جو آفتاب سے یا دیگر ستاروں سے ایک دوسرے تک پہنچتی ہیں ان کا اثر بھی بغیر لطیف واسطے کے ناممکن جاتا ہے اور یہ جو فضائیں پھیلا ہوا ہے انکی حرکت کا ذریعہ سلیم کیا جاتا ہے نیوٹن کہتا ہے کہ ان طاقتوں کا یہ واسطہ جانا سمجھنا نہیں آتا اس پر ڈاکٹر سپنسر افرامز کرتے ہیں کہ ایسا تو خود متعجب ہے۔ پس اسکو ایک جزو سے دوسری جزو تک جو فاصلہ ہے اس میں روشنی وغیرہ کی حرکت کیسے ہوگی؟ ان کے افرامز کا رخ مسئلہ پر خلاف روشنی ڈالنے کی بجائے اس طرف ہر کہ اتھرا کے اجزاء کے امین کوئی اور اس سے بھی لطیف واسطہ ہونا چاہئے جس سے آفتاب کا اثر پہنچ سکے۔

واقفانہ کام عام
قائدہ

اس کے بعد عام پیدائش کے قاعدوں کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے گرتے جو فضائیں دوڑتے پھرتے ہیں اور کروں کے اندر یہ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا اور دخت اور حیوانات غرض جتنی جسمانی مشیا نظر آتی ہیں قدرت نے ان کو پیدا کرنا چاہا ہے تو پہلے نہایت لطیف اور نامعقولیوں سے کام شروع کیا ہے اور پھر ان کو باہر مرکب کرنے کو اور کین اور سیال اور کئی کئی طرح کے تہاب طے کرنے سے لطافت بتدریج کم ہوتی گئی ہے اور کثافت بڑھتے بڑھتے یہ چاند سورج اور زمین جیسے اجسام پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کے بعد فرد افراد ہر ایک نوع کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے و زخون کا کام چھوٹے چھوٹے تخمون کو اور دیویمیکل حیوانات کا کام ایک قطرہ مٹی سے شروع ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ مرسلا دار باشین، ہاک کر میوالے اولے اور تباہ کر میوالی بقیں سب لطیف بخار سے پیدا

ہذا کتاب پر حسب الامر مصنف ہر طرف سپنسر بائیسٹھ ستر

۴۰۔ یہ فہرست اس قدر چھلے ہیں کہ مادہ کا کوئی چھوٹا ٹکڑا جو محسوس ہو کر اس میں ابتدائی ذریچہ پانچ کرکٹس زیادہ تخمینہ کئے گئے ہیں (کتاب سرلیٹاف ٹیچر باب دوم صفحہ ۱۸۸) اور جو کہ بعض مباحث میں مادہ کو خدا کی پیدائش نہیں مانا جاتا اور اس کتاب میں اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے اس لیے حضرت بیان ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہ ہو کہ وہ ذات مخلوق ہو یا تدیک امین کلام نہیں کہ دیگر کلمات کے بنانے میں کام لہنی سے شروع ہوا ہے۔

ہوتی ہیں اور ایک لطیف واسطہ یعنی حرارت آفتاب اُن میں عمل کر رہا ہے۔ غرض کثیف اور لطیف کا باہمی تعلق دیکھا جائے تو ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ لطیف اور کثیف میں لطافت اور کثافت کے بین میں کوئی اور واسطہ ضرور ہوتا ہے اور کثیف کی پیدائش کو دیکھا جائے تب ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کثیف کی نسبت لطیف ضرور ہر شے شروع ہو کر مستند یہ سچ مطلوبہ کثافت ہم پہنچانی جاتی ہے۔

نتیجہ

اب اگر خدا کوئی ہستی ہے اور اگر وہ ایک طرف عالم کو پیدا کر رہا ہے اور دوسری طرف بعض انسانوں کو اپنی معرفت کے تجربے کے دربار ہے تو اُس کو موجودان کریم بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک زمین جیسے کرۂ کی نسبت جس قدر لطافت ایک ذرہ میں ہے اس ذرہ کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت بدرجہا زیادہ ہوگی اور اسی طرح ایک گنہگار انسان کی نسبت جبرقہ لطافت ایک پاک و مقدس انسان کی روح میں ہے اس روح کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت اس ذات کی طرح بے انتہا ہوگی اور اگر بعض ذہاب میں روح انسان ذات خداوندی کا مظہر اتم ہے بلکہ روح کو عین خدا مانا جائے لیکن فرق مراتب سے کیونکہ انکار نہ ہوگا اور انسان اپنے انسانی تقیید میں رہ کر کتنا ہی پاکباز اور بے تعلقی ہو جائے تقض اور غذا وغیرہ جہانی ضروریات سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوتا۔ یہ مانا کہ جسمانی خواہشوں کو پاکباز انسان محبت اور شوق سے پورا نہیں کرتا بلکہ محض فضل انسانی سمجھ کر بجا لاتا ہے مگر اُن کو چھوڑ کر عامہ انسانی کو بے نیاز نہیں رکھ سکتا اس لیے اس حالت میں اسکی روح وہ لطافت ہرگز نہیں رکھتی جو ذات خداوندی کا خاصہ ہے البتہ تمام عمر میں ایک اپنے مرتبہ کسی بڑے سے بڑے پاکباز پر ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے کہ اسوقت کیلئے وہ مجہول درجہ جانی خواہشوں سے بالکل پاک ہو پس ایک طرف ذرہ لطیف اور خدا اور دوسری طرف روح لطیف اور خدا کی لطافت کا تفاوت خیال کرنے کے بعد اور نیز دنیا میں لطیف اور کثیف کے اثر اور پیدائش کی کیفیت دیکھنے کے بعد کیا نتیجہ صیح ہوگا کہ لطیف سے کثیف کی طرف انہی ترتیب اور فائدہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہے جہاں سے ہرگز نظر آیا ہے اور اس سے پہلے تمام کام بے ترتیب اور بے فائدہ ہوتا رہا ہے اور لطیف خدا سے کثیف مادہ دفعۃً متاثر ہو گیا ہے اور ایسا خیال فلسفیانہ اور قابلِ محسوس ہو گیا یا یہ

خیال کہ خدا نے پیدائش کا جو کام شروع کیا ہے وہ اس کشف ذرہ سے نہیں شروع ہوا بلکہ اس سے
 بدرجہا زیادہ لطیف حتیٰ کہ شروع ہوا ہو گا نہ اسلئے کہ ذرہ ہی شروع کرنے پر وہ قادر نہیں بلکہ اس سبب کہ
 جس طرح زمین جیسا بڑا کرہ براہ راست ذرہ ہی پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا اسی طرح اپنی کثافت کے
 سبب براہ راست خدا کا معمول بننے کے لائق نہیں ہے اور اسی طرح دوسری جانب وحی کے متعلق جو
 نتیجہ قائم کیا گیا ہے کہ لامحدود و لطیف حتیٰ محدود و اجزائی کثیف تعلقات میں قید رہنے والے انسان پر
 بے واسطہ نور انکار ہے کیا اس خیال کے لوگ اپنی تین فیلسوف کہہ سکتے ہیں یا وہ لوگ جو انسان
 کے پرے لطیف ارجاع نور یہ مانتے ہیں اور اس طرح سے لطیف و بے کیف نور کے بتدریج کثیف تک
 پہنچنے کے قابل ہیں نہ اسلئے کہ خدا کی قدرت میں نقص ہے بلکہ اس لئے کہ روح انسان جسم میں مقید
 ہونیکے سبب براہ راست نور اخذ کرنے کے قابل نہیں اور اسی لئے وہ لوگ جبریل کو ہی براہ راست
 خدا سے نور حاصل کر لیا لائیں مانتے بلکہ اس سے اوپر لطافت کے اور درجات مان کر اور جبریل کو کشف
 کی ایک حد تک محدود سمجھ کر اس کی زبان سے نکلواتے ہیں کہ ۔

اگر ایک سرسروئے برتر پر ہم فروغ تجلے بسوز پریم

البتہ روح انسانی خاص اس حالت میں جبکہ وہ ایک لمحہ کیلئے جسم اور جسمانی خیالات سے برتری حاصل
 کرے اور بالکل بے لوث ہو جائے اس وقت اس کی قابلیت کے مطابق خدا کی طرف سے فیضان نور میں
 تامل نہیں ہوتا اور چونکہ اس وقت وہ باوجود محبت ہمہ نیک جسمانی خیال سے بالکل قطع تعلق کرتی ہے اسلئے
 اسکی اسوقت کی صفائی ملائکہ نور یہی کی صفائی سے اپنی اس خلاف معمول کوشش کے سبب زیادہ ہوتی ہے اور
 اس اعلیٰ صفائی کے سبب ان سے زیادہ نور ربانی حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور براہ راست وحی
 کی سعادت حاصل کرتی ہے ۔

پس ان تجربہ کرنے والے انسان کا یہ اظہار بالکل مطابق فطرت معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
 کے باہمی اختلاف مراتب اور نیز ایک ہی نبی کے مختلف روحانی انقلابوں کے سبب وحی کی مختلف شکلیں
 ہوتی ہیں کہیں فرشتہ بہ فرشتہ شکل نظر آتا ہے کہیں کسی قسم کی آواز میں وحی کا القاء ہوتا ہے اور کہیں نور کی

ہر وسط جلوہ گر ہوئے ہے کہ اس وقت بھی اگر نبی میں کس قدر حجابیت کا احساس موجود ہے تو آگ یا بجلی وغیرہ کی شکل میں جلوہ نظر آئے ہے اور چونکہ اس وقت فرشتہ کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا اس طرف سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ (میں خدا ہوں) کا دعویٰ ہے ہوتا ہے اور چونکہ نبی کا جسمانی قلعہ بہتہ جوہر جوہر نہیں ہوا نور کے کیف کی بجائے اس سے کثیف تر کیفیت یعنی آگ کا تصور ہوتا ہے مگر جس حالت میں احسانِ جمہر بالکل فنا ہو جاتا ہے اس وقت براہِ راست وہ نور نظر آئے جس کو آگ کہہ نہیں دیکھتی کان نہیں سنتے مگر قلبِ معانی اس کا لطف اٹھا ہے اور بیان نہیں کر سکتا اور اس حالت کو اصطلاح میں معراج کہتے ہیں۔

ارواح مجردہ کی نسبت
مشترک نہیں کی گئی

پس اگرچہ لامرکز جسم سے پاک اور نور محض مانے جاتے ہیں اور انسان کا سائنٹیفک تجربہ اس وقت تک کسی روح مجردہ کا اثر دیکھ نہیں سکا۔ مگر اس عقیدے سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نظامِ عالم میں کثافت و لطافت کی ترتیب اور قاعدہ اس شکل پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور نیز جن لوگوں نے مظاہرِ روحانی کا مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ تعصب کو چھوڑ کر سہارہ میں تامل کرنے کے عادی ہیں وہ ارواح مجردہ کے اثر کو ثابت شدہ نہیں تو ممکن ماننے پر ضرور مجبور ہوئے ہیں چنانچہ سٹر فیڈر لک ڈبلیو ایچ مائٹس جس پر سائنس کی فائبر ہائیڈکلیک لیسرچ کے ممبر ہیں اپنی کتاب ہیومن پوسٹنٹلٹی (ویجاہ صفا) میں ایسے زینوی واقعات کو مل کرتے ہوئے جو انسان کو بغیر حواس کے معلوم ہو جاتے ہیں لکھتے ہیں۔

”ٹیلی پتھی اور ٹیلیس تھیسیا یعنی خیالات بعیدہ اور مشاظر بعیدہ کا وہ احساس جو حسی حقائق سے کبھی بغیر ہوتا ہے ایسا فانی قابلیتوں کو یا تو یوں مل گیا ہو سکتا ہے کہ ہماری اپنی ذہنی طاقتیں جیسا کہ است کہتی ہیں یا ہم پر ہے زیادہ آزادانہ کم پائندہ ارواح کا اثر ہوتا ہے۔ یہ دوسرا اصول جو ارواح مجردہ کی طقت سے متاثرہ غیر معینی مظاہر کی تشریح کرتا ہے باری نظر اس شکل کو مل کر دیتا ہے اور اس اصول کو سٹر اے آسہ و لیس اور دوسرے لوگوں نے یہاں تک وسعت دی ہے کہ اپنی روحانی طاقتوں کے اصول کی حکومت سے بہت اور گراں بار کہتے ہیں کوئی ضرورت نہیں چھوڑی مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ

آگے چلکر یہ بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ وہ روحانی طاقتیں جن کو مین ثابت کرنا ہوں اگر انسان کے اندر ان کے موجود ہونے سے انکار کیا جائے تو اس صحت میں بیشک ایسی اصول کو عیاں کہ یہ ہے یعنی بیرونی ارواح کا دہائی دخل اور دہائی رہنمائی ضرور ماننا پڑیگا لیکن جو خیال میں نے قائم کیا ہے یعنی انسان کے اندر ایک عظیم کمیشن روح کا موجود ہونا اسکو جب ان مظاہر منطبق کیا جائے جو باطنی نظر میں مشرولیس کے اصول و احوال مجروحہ کا خیال دلوائتے ہیں اور جن مظاہر کو مین بیرونی ارواح کو دخل دینے کے بغیر انسان کی اندرونی روح کی طاقت سے حل کرنا ہوں تو ثابت ہوگا کہ میرا اصول درست و متجاوز اور غیر ضروری نہیں ہے بلکہ حد بندی کرنیوالا اور معقول اصول ہے مگر حقیقت میں مین یہ نہیں کہتا کہ جو خیال میں قائم کرتا ہوں وہ تمام واقعات منطبق ہو سکتا ہے اور ارواح مجروحہ کے اصول کو بالکل خارج کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دونوں اصول ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں کیونکہ مقامات بعضہ رابطہ پیدا کر سکی طاقتیں بڑی حد تک موجود ہیں خواہ ہم ان کو اپنی ہی روح سے منسوب کریں اور ہم ایسے وقت میں روحانی طور پر ایک دوسرے پر جو باہم فاصلہ پہن اثر کر سکتے ہیں۔ پس اگر ہمارے جسم میں کئی ہوتی و مین ایک وقت میں اس گوشت پوست کی وساطت سے آزاد ہوا کام کر سکتی ہیں تو یہ عقیدہ اور یہ مضبوط ہوگا کہ اور مین بغیر جسم کے موجود ہیں اور اسی طرح بغیر جسم کے پھر اثر کر سکتی ہیں۔ ”انگے چل کر دیا مجھ کے خاتمہ پر لکھتے ہیں صفحہ ۲۴) ”ہم جانتے ہیں کہ زندہ انسان کی روح اپنے اعضا پر حکومت کرتی ہے اور آگے چل کر یہی دلائل ہی ملینگے جن سے نتیجہ نکلے کہ جسم سے آزاد مین ہی ایک قسم کے نصفہ کے ساتھ زندہ انسانوں کے اعضا چلکومت کر سکتی ہیں یعنی وہ براہ رہت مادہ کے ایک حصہ پر جس کو ہم زندہ کہتے ہیں یعنی داغ پر انسان کی حالت بیخودی میں اثر کر سکتی ہیں پس میری نزدیک یہ خیال خلاف قیاس نہیں ہے کہ اسی طرح روحانی کارکن بواسطہ ایک قسم کی طاقت کے جوہ زندہ انسان سے اخذ کرتے ہوں غیر زندہ مادہ پر ہی کسی قسم کا اثر پیدا کریں۔ اور مین یقین کرتا ہوں کہ سرلیم کروکس اور مرحوم ڈاکٹر سپیٹ اور اور لوگ نے ایسے اثر دن کو بطور ایک واقعہ کے قابل اعتماد طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے بالخصوص ڈی ڈی ہوم اور ڈبلیو مسٹینٹن

میں سن کے حالات میں۔ اور اگر میں انکو اور دیگر جو قسم واقعات کو غیر متبیح کہوں تو محض اسلیئے
ہوگا کہ یہ واقعات اور بہت سی قابل اعتماد حکایات میں جتنی اس قسم کی تحقیقات کی ایک لمبی سطر میں
جس میں اکثر ہوگا اور فریب ثابت ہو جائے وہ لکھتے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اندر میں نہایت اس قسم
کی شہادت جو حقیقی قوت رکھتی ہو نہ صرف مجھ کو ان کی نسبت متفرق تحریر میں عمدہ طور سے موجود
مشترک ماثر میں اپنے معلومات کی بنا پر افراغ مجروحہ کا امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فریخ فلاسفہ
مسیو لونی فگنیہ ایک لطیف استدلال کو اپنی ادواح کا وجود ثابت کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔
ہماری ارد گرد کی زندہ مخلوق میں نباتات سے لیکر انسان تک دائما اوپر کا جائیداد اسلسلہ ہے جو
کمال حاصل کرتا جاتا ہے۔ کافی اور دیگر بحری روہ شیدگیوں کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے
نقطہ روانگی تعمیر کو ہم نباتاتی دنیا کے تمام کمال حاصل کرنا واسطہ میں سے گذر جاتے ہیں اور ابتدائی
حیوانات یعنی گھوسلے اور دیگر نباتات ناجیوانات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے واسطہ ترقی انات کے
بلے لہذا درجن کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آتے ہیں۔ اس طبعی کاہر ایک پائیدار قالب غیر محسوس
ہے اور ان تغیرات اور درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستینوں کے ایک خوبصورت
سلسلہ کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کافی ہے اور دوسرا کنارہ جاری نفع انسانی۔ اور باوجود اس کے
ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آئندہ ہم میں اور خدا میں درمیانی ہستی کا کوئی واسطہ حاصل ہو اور اس تدریجی ترقی
کے سلسلہ میں انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غارضی پڑا گیا ہو۔ ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام نیچر میں
چھوٹی چھوٹی نباتات کو لیکر نفع انسانی تک پہنچتی اور پشمار درجات کی ترتیب ہو کر انسان اور خدا کے
درمیان صرف ایک ناپیدا کنارہ جنگل ہو۔ ایسے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کہیں نہ رہے یا فلسفہ نے ایسی
غلطی کی حمایت کی ہو تو اسکی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناقصی ہے اس میں شک کرنا ناممکن ہے
کہ جس طرح نبات اور حیوان کے مابین اور حیوان اور انسان کے مابین وہاں جاتا ہے اسی طرح انسان
اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوقات کی بڑی قطار ہے جسکی وساطت سے انسان اس خدا تک
پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے۔

غرض یہ تو کہ یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کی تدریجی ترقی
 طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہر لحاظ میں آتی لیکن اگر ہم ہر لحاظ سے
 چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے۔
 فرض کر دو کہ کوئی علم ادبیات کا عالم کسی لابسے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ
 یہ قطرہ زمین تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات اور نباتات بکھرا ہوا ہے جو بے حد
 اور نباتات کی طرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تودہ جاہل فوراً سر بھیر دنگا اور کہے
 والیکو دیوانہ بھگیا لیکن اگر اس کی آنکھوں پر غرور میں رکھ دیا جائے اور وہ قطرے کی تشخیص کرے تو اسکو
 اقرار کرنا پڑے گا کہ کہنے والا سچ کہتا ہے کیونکہ ابی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اسکی آنکھ سانس
 کی مدد پا کر چھوٹے پیمانہ پر تمام دنیا کو سمجھ جائیگی۔ غرض جہاں ہم کچھ نہیں دیکھتے وہاں زندہ مخلوق
 کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے بلکہ یہ محض سانس کے اسکان ہیں ہے کہ اس بارہ میں عوام الناس کی
 آنکھوں کو روشن کرے۔“

ہم چاہتے ہیں کہ ہم ہی اسی سلسلہ کی حقیقت اختیار کریں۔ بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ
 جہلا کو اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سمجھتا لیکن اگر ہم جسمانی آنکھوں کی بجائے روحانی آنکھ سے کام لیں
 یعنی عقل و تائیدات اور تعلیم کے استعمال کریں تو پھر ہر مخلوق روشنی میں آجائیگی۔“

سب ملگو کا مذہب ہے کہ ایک ہی قسم کی رموز و پتی ہستی کو نباتات کے ابتدائی درجوں سے
 شروع کرتی ہیں اور مختلف جنوں میں ہوتی ہوئی نباتات اور حیوانات کے تمام مراتب طے کر کے انسانی لائق
 میں آتی ہیں اور یہاں سے گذر کر اس سوزیادہ لطیف مشکون میں ظہور کرتی ہوئی انتہائی نقطہ کمال تک
 پہنچتی ہیں اور اسی لئے مقام پر بناتی اور حیوانی ترتیب کا ذکر انہی الفاظ میں کرتے ہیں جو اس خیال
 کیلئے موزوں ہیں لیکن خواہ انکا مذہب سب سے ہوا و احوال تنازع کے طور پر بتدریج کمال حاصل کرتی ہو
 یا مقام پر ڈالیں ان کے خیال کو ہمیشہ نظر رکھا جائے کہ یہ مطابق انکا تخیل کہہ سکتا ہے کہ وہ ہم ہی ہیں جو
 مختلف حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسانی صورت تک پہنچے ہیں اور یا ان تمام موجودات کو مختلف

ارواح اور مختلف نفسیں ناما جائے غرض ہر دست ان تمام اختلافوں پر یکسو ہو کر یہاں تک امر واقع ہوا کہ نہ صرف نباتات بلکہ خاک ایک ذرہ کی لیکر انسان تک جس قدر معدنیات نباتات اور حیوانات کی قسمیں موجود ہیں ان سب میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر ایک درجہ اپنی پہلے درجہ کی نسبت کسی نہ کسی نقص سے پاک اور کسی نہ کسی کمال سے متصف ہوتا ہے حتیٰ کہ سب کے بعد انسان ہی کے شیخ پر آتا ہے اور ان سب سے کمال تادار شرف ہونی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کا دعویٰ خواہ کیسا ہی سجا اور درست ہو مگر ہر طرح کو کمال اس مخلوق کو بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ ابھی تک بہت سے نقص ہیں جن سے کثافتیں اور بہت سی احتیاجیں موجود ہیں۔ اب اس دنیا کو ایک ہر طرح سے لطیف اور ہر طرح سے کامل خدا کی مخلوق ماکو عتیقہ مدہ شیک نہائت ناماضانی پسینی ہو گا کہ اس قدر مطلق نے جو نفاذ و کمال کی طرف جانید الاسلسلہ شروع کیا تھا وہ محض انسان پر لگ کر ختم ہو گیا ہے حالانکہ انسان ہی اور پرچہ مراتب لطائف خیال میں آسکتے ہیں مگر واقع میں ایسی کوئی ہستی پیدا نہیں کی گئی جو انسان سے لطیف تر ہو۔ گویا بقول مسیو ٹیگنی کے ایک بندی کی طرف جانیدالی شکر بنائی گئی ہے جس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ برتری کے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی مگر تھوڑی دیر چل کر ایسی عین اوزار یک خندق آجاتی ہے جو بندی کا نام و نشان نہیں چھوڑتی پس جب ایک سلسلہ کو کمال کی طرف لیجا کر اسکل حالت میں چڑھ دینا قدرت کا کام ہے بالکل بعید معلوم ہوتا ہے تو لامحالہ عقل سلیم دوسرا نتیجہ ہی نکال سکتی ہے جس کو عالمان مذہب اپنی روحانی مشاہدوں کی بنا پر امر واقع کہتے ہیں یعنی یہ کہ انسان سے اوپر مخلوق کے پیشاں درجات ہیں جو انسان کے سے نقص اور کثافتیں نہیں رکھتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق کرتا ہوں لطافتوں اور کمالوں سے متصف ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُودَ سَائِلٍ إِلَّا هُوَ (الہامی رذیرہ پارہ ۱۷ صفحہ ۱) خدا کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مگر آہ! دنیا والوں کا عام دستور ہے کہ جس قسم کے عقاید و خیالات کو رواج عام اور فیشن کا خلعت مل جاتا ہے ان کے خلاف کوئی نتیجہ خواہ کیسا ہی قرین نیاس ہو سکے جو شیانہ بی رحمی کے ساتھ پامال کر دینے پر غور کیا جاتا ہے چنانچہ مادیت کی ترقی نے محسوسات کی بلا تخریبات کو نہایت مہیو

سمجھ لیا ہے اور اس خیال کے رواج نے اہل علم کے دلوں پر ایسا حجاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ تجویز سے
 اوپر کی باتوں کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہیں درگندہ شہادت لال کی رو سے عقل نے جن طلیف
 مخلوق کے نشان دریافت کیے ہیں اگرچہ وہ اس کے تمام درجات اور مراتب بتا نہیں سکتی کیونکہ اس
 عالم کی تفصیل کیلئے انسانی دماغ میں کوئی تمثیل موجود نہیں مگر دماغی رصد گاہ کی اسی خور و جذبہ
 عقل سے اس منظر کی کچھ اور کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ یہاں انسان میں ہنگامہ اور کشافنتون کے شرائط
 بھی ہے پس اس سے اوپر جو مخلوق ہوگی وہ اگر محض نیک ہو اور شرارت سے بالکل پاک تو یہ امر
 ترقی کے خلاف ہوگا اور ضرور ہے کہ بسط پر وہ مخلوق اور لطافتون میں درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوگی
 طبعی شرارت سے پاک ہو نہیں بھی تاہم ترقی ہو اور اس لیے ضرور ہے کہ انسان سے اوپر کچھ درجہ
 ایسے موجود ہوں جن میں کسی نہ کسی حد تک شرارت کا وجود پایا جائے اور پھر وہ درجات شروع ہوں جو نیک
 میں ترقی کیتے جائیں اور پھر وہ نور معرفت جزوات باری کی طرف سے القا ہوتا ہے ان درجات
 تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی میں جلوہ گر ہوتا ہوگا جو شرارت سے بالکل معزاجین مگر ان سے نیچے کو درجہ
 اپنی شرارت اور بدی کے سبب اپنی اپنی کیفیت کے موافق اس صفائی اور پاکیزگی سے محروم رہتے
 ہونگے۔ اب اگر انسان نے کسی طرح کی روحانی طاقتیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ایلیف
 مخلوقات سے فیضیاب ہونیکے قابل ہو جاتا ہوگا اور پھر اگر ہو اس کو چھوڑنے میں کامل طور پر
 کامیاب نہیں ہو بلکہ نجاست اور گناہ کی آمیزش باقی ہے تو اس کے دل کو محض اپنی درجات سے
 مناسبت ہوگی جو کیفیت شرارت رکھتی ہیں اور وہ انہی کی مکدر روشنی کو حاصل کرتا ہوگا لیکن اگر
 آئینہ قلب بالکل صاف ہو گیا ہے تو محض نیک اور وح کی واسطت سے نور معرفت حاصل کر نیکی
 قابل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ گناہ کی آمیزش کے اور پراسانی کے مراتب بھی کثرت سے باہر کے مختلف ہوتے
 ہیں ایک گاہ گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اکثر مبتلا رہتا ہے اور دوسرا اکثر گناہ سے
 متنفر رہتا ہے اور کبھی مبتلا ہوتا ہے اور اسی طرح پارائون میں سے بعض خدا کا خیال اکثر قائم
 رکھتے ہیں اور کبھی اپنی عاجز خرافاتوں میں مصروف ہو کر فانی ہو جاتے ہیں اور بعض غفلت میں

زیادہ رہتے ہیں اور کبھی توجہ کو قائم کر سکتے ہیں مگر بالجماع ایسے انسانوں کا پہلا گروہ ہے جن کے کشف والہام سے غلط مذاہب لُج پاتے ہوں گے اور موخر الذکر فرق حسب استعداد سچی معرفت سے دنیا کو روشن کرنا ہو گا اور پھر اس دوسرے گروہ میں سے بعض انبیاء کو کسی وقت صفائی کا وہ درجہ میسر آ ہو گا کہ انکی روح نیک ارواح مجرودہ سے بھی زیادہ لطیف ہو جائے اور براہ راست ذات باری سے فیضیاب ہو۔ غرض دنیا میں کثیف اور لطیف کے باہمی تعلق کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے خلاف بقول مٹھ پارس کہ تمام انسان اور قبولِ مکرین ملائکہ تمام انبیاء تمام اوقات میں براہ راست خدا سے نور حاصل کریں نیچر کی شہادت ہرگز انکی تائید نہیں کرتی اور جو کچھ نیچر کہتی ہے وہی مذہب والے اپنے روحانی تجربوں کی بنا پر پیش کرتے ہیں کچھ لطیف مخلوقات شرارت و متصف ہیں جن کو جنات یا شیاطین کہتے ہیں اور کچھ محض نیک ہیں اور ملائکہ کے نام سے موسوم ہیں اور نیز یہ کہ شیاطین کی طیف سو گندہ کاروں پر مبنی ہوتی ہے اور ملائکہ کی طیف سیار ساؤن پر اور بعض اعلیٰ درجہ کے پارسا کسی وقت براہِ راست خدا سے نور اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

بیشک شیطان وحی کرتے ہیں انجو دستوں کی طیف تا وہ تم سے (حق کے بارہین) نزع کریں اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے۔

خدا انازا ہے فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی کے ساتھ انجو بدرون میں جو جس پر چاہتا ہو تاکہ وہ خدا کی طیف سے تبلیغ کریں لاتی جہات میرے کوئی نہیں پس تم بھی جو دنیا کے اور یہ فیضانِ دنیا کے پروردگار کا ہے سکونات روح نے تیرے دل پر اتارا ہو تاکہ تو لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈراوے۔۔۔۔۔ اور اس کو شیطانوں نے

إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَآئِهِمْ
يَجَادُّوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ
لَمُشْرِكُونَ ط (انعام پارہ ۳)

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِنَّ أَنْزَلَ إِلَهُكَ
الْكِتَابَ إِلَّا آتَاكَ الْقَوْعُ ط (نحل پارہ ۱)
وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط نَزَلَ بِهِ
الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ
مِنَ الْمُنذِرِينَ ط وَمَا تَنْزِيلُكَ

بِهِ الشَّيَاطِينُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا
يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَسْمَعُوا لَكُمْ وَلَا يَكُونُوا
هَلْ أُنْذِرُكُمْ عَلَىٰ مَنْ نَزَّلَ الشَّيَاطِينُ
تَنْزِيلَ عَلَىٰ كُلِّ آفَاقٍ أَنْبِئُكُمْ بِمَا يُلْقُونَ السَّمْعَ
وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝

(شعراء پارہ ۱۷ ص ۱۷۸)

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ عَلَّمَهُ شَدِيدُ
الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ كِبَىٰ
الْأُنْفِ الْأَعْلَىٰ نَشْءَ دَنَا قَدْ لِي فَكَانَ
قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ
عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا يُشِ
أَقْتَمَارُ وَنَهَىٰ عَلَىٰ مَا يَنْسَىٰ وَلَقَدْ
رَأَىٰ نَزْلَةَ الْأَخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهَىٰ ۝

(انجیل پارہ ۱ ص ۱۷۸)

ہنہیں اُتارنا اُن کو یہ سننا اور ہے اور نہ وہ ایسا
کر سکتے ہیں۔ وہ خدا کا حکم سننے سے معزول ہیں
..... میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے
ہیں وہ اتر کر انویالوں اور گندہ گاروں پر اترتے
ہیں وہ خدا کے چوکھون کی طرف امان لکھتے ہیں
مگر اکثر جھوٹے بولتے ہیں۔

نہیں ہے رسول کا فرمان مگر وحی جو خدا کی طرف سے
یہ بھی گئی رسول کو یہ باتیں کھائیں سخت قتل والے
اور مضبوط علم والے فرشتے لے پس ٹھیکر ایک وہ بند
کنارہ پر تھا۔ پھر رسول خدا کو قریب ہوا اور اس کی طرف
جھکا پس دو کمانوں کے برابر ہو گیا یا اس سے پہلے
قریب پس خدا نے پیغمبر کو وحی کرنی تھی کہ۔
اس کو دل نے جو دیکھا اس میں فرشتے نہیں کیا تم اس بار میں
جوانے دیکھا شک کرتے ہو مادہ پرستوں کے فرشتے کو
دوبارہ سہ ماہی کے پاس دیکھا۔ ۛ

ۛ اس آیت کا ترجمہ جیسا کہ روایت کے مطابق کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن) اور جو وحی الہام کے بلاواسطہ میں آیا
کئے گئے ہیں اگرچہ سمجھنے والوں نے انکو مختلف طرزوں سے سمجھا ہے مگر حیدر کا تفسیر لیس اللہ ان کو تفسیر ابن عربی سے
مستفاد ہوتا ہے اس مقام پر بھی کہ دو نوعیات کا ذکر ہے یعنی ایک وہ ہے جسکی نبی فرشتہ کی ماموریت کی طرف
اختیار ہے اور حالات اکثر یہی ہے اور دوسرا وہ ہے جسکی وہ بعض متحجب قاتل میں فرشتہ سے زیادہ لطیف پاکیزہ
ہو جاتا ہے اور اس وقت جہان مکنت ترقی کر سکتا ہے فرشتہ وہاں مکنت پہنچو سے قاصر ہوتا ہے مگر چونکہ یہی اعلیٰ مقام
انسانی قابلین پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی اس لیے جب نبی اس حالت کی دلیل قاتلہ کو بہر لطافت کے اس درجہ سے
آتر کر جو فرشتہ کا انتہائی مقام ہے فرشتہ کی رسالت موحی کا سلسلہ جاری ہو جائے تب چنانچہ اس آیت میں
یہی بیان کیا گیا ہے کہ رسول نے فرشتہ کی ماموریت سے علوم ربانی حاصل کئے جس کے بعد ایک اعلیٰ کنارہ پر

معراج کے تمہید

جلوہ معرفت، وحی، رویت، ملائکہ، معراج غرض روحانی ترقی کے تمام مدارج کا پورا
 طور پر پہنچنا ان لوگوں کیلئے جو اس لذت سے آتش نہا ہین اول تو یہی ایسے ممکن ہو کر یہ باتیں
 ان کے نقطہ خیال سے بزرگ ہیں۔ ایک جاہل محض کو ان لطفوں سے آشنا کرنا محال ہے جو ایک
 سانس دان کو کوئی قانون قدرت دریافت کرنے اور مفید یا بجا تک پہنچنے میں یا ایک
 ریاضی کے طالب علم کو کوئی شکل سوال حل کرنے میں حاصل ہوتے ہیں اور دوسرے جب خیال
 کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے تمام مدارج تجربہ منہصر ہیں اور نیز ان میں غافلانہ اثر
 اس بالاتر مرتبہ کی جانب سے ہوتا ہے اور انسان کی بطرت جو کوشش پہنچتی ہے وہ محض کوشش طلب
 کو متنی الوسع صاف کر کے انفعالی قابلیت پیدا کرنی ہے تا اس وقت ملائکہ کیلئے اسکی حقیقت
 تک پہنچنا اور کچھ معرفت سے بیگانہ ہونے کی صورت میں محض غفلت عقل سے اسکی گنہ گار یا اور بھی محال
 ہو جاتا ہے جب رسوم کی گیس یعنی الکسیجن اور ہائیڈروجن کی ترکیب سے پانی کا پیدا ہونا
 یا پانی کے تحلیل سے دو نوکلیوں کا پیدا ہونا یا ہر کسی طرح نہیں سمجھا سکتے بجز اس کے کہ اسکا
 تجربہ کر کے دیکھا یا جائے تو لاکھ کو دیکھنے یا خدا سے ہمکلام ہونیکا تجربہ محض حرج و قدح سے
 کیونکر منکشف ہو سکتا ہے پس اسکی حقیقت کو ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو یہ صواب نصیب ہوئی ہو
 اور دوسرے لوگ جو کچھ کہہ سکتے ہیں اسی قدر ہے کہ کسی طرح کی تخیل و تشبیہ سے اسکا بہم ساخا کہ پیش نظر
 کر لیں۔ وہ مبتدی طالب علم جو رات اور دن کے تغیر سے متوجہ نہ ہونے کے قابل ہے اور جس کو
 فریڈلٹ پسینڈ ولس سے زمین کی حرکت کو سمجھنا دشوار ہے ابتدائی مدرسہ میں اس کو بھی نصیب ہونے

۱۳۱
 پہنچ کر زہر شہ کی رسالت ختم ہو گئی اور وہ دہین ٹھہر گیا مگر رسول خدا سے قریب ہوتا گیا اور اسکی طرف
 جھکتا گیا تھے جس طرح دیکھا تو ان کو ملانے سے دائرہ پیدا ہوا تھا ہے اور دائرہ میں تو ہی خلون کی ابتدا
 اور انتہا میں نظارہ تہ نہیں رہتی اسی طرح رسول کو بھی اس وقت خدا سے کامل وصال تھا بلکہ اس
 تشبیہ سے بھی کچھ زیادہ اور اس وقت جو راز منکشف ہونے سے پہلے ہوئے اور دل نے جو لطف اٹھانا تھا اٹھا لیا
 مگر پھر رسول نے اس حالت کے بعد مقام سدرۃ المنتہی یعنی فرشتہ کے انتہائی درجہ تقی پر سکھو دو بارہ سو جو پایا۔

کی کوشش کی جاتی ہے اور اس وقت اسے صفت مثال سمجھایا جاتا ہے کہ گنبد کو چراغ
گرد حرکت دینے سے جس طرح روشنی اور تاریکی بدلتی رہتی ہے اسی طرح آفتاب کے گرد زمین
کی حرکت گردن رات پایا ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہلوگن کی نکات معرفت متعلق ہے
اور یہاں بھی گیند اور چراغ جیسی تشبیہوں سے ہی کام لیا جاسکتا ہے چنانچہ معرفت کے نام
مدارج کی نسبت حتی الوسع اسی استملا ثبیلی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ معراج کیساتھ
علاوہ اس تجلی بیواسطہ کے جو اور واقعات اہل تجربہ نے بیان کئے ہیں اور حتی نسبت اکثر غلط فہمی
واقع ہوتی ہے انکی نسبت کی قدر تشریح کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان واقعات کے بارہ میں غلط فہمی
اکثر اوقات سخت اعتراضوں کی شکل میں بڑے شد و تر سے ظاہر کی جاتی ہے اس لحاظ میں بھی
اگر کلام کو طول دون تو مضمون کی عظمت کے سبب قابل درگزر ہوگا۔ مگر میں پر باعلان کہتا ہوں
کہ کچھ کہا جائیگا اس سے یہ مدعا گزر نہیں کہ معراج بعینہ اسی طرح واقعہ ہوتا ہے کیونکہ سننے والوں
کی نا تجربہ کاری کے سبب سے خود دیکھنے والے اسے تفصیل بیان نہیں کر سکتے نہ مانیکہ ایک سنگین
اسکی حقیقت کو سمجھنے یا سمجھانے کا دعویٰ کرے بلکہ غرض صرف اس قدر ہے کہ تشبیہ سے قریب
الفہم کیا جائے۔

والہ بالہ است

منبع ان روحانی طاقتوں کے جو دریافت ہوئی ہیں بعض اہل فن کی جانب سے
غیب بینی کے ثبوت کا یہی دعوئے کیا جاتا ہے اور اکثر ایسے واقعات بھی پیش کر جاتے ہیں
جن میں کسی شخص کو پیش از وقت کسی حادثہ کا علم ہو گیا یا کسی شخص نے پہنچنا ٹائڈ یعنی حاضر
میں پہنچو ہوئے پر کوئی نامعلوم امر ظاہر کیا اور تحقیق پر بھیغ ثابت ہوا۔ مگر یہ سبکہ پورے طور پر
پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ بعض واقعات میں اس کے خلاف ہی استدلال کیا گیا ہے البتہ

۴۔ یہ تمام مضمون سر ہڈ سن کی کتاب دہی لاؤٹ سائیکلک فیما بینائے مختلف مقامات سے لیا گیا ہے
اور جو بھی باتیں درج کی ہیں جو کہ مشہور ماثرین اور شرطیل و ریجیے تعدادوں نے ہی تسلیم کیا ہے ملاحظہ
ہو کتاب ہیرمیاں پر سنلشی اور سنڈیزان سائیکلک (ریسچ)۔

دل ابدل ہریت کا پُرانا مشہور مقولہ بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا ہے چنانچہ ابتدائیں عالمانِ مسرور نے معمول کو دوسروں کے لئے خیالات معلوم کرنے اور اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کرنے کی مشق بطور ایک لازمی ہنر کے کروایا کرتے تھے اور اس قسم کے تجربوں پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور یٹن کی سائیکس فار سائیکیکل ریسرچ یعنی اہل علم کی اس انجمن نے جس کا مقصد عظامِ روحانی کی تحقیقات تھی بہت سے تجربوں کے بعد جو ان کی پروسیڈیئر کی سولہ جلدوں میں اور وقت انیشورج رسالہ میں اور فیئٹرن آف سی لوانگ نام ایک کتاب میں شائع کئے گئے ہیں یہ فیصلہ کیا ہے کہ انسان میں بغیر جسمانی وسائل کے اپنے فنی خیالات دوسروں پر ظاہر کرنے کی طاقت موجود ہے۔

اس طاقت کا ادنیٰ ظہور جو عام طور پر دیکھا جاتا ہے وہ واقعات میں جن میں کسی شخص پر کوئی حادثہ گزرنے پر اسکے والدین یا کسی نہایت عزیز کے دل کو غائبانہ صدمہ اور رنج محسوس ہوتا ہے اور اکثر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدمہ واقع میں اس حادثہ کا اثر تھا اور اس سو بڑے کر اس طاقت کی مشق جو عام طور پر کیا جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک حلقہ باندھ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھ جائیں اور ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً زیادہ اثر پذیر طبیعت رکھتا ہو اسکی آنکھیں باندھ دی جائیں اور تاش کا ایک پتہ نکال کر سامنے رکھ لیں اور سب حاضرین اس پتہ کو دیکھنا اور اپنا خیال جہاں شروع کریں اور اس عرصہ میں کسی اور پتہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ تھوڑے عرصہ میں اس شخص کے ذہن میں جسکی آنکھیں بند ہیں اس پتہ کی شکل پیدا ہوگی جو ابتدائیں صحنہ فی سی نظر آئیگی اور ممکن ہے کہ شروع میں معلوم نہ بھی ہو مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتی جائیگی اور وہ شخص بغیر دیکھنے کے محض دوسروں کے

۴۔ یہ انجمن ۱۸۸۲ء کے شروع میں قائم ہوئی اور تقریباً سولہ سال تک تحقیقات جاری رہی۔ ان لوگوں کا مدعا محض سائنٹیفک اور عالمانہ تحقیقات کرنا تھا جس میں تعصب کے وجہ انکار کرنے کو یا خوش اعتقادوں کی قریب سے ثابت کرنے کو داخل نہ تھا اور اس کے پریڈنٹ اپنے وقت کے نہایت مقتدر اور ممتاز اہل علم تھے۔ یہ ہیں شلپرفورمیسر، بالٹورسٹوارٹ، ایف آر۔ ایس، مرٹن آرمیل اسے جے بالفور، ایم۔ پی، پرفورمیسر ولیم جیمس، سر ولیم کروس، پرفورمیسر ایچ جیوک وغیرہ۔

دل کا مطالعہ کر نیسے پتہ کا رنگ اور عدد بتانے کے قابل ہو جائیگا۔ مٹر ٹہسن لکھتے ہیں کہ میں نے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا اور ان شرطوں کے موافق جن کا انہوں نے مفصل ذکر کیا ہے اس تجربہ میں کہیں نا کامی نہیں ہوئی۔

اس طاقت کا اس سے زیادہ ظہور خاص خاص حالات میں ہوتا ہے جبکی چند مثالیں مٹر بن لندن سرسائیٹی کے کتاب کو نقل کرتے ہیں چنانچہ مٹر موسز کا واقعہ ہے وہ لکھتے ہیں۔

”ایک شام کو میں نے اپنی دو تین اسپے ایک درست زیڈ نامی کے سامنے ظاہر کر دیا ارادہ کیا چند میل کے فاصلہ پر رہتا تھا چنانچہ یہ خیال قائم کر کے میں آدمی رات کو کچھ پیشتر سو گیا اور اس وقت بھوپا نے دوست کے خاص کمرہ اور اس کے گرد و فواح کا علم نہ تھا صبح کو اٹھا اور کچھ کچھ معلوم نہ تھا کئی دن کے بعد مٹر زیڈ کو ملنا ہوا تو پوچھا کہ شب کی شب کو تھنے کچھ دیکھا اور انہوں نے کہا کہ ہاں بہت کچھ دیکھا۔ میں اس وقت اپنی دوست ایس کے ساتھ انڈیٹی کے پاس بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ ساڑھے بارہ کے قریب وہ دوست اٹھ کر گیا میں نے دروازہ تک اسکی مشایت کی اور وہیں آیا تاؤ میں بیٹھ کر اپنا پائپ ختم کروں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اسکی کرسی پر بیٹھے ہو۔ میں نے ٹکڑو کیا اور پھر اخبار اٹھایا آنکھیں ہر کہ میں بیدار ہوں۔ اخبار کھ کر پھر دیکھا تو ابھی تم موجود تھے اور سگریٹ لکھتے ہی دیکھتے بغیر بات چیت کے ختم ہو گئے“

اس قسم کے دو اور مشہور مائرس نے یقینی شہادت لکھی ہیں (کتاب ہیو ملین پرسنلٹی ص ۱۲۱)

اور ایسے ہی دو اور ایک اپنی دوست گاڈ فری کے مٹر ٹہسن نے اپنی کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل سیرج میں (ماہ ۱۲ ص ۲۲۴) شہادتیں نقل کئے ہیں اور ایسے واقعات بتانے والی میڈیکل مسٹر پائلر کا واقعہ خاص غور پر لکھا ہے جس نے تقریباً ستر سال تک نہایت احتیاط اور پیشہ کی کے متوقون پر اجنبی اشخاص کے حالات بتائے اور اس کے امتحان کر میوز ان میں پروفیسر لاج، مٹر مائٹس، ڈاکٹر والٹر لیف، پروفیسر ولیم جیمس جیسے ممتاز فاضل شامل ہیں جنہوں نے بعد از امتحان یقین کیا ہے کہ اس کے کرت بالکل ہو کے سو گیا تھے اور ایسے اشخاص کا حال بیان کرتی رہی ہے جن کا معمولی دال سے اسکو مطلق علم حاصل نہیں ہو سکا اور مٹر ٹہسن کی سوانحی مذکور کے ممتاز ممبر سوانحی کے دیگر ممبروں سے کم قدر زیادہ محتاط ہیں چنانچہ سوانحی کی تحقیقات کا نتیجہ خرمائے کے نزدیک نکلا ہے کسی کے متعلق انہوں نے کتاب مذکور لکھی ہے اس کے بعد میں لکھتے ہیں کہ میرے بعض رفیقوں کے نزدیک اس تحقیقات و ثبات ہوتا ہے کہ خیال ظاہری جو اس کے بغیر اور اچھتر لہروں کی وساطت کے بغیر دوسرے

اس قسم کے کئی واقعات کے علاوہ سٹریٹس اپنا ایک چمکدار واقعہ لکھتے ہیں کہ
شہر نینیا مارک میں پیٹنٹ آفس کے ایک اگزامینر کو ایک معمول کے سلسلے جو عورت تھی پیش کیا گیا
وہ معمول ان سے بالکل نا آشنا تھی اور نہ ہی امتحان کی غرض سے اگزامینر کے حالات اور نیز اس کا نام
بھی اس کو بتایا اور اس سے حالات بتانے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر میں جب معمول پر حالت وجہ
طاری ہوئی تو اس نے اگزامینر کو کہا کہ میں ایک عالیشان عمارت کو دیکھتی ہوں جس میں بہت سے

کے خیال پر اثر کر سکتے ہیں اور انسان کی روح جسم میں قید ہونے کی حالت میں زمانہ فضا اور دیگر جانی قوانین
قدرت کی مدد سے آزاد ہو سکتی ہے اور جسم کی موت کے بعد دوسروں کو اپنی مٹی سے واقف کر سکتی ہے
مگر میرے نزدیک شہادت ایسی اکتفی اور مشتبہ ہے کہ اس سے ایسا پراپیٹی نہیں نکل سکتا۔ یہ میں جانتا ہوں
کہ رابطہ قلبی ثابت کر سیکے لیے جس میں جانی حواس کو دخل ہو کافی دلائل موجود ہیں۔ لیکن اس طاقت کو
فوق العادت درجہ دینے کیلئے ابھی سا ان ہیسا نہیں (باب اول صفحہ) غرض سٹریٹس صرف اگر یہ تمام نتائج
میں دوسرے رفیقوں سے اتفاق نہیں کرتے مگر تاہم بہت سی روحانی طاقتوں کو ماننے ہیں اور بالخصوص ولی
خیالات دوسروں پر ظاہر ہونیکا اور تاش کے علاوہ اور کئی طرح سے اس قسم کے تجربوں کا تفصیل ذکر کرتے ہیں اور
رابطہ قلبی کو بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جو اسباب اور تصویریں مرنے والے دوستوں کی لوگوں کو نظر آتی ہیں ان کے
بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مرنے والے روحوں کا ان توان شہادتوں ثبوت نہیں ہوتا البتہ ان واقعات
سے ثابت ہوتا ہے کہ رابطہ قلبی کے سبب مرنے والے کا خیال ہمہ گیر ہو کر نظر آتا ہے (باب نہم صفحہ ۲۹) اور اسی باب کے
آخر میں لکھتے ہیں کہ سٹریٹس گریں اور سٹریٹس گنگ کے واقعات کو حواس کی سلطنت کے بغیر ایک دل کی دوسری دل کیسا
نامہ و پیام کو رنگی طاقت کا قوی ثبوت مانا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر وہاں بعض انافون کے پوزیشنیں بھول جانے اور کچھ
اور کچھ لینے کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں کہ حالت وجہ ہسٹیلیا (ایک اعصابی تفسیر جسکی تفسیر طلب ہے
نہیں ہوگی) اور بعض اور حالات میں جبکہ شعور ثانوی پیدا ہوتا ہے تو بہت سی خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ارادی
اور غیر ارادی حرکت دینے والے اعصاب پر اور رگوں پر اور اعضا اعضا پر اور غماز انہوں اعضا پر اور اسلئے ہوتا ہے۔
مختلف احساسی قابلیتیں وسیع ہوجاتی ہیں خیالات ہمہ گیر نظر آتے لگتی ہیں اور دوسروں کے دلی خیال سمجھنا نہایت آسان
قابلیت پیدا ہوجاتی ہے اور ہر قسم غیب بینی کی شہادت لکھ کر کہتے ہیں کہ اس نے بہت سی تجربے کو بہت جلد
کہا کہ وہ محال کر سکی خلاف معمول قابلیت ثابت ہوتی ہے اور انہی خصوصیت کی قابل ذکر شہادت سن رہا ہوں کہ حاضر فی وقت

کرہ ہیں۔ ان میں سے ایک میں تم کو دیکھتی ہوں۔ تمہارے سامنے ایک بڑی نیزہ ہے اور اس پر بہت سی کاغذ ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ بہت سے مشینوں کے نقشے تمہارے گنگ پھیلے ہوئے ہیں اور مجھ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایجاد وغیرہ کی جستجو کرنے کو فائق ہے۔ یہاں تک بالکل اعلیٰ درجہ کی ایجادیں ہوں تو تسلیم کیا گیا۔ کیونکہ تسلیم کرنے سے معمول کی روحانی قوت کو ترقی ہوتی ہے۔ پہلا اس نے کہا کہ تمہارا صرف یہی پیشہ نہیں میں تم کو گہرا ایک کتب خانہ میں دیکھتی ہوں اور تمہارے گھر کو دکھاتا میں اور قلمی مسودے رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم کو کوئی کتاب لکھتے ہو۔ پہلے نے کتابوں کی الماریوں اور کمرے کے سامان کو مصلح طور پر شمار کر کے بتایا۔ پھر کہا کہ مجھے وہ رستہ بھی معلوم ہے جس پر تم اپنی کتاب کے سرچہ نتیجہ تک پہنچتے ہو اس سہ میں بہت سا کڑا کرکٹ ہے جو جبکہ تمہارے صاف کردیا ہے اور چھاپہ پر ایک روشنی ہے اور تم پورے اعتماد سے اپنی مطلب کی طرف جارہے ہو۔ اگر امین نے سوال کیا کہ کیا وہ رستہ واقعی سیدھا ہے جس پر میں جا رہا ہوں اس نے جواب دیا کہ میں انہیں جانتی کیونکہ میں اس مضمون سے واقف ہوں جس پر تم کتاب لکھ رہے ہو۔

البتہ تمہاری سرپرستی کی روشنی سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً میں بھی رستہ ہو گا؟

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت معمول اپنے مبینہ اُن مکانوں میں حاضر سمجھتا ہے جن کے واقعات وہ بیان کرتا ہے اور سٹرپٹ مور نے بھی چند واقعات لکھے ہیں جن میں معمول پوچھنے والوں کے گھروں پر جو بہت فاصلہ واقع ہے گیا اور وہ ان کے تمام حالات حتیٰ کہ گھر ان کے سامان کی تفصیل اور ان کا موقع اور باشندگان کی کیفیت بیان کی ہے حاضر کو علم نہ تھا اور جو بعد میں درست ثابت ہوئی اور سٹرپٹ مور اگرچہ ان واقعات سے انکار نہیں کر سکتے مگر وہ تیار نہیں ہیں کہ یہ سطرط علم حاصل کرنے کو تسلیم کریں اور اگرچہ تمام واقعات میں کوئی ذریعہ علم ثابت کرنے کو مشکل مانتے ہیں کہ کتنے ہیں کہ رابطہ قلبی ہی ایک ذریعہ ہے جس سے ظاہری حواس کے بغیر علم ہو سکتا ہے اور چونکہ فراموشی محض اس کا خاصہ ہے، اور روح کا علم کہیں بھی نہیں ہوتا اس لیے ممکن ہے کہ حاضرین سر درست اُن واقعات کو دیکھتے ہوں

قلبی رابطہ کی کوئی ترقی کا
معلوم ہوا ہے جس سے پتہ چلے
آؤں کہ ان کے وجود
سمجھتی ہے۔

† ایسی زبردہ صفحہ ۴۲۷ سے ۴۲۸ تک کتاب سسٹڈیز

‡ ایسی زبردہ صفحہ ۴۵۰ سے ۴۵۱ تک کتاب مذکور

لیکن پسیدہ کبھی وہ علم حاصل ہو چکا ہو اور معمول نے ان کی تلبی تحریر کو بڑھلایا ہو۔ اور سٹر ہڈ سن لیسے
واقعات کو تنہا کوئی ظاہری واسطہ علم موجود نہ ہو ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ ۴

”دو کوئی شخص پر دین میں ڈوب کر مہلے تو راہ طبعی کی وجہ سے ضرور ہے کہ اسکی ماں کی بیع کو مدہم ہوگا
اب اگر ان کی بیوع میں صفائی نہیں تو یہ روحانی علم شعور کے درجہ پر نہ آئیگا اور سب سے ایک پریشانی کے
اسکو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ ہوگی۔ پھر اگر کسی اور عزیز کو مہلے کی اس سے ملی محبت ہو تو اس تلقین کے
سب سے اس کے طلب پر ہی اثر ہوگا مگر عام طور پر اسکو بھی اطلاع نہ ہوگی کہ بیوع نے کیا ناشاد کیا اور کن ہے
اسی رابطہ محبت کے سلسلہ سے اور چند اشخاص ہی اس واقعہ سے متاثر ہوں اور پھر کسی موقع پر ان میں سے کوئی
کسی ایسے شخص سے ملے جس کو ہیت ان میں سے حالت و بعد کی شق ہے اور وہ اس حالت میں اس شخص کے
دلی غش کو بڑھ کر بیان کرنے لگے کہ مجھے ایک اس حلیہ کا انسان دریا میں ڈوبا نظر آتا ہے اور بعد میں
یہ واقعہ صحیح ثابت ہو جائے تو دیکھنے والے اسکو غیب بینی کی طاقت کہیں کے کیونکہ حاضرین میں سے
کسی کو اس واقعہ کا محسوس علم نہ تھا مگر حقیقت میں یہ علم ایک ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوا ہے جو اگرچہ حواس
سے بالاتر ہے لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں“

اور روحانی طور سے کسی مقام پر جا کر کوئی واقعہ دیکھنے کی نسبت سٹر ہڈ سن روحانی علاج کا
ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۴

”ذکر وہ بالا وجہ القاصص کے اندر ایک خاص ممت از واقعہ یہ ہے کہ بعض کا جب علاج کیا گیا ہے تو وہ
معالج سے ایکہر امیل کے فاصلہ پر تھا اور اور ہی چند امراض کا علاج کیا گیا کے ساتھ لیا گیا ہے جن میں
مرضی و علاج کا ایک سو میں سول تک کا فاصلہ تھا پس جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ
جو روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں۔ دلی حالات معلوم کرنے کے تجربے اسکو پورے طور پر ثابت کرتے ہیں
اور اتفاقاً خیالی کے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں معلوم کرنے والا تقطیع کے فاصلہ پر تھا۔ بروک
فاصلہ پر پیل خیالات معلوم کرنے میں جو رکاوٹ واقع ہوتی ہے وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے ہے

روح کیلئے فاصلہ کوئی
چیز نہیں۔

یہی ہم کو گمراہ رہنے میں کہ فاصلہ کو ایک رکاوٹ سمجھیں۔ بس خیال کا میاں بے بطنہ پیدا کرنے کو ضرور ہی روک دیتا ہے۔ بلکہ یہ تصور بے انتہا ہمت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ محض جسمانی آلات انتقال ہے اور روحانی طور پر خیالات کے انتقال میں یہ کسی طرح مانع نہیں ہے۔

ادبیٹر صاحب اس لکھتے ہیں +

فنکار کے بارے میں جو شہادت پیش کی جائیگی وہ ہوگی جس قدر کہ ایسے معاملات میں امید ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیگی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ روحانی زندگی جسمانی زندگی کی طرح فنکار کے تصور میں مقید نہیں ہے۔ لیکن یہ آزادی کیونکر حاصل ہوتی ہے ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مزاح کو اس حالت میں کسی قسم کا پھیلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم زمین پر کہ مادی دنیا کے دو قانونوں کے پابند ہیں۔ ایک تو جسم اسی جگہ کام کرتا ہے جہاں وہ موجود ہو دوسرا ایک وقت میں ایک حصہ فنکار کے اندر ایک ہی جسم رکھتا ہے اور عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ دونو قانون بھی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تو مڑی دیر کے لیے اس قدر ذرا مڑے ہوئے چلے جاؤ اور تو مڑی دیر کے لیے زندگی اور ایہہ کو حرکت میں لاؤ معلوم ہوگا کہ اس حد بندی کا قائم رہنا مشکل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ راوی شاعر میں کام کر سکتا ہے جہاں وہ موجود ہے لیکن وہ موجود کہاں ہے۔ اس نے کاغذ کے پرزے کی لایا بیل کر اس کو ایک روحانی طاقت بنا دیا ہے۔ نہیں، بلکہ اس کی یاد ہی دوسروں کے دل پر قوت کے ایک حشر شہی کی مانند کام کرتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جہاں لکھنے کی مینہ ہے وہاں اس وقت کوئی اور جسم نہیں آسکتا۔ مگر اتھیر کا کیا حال ؟ غرض جہاں تک فنکار روحانی عمل کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو باتیں ممکن ہیں۔ رابطہ قلبی غیر جسمانی نوع کی پُر تاثیر حاضری کو مجید و مست دیتا ہے۔ روحانیت کا جسمانیات میں سے عبور کر جانا ثابت کرتا ہے کہ یہ وزن دار کرہ روحانی اثر کو رد کرنے اور اس میں نخل ہو سیکے ناقابل ہے۔ ہماری شہادت کسی ہی عجیب اور ڈی ہو فنکار کے بارے میں سب سے اس سے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ کافی حد تک قابل ہو۔ نہ پورے روحانی تصور کے انتہا وسیع ہو جاتا ہے۔

غرض مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روح اپنے معلومات دوسری روح پر خود
کتنے ہی فاصلہ پر ہر گھڑی ہوا اور اس وقت معلوم کر نیوالی روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان
واقعات کو خود دیکھ رہی ہے اور نیز جیسا کہ سٹر مائنس بیان کرتے ہیں (آفتاب سچٹ ملائکہ)
ارواح مجبور ہی ممکن ہے کہ ایسا نظر ظاہر کریں کیونکہ ایسا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا دیکھا گیا ہے جبہ خوا
بہوشی اور بوجہ غیر کے سبب ہر عامل معمول یک گونہ بخودی کی حالت میں ہوں اور جسم ہر ایک
طرح کا انقطاع حاصل ہو گیا پس اس طرح مجبورہ اگر موجود ہیں تو جسمانیات سے بالکل پاک ہونے کی
وجہ سے وہ بطریق اولیٰ اور نہایت قوت کیساتھ ایسا اثر پیدا کر سکتی ہیں۔

اب ہم معراج کی کیفیت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معراج رسلات اللہ علیہ السلام
دنیا اور علاقہ دنیا سے الگ گوشہ عزلت میں بسر کرتے ہیں اور ہمیشہ کی کئی دن تک پہاڑ کی
غاروں میں رہ کر قدرت کی نیرنگیوں کو دیکھتے رہے ہیں اور اس طرح روح میں صفائی اور سچائی پیدا
ہونے پر وہ علو معرفت نظر آیا ہے جس کو وحی کہتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ دلی بخیر میں جس چیز کو
تلاش کر رہا تھا وہ یہی نور ہے۔ اب وہ اس نور کے نظارے میں نہاک میں بات کرتے ہیں وہی کشتلیق
اور غور کرنے میں نواہی کی نسبت۔ اور اب موافق اور مخالف آوازوں کا پیدا ہونا ایک ظاہری سبب
ہو گیا ہے جو توجہ اور انہماک کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔ اور اس طرح ایک خیال میں رہتے ہوئے ایک وقت وہ
محویت اور بخودی بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کو اہل علم روحانی انکشاف کی شرط ٹھہراتے ہیں اور اس وقت
یہ صرف مسجد القصیٰ اور بیت المقدس بلکہ زمین و آسمان کا ہر ایک گوشہ ان کے سامنے ایک آئینہ
ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ ایک پاکیزہ خیال میں محور حواس انہماک کا اثر ہے اس لیے
ظہر پر کہا جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا ساری میں دیکھا اور چونکہ اس حال میں جہانی تعلقات سے کامل
کیسویٰ حاصل ہو گئے اس حال کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ روایہ سے موزون تر اور کوئی لفظ نہیں۔

جور دیا ہے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کیلئے
ایک سلاز امیش ہے

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَمَرْنَاكَ بِهَا
فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۚ (اسراء ۱۸۰ ع ۷)

غرض وہ پاکیزہ روح عوالم بالا کی سیر کرتی ہے اور ملائکہ نور یہ اور ارواح انبیاء سے ملاتی ہوتی ہوئی وہ اسرار و عجائبات ملاحظہ کرتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی تعقل سے بالاتر ہیں۔ پس اگر روحانی انکشاف کی حقیقت محض ہی تدر ہے جس وقت تک اہل علم کے تجربے میں آپہنچی ہے یعنی یہ کہ انسان روحانی قوت پر محض ہی معلومات حاصل کر سکتا ہے جو کسی دوسری روح کو پہلے معلوم ہوں اور ان دونوں روحوں کے مابین کوئی تعلق ہو تو اس خیال کو یقینی قانون مانکر بھی سراغ کا انکشاف قابل تعجب نہیں کیونکہ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے ایک خاکی جسم میں قید رہنے والی روح اور جسے حدود قدوس و مغفرت خداوندی میں لطافت و کثافت کا تفاوت ہونے کی سبب تعلق پیدا ہونے کے لئے ملائکہ کی وساطت ضروری ہے اور اس طرح سلسلہ روحی کے شروع ہونے پر صاحب معراج کا روح الامین سے قلبی تعلق پیدا ہونا ظاہر ہے اور معراج کی کیفیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام کھشاکہ میں جبریل امین کا رسول خدا کیساتھ رہنا بیان ہوا ہے اور انکی مفارقت اسی وقت بیان کی گئی ہے جو جبکہ تصوف ذات باری کی محویت و حرثات کو پہنچ کر وہ نوبہ کی کیفیت سے اسطرح جلوہ گر ہوا ہے پس علم الہی اور ارواح انبیاء کا نظارہ جو برسل خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے وساطت حواس ظاہری حاصل ہوا ہے اگر اس کے لئے کسی اور جاننے والی روح کا تسلسل ضروری ہو تو اس وقت وہ حشر و بیع الامین کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

مگر انسان کیا اور انسانی تجربہ کیا؟ جسکی بنا پر معرفت کے انکشاف کو کس قدر قوت میں محدود کیا جائے وہ یقیناً جسمانی تعقل سے باہر اور انسانی تجربہ سے بالاتر ہے اور اس کے حقیقی قوانین اگر معلوم ہو سکتے ہیں تو انہی قلوب مصفا کو جو جس میدان کے شہسوار ہیں۔ مگر تاہم جسمانی تعقل سے دیکھتے ہوئے بھی ابھی سراغ اور آگے چلتا ہے۔

حواس کے بغیر حالات دریافت کر لینے ایک روحانی فعل ہے مگر روح کا جسم اور حیاتیات پر اثر کرنا یہی کئی طرح سے ثابت ہوا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ اس کے خیال کا بغیر کے خیال کا اثر روح پر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم تک پہنچتا ہے اور یہ اثر تین طرح سے ظاہر ہوتا

روح کس قدر ہی پاکیزہ
اور بھی پتہ چلتا ہے

روح کا اثر
جسم کا

معلوم ہوا ہے۔ (۱) روحانی اثر سے جسم میں کچھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) روحانی اثر سے دوسرے شخص کے جسم کو راوی حرکت دی جاتی ہے اور (۳) روحانی اثر سے اجسام بے راہ و متحرک ہوتے ہیں روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کر نیکے لکڑی روحانی طاقت سے معمول میں حالت وجد پیدا کی جاتی ہے اور اس حالت میں امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور کئی طرح کے عارضہ دور یا پیدا کئے جاتے ہیں اور اس وقت عامل کا اثر معمول پر اس قدر ہوتا ہے کہ اگر اسے کہا جائے کہ تجھ کو تپ ہو تو فوراً جسم گرم ہو جاتا ہے بغض تیز ہو جاتی ہے اور تھراپیاٹھ لگا یا جائے تو تپ کا پتہ دیتا ہے اور بھر کہا جائے کہ بخار نہیں ہے تو معمول فوراً اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اور امریکا میں جو ماسٹڈ کیو ماب یعنی علاج قلبی کے نام کو ایک نیا طریقہ معالجہ دریافت ہوا ہے پروفیسر ولیم جیمس اس کے متعلق نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بہت سو امراض جو جسمانی علاج سے دوڑ نہیں ہو سکتے اس علاج کو رفع جوڑ گئے ہیں۔ اس علاج کے حامی یقین کہتے ہیں کہ تمام جسمانی عوارض انسان کے قلبی تغیر سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ یہ خیال غلط ہو مگر اس یقین کی بدولت علاج کرنے والا اپنے دل میں خیال جاتا ہے کہ مرض موجود نہیں ہے اور بعض اوقات خود مریض کو ایسا یقین کر دیا جاتا ہے اور اس طرح معالج اور مریض کے روحانی اثر سے مرض اٹل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بزرگوں کے تبرکات و علاج اعتقادی کے نام سے جسم و جسمانیات کو مدد و مفرغ کر کے کسمپین ٹائٹس کے نام سے اراج مجرہ کا اثر ماکسپٹرم کے نام سے اور توبہ کے وقت ایک خاص مادے کا معالج جسے جسم کو نکلتا و فرار کے سمرزم کے نام سے جس قدر علاج کے طریق ایجاد ہوئے ہیں اور کام میں لائے جاتے ہیں ان سب میں لامشرک وہی روحانی اثر ہے جو کئی کسی عقیدہ پر مستحکم ہو کر جسم تک پہنچا جاتا ہے۔ بلکہ خود جملہ علمائین ہی دیکھا جاتا ہے کہ جس دوا یا جس طبیب پر مریض کو اعتماد ہوتا ہے اس کے متعالیٰ معالج سے نسبت اور دواؤں یا طبیبوں کے جلدی صحت ہوتی ہے اور ایسے وقت میں خاک کی چٹکی بھی

روحانی اثر جو جسم میں
تغیر پیدا کرتا ہے۔

۴ لا آت ریاضیں ایکسپیرینٹس باب ہلٹھی ماسٹڈائٹس

۴ لا آت سائیکک فینا منا باب یتروم سقا

اکسیر کا حکم کرتی ہے چنانچہ سٹر ہڈ سن ایک واقعہ لکھتے ہیں * کہ ایک شخص کی زبان پر نایک گرا
 وڈ ڈاکٹر کے پاس گیا جس نے اس مرض کی سیر ایک اپنا نوایا والد استعمال کر دیا اور وہ کیا گلاس آلہ کو
 استعمال کر نیسے پہلو مرض کی حرارت دریافت کر نیسے لٹو اس کے منہ میں تھرا میٹر رکھا یہ مریض سمجھا کہ
 نوایا والد یہی ہے چنانچہ چند منٹ میں وہ چلا اٹھا کہ میری زبان بالکل درست ہو گئی۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ
 تیز اور یقینی دو آئین مثلاً مسہلات ہی مخالف یقین پیدا ہونے پر بالکل اثر نہیں کرتیں یا کم کرتی ہیں غرض
 جسانی علاج میں بھی روحانی اثر کا بہت کچھ دخل ہے علیٰ انہذا اسی اثر سے عارض پیدا کرنے کی مثالیں
 ہی کثرت ہو گئی ہیں مثلاً سٹر ہڈ سن لکھتے ہیں * کہ ایم ایم بارون نے ایک نوجوان ملاح کو
 بے خود کیا اور اس حال میں اسکا خیال دلوایا کہ آج شام کو چار بجے تم میرے دفتر میں آؤ گے کرسی
 پر بیٹھو گے اور اپنے بازو چھاتی پھیلے بیٹھ کر کل میں کھڑے اور اس وقت تمہاری نسیب بھرے گی چنانچہ
 میں نے وقت پر یہی واقعہ ہوا اور اس کے بائیں ہتھنے کو کئی قطرے خن کے نکلے اور ایک اور
 موقع پر وہی ڈاکٹر نے ایک مریض کے دونوں بازوؤں پر کسی آلہ کے کندسہ جس سے اسکا نام لکھا اور پھر خود
 کر کے کہا کہ آج شام کو چار بجے تم سو جاؤ گے اور جو خطیے تمہاری بازوؤں پر کئے ہیں ان کو خون کی گلیا
 اور تھما را نام غوفی حرفوں میں لکھا جائیگا۔ چار بج کر دیکھا گیا تو وہ بے خود سوتا تھا اور اس کے ایک بازو
 پر چکیلیے سرخ حروف تھے اور اکثر مکہ خون کے قطرے نمایاں تھے اور یہ حروف بعد میں تین مہینہ تک
 قائم رہے گو رفتہ رفتہ ماند پڑتے گئے۔ مگر ڈاکٹر برفہرہ کا یہ قول بالکل سچا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے
 واقعات گاہ گاہ پیش آتے ہیں اور خاص روحانی طاقت اور خیالی قوت ہو جیسا اثر کر سکتی ہے
 اور مرض ایک طرف خیال کے اثر سے جرم پر ہوتا ہے اور روح کے عمل سے جرم پر کرتی
 ہے انسان کو ایسا بے حس کیا جاسکتا ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اس اثر کو زائل نہ کیا جاسکے
 تو آخر حیات ہے سٹر ہڈ سن اس مضمون پر ایک باب کا عنوان قائم کر کے اور کاملیت پہنچ کر

روحانی اثر مردہ
 جیسا کہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ لائف سائیکلک فینا منا باب یازدہم صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹

✽ کتاب ۱۴ - باب یازدہم صفحہ ۱۵۰ -

بہت سی مثالیں دیکھ لکھتے ہیں ۴

کیہ ٹکنپس یعنی اختفا از رست کی چار صورتیں ہیں جن میں مختلف اسباب منظر کی شرط یعنی خیالی اثر کو پیدا کرتے ہیں (۱) بیخود کر کے مزیکا خیال دلوانے سے (۲) متعدی اختفا از رست (۳) خود پیدا کردہ (۴) وہ اختفا از رست جو مرض یا اعصابی نقصان سے پیدا ہوتی ہے اور ان میں پہلی تین صورتوں میں تخیل ہی اختفا از رست پیدا کرنا کا قوی سبب ہو اور تخیل پہلی صورت میں اُس عامل کی طرف سے آتا ہے جو تجربہ کرنے کیلئے تداریک حالت پیدا کر رہا ہے اور دوسری صورت میں دیگر کالمیت اشخاص کو دیکھ کر انسان کا اپنا تخیل یہ اثر پیدا کر رہا ہے اور یہی حالتوں میں ممکن ہے کہ اختفا از رست تمام اس پاس کے لوگوں پر طاری ہو جائے جس طرح متعدی جنون اور حال کیلئے کئی حالت یا دیگر اعصابی تکلیفیں ایک سے دوسرے کو دیکھ کر پیدا ہو جا سکتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بچوں میں یہ حالت پیدا ہونے کا سبب محض نقل کرنا یا نقل کا ارادہ کرنے سے گریز ناش غلطی ہے اور حقیقت ان میں بھی اس کا سبب وہی تخیل کی قوت ہے لیکن وہ بڑھتے ہیں کہ پیدا یہ حالت انکی ذہن جو بارے پس یہ خوف کا خیال قوی ہو کر ان کو جس کر دیتا ہے اور تیسری صورت میں اپنا خیال جانے سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ مندرستہ تانی فقیروں کے تجربوں میں بیان ہو چکا ہے۔ ان واقعات میں ضرورت ہی ہینا انہو معنی حالت بخود ہی جو محض مادہ طرز عمل سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور ان لوگوں کو ابھی طرح معلوم ہے جنہوں نے اہل مشرق کے شوق کردہ حالت کا غور سے مطالعہ کیا ہے ۵

روح کے جسم پر اثر کرنا کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خود اپنا ارادہ و حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں اسکی حرکت کرنا نہ ہو بلکہ قوت سے ہوتی ہے مگر ایسا ڈبلیو ایچ ماٹس اپنی تجربوں میں جو انہوں نے ڈاکٹر اسے ٹی ماٹس کی رفاقت میں کئے ہیں لکھتے ہیں ۶

ہے ۲۲ اپریل ۱۸۸۷ء کی شام کو ڈاکٹر گبروٹ کے ساتھ کہا نا کہا یا اور اس شام کو ڈاکٹر موصوف نے

روحانی اثر جسم
ارادی حرکت پیدا کرنا

۴ کتاب لاف ساٹھک فیما ناب باب ۲۵ صفحہ ۳۹۹ء

۵ کتب ہیومین پرسنلٹی ضمیر باب پنجم ۳۸۲

ایک دفعہ اور کوشش کی کہ میڈم جی کو نکلے اپنے گھر پر ڈاکٹر کے گھر سے فاصلہ پر تھا۔ بخود کریں اور اپنے روحانی جذبہ سے انکو بلائیں چنانچہ آٹھ بج کے پچیس منٹ پر ڈاکٹر موصوف اپنے مطالعہ کے کمرہ میں چلے گئے اور ٹیڑھٹ اور لے ٹی مائٹس وغیرہ تعلم پیو لن کو گئے (جہاں میڈم بی تھیں) اور مکان سے کچھ فاصلہ پر کھیر کر انتظار کرنا شروع کیا۔ نو بج کے بائیس منٹ پر ڈاکٹر مائٹس نے میڈم کو دیکھا کہ وہ باغ کے پہاڑ کے نکلے اور پہرہ اپنی چلی گئیں جن لوگوں نے ان کو پاس سے دیکھا وہ کہتے ہیں کہ وہ بالکل بخودی کے عالم میں تھیں اور بھٹکتی ہوئی چلتی تھیں اور کچھ بڑبڑاتی جاتی تھیں۔ نو بج کے پچیس منٹ پر وہ پہرہ نکھیں اور اس وقت دور سے انکی آنکھیں بند معلوم ہوتی تھیں چنانچہ وہ چلین اور جلدی سے پروفیسر جنٹ اور ٹرائس کے پاس کو گئے گئیں اور ان کو پہچانا نہیں اور ڈاکٹر کبھٹ کے گھر کا راستہ لیا۔ مگر وہ رستہ لیا جو معمولی اور صوبے قریب تھا اور بعد معلوم ہوا کہ انکی خواہش تھی انکو دیکھا تھا کہ وہ آٹھ بجے سینٹا لیس منٹ پر اپنے کمرہ میں گئیں اور وہاں سے نو بج کے پندرہ منٹ پر بخودی کے عالم میں باہر نکھیں اور اس عرصہ کے مابین انکو خادہ نہ رہے نہیں دیکھا۔ یہ انکا معمول تھا کہ دن کا کام ختم کر کے شام کو اپنے کمرہ میں چلی جایا کرتی تھیں (وہ لائٹیں کے کھمبون سے اور گارڈین وغیرہ سے بچکر نکلتی تھیں مگر ٹرک کو (عرض میں) بار بار عبور کرتی تھیں۔ اس حالت میں کوئی شخص انکو سامنے نہیں ہوا اور ان سے بات کی۔ آٹھ یا پچیس منٹ کے بعد انکی رفتار میں زیادہ تذبذب پیدا ہوا اور ٹھیک گئیں۔ گویا گیس نے لگی مین۔ ڈاکٹر مائٹس نے دیکھا تو اس وقت نو پینتیس منٹ تھی اور پھر نو بج کا لیس منٹ پر وہ پہرہ پہن گئیں اور نو بج کے پینتالیس منٹ پر اس مٹکر پڑ گئیں اور ڈاکٹر کبھٹ کے گھر کے سامنے ہے یہاں وہ ڈاکٹر کو ملین مگر پہچانا نہیں اور گھر کے اندر چلی گئیں۔ جہاں پہنچکر جلدی جلدی حصہ یرین کے کمرہ میں پہرہ نا شروع کیا۔ جب ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو پہچانا اور فرار پکڑا۔

ڈاکٹر کبھٹ نے بیان کیا کہ ڈاکٹر پچیس منٹ سے نو پینتیس تک مہموں نے میڈم کا پورا خیال رکھا مگر پچیس منٹ تک کہ توجہ کی اور پچیس منٹ پر خیال بالکل چھوڑ دیا اور بیکہ کھینا شروع کر دیا

لیکن چند منٹ میں پرائی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بلڈ ٹریکسٹلے کا وقت اور میڈیم کے بھٹکنے کا وقت ایک ہی تھا۔ مگر شاید وقت کا اتحاد اتفاقی ہو۔

آگے کے طرہا میں لکھتے ہیں کہ ”اس قسم کے پچیس تجربوں میں سے انیس میں کامیابی ہوئی اور اس قسم کے تجربے دن کے مختلف اوقات میں اور مختلف زمانوں میں کئے گئے ہیں تاہم یہ گمان ہو کر ایک مہینہ میں لگے ہوئے ہوا سٹے ایسا نظر آیا۔“

اس واقعے میں روحانی طاقت سے انسان کو حرکت دینے سے پہلے تجویز کر لیا گیا ہے مگر ایک دفعہ سٹر ہڈی سن نے کہا ہے جو جو روانے کے ساتھ گذر آدھیں مہرل کو بخیر وہی نہیں کیا گیا وہ کھنجر ہیں ایک دفعہ ہٹنے ایک نوجوبی جنرل کو ایک میڈیم لینے حاضر کر نیوالی کے سامنے بھا کر سلیٹ کی سٹریک تجویز کیا اور تیار یہ پایا کہ جنرل میڈیم سے پچھا کر چھ خطا پنے غائب دوستوں کے نام لکھے اور ان کا فہم کو سلیٹ کر مزید پانے سامنے رکھے پھر دو سلیٹوں کو دہر کر ایک دوسری کے اوپر رکھ لیا جائے اور اپنے بیچ میں ایک پسل رکھ دیں اور اس سٹل کو سیٹ پر رکھ کر جنرل اور میڈیم اپنا ہاتھ اسپر رکھیں اور کاغذ دن کو اوپر سلیٹ کو دیکھتے ہیں۔ تاکہ سطح میڈیم کو خود دیکھنے اور دہر کے کسی لکھنے کا موقع نہ ملے چنانچہ دن کی روشنی میں یہ مل گیا۔ اور جنرل اور سٹر ہڈی سن نے سلیٹوں کے اندر پسل طے کی آواز سنی اور آخر میں تین خط لکھنے کی آواز پیغام ختم ہونے کی علامت تھی۔ چنانچہ جنرل خود سلیٹوں کو کھول کر دیکھتا رہا اور ہر دفعہ اپنے دوستوں کی طرف سے جواب موجود پائے۔“

ان واقعات کی تفصیل دیکھ کر سٹر ہڈی سن اس امر کا ثبوت ہی نکالتے ہیں کہ اس وقت پیغام دینے والی اور کہنے والی کوئی خارجی اور بی جسم روح نہیں بلکہ خود میڈیم انکشاف قلبی سے جواب دیتی تھی اور روحانی طاقت کو پسل کو حرکت دیتی تھی مگر اس واقعہ میں جو ہر موجودہ مشورے کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جب خط لکھ کر مزید پر کر گزریں تو سٹر ہڈی سن کہہ کے باہر تھے۔ میڈیم نے ان کو بلایا اور کہا کہ ایک چٹھی ایسی دے کہ ہم ہر ہمتاری ہی دوست ہو اور دعا چاہتی ہے کہ اسکے جوب دینے کے وقت تم کہہ میں موجود ہو۔ کیا تم جی نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟ سٹر ہڈی سن لکھتے ہیں کہ ”مجھے قوت

اس نام کا کوئی دوست یا دوست تھا اس لیے کہ یہ اس شخص کا عید ہی نام تھا اور میں اس کے صرف خاندانی نام سے واقف تھا۔ حالانکہ وہ حقیقت میں میرا دوست اور عزیز کا بیانی تھا۔ میڈیم نے ایک پل سی اور کہا اس سے ان چھ کاغذوں میں سے جس کو چاہیں کر اور پھر کہوں کہ وہ خط ہی کے نام پر کاغذ چاہیے کیا تو میں بہت متحیر ہو کر ابھی تک گمان تھا کہ میرا خاص جی کے خط کو اس کا نشانہ ادا تھا ہی ہر۔ میڈیم نے کہا کہ خطوں کو پھر ملا دو اور پھر انکھل کر ایک چٹائی کو اس کر دو وہ ایم کے نام ہوگی۔ چنانچہ تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ میرا ہندو جڑیاہن میں سے ارادہ سے حرکت کرتا تھا۔ میڈیم کے روحانی اثر سے حاصل خط کیطرت جاتا تھا جس کا نشان بتایا جاتا تھا۔ اور میں اس وقت پورے ہوش و حواس میں تھا اور کوئی روحانی یا جسمانی تغیر مجھ پر محسوس ہوتا تھا۔

جسم پر اثر کرنے کی تیسری صورت یہ کہ خود بخود حرکت کرنا اور ارادہ کو دخل نہ ہو چنانچہ ایک ادنی مثال شٹر مین کاغذ کرہ بالاد اقد ہے جس میں انہوں نے پنسلوں کو اپنے سامنے حرکت کرتے ہوئے سنا اور جواب لکھے ہوئے دیکھے اور ایک لمبے پتے اقد شٹر مائوس نے خود دیکھنے والی صورت کو قلم سے نقل کیا ہے اور اسے متعلق اس گہر والوں کی تحریری شہادت ثبت کی ہے چنانچہ وہ فرنسیسی میڈل نام ایک صورت کا اقد لکھتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہو کہ :

لیڈی والڈ گریو کی خادمہ ہیلن الگز نڈر نامی مائی فاؤنڈر مین مبتلا تھی اور میں اسکی تیماردہ تھی۔ ایک دن رات کے چار بجے (م اکتوبر ۱۸۸۷ء) میں اسکے پاس میز پر اسکی دو ادنی بنا رہی تھی کہ میں ملائے کی گھنٹی بجی سنئی۔ جی رہی ہفتہ میں دو دفعہ پہلے ہی رات کو بجی سن چکی تھی۔ اور پھر سینے دیکھا کہ وہ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی جسکی نسبت مجھ پر خود بخود خیال ہوا کہ یہ مرلینہ کی والدہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتیل کا شمع دان تھا۔ ایک شال کندھے پر پڑی تھی اور ایک فلائین کا چوڑا ٹکڑا پہنے ہوئے تھی جس میں سامنے ایک سوراخ تھا۔ سینے اسے خوشی کی نظر سے دیکھا کہ اچھا ہوا تم کو گھنٹی ادا سننے ایسے انداز سے دیکھا گویا کہتی ہے کہ مجھے پہلے کیوں خبر ہوئی۔ میں نے مرلینہ کو دوا ملائی اور پھر دیکھا کہ کوئی دہ تھا۔ نظر آنے والی ایک پستہ قد سیانام اور مضبوط عورت تھی۔ صبح چھ بجے ہیلن الگز نڈر مر گئی

روحانی اثر سے
جسم کا ایسے اثر
کہ کیا ہو رہا ہے۔

دردن بعد اسکے والدین اور ہشیرہ (جو کسی سستی میں رہتے ہوئے) اور میں نہایت تعجب ہوئی جب میں نے دیکھا کہ انکی والدہ کی عینہ وہی شکل ہے جو میری واہمہ نے دردن پہلے دیکھی تھی۔ بیٹے کی ہشیرہ کو ان کا واقعہ اور تشریح کا سامان بتایا۔ اس نے تصدیق کی کہ واقع میں والدہ کا رات کا لباس یہی ہوتا ہے اور یہ کہ ہمارے گھر میں ایک اسی قسم کا شمع دان بھی ہے۔ مزید بولی لو کی اور اسکی والدہ کی شکل میں کوئی شبہ نہ تھی۔“

مالکہ مکان مغفل شہادت دیتی ہے کہ دیکھنے والی نے والدہ کے آئینے پہلو پر واقعہ بیان کیا تھا اور لکھتی ہے کہ ”جو علی بیٹے بیان کیا تھا اس سے سینے بھی دیکھتے ہی اُس عورت کو پہچان لیا اور یہ کہ سر لیڈل متوتہم مزاج کی عورت نہیں اور اسکو اس کے سوا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا۔“

مشر ماٹیس اسکو یوں حل کرتے ہیں کہ ”والدہ نے جو بیٹی کی نسبت متفرق خواب میں اُسکو دیکھا ہے مگر غراب یاد نہیں رہا۔ اُسکے خیال نے جسمانی صورت اختیار کی اور اتفاق سے ایک ایسا شخص بھی بیٹی کے کمرہ میں موجود تھا جس پچھال اثر کر سکتے ہیں اس نے اُسے دیکھا اور یوں ہے کہ مدینہ نے بھی خواب میں یا بیداری میں اُسکو دیکھا ہو۔ گو کہ اسکے جلدی مرحلے کے سبب معلوم نہ ہو سکا۔“

اس واقعہ میں موجودہ حضوں کے متعلق دروازہ کھلنے کا تجربہ ہے جو خیالی طاقت میں پیدا ہوا اور اسکو علاوہ میں نہ کہ ملنا۔ باجا بجانا۔ دو کی چیزیں لانا اور خود انسان کے جسم کو حرکت دینا اور بلند کرنا اس قسم کے واقعات کثرت سے مروی ہیں۔ مشر لیڈل بیٹے لکھتے ہیں ”میرے پاس کئی رشتہ خط سلطان و عدوی کی درمیانی سرزمین سے لاؤ گئے اور باغ میں لگائے گئے اور دیر تک ہے ایک پودا پرتل میں بیٹھی اور پانی ڈال کر لگایا گیا جو رفتہ رفتہ بڑھا اور پھول لایا اور تین مہینہ بعد آب و ہوا کے اختلاف سے مڑ گیا۔“

طاقت کا انکار
اور اسکی وجہ

گراں مناظر کا ثبوت ناممکن نہ ہوگا اگر ان سے انکار کریمو الوں کی رہے اور ان کے کلمات لال کی قوت کو نہ دیکھا جائے۔ اور گولہ کے پٹ میں ہرگز زمین آسمان کے وجود سے انکار کرنا بے توجہت ملین گے مگر حسن اتفاق سے مشر لیڈل دوسرا ایک ایسے شخص کی تحریر دیکھنے میں آئی جو مناظر عجائی

کو تلاش کرنیوالی سیسائی کے سرگرم ممبر ہیں اور بہت مدت تک تحقیقات کر چکے بعدہ اکثر نتائج میں اپنے رفیقوں سے اختلاف کرتے ہیں اور میان تک محتاط مزاج رکھتے ہیں کہ وہ ہر کے کی وجہ نہیں پانے کے گرد ہر کے کا یقین کر لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ۱۱

”ہم مجبور ہیں کہ کہیں نہ کہیں معمول سے باہر طاقت کا اعتراف کریں۔ مگر یہ کہنا آسان ہے کہ حضرت کوئی عین وہ ہر کا دیکھنے کی معمول سے زیادہ طاقت ہے نسبت اس کے کہ معمول سے زیادہ روحانی طاقت کا اعتراف کریں“

پس ہم سمجھتے ہیں کہ باوجود اس قدر احتیاط کے وہ کہاں تک تسلیم کرتے ہیں اور کس جگہ کس بنا پر انکار کرتے ہیں اور اس ضمن میں تیسری قسم کے حرکت کے واقعات بھی انہی کے قلم سے بیان ہو چکے ہیں پہلی قسم کا اثر یعنی روحانی طور پر جسم میں عوارض پیدا کر نیکی طاقت کو اور نیز دوسری قسم کے اثر یعنی دوسرے شخص کی جسمانی حرکت کو جو بظاہر اپنے لادہ سے ہوا اور اصل میں کسی عامل کی قوت کا اثر ہو وہ بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں مثلاً ھینڈ ٹرمین حاضر قیام اثر کی نسبت لکھتے ہیں ۱۲

”حاضر قیام بخودی کے اندر معمول اپنی اعصابی تقسی اور رویدی نظام پاد یا بعوم تمام جسمانی قوتوں پر ایسا اثر حاصل کر لیتا ہے جو حالت بیداری میں نہیں ہوتا۔ اور جسم کے کسی خاص حصہ کی یا تمام جسم کی ہر قسم کی حس یا درد کے احساس کو بالکل معدوم کر دیتا ھینڈ ٹرم کا عام خاصہ ہے اور اس طرح خیال کے اثر جو غمناک امراض کو روکا جاسکتا ہے اور صحت پیدا کی جاسکتی ہے اور بہت سی فرانسیسی محققین کی شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے حاضر قیام اثر میں اور نیز ھسٹیل یا ایک اعصابی تغیر جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے کے مرتفعین میں قوت تخیل مصنوعی درد مصنوعی لاش اور دیگر قسم کی گہری امراض کی کیفیتیں پیدا کر سکتی ہے“

اس کے چل کر حرکت کرنے کی نسبت لکھتے ہیں ۱۳

۱۱ کتاب سائنس و فزکس سائیکیکل سرائیسرچ باب چہارم صفحہ ۱۰۹-۱۱۰

۱۲ کتاب فزکس باب ۱۲ صفحہ ۳۸۵-۳۹۰

۱۳ کتاب فزکس باب ۱۲ صفحہ ۳۹۰

عام طور پر ایک متواضع و محضرت کو اگر بخود کی حالت میں کہا جائے کہ حالت بیداری میں غلام کام کچھ
تو وہ کام خواہ کیا ہی ہو محکماتیز اور حقیر ہو وہ نہایت دیانت سے کام کو بجالائے گا۔ مجاہد تحقیق کہ خواہ ان کے
مشرک گرنے نے نہایت احتیاط سے وہ شرطیں دریافت کی ہیں جن سے ایسے افعال بجالائے جاتے ہیں
اور انہوں نے ثابت کیا کہ جو وقت معمول محضرت اپنی معمولی حالت بیداری میں ہو وہ حکم کو بجالا
اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ کام کرنے کی وجہ کیا ہے اور یہ میں ممکن ہے کہ اس کو اس کام کا ارتکاب یاد دے۔
اور یہی اکثر واقع ہوا ہے کہ اس کام کو بجالانے کے وقت معمول ایک طرح کی بخودی میں ہوتا ہے جو اگر
چھٹا شخص کی حالت نہیں ہر تو اس سے مشابہ ضرور ہو۔ اور یہ بھی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اس فعل کے
اندیشہ کم و بیش اور بجا بیداری حکم کو بجالانے کے درمیان ہے (اور یہ فاسد منشوں سے لیکر بہینوں
تک کا ہر قسم ہے) اسکی قوت حافظہ میں اس کام کی یادداشت بالکل نہیں ہوتی۔ البتہ اس میں ایک قسم
کا تعلق ایسا ہوتا ہے جو مقرر کردہ نشان یا معین کردہ تاریخ اور وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے مثلاً کسی
معمول کو تکبیر یا جلنے کے مشرک گرنے کے چھ دفعہ کہانے کے بعد وہ غلام شمع کو جلا دے تو بیدار ہو چکے
بعد اس کو وہ حکم بالکل یاد نہ ہوگا اور بظاہر وہ پورے طور پر اپنی معمولی حالت میں ہوگا مگر حقیقتی دفعہ کہانے
کے بعد وہ فوراً اٹھیں گا اور بتی کو جلا دے گا اور اگر چار دفعہ کہانے کے بعد اس سے اس حکم کے متعلق کوئی سوال
کیا جائے تو وہ یہ بھی نہ بتا سکیگا کہ وہ کتنی دفعہ کہانے میں لیکن اگر بخود کر کے یا پکلیں چٹ ایک
قسم کی تپائی جو حاضراتی جواب لینے کیلئے استعمال کی جاتی ہے) کے ذریعہ سوچ دیا جائے تو وہ اس
حکم کے متعلق سب کچھ بتا دے گا۔ اس طرح اگر کہا جائے کہ ایک شخص میں من گڈرنے کے بعد غلام کام
اٹھ کر تو اگرچہ بیداری حالت میں اس کے متعلق کوئی چیز معلوم نہ ہو کہ بیدار یا نیند میں ہے یا نہیں ہے۔

بخود کر کے سوچا جائے تو جتنے دن گذر چکے ہیں اور جتنے باقی ہیں ان کی نسبت اور بتا دے گا۔

غرض روحانی قوت سے اس قدر اثر کا پیدا ہونا اور یہ حکم کا حرکت کرنا مشرکوں کو اور ان کو
اب جو واقعات کے ہمارے حرکت کر چکے مروی ہیں ان میں سے ہر مشرک مود کے نزدیک قابل دل
والقعات ہر ایک کی عزت کہہ رہے ہیں ان کو اور مشرکوں کی نکتہ چینی کو دیکھا جاتا ہے غیاظہ دیکھتے ہیں۔

نیر کی حرکتیں

کوٹ ایم دی کا سپارن اور ان کے دوست پر وفیسر تھمسن نے ۱۸۵۳ء کی مریخ نماں میں روحانی طاقت سے مزید اور دیگر ہماری چیزوں کو حرکت دینے کے تجربے کئے۔ ان میں ایک معلوت تو یہ تھی کہ چند آدمی جن میں بیوقوف بھی شامل تھے میرے گرد بیٹھ جاتے تھے اور میری بات نہ کر کہہ کر روحانی توجہ سے اسکو حرکت دیتے تھے۔ ان میں سے ایک دفعہ چوڑکوت نے اقمرونی جو چار صبح کے عشری ستائیس کیلوگرام کی قنات ثابت کرتی تھی جسکو حاضرین تقسیم کرنے پر ایک شخص کیون سے قریباً ڈیڑھ پونڈ طاقت خرچ ہوئی۔ مگر چونکہ ہاتھ کا انضال نہ اس لئے یہ تجربہ نامافی سمجھ کر نتیجہ جانی انضال کے حرکت دینی چاہی اور اس میں بھی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ایک مینر پائپلر کڑا کسی کا ہاتھ لگے تو معلوم ہوسکے سب لوگ اسکے گرد بیٹھ گئے اور دیکھا کہ روحانی طاقت سے مزید چکر کھانے لگی اور وہ مینر اس قدر زور دیتی تھی کہ انگلی یا ہاتھ یا جمپاتی کے سہارے سے گول حرکت نہیں کر سکتی تھی اور پر وفیسر تھوری دیکھتے ہی میں کہ کوئی شخص پاؤں سے بھی اسکو حرکت نہ دے۔

اس واقعہ میں مشرید مود سب اعتیاطوں کو انکریغ نقص نہاتے ہیں کہ پوری اعتیاط نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ کسی نے گھٹنے سے اسکو حرکت دی ہو۔ مگر معلوم نہیں یہ احتمال کیونکر تسکین دے سکتا ہے گھٹنے سے جو حرکت پیدا کیا ہے وہ ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی حرکت سے زیادہ ببقاعدہ ہوگی۔ پس اگر کسی شخص نے گھٹنے سے حرکت دی ہو تو سب سے چکر کھانے کے ایک آدھ جھٹکا محسوس ہوتا البتہ اگرچہ آدمی اتفاق کر کے اپنی اپنے گھٹنوں سے ایک ہی دفعہ خاص حرکت پیدا کر ن تو ممکن ہے کہ کچھ چکر پیا ہو جو باقی گراس طرح سب کا ایک دفعہ کوئی خاص اشارہ دیکر حرکت پیدا کرنا ممکن نہیں کہ دیکھنے والوں کو اور بہران کو جو غور سے ان حرکات کا خیال کھتر ہیں معلوم نہ ہو سکے پس ایسا احتمال پیدا کرنا غلط و گناہ و بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے اور اس منظر کو کل نہیں کر سکتا۔

اور اسی قسم کے چند تجربے ٹاکٹر ولبرٹ ہڈیئر نے پیرس آف کیمسٹری نے چند عالموں کے ساتھ کئے ہیں جن میں ایک میں ایک پانی کا جھرا ہوا پیالہ بورڈ پاس طرح رکھ دیا گیا تھا کہ اگر ذرا سا بھی ہاتھ کا لگاؤ ہو تو پانی اچھل پڑے۔ اس پر بھی مشرید مود ہی گھٹنے یا پاؤں کی حرکت کا احتمال پیدا

کرتے ہیں حالانکہ پانی کیوجہ سے یہ اور بھی شکل ہے اور ایک عذریہ بھی پیدا کرتے ہیں کہ چونکہ ڈاکٹر
 سو صرف ان تجربوں سے مذہبی ثبوت دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کے تجربے قابل اعتما رہ نہیں ہیں
 آگے لٹن کی ڈائیلیٹیکل سوسائٹی کی کتب سٹی کاٹسٹ لاء کا تجربہ ہے۔^۴ یہ سوسائٹی علوم
 عقلیہ کی ترقی کیلئے قائم تھی اور اس نے جیسا کہ انکی طرف سے بیان ہوا ہے، چند بغیر ذمات دار اشخاص
 کی کٹی رو حافی مظاہر کی تحقیق کیلئے مقرر کی تھی اور یہ ایسے لوگ تھے جن کو ہر گاہ ویک کوئی فائدہ حاصل
 کرنا مقصود نہ تھا چنانچہ اس کٹی نے رپورٹ کی کہ انہوں نے اکثر بغیر کسی اتصال کے میزوں کو
 حرکت کرتے دیکھا۔ ایک دفعہ اس کٹی کے گیارہ ممبر ایک بہاری کہانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے
 اور انہوں نے چالیس منٹ تک میز کو مختلف حرکتیں اور آوازیں پیدا کرتے دیکھا انہوں نے
 ہتھان کیلئے کرسیوں کی پشت میز کی طرف کر لی اور خود میز کی طرف منہ کر کے کرسیوں پر گھٹنوں کے بل
 بیٹھ گئے تا پاؤں کے اتصال کا گمان باقی نہ رہے اور ہر ایک کے ہاتھ میز کے اوپر فریبا چارپانچ
 سطح سے بلند تھے اس صورت میں جبکہ کوئی اتصال پیدا نہ تھا میز نے ایک منٹ میں چار دفعہ حرکت کی
 ایک دفعہ پانچ پانچ ایک طرف کو ہوئی پہلے بارہ اونچے کمر کی اور اسی طرح چارپانچ اور چھ پانچ اور پھر
 اور حرکت کی۔ پھر سب نے اپنی ہاتھ کرسیوں کے تکیہ پر رکھ لیئے اور میز سے ایک فٹ کے قریب بار
 مو گئے اور میز نے پانچ دفعہ مختلف حرکتیں چار سو چھ پانچ تک کیں۔ پھر کرسیوں کو میز سے بارہ اونچ
 دور رکھ کر اوپر اپنے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے پکڑ کر پہلے کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اس حال
 میں میز نے مختلف جوانب میں چار حرکتیں کیں۔ پھر میز کو الٹ پلٹ کر اور اس کے اجزاء الگ الگ کے
 دیکھا گیا لیکن کوئی ثبوت اس نظر کا نہ پایا گیا۔ اور یہ تجربہ گیمیس کی پوری روشنی میں ہوا۔

اس پر مشرڈ پٹ موز نام سوسائٹی پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے
 نام نہیں بتائے گئے اور بیشک یہ اعتراض و دزدانہ ہے مگر آخر کٹی وہ ہے جس کے سامنے

+ سٹڈی ان سائیکلریسچ صفحہ ۴۹

۴ کتاب مذکور باب چہارم صفحہ ۱۱۵

انسان کی حرکت
اور اس کا نتیجہ

ماسٹر آف لینڈ سے (ارل آف کرافورڈ آف آریس) اور لارڈ ڈاؤنٹن جیسے معززین نے
اپنی شہادتیں قلم بند کروائی ہیں چنانچہ ماسٹر آف لینڈ سے نے مشہور عامل مسٹر ڈی ڈی ہوم
کے چند دید و اتفاقات کی شہادت دی ہے کہ انہوں نے اکثر ہوم کے کئی ایک موقع پر گیارہ ایچ
اور ایک موقع پر سترہ ایچ لمبا ہوتے دیکھا اور پیمانہ یوں کیا گیا تھا کہ ہوم کو دیوار کے برابر بکھر کر کے
دیوار پر نشان کروایا گیا تھا جس کو بعد میں ناپ لیا۔ اور ان میں سے ایک موقع پر لارڈ ڈاؤنٹن نے
اپنا پاؤں ہوم کے پاؤں پر اور ایک ہاتھ انکی کمر پر رکھا ہوا تھا اور یہ منظر پوری روشنی میں دیکھا
گیا۔ اور اسی طرح لارڈ ڈاؤنٹن سے نے ہوم کو جلتے انگارے ہاتھ میں اٹھاتے اور کڑے میں لکھو
ہوئے دیکھا اور خود بھی آٹھ دفعہ اُن کے اثر سے کوئلہ ہاتھ پر رکھا اور تکلیف نہ پہنچی حالانکہ منہ
کے پاس لہجے سے سروسہ مجلس جاتا تھا۔ ایک اور موقع پر نو آدمی تہہ بن میں سو سات نے گرم
کولے اٹھائے اور دو ان کے پاس تک ڈال سکے۔ ایک موقع پر آٹھ مین جب کمان کے ایک
ہن جسم کپٹن ڈائن اور لارڈ ڈاؤنٹن ہی موجود تھے اور ان دونوں نے جدا جدا اپنا ہاتھ قلمبند
کروائے ہیں اور ان کے بیان کو تصدیق کیا ہے۔ لارڈ ڈاؤنٹن سے نے دیکھا کہ مسٹر ہوم پر وہ
طاری ہوا اور وہ اس حال میں بلند ہوئے اور جو کمرہ اُنکے کمرہ کے متصل تھا انکی کمر کی مین سے
نخل گئے اور پہرہ ہر سے کمرہ کی کمر کی مین سے ہوا میں تیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ان کو
کافا صاف باہم ترمیمات فٹ چھ ایچ تھا اور ان کے مابین کوئی پاؤں دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ
کہتے ہیں کہ ہمنے ہوم کو اپنی کمر کی کے باہر ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھا جس حال میں وہ چند سینڈ
تک سے اوجھ ہمارے کمر کی مین داخل ہوئے ہیں تو پاؤں آگے تھے اور سر پیچھے اوجھ اکر بیٹھ
گئے تو لارڈ ڈاؤنٹن سے دوسرے کمرہ میں گئے اور دیکھا کہ وہ کمر کی صرف اٹھارہ ایچ طول رکھتی ہے
لارڈ ڈاؤنٹن نے تعجب ظاہر کیا کہ اتنے سے سولہ مین کیونکر جا سکے۔ مسٹر ہوم نے جواب ہی دیا کہ میں
تھکا کہ میں پھر دیکھا تھا ہرن چنانچہ وہ پیچھے کو جھکے اور گولی کی طرح کمر کی سے باہر نخل گئے اور
اس وقت پہلے سر باہر نکالا اور پہرہی راہ سے واپس آکر بیٹھ گئے۔ اور یہ کمر کی (راہ کی) زمین سے قریباً

مسٹر ڈاؤنٹن سے دیکھا کہ وہ کمر کی سے باہر نخل گئے اور

سفر فٹ بلند تھی۔

ان واقعات کے متعلق مسٹر ڈیوڈ کے الفاظ جن کو تا سید کہا جائے یا تو یہ حسب ذیل ہیں کہ ”جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں لینا یا اور عجائبات جو بہت سی شہادتوں سے ثابت ہیں یا مسٹر ہوم کا دوا قندیلہ بندہ ناجو ماسٹر آف لنڈ سے اور لارڈ ڈوڈ نے ایک روشن اور بند کمرہ میں دیکھا ان واقعات کی نسبت یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ دیکھنے میں کتنی کیگنی ہے یا یہ قوتی سے ابتدائی پیش بندیوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اور میں یہ خیال کرنے کے قابل ہوں کہ ان حالات کے اندر جو بیان کچھ گئے ہیں سارہ فریب ایسے اثر پیدا کر سکتا ہے لیکن چونکہ میں ان مناظر کو درست نہیں تسلیم کر سکتا اس لیے ان واقعات کی محض ایک تشبیہی خیال میں لاسکتا ہوں اور وہ بھی نامی (یعنی حقیقت میں قابل تسکین نہیں) اور وہ یہ ہے کہ عامل نے اپنی خیالی طاقت سے دیکھنے والوں کے واسطے کے سائز ایسا منظر پیدا کر دیا ہوگا۔“

مسٹر ڈیوڈ خود اس توجیہ کو پلازمیل یعنی اوپر سے دل کی تسکین کہتے ہیں اور موقع میں ہے ہی سراسر تکلف۔ کیونکہ مہیا کہ مسٹر ڈیوڈ کہتے ہیں یہ مانا کہ خیالی تصویر ایک وقت میں بہت سی اشخاص کو نظر آسکتی ہے جس کو وہ کالیکٹو ہیڈلیوٹی نے شن سز نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اگر کھڑکی میں آنے والی تصویر خیر یا لی تھی تو ہوم کا اصلی جسم بڑھ کر وہ میں موجود تھا وہ بھی غائب ہو گیا تھا اور اسی طرح دوسری دفعہ جب وہ باہر گئے ہیں تو اس وقت بھی اصلی جسم وہاں نظر نہیں آیا اور اس صورت میں علاوہ خیالی جسم پیدا کرنے کے ایک اور جسمانی تصرف یکساں کیا کہ موجود اور محسوس جسم کو نامحسوس کر دیا گیا حالانکہ جسم کو حرکت دینے کی مثالیں تو کثرت سے ہیں مگر کچھ عرصے کیلئے موجود کو معدوم کر دینے کی مثال کوئی مروی نہیں اور اگر ہوگی تو بہت کم۔ جس جسمانی تصرف کی ایک صورت کا انکار کرنے سے خود جسمانی تصرف کی دوسری صورت کو ماننا پڑتا ہے جو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور اسی طرح مسٹر ڈیوڈ کہتے ہیں کہ انہوں نے جلدی ہوئے کوئلوں کو مانع احتراق دوا لگا کر اٹھا یا ہوگا مگر ماسٹر آف لنڈ سے سنے آئے وہ ان کے اثر کو

کوٹلون کو اٹھایا اور کچھ اتر رہا حالانکہ ایک دفعہ ماسٹر آف ریٹس سے نے یہ خیال کر کے کہ دیکھ ہرن واقع میں یہ کوٹلے دھکتے ہیں اپنے اپنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کو بلکہ کوٹلانی تو سکسٹنس کے برابر چھالا پڑ گیا اور ایک دفعہ ان کے علاوہ اور چھ شخصوں نے کوٹلون کو اٹھایا اور اتر رہا عرض ان واقعات کی توجیہ چوسٹر پڑ مور کرتے ہیں نہ صرف پلاز میل بلکہ بالکل ناقابل تسکین ہو۔

اور نیز یہ واقعات صرف اسی روایت کو مروی نہیں ہیں بلکہ سر ولیم کروکس ایک مشہور سائنس دان مشرہوم کے بہت سی واقعات کی عینی شہادت دیتے ہیں اور مشرہوم کو اعتراضات کہ

سر ولیم کروکس کے تجربے۔

مشرکہ کروکس کا علم کی مشرہوم اور کروکس کا ماہر ہونا انکو خاص طور پر اس قسم کی تحقیقات کے قابل بناتا ہے اور جو تحقیقات انہوں نے مشرہوم کے متعلق کی ہے وہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری پیش بینی کے ساتھ اور ایسے حالات میں کی گئی ہے جو دہوکے کو روکنے یا اسکو ظاہر کرنے کیلئے خاص طور پر موزوں ہیں۔ تجربہ مشرہوم کروکس کے اپنے مکان پر کئے گئے ہیں یا بعض دوستوں کے مکان میں اور تمام حاضرین سے وہ ذاتی طور سے واقف ہیں اور انہیں سے اکثر بالاتر تمام حاضر ہونیوالے ہیں اور مکہ اکثر موقعوں پر پورا روشن رکھا گیا ہے تاہم عامل کی تمام حرکات ہر وقت زیر نظر رہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ خود مشرہوم ہی بر خلاف اور عاملوں کے تحقیقات کے الٹی طرح کا موقع دینے کو تیار تھے۔“

عرض ان حالات میں مشرہوم کروکس نے بہت سو کر شے دیکھے۔ وزنی چیز دن کو ایک خاص ترازو پر رکھ کر ان کا وزن ہلکا کیا گیا جن میں ایک دفعہ دھیمی روشنی میں نو پونڈ کی طاقت معلوم ہوئی مگر روشنی تیز کر دینے پر ثابت ہوا کہ صرف دو پونڈ تھی۔ اکارڈین (ایک باجا) بغیر کسی اتصال کے بجلی لگایا اور کئی موقعوں پر بجتے بجتے ہوا میں معلق ہو گیا۔ ایک دفعہ دو فٹ لمبا اور ڈیڑھ انچ چوڑا لکڑی کا بڑا گیسٹرو س ایچ اوپر ہوا میں تیرتا رہا اور مشرہوم میر سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھ تھے۔ ان کے ہاتھ اور دن نے پکڑے ہوئے تھے اور پاؤں نظر آتے تھے کہ ساکن ہیں اور سچائی اس کے بعد کہ وہ تین انکھیں جھپٹنے والے لمپوں سے پورا روشن تھا مشرہوم خود بھی ہوا میں بند

ہوئے اور کارڈین بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں معلق بچتا رہا۔ اور نیز ۲۱- اپریل ۱۸۸۱ء کو مسٹر ہوم ہوا میں معلق بیٹھ رہے اور ہر لمین لیٹ رہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایک امر قابل غور ہے کہ اس وقت روشنی کم کر دی گئی تھی جبکی نسبت آگے ذکر ہوگا۔

ڈاکٹر سپیر کے تجربے
مسٹر ہوم کے متعلق

اسی طرح کے بہت سی تجربوں کا ذکر کر کے دوسرے زبردست عامل مسٹر الین موسز کے واقعات ڈاکٹر سپیر کی شہادت سے لکھیں گے جن نے چنانچہ آئینہ بننے ہی اور نیز انکی بیوی نے مسٹر ہوم کے اثر سے آوازوں کا آنا، باجوں کا بچنا، آگ اور روشنی کا دیکھنا، بند کروں میں باہر کی چیزوں کا آنا، اور خود مسٹر ہوم کا بند ہونا غرض ایسے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں انہیں مسٹر ہوم کے بند ہونے کا واقعہ ڈاکٹر سپیر نے مختصر لکھا ہے کہ

”پہلے تو ایک بڑی گول ہیز کسی بڑی قوت سے کئی دفعہ ہلی۔ اور پھر مسٹر ہوم دو دفعہ ہوا میں لہرائے اور ایک کرسی میز کے اوپر کھڑی گئی اور میں خود جو ایک بڑی بہاری کرسی پر بیٹھا ہوا تھا غایان طور پر ہل گیا۔“

مگر معلق ہونے کے متعلق خود مسٹر کا ایک مفصل نوٹ ہے جو مسٹر ہوم نقل کرتے ہیں کہ۔

ایک دن ۱۰ اگست ۱۸۸۱ء کو چوٹا باجا زور سے نیچے کمرہ کے ایک کونے میں پہنک گیا اور میری کرسی میز کے پاس و گہوم کر توڑ کے ایک گوشہ میں چلی گئی اور اس کے بغیر نیز کی طرف سے گوشہ کی طرف چل گیا۔ اس حالت میں کرسی اوپر کو اٹھتی معلوم ہوئی اور یہ خیال ہے کہ بارہ پنج کے قریب بند ہوئی کیونکہ میرے پاؤں سک بٹنگ بورڈ (تختہ جو دروازے کے ساتھ بطور حاشیہ کے لگا یا جاتا ہے) سے مس ہوئے جو بارہ پنج بند ہوگا۔ کرسی وہاں چند لمحہ کیلئے ٹھہری اور پھر میں خود آہستہ آہستہ اور آسانی سے بلند ہوتا معلوم ہوا۔ مجھے کوئی سبب نہ تھا اور تھیں یہ انہیں ہوا اور میں پورے گوشہ میں تھا اور حاضرین کو اپنے واقعات بتا رہا تھا۔ حرکت باہر تدریجاً تھی اور سبب ویر میں ختم ہوئی۔ میں بالکل دیوار کے قریب تھا جتنے کہ سینے میں لکالی اور اپنی جہانی کے مقابل دیوار پر نشان کرکھ اور میں جب وہ نشان پایا گیا تو فرش سے قریب چھوٹ بند تھا اور اس کے محل وقوع سے ظاہر ہے

کہ اس وقت میرا سر کمرہ کے گوشہ میں چپت و متصل ہو گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس وقت کس طرح
وجہ میں تھا۔ میں بالکل ہوشیار اور اس نظر سے پوری طور پر واقف تھا۔ میرے جسم پر کوئی دباؤ معلوم
نہیں ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں لفظ (چپت پر لیجائے کی نشین) پر بیٹھا ہوں اور چیزیں میرے
سامنے نیچے کو چلی جاتی ہیں تنفس میں تھوڑی سی وقت معلوم ہوتی تھی اور سنہ کسی قدر بہا ہوا
اور یہ کہ میں نقصا سے کسی قدر ہلکا ہو گیا ہوں۔ پھر میں اہستہ نیچے کو لایا گیا اور کرسی پر بیٹھا یا گیا۔
مگر کرسی اس وقت اپنی پہلی جگہ پر (یعنی مینر کے پاس) تھی۔“

ان میں سے مشر مونسز کا بیان چونکہ زیادہ تر ان کے اپنے قلم کا ہے اور ڈاکٹر پیٹر جان کو دیکھنے
والے میں ان کے بہت معتقد ہیں اس لئے مشر مونسز کو ان کی نسبت مشابہ ہوتا چاہئے مگر تاہم ان کو دھوکے
کے اصرار پر نصیب دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ ڈاکٹر
مضی طاقت۔ عموماً دھوکا دینا۔ یا نیم بخودی میں بے احتیاری سے دھوکا دینے والے افعال کا سرزد
ہونا۔ ان تینوں احتمالوں میں سے میں دوسرے اور تیسرے احتمال میں مذنب ہوں اور زیادہ تر
تیسرے احتمال کی طرف میلان رکھتا ہوں۔“

مشر مونسز کو ایک دشواری کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ ایک اور دشواری کو اختیار کر لیا کرتے ہیں چنانچہ
یہاں بھی نیم بخودی کی حالت میں دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا۔“ معلوم نہیں ڈاکٹر پیٹر
کے بیان پر ڈاکٹر مونسز کے بیان پر کیوں چپاں ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم یہ شہادت ہو اور شہادت
میں گواہی دینے والے کے اعتبار پر پھر دوسرے ہوتا ہے اور مشر مونسز کو پھر دوسرے نہیں اس لئے
اس بار وہ میں ان پر گرفت نہیں ہو سکتی لیکن مشر مونسز کے دوسرے رفیق جو علم فضل میں اور نظائر
روحانی کی تلاش میں ان سے زیادہ مشہور ہیں اور جو مشر مونسز سے زیادہ تعارف بھی رکھتے ہیں اور
جنہوں نے مشر مونسز کے قلبی سوچوں کو ناظرانہ طور سے دیکھا اور ان کو ترتیب و یکجہاں کیا ہے یعنی
مشر مونسز کو اس طرح ان کی نسبت اور ڈاکٹر پیٹر کی نسبت پر اعتماد ظاہر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو اقتباسات)
ذکر بالا کیجئے اور ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ ہم

”جب میں نے مسٹر موزس کے انتقال کے بعد ان کے قطعی مسودہ کو دیکھا اور پرتال کی تو میرا اعتقاد ان کی نسبت اور بھی قوی ہو گیا“

پھر لکھتے ہیں کہ ”اُن کے مسودہ کو بہت مدت تک مطالعہ کرنے پر کوئی چیز بھی نامستول نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے خود بھی اُن کو نہایت غور سے پرتال کیا ہے اور اپنے بہت سے دوستوں کو بھی دکھایا ہے۔ کوئی بے ربطی۔ کوئی تناقض اور کوئی شک کی وجہ کو معلوم نہیں ہوتی اور تمام واقعات کی تفصیل اور تاریخیں ایسی دقت سے درج ہیں کہ ان میں سے جو واقعات اور تاریخیں دیگر وسائل سے کمزور ہیں ان میں اور مسٹر موزس کے اظہار میں کوئی تفاوت نہ تھا“

مسٹر موزس اور ان کو دیکھنے والے سرولیم کو کس کی نسبت مسٹر ڈیوڈ جیب ڈیل لکھتے ہیں +
”ذرا س مختصر میں مسٹر کو کس کے سب تجربوں پر مفصل بحث کرنی ممکن ہو اور نہ مجھے ایسا کرنا مناسب ہے مسٹر کو کس جنہوں نے ریلیٹی او میٹر اور سپیکٹرا سکوپ کی تحقیقات میں بھی ایسی ہی شہرت حاصل کی ہے جیسی ظاہر روحانی کی تلاش میں اور جن کو وہ دو قسم کے واقعات پر راقعین ہے ان کی نسبت یہ خیال کرنا دانی ہے کہ انہوں نے مظاہر روحانی کی تحقیق میں نکتہ رسی کی عادت۔ تجلیل کی طاقت اور کامل تحقیق کا مکمل عرض اپنی تمام عمر کے رویہ کو ترک کر دیا ہو۔ اور مسٹر کو کس کی مہربانی سے مجھ کو ان کی کتابت خود اس پر لکھو گزرتا مرقع بھی ملا ہے اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس مضمون کو کسی زبان اور اسان طریق میں نہ نقل کر سکتا۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسٹر موزس کے جلسوں میں اکثر متوطن کپڑے عجیب منظر پر پہلے کو کی روشنی کو کم کر دیا گیا ہے مثلاً بلند ہونے اور کٹھنوں کو ہاتھ میں لینے کے وقت۔ اور نیز کمرہ کے سامان وغیرہ کی کتبیں انہی نظروں سے مشابہت میں جو دوسرے حامل حصوں کے برابر یا کچھ زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور نیز چونکہ مسٹر کو کس اور دیگر حاضرین کو مسٹر موزس کی دیانت پر رور اعتقاد ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی وقت احتیاط میں سستی کر دی گئی ہو

+۔ سٹیڈن سائیکیکل ڈیجر جاب چارم چیمپسمنغ یاد نہیں رہا۔

۲۰۔ ریلیٹی او میٹر کو کس کی ایجاد ہو جس سے حرکت و ذروالی شامیں ثابت ہوتی ہیں اور سپیکٹرا سکوپ غالباً مسٹر کو کس کی ایجاد نہیں گراس کے ذریعہ سے انہوں نے تھیلیوٹ نام ایک دات دریافت کی ہے (ملاحظہ ہو حالات ریڈی اسیرو سپیکٹرا سکوپ۔ کتاب فزکس صنفہ گیتی)

اور کسی نے تحقیقات کو تیار کر دیا جو لیکن یہل جو میں کرتا ہوں اس میں رمانی تسلیم پانچا دھوی نہیں کر سکتا۔
 معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر لیڈ بیٹر نے پہلے سے عہد کر لیا ہے لکھا ہی واقعہ ہوا اس ہوا انکار کر نیگے اور جس طرح
 ممکن ہوا انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کر نیگے مگر معقول پسندی بھی اپنا شہید ہے اس لیے عادت کے موافق
 وجہ انکار پیدا کرتے ہیں اور تو عقل کے سبب اس کے ضعف سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ
 اعتراض ہی اتنی قسم کے ہیں اور ان سے ایک ایسے شخص کے خلاف جس کو وہ خود طبعاً محقق اور بیاد مغز
 ملتے ہیں کوئی تسکین نہیں ہوتی۔ مسٹر کرکس احتیاط کا ذکر قریباً ہر واقعہ کے ساتھ کرتے ہیں اور سوہم کی
 دیانت پر بھی یہی اکتفا ثابت ہوتا ہے کہ ان کو پرے بٹھایا جاتا ہے۔ ہاتھ پکڑ لیے جاتے ہیں۔ پاؤں کو
 دیکھتے رہتے ہیں اور ایسے وقت پر دیکھتے ہیں تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مہنداس منظر کی ظاہر شکل کا چوکا
 دینے والوں کے طریقے سے مشابہ ہوتا ہے تو ہم معلوم ہوتا ہے۔ دھوکا لکھتے ہی اس کو بین جکی ظاہر ہو چکا
 بالکل واقعیت کے مشابہ ہو۔ عدالتوں میں جعلی کاغذ اور چھوٹی شہادتیں لڑی ہی دہشتی سر پیش کی جاتی
 ہیں جیسے مہل تسک اور یہی شہادتیں مگر اس بنا پر شہادت اور تسک کو کھجور عدالت کو موقوف نہیں
 کیا۔ جاتا۔ البتہ روشنی کم دینے کا اعتراض تو یہ معلوم ہوتا ہے اور بے شک اس سے دھوکے کا گمان

روحانی مل سکتا ہے یہی مناسب ہے ہوتا ہے مگر ایک تو اس کے جوہر طرز سو مسٹر لیڈ بیٹر اصل کرتے ہیں کہ روحانی قوت کا پیمانہ
 خاصہ ہو کہ تاریکی میں اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے، یہ تو یہ قزین قیاس ہے کہ چونکہ عالموں کا روشنی کو کم کر دینا تو غیر ایسی بدویاں
 سمجھا جاسکتا ہے مگر مسٹر لیڈ بیٹر کی تائید ان عام مناظر سے بھی ہوتی ہے جبکہ لوگوں کو خیالی یا واقعی شکلیں
 عجیبی بنام اور خیرین معلوم ہوتی ہیں اور بعد میں ثابت ہوتی ہیں اور بیشتر دیریں میں جو لوگوں کی شکلیں موت کے وقت یا بعد میں انکے
 دوستوں کو نظر آتی ہیں اور ان کے عداوت کو شہید مول و غیرہ تمام ظاہر روحانی کی تلاش کر نیو اسے
 ہیں عرض یہ یہ مختلف قسم کے منظر عوارات کو دکھائی دیتے ہیں اور کبھی بہت ہی قوی روحانی اثر ہوتا ہے۔
 کو یا پوری روشنی میں نظر آیا ہو مگر روحانی طور پر اطلاع پانے کے اکثر واقعات کو اب میں پیش آتے ہیں اور روحانی علاج
 بھی اسی صورت میں زیادہ قوی ہوتا ہے کہ سوہم سے پہلے خیال بیک کر لیا جاسکے اور بعض کا سوہم کا وقت
 ایک ہو اور ہی لئے مسٹر لیڈ بیٹر لکھتے ہیں کہ وہ سلیٹوں کے اندر نہیں لکھ کر جو پیغام حال کیے جاتے ہیں وہ

عمر بخاطر انہیں کرتے اس لیے کہ سلیطوں کے اندر ہم وقت تاریکی بہتی ہے اور اس لیے روحانی اثر بے وقت پہنچ سکتا ہے۔ اور دوسرے مٹر کو کس اور ماسٹر لفٹنگ سے کے اکثر تجربوں میں روشنی تیز بھی لکھی گئی ہو اور اثر ظاہر ہوا ہے چنانچہ بلین ہونے اور کوئلوں کو پکڑنے کے دو موبتوں میں سے ایک میں روشنی پوری رکھی گئی ہے۔

روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے

غرض روحانی اثر کی تیسری قسم لینے جسم کا بے ارادہ حرکت کرنا بھی اکثر روایتوں سے ایسی قوت کے ساتھ ثابت ہوا ہے کہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں اور ہم لوگوں میں سے جن کو صوفیائے کرام کے حلقوں میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک باہن اکی قلبی توجہ سے حاضرین کے دل کیسے بیتاب ہو جاتے ہیں کہ وہ حلقہ توجہ میں نیم سہل کی طرح ترپتے نظر آتے ہیں۔ اور نیز لطائف کی مشق سے کس طرح خاص خاص اعضا اور لطیفہ قلب میں تمام جسم بے ارادہ حرکت کرنے لگتا ہے اور نیز پاس انفاس یا یوگا بھاس کرنے سے کیونکہ انسان کی روح کسی خاص مقام پر مقید ہو کر تمام جسمانی اعضا اور حرکت کرنے والی شریان اور اعضا نفس سرور جس طرح حرکت اور مڑوہ ہو جاتے ہیں۔

روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی

مگر روحانی طاقت جسم پر کیوں کر اثر کرتی ہے؟ اس کا قانون دریافت نہیں ہو سکا مٹر ہیلٹسن لکھتے ہیں کہ ۱۔

۱۔ انسانی روح جسمانی حواس اور تلوئی پر کیونکر حکومت کرتی ہے؟ فانی انسان کہیں نہیں جان سکتا اور یقین ہے کہ اس سوال کو فزیالوجی اور سہیل اناتومی لینے علم تو اسے جوانی اور علم شریعہ و فنی حل نہیں کر سکتا یہ ایک سائنٹیفک یعنی علمی واقعہ ہے جس کو اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ قابل اثبات ہے۔ نہ اس لیے کہ انتہائی اسباب بیان ہو سکتے ہیں۔

ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ بھی معلوم ہے

اور روح کا جسم کو حرکت دینا ایک طرف ارادہ جو جسم کو حرکت دیتا ہے اسکی وجہ بھی معلوم نہیں ہے مٹر مائٹس لکھتے ہیں ۲۔

”مجھے بھی معلوم نہیں کہ میرا ارادہ میرے بازو کو کیونکر حرکت دیتا ہے لیکن میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ میرا ارادہ

میرے اداہ کر متحرک ہو جاتا ہے اور پھر اُن چیزوں کو حرکت ہوتی ہے جو بازو سے متصل ہوں۔ لیکن ان چیزوں کو جو میرے اس حصہ جسم سے متصل ہیں جس پر میری نظام جہانی کی زندگی منحصر ہے اس کی بھی اُن چیزوں کو بھی حرکت کی سکتا ہوں جن کو وسیعہ جسم سے حقیقی اتصال نہیں ہوتا مثلاً حرارت کے ساتھ یا برقی طاقت کے ساتھ جو میری انگلیوں کو نکلتی ہے بعض اذون کو کچلا کر یا ہلا کر حرکت دے سکتا ہوں۔ غرض ہر طاقت کیلئے یہ کوئی معین حد نہیں ہوتا اور طاقت کی اُن تمام شکلوں کو ہمیں جانتا جو مناسب تہیت سو میری انگلیوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔“

جسم کا جسم کو حرکت دینا اور یہ تو خفیہ طاقتیں ہیں جن سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لیے سمجھ میں نہیں آتا بھی ایک راز ہے۔
 کہ یہ زندگی پیدا ہوتی ہے مگر اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اجسام کا اجسام کو حرکت دینا بھی کسی اصول سے حل نہیں ہو سکتا تا کہ سپینسر لکھتے ہیں +

”ہم سمجھیں سے دیکھتے ہیں کہ متحرک ساکن کو متحرک کر دیتا ہے اس لیے تعبیر نہیں کرتے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ متحرک کے دھکا دینے سے ساکن میں کیا بات پیدا ہوتی کہ پہلے تو ایک حالت میں تھا اب اس نے بھٹ بھٹا کر بدلتا ہے یہ کہو کہ حرکت دوسری چیز سے اس میں داخل ہو گئی۔ کیونکہ وہ کیا چیز اس میں اب آگئی جو پہلے موجود تھی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حرکت سے سکون کیونکر پیدا ہوا۔ قانون تو اسے کہتا ہے کہ کوئی رفتار کبھی سے کسی اور تک کم نہیں ہوتی جب تک وہ جہانی درجہ تک کو عبور نہ کرے پس جو متحرک ساکن ہوا وہ ساکن ہونے سے پہلے متحرک تھا اور اس میں رفتار تھی اور وہ رفتار چاہے کیسی ہی سست ہو سکون ہی ہر حال میں بد جہاں یا وہ ہے پس اس سے بغیر درجہ تک کو ختم کرنے کے رفتار کون کیوں کر پیدا ہو گیا۔ غرض ان تفسیرات کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ واقعہ ہوتے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتے۔“

روحانی اثر اس زمانے میں یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ شرط پڑے جہانی حرکات کی نسبت لکھتے ہیں جہانی حرکات کم تر نظر آتے ہیں۔
 ہوں یا دیگر تعلیمی انکشافات تمام مظاہر روحانی اس زمانے میں پہلے زمانوں کی نسبت کم تر واقع ہوتے ہیں اور اس کیفیت کو سرسری نظر سے دیکھ کر بیشک ان طاقتوں کی نسبت کسی تعجب سے پیدا ہوتا ہے +

مگر اتمات کا کامل مطالعہ کرنے سے جو قاعدے روحانی عمل کے لیے دریافت ہوئے ہیں ان واقعات اور ان قاعدوں کو دیکھتے ہوئے یہ عقدہ جل ہونا چاہیے۔ کیونکہ روحانی طاقت کے طور پر کی ایک شرط اپنی توجہ کو جسمانیات سے ہٹانا ہے اور اسی لیے جب اپنا ارادہ سے کوئی عمل کرنا مقصود ہو تو پہلے تو کسی کسی طریق سے حالت وجد پیدا کی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرا قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ بصر پر انسانی خیال نہایت شدت سے اثر کرتا ہے جسے اگر کسی سیریزم کے معمول کو خیال دلوا دیا جائے کہ وہ مردہ ہے تو دفعہ تمام علامات نیست قطع ہو جاتی ہیں اور اگر اس کو بند رکھا جائے تو یقین دلوا دیا جائے تو انہی کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے اور اسی قاعدہ کا اثر ہے کہ اگر معمول کے سامنے کوئی منکر اپنے خیالات اس کی روحانی طاقت کے خلاف ظاہر کرے تو جیسے وہ خیال کے اثر سے جسمانی قوتوں کو کھودیتا ہے اسی طرح سے روحانی قوتیں بھی ایسے خیال سے معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر منکر مضبوط خیال کا آدمی ہو تو زبان سے انکار کرنا بھی ضرور نہیں بلکہ معمول اپنی روحانی طاقت سے اس کے دلی خیال کو کھینچتا ہے اور اس خیال کے اثر سے اپنے تئیں کھو بیٹھتا ہے پس اس وقت بھی روحانی اثر ہے جو ایک مخالف متوجہ پیدا کر کے دیگر روحانی اثرات کو زایل کر رہا ہے۔ غرض یہ دونوں قاعدے کلیہ الیقینی طور پر ثابت شدہ ہیں اور جیسے خاص خاص اشخاص پر صادق آتے ہیں خاص خاص اقوام اور زبانوں پر بھی چسپاں ہیں۔ اس لیے جس زمانے میں اور جس قوم میں جسمانی علوم کا رواج اور ان پر یقین اس درجہ تک ہو کہ جسم کے کوئی چیز کا حتمی کائناتی روح کا یقین بھی زایل ہو چکا ہو اس وقت پہلی شرط یعنی جسمانیات سے بے توجہی اور روحانی غور و فکر کی عادت زائل ہو جاتی ہے اور ان طاقتوں کی مشق نہ کرنے سے یا تو وہ بالکل معدوم ہو جاتی ہیں یا کم اثر کرتی ہیں اور اسی طرح حیرت انگیز کا غلغلہ دل و زبان پر ہو کر تمام غنائیں پھیلا ہوا ہونے سے مخالف خیال کے اثر سے جزئی رہا تئیں متقی بھی ہیں عمل نہیں کرتے اور اس لیے ظاہر ہے کہ ایسے زمانے میں جیسا کہ اب بھی ان طاقتوں کا ظاہر نہ ہونا تعجب نہیں بلکہ اگر کہیں ان کا اثر پایا جائے تو وہ محل حیرت ہے۔

۴۔ مشہور یقین کے ان دونوں ہتھیاروں پر مدلل لکھے ہیں اور قرائن اور واقعات سے ان کو ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو باب دوم و فقہم کتاب لاف سائیکل ہینامنا۔

مجموعہ

اور اس کے برخلاف گزشتہ زمانے میں جبکہ لوگوں کے دلوں پر نہ ہی گرفت اب کی نسبت دیا رہی تھی اسی گرفت کے مطابق اُن کو خدا کی طرف اور روحانیات کی جانب توجہ تھی اور اس قسم کے غور و تامل اور مراقبہ و مجاہدہ سے بے لارہ و اور خود بخود حقایق پیدا ہو جاتی تھی جو روحانی اثر کی ضروری شرط ہے اور نیز منکرانہ خیالات کا مخالف (نہیں) اس وقت کہ میں تو ایسی طاقتوں کے خلاف بالکل موجود نہ ہوتا تھا اور کسی جگہ نہ رہتا بھی تھا تو محض غنا و اور حسد سے ہوتا تھا۔ مگر حسانی علوم کی مدد سے اور اصولی طور پر روح و غیرہ کے انکشاف سے مخالفت نے جو اہمیت اور مذہب کا درجہ حاصل کیا ہے اُس کا اُن دنوں میں نشان نہ تھا۔ اور اس طرح پر روحانی اثر کی دونوں شرطوں کے پاس جانے سے وہ عمل سرزد ہوتے تھے جو دنیا کے لیے باعث حیرت ٹھہرتے تھے اور اعجاز و کرامت کا لقب پاتے تھے اور پھر خلق اللہ کو جو تہا ان عجائبات کی وجہ سے ان بزرگواروں کی طرف ہوتی تھی اس سے کام لیکر وہ ان کو اپنی تعلیم و ہدایت کی طرف بلاتے تھے اور اس طرح پیرو عام الناس کے لیے جو نور عقل سے تعلیم و ہدایت کی خوبیاں و سمجھ سکتے تھے جن میں مدنی کرشمے مجوزہ کے نام سے دعویٰ کے لیے ذیل کا کام دیتے تھے

مگر گزشتہ زمانے میں بھی جب کبھی انکار کا اثر بہت قوی ہوا ہے تو وہ روحانی اثر ظاہر کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ منکرین کو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ اور نیز جس قدر انکار کی عادت بڑھتی گئی روحانی آثار یا بالفاظ دیگر معجزوں کا اظہار کم ہوتا گیا اور غالباً اسی اصول کی طرف اشارہ ہر جہاں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ كَذِبًا
كَذَّبَ بِهَا الْكَافِرُونَ ﴿۱۶﴾ (جاثیہ ۱۶)

ہم کو نشان بھیجے سے اس امر نے روک دیا ہے کہ ہمارے لوگوں نے انکی کذب کی

یہاں مجوزہ کے رک جانے کو خدا کی طرف منسوب کرنا قرآن کا عام محاورہ ہے چنانچہ تمام مظاہر قدرت کو جو معجزہ اسباب سے سرزد ہوتے ہیں خدا کی طرف جو علت العلل ہے منسوب کیا کرتا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ ہم نے ہوائیں کو چلایا۔ یعنی بارش برائی اور پھنے زمین سے نباتات اُگائیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے خود قوانین قدرت مقرر کئے جن سے یہ منظر پیدا ہوئے اسی طرح یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قانون مقرر

کیا کہ گزیب و انکار کی اشاعت سے قرائی روحانی کا فرباط مل جاسے۔

غرض موجودہ دہائی میں روحانی طاقت کا کم یا زیادہ ہونا اسی تحقیقات کو غلط نہیں کر سکتا جو مختلف طریقوں سے ان امور کی نسبت کی گئی ہے۔ البتہ اسی تحقیقات سے بہت سی واقعات ایسے بھی دریافت ہو سکتے ہیں جن میں دھوکا دیا گیا ہے اور کوئی شعبہ حیسانی وسائل سے دکھا کر روحانی طاقت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو لوگ محض طمانانہ طور پر دلائل سے اس کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اور جو کسی قسم کا ذاتی تجربہ نہیں رکھتے تھے ان واقعات سے متوجش ہو کر مطلق انکار کی جانب مائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سٹرپڈ مور بھی انھی لوگوں میں سے ہیں۔ مگر دھوکا آمیز واقعات کو مد نظر رکھ کر اور نیز سادہ منطقی طریق استدلال کو رہنما بنا کر جو نتیجہ منصفانہ طور پر نکالا جاسکتا ہے وہ سٹرپڈس کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ †

”جو لمبی علوم اناس کو ان مظاہر سے جو اس نے جیسا کہ تجربی علوم ہے غریب کو بہت ترقی دی ہے جسکو ثابت کرنا اور جبکہ لینے پیش بندی کرنا سب سے زیادہ سبب کیلئے اس پر کابھت بڑا مقصد ہے۔ اور بیشک روحانی طور پر جو حرکت دینے کی جو نقل (دھوکا دینے والے) عام طور پر کرنے لگے ہیں اس نے ان واقعات کی صداقت میں بھی شک پیدا کر دیا ہے جن میں نہایت احتیاط سے دھوکے کی پیش بندی کی گئی ہے یا دھوکا غلطاً سمجھا گیا ہے۔ اور اس لیے میں اگرچہ پورے طور پر یقین رکھتا ہوں کہ روحانی طاقت سے حیسانی حرکات پیدا ہو سکتی ہیں مگر اتنا ہوں کہ ان کی نسبت ناظرین کا یقین پیدا کرنا یا انکو اپنی عام ادراکات پر ایک مکمل حسیبنا قبل از وقت کر کے دھوکے کے اصول کے خلاف ان کو پورے طور پر ثابت کرنا ایک تو افسوسناک سازی اور دیگر فنون کی کامل اہمیت پر منحصر ہے جس کا میں دعویٰ نہیں کر سکتا اور دوسرے ان کو پورے طور پر سمجھنا مادہ اور ایجنٹر کے تعلقات پر موقوف ہے جن کی جو بھی سی جھلک نہایت تازہ علمی انکشافات میں نظر آتی ہے مثلاً وہ انکشافات جو

ابھی حال میں شاعون کی نسبت جو تھے میں اور جن کا پہلے گمان بھی نہ تھا۔

یقین کے لیے کہ کسی واقعہ کا ثبوت بیشک یہاں سٹرائس جس یقین کو قبل از وقت کہتی ہیں وہ یقین ہو جو کسی چیز کی

ضرورت ہے نہ کہ سب کے دریافت ہونا علت دریافت کیلئے پیدا ہوا کرتا ہے اور شاید جیسا کہ ان کو امید ہے کبھی وقت

آجائے اور اتھیر اور ماوہ سے بڑھ کر روح اور ماوہ کا تعلق دریافت ہو جائے مگر ابھی تک روحانی حرکات

کی علت دریافت نہیں ہو سکی ہیں حال ایسا امر کی نسبت یقین کا ایک وہی طریق ہے جس سے خود سٹ

مائرس کو یقین ہوا میں نے تجربہ اور تجربہ کے متعلق طویل اور مضامین غور و فکر اور کچھ جاتے تو جو یقین کسی واقعہ

کا سبب دریافت کرنے سے ہم ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے کیونکہ علت و معلول کا سلسلہ نہایت پیچیدہ و متغیر

قدرت بے انتہا اور عقل انسانی ہمیشہ ترقی پذیر ہے۔ آج کسی چیز کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے اور اس کو طبیعت کو

تسکین دی جاتی ہے کھل رہی واقعہ پیش آتا ہے گروہ سبب چپان نہیں ہوتا۔ انسان کچھ دیر کے لیے

متحیر ہو جاتا ہے پھر ہی اس سبب کا پتہ لگتا ہے اور اس یقین کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ایک ہی واقعہ کی کئی کئی

اور نئے نئے اسباب دریافت ہوتے ہیں جن میں حالت میں جو بات کلی ایضاً یعنی ہے وہ اس امر واقعہ کا ظہور پذیر

ہوتا ہے ورنہ اسباب جس طرح پہلے بدلتے رہے ہیں آئندہ بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس سبب دریافت

نہ ہو گا۔ انسان دوسرے مشکل میں ایک روشنی دیکھتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ انسان آگ جلا کر روشنی

پیدا کیا کرتے ہیں اس لیے یقین کرتا ہے کہ یہ روشنی بھی کسی انسان کا فعل ہو گا مگر پھر معلوم ہوتا ہے کہ وہ

انسانی فعل نہ تھا بلکہ بجلی کی چمک تھی اس پر یقین کرتا ہے۔ پھر کبھی ات کو فاسفرس جل گئے سے کوئی ہی

چمک نظر آتی ہے کبھی دن کو آئینہ یا کسی اور روشنی چیز پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے اسی طرح کا شعلہ دکھائی

۴ غالباً اس سے اشارہ ان شاعون کو ملتا ہے جن کو اس رینہ کہتے ہیں اور جو دنیا کی جسم اور کثر چیزیں کو گدھائی میں

یا سلیٹیم جن میں بہت سی طبیعتیں دریافت ہوئی ہیں۔ یا آفتاب کی وہ شاعین جو اللہ والہ اللہ لیت دین کہلاتی ہیں اور

جس میں ہم کو کدکس نے ایک الٹری و امیٹ نام لیا کہ جس کے حرکت پیدا کرنے کی طاقت ثابت کی ہے۔ ان تجربوں کی نسبت

کوئی متفق علیہ دم کے حرکت کیوں کر پیدا ہوتی ہے دریافت نہیں ہوئی اگرچہ تھوڑے ذریعہ احتمالات بہت ہیں مگر اس کا خلاصہ کتاب

فکس صنفہ گینو حالات ربیڈی آمیر اور انٹراڈی می اس ۱۔

و تلبہ۔ علت و معلول کا سلسلہ بدلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آئندہ کسی اور روشنی کو دور ہو دیکھنے پر کسی خاص سبب کا یقین نہیں ہوتا مگر حیرات ہر طرح یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ روشنی کا وجود ہے۔ اسی طرح روحانی اثرات کے لیے جبکہ کسی عامل نے نظر جا کر کسی کو بہوش کر دیا ہے خیال ہوا کہ انسان کی آنکھوں سے کوئی معنایطبی قوت نکلتی ہے۔ پھر کئی سحر مزید نے انسان کے چہرہ اور حیاتی کے سامنے امتحون کو اوپر سے نیچے کو لا کر اسے دہوش کیا تو کچھ سمجھے کہ انگلیڈین سے ایک دقیق مادہ نکلا کہ یہ حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر اسی صورت میں پیش آئیں جہاں دیکھنے اور ہاتھ سے پاس کرنے کے بغیر کوئی اثر ہیام ہوا اور اس کے سبب کی تلاش بہری کبھی اللہ و اشیاء لیٹا سیریز (کیمیائی اثر پیدا کرنے والی شمع) یا آکسائیڈ (جسم انسانی کو نفوذ کرنے والی برقی شمع) کی طرف خیال کیا کبھی اتھیر اور مادہ کا تعلق سمجھنے کی کوشش بہری۔ غرض اہل علم اپنی علمی طاقت سے اس طرح کے سبب دریافت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے مگر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا اور یہ دعویٰ نہ ہو سکے گا کہ جس قدر اسباب قدرت نے ہتھیار کیے تھے وہ معلوم ہو چکے۔ اور جو بات ہر جگہ ثابت اور یقین ہے وہ یہی ہے کہ انسان میں کچھ معنی طاقتیں ہیں جن کا اثر کبھی کبھی نظر آتا ہے۔ خواہ اسباب و علل کچھ ہی ہوں۔

روحانی طاقتیں مانتا | قدیم زمانے میں جب کہ انسان کی دماغی طاقتیں اس عروج پر نہ تھیں اور
بہدھ کی زبان سے | بیشتر روحانی طاقتوں پر مدار تھا اس وقت میں بھی بعض فلسفیانہ خیالات کے برر گووار
ان مظاہر کو دیکھ کر اپنی سمجھ کے موافق ان کے اسباب معلوم کرتے تھے چنانچہ مانتا تھا کہ اہل طاقتوں کا
یون ذکر کرتے ہیں۔

”انسان ایک جسم رکھتا ہے جو چار عناصر سے مرکب ہو اور جو اس کے والدین کے اتجاء کا اثر ہے۔

چاول یا اش سے پرورش پاتا ہے اور کھا جاسکتا ہے اور پال کیا جاسکتا ہے۔ اس چند روزہ جسم میں

ایک ذرات غیر محسوس ہے۔ مادہ و اپنے تئیں اس میں مقید یا اگر اس سے کیتھد رانا و لباس پیدا کرنا

چاہتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں ایک اور جسم کا نقشہ جاتا ہے جو اس مادی جسم سے پیدا ہوا اور جو اس طرح

لے کتاب پاؤں کو لکھت آتے بدھائیں یعنی بدھ کی سوانہ عمری معتمد مشر آرتھس الی باب پنجم صفحہ ۱۵۳

اتھس ایک نگہی کتاب جو جس کا نام سمانا فالاستا ہے۔

کی شکل اور صفات و نطفہ جانی رکھتا ہو۔ جس جسم کا مادی جسم ہے وہی نطفہ ہے جو تلواری کو میاں سے یا سانپ کو اس ٹوکے سے جس میں وہ بند ہے۔ سادھو اس طرح صاف اور کامل ہو کر اپنی فوق العادہ طاقتوں کا استعمال شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے تئیں مادی رو کا ٹٹون۔ دیواروں اور اساطون میں سفر و نفوذ کرنا چاہے قابل ہوتا ہے اور اپنے سایہ نما جسم کو ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں میں ظاہر کرنے کی قابل ہوتا ہے وہ پانی کی سطح پر چل سکتا ہے اور ڈوبتا نہیں۔ وہ بڑے پردوں والے عقاب کی طرح ہوا میں اڑ سکتا ہے اور وہ اس دنیا کو چھوڑ سکتا ہے اور برہما یعنی خدا کے آسمانوں میں جا سکتا ہے۔ اس وقت جس طرح ہر باطنی بات کا کام کرنے والا پنہ خیال کے مطابق ہستی کی سونڈ بنالیا ہے اس طرح سادھو اپنے خیال کے زور سے ایک اور خاصہ حاصل کرتا ہے۔ وہ مادہ جہاں کی آوازیں سننے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ بعینہ جس طرح کہ وہ اس خیالی دنیا کی آوازیں سنتا ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ۔ اور نیز وہ اپنے من کی طاقت کو دوسروں کے بہت ہی پوشیدہ رازوں کو معلوم کرنے اور ان کی خصائل و عادات بتانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کا قلب آواز ہے۔ فلاں اچھی نیت کا آدمی ہے۔ فلاں کوئی آرزو ہی نہیں رکھتا۔ جس طرح بچہ اپنی کان کی بالیوں کا عکس پانی میں دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ بالیاں میری ہیں اسی طرح ایک صاف باطن سادھو صداقت کو پہچان لیتا ہے۔ اس وقت اس کو دیوار خدا کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیکھ لیتا ہے جو کچھ انسان زمین پر کرتا ہے اور جو مرنے کے بعد یاد و بارہ پیدا ہونے پر کر لیا۔ پھر وہ دنیا کے مازوں کو معلوم کرتا ہے اور یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کیوں ہیں اور کیوں کر وہ اس حال سے رہائی پا سکتے ہیں۔

غرض ہر مہاتما بدھ اپنی طرزِ ادا سے واقعات بعینہ وہی لکھتے ہیں جو ایک گریستان کے اُتی پیغمبر کو دیتی آہند علیہ السلام) شب معراج میں پیش کئے۔ پس خواہ وہ مروج ہو جو ایسی حیرت انگیز طاقتیں رکھتی ہے اور خواہ اس جسم کے اندر کوئی اول لطیف جسم ہو اور خواہ انسان محض اسی گوشت پوست کا نام ہو اور اس کے اندر مٹناطیس یا کرسنہ جیسی طاقت مضمر ہو۔ اس کی تحقیق تحقیق کہ نبی الون کو مبارک ہو۔ جو امر واقعہ ہے وہ اسی قدر ہے کہ اس سارے میں ہاتھ کی مخلوق کو بڑی قدرت دی گئی ہے جس کے اونے کرشمے عموماً ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور جب

وہ اس نور مطلق کی طرف و حیان لگاتا ہے اور وہ جسمانیات سے بے توجہی جس کو یہ دنیا والے بھی روحانی اثر کے لیے شرط ٹھہراتے ہیں اپنی سب سے بڑی اور کامل صورت میں پیدا ہوتی ہے تو اس کی اندرونی طاقتیں پوری قوت سے جلو مل رکھاتی ہیں اور انسان اپنی استعداد کے موافق کبھی کبھی راز کو معلوم کر لیتا ہے اور کبھی کوئی جسمانی اثر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور جب صفائی اور نور باطن اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ دولت و مبارکے واسطہ میسر ہو تو ویسے بوق پر وہ طاقت مکمل ہو کر کئی طرح سے اپنا ظہور دکھاتی ہے وہ الامداد و فضا میں سر کرتا ہے ارواح مجرودہ اور گنگناشتہ انسانوں سے ملاتی ہوتا ہے۔ و ذوق اور بہشت کے حالات جو پس از مرگ پیش آنے والے ہیں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے کمال کے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر جس کو معراج کہتے ہیں اُن رازوں سے واقف ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے نور معرفت حاصل ہو اور انسان وصال ربانی کے لطف اٹھائے۔

معراج جسمانی غرض جو روحانی آثار و قضاوتات بعض انسانوں سے بے ارادہ صادر ہوئے ہیں یا جو جسم قاعدوں پر عمل کرنے سے انسان اپنے ارادہ سے ظاہر کرتا ہے اُن کے مطالعہ و ثبات ہوتا ہے کہ جسمانی معراج میں جس کو اکثر اہل اسلام ملتے ہیں کوئی اصولی غلطی نہیں اور ذوق صرف اسی قدر ہے کہ کبھی رازوں کو دریافت کرنے اور جسمانیات پر عمل کرنے کی طاقت جو اپنے پیمانہ پر عام انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ اعلیٰ اور مکمل پیمانہ پر کسی خاص سے خاص بندہ مکے لیے تسلیم کی گئی ہے۔

روحانی عمل کے لیے قاعدوں کی تعلیم ضروری نہیں۔ بھلاپ ہو دیگی کے سر پرش کی حرکت یا دوزخ سے بچل کرنے کا میلان ایک اونے کرشمہ تھا اُس طاقت کا جو کہ درون میں دوزی اجسام کو کھینچتی ہوئی بعد میں قائم

ہوئی مگر جن اعد کے بندوں کو نور عقل دیا گیا تھا انھوں نے چشم بصیرت ہو گیا اسی وقت اُس کے تمام کوششے دیکھ لیے تھے اور اسی لیے وہ ایسے یقین سے اسکی تحقیق میں لگ گئے کہ اگرچہ دنیا ان پرستی تھی مگر جس چیز کو دیگی اور بیب بن دیکھ چکے تھے ثابت کر کے رہ کر صرف دیگی اور بیب میں نہیں بلکہ نہایت بڑے پیمانہ پر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور خیر یہ تو ایسے لوگ تھے جو جن کا دماغ اور نیز جن کا زائد علم فضل کی لذت سے متناقصا اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انکی تعلیم نے اور ناز کی ترقی نے ان کو اس تلاش کی طرف متوجہ کیا۔ کہ کو تو بتائی انسان بھی نیوٹن اور گالک کا ہم لہ معلوم ہوتا ہے جس نے کسی پتھر کو دوسرے پتھر پر گرتے ہوئے ایک ذرا سی

چمک پیدا ہوتی دیکھی ہوگی اور اس فوراً ہی چیز کو دیکھ کر اس تجربہ کے پیچھے پڑ گیا ہوگا جو آج ہزاروں برس سے انسان کو آگ جلانے کے فائدہ دین سے مستمع کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص نہ کوئی فلاسفہ ہوگا اور نہ کسی قسم کی تعلیم اور تہذیب کا فخر کر سکتا ہوگا مگر اسکی توجہ محض اسکی فطری میلان سے پیدا ہوئی ہوگی جو انسان میں موجود ہے کہ ہر چیز پر جو چھوٹے پیمانہ پر ظہور پذیر ہوئی ہے اسکا بڑے پیمانہ پر موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اسی طرح جن لوگوں کو ان کے جاذبہ فطرت نے مذہبی غور و غوض اور روحانی مراقبہ و مشاہدہ کی طرف متوجہ کر دیا ہے اگرچہ آجکل کی سمرزم اور اسکے قاعدوں سے باضابطہ واقف نہ تھے مگر جو کچھ ان کی روح نے اپنے پیمانہ پر دکھائے وہ اپنے فطری میلان سے اسکی مشق میں مصروف ہوئے اور روحانی صفائی سے جس قدر کھشاکہ برصنایا گیا اسی قدر انکی فطری طاقت کا ظہور ہوتا گیا پس باوری فادر ہل کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ "معجزے سمریزم اور دیگر روحانی طاقتوں کے اصول چل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یہ علوم اس وقت مرتب اور مدون نہ تھے" کیونکہ جس طرح ایک کسان درزش کے قاعدوں اور جہانی طاقتوں سے آشنا نہیں ہوتا مگر جس کام میں وہ لگا رہتا ہے اس سے وہ فوٹیا اور خود بخود جہانی طاقت میں ترقی ہوتی رہتی ہے جس سے وہ ایسے کام کر سکتا ہے جو کسی پہلوان سے بھی زیادہ ہو سکیں۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی کشش سے روحانی غور و غوض میں مصروف رہتے ہیں انکی روحانی طاقت خود بخود ترقی کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے اثر پیدا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جو سمرزم وغیرہ کی مصنوعی تعلیم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بلکہ بااوقات کسی اثر کے ظاہر ہونے پر وہ خود بخود تجربہ ہو جاتے ہیں اور چونکہ انکے ارادہ اور علم کا ہمین فعل نہیں ہوتا ان کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس طاقت کا تخم خود ان کے اندر رکھا گیا ہے چنانچہ مشرعوں میں مذہب ملنے پہلے ہی تو وہ نہیں سمجھتے کہ یہ ان کا اپنا فعل ہے بلکہ اس اثر کو ان پر اپنے تمام تجربوں کو تمام عمر مردہ ارواح کا اغوا ملنے رہا ہے۔ اسی طرح جب دواوی امین کے مسافر کو (علیہ السلام) انکی استعداد کا دل پہنے پہلو بہانی نظر آجڑا دیکھ کر کسی ایک طرح لہر لگی جی اور اسکا تجربہ یہ تھا تو وہ خوف و جاکنے لگے۔

پس جب یہ کیا اسے ہوتا ہوا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹ پیچ کر بھاگے۔

لکھتا راھا کھنڈر کا تھا لجان وئی مگر بکا
(نقل علی ۲۴ - قصص پارسی ۲)

ہم نجیب

معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور مجربہ کا فائدہ

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے تحت ہے۔ اسلام اور قانون قدرت بمعجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے مذہب کی طرف سے اسباب معلول کی تفصیل کرنے پر ہدایت کی غرض ثبوت ہو جاتی ہے تمام واقعات کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے۔ سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔ مذہب کیا عمل کرتا ہے۔ معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہیے۔ بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔ معجزہ خاص حالات میں سفید ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ۔ داعی مذہب کے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیے۔ عقل ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب عقل مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دوسکتی ہے۔ عقل ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے۔

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے تحت ہے۔ ابھی تک معراج اور اس کے ضمن میں معجزہ کے متعلق وہی مسلک اختیار کیا گیا ہے جس کے پتہ اور نشان عقل کے رہنمائے تلمیذ ہیں لیکن اکثر اشخاص معجزہ

کو مانتے ہیں وہ اسکو کسی خاص علت و معلول کا نتیجہ نہیں گردانتے بلکہ براہ راست قدرت خداوندی کا اثر مانتے ہیں جو اس کے تمام مبدیہ قوانین کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے چنانچہ فاروقی اس اہل لکھنؤ ہیں

”معجزہ کو ماننے والے خدا کو ایک کارکن مانتے ہیں جس کا عمل ہر وقت جاری ہے اور اس کا ایک

دم کے بیٹے غافل ہوتا تمام دنیا کی تباہی کا باعث ہو سہلاس کا داعی عقل قانون قدرت ہو اور اس کا

کا گام گاہ ناسل معجزہ مثلاً آکسیجن اور میٹھرجن کے ملنے سے اگر خدا کا ارادہ ہو تو پانی بن جاتا ہے اور

یہ قانون قدرت ہو اور اگر خدا کا ارادہ شمال و جنوب پانی نہیں بنے گا اور یہ معجزہ ہے۔“

اور بیشک خدا کو ماننے کے تین طریقوں میں سے جو دنیا میں رائج ہیں ایسی وحدت وجود میں ایک عقل

ہی کو خدا اور اس کے مختلف مظاہر کو مخلوق مانا جاتا ہے۔ اور ایمان بالصلح جہن مانا جاتا ہے کہ خدا نے ایک شین بنا دی ہے جو حل ہی ہے اور بنانے کے بعد صلح کا سین کوئی فعل نہیں۔ اور ایمان بالخلق جہن مانا جاتا ہے کہ مخلوق کسی وقت اپنے خالق سے بے نیاز نہیں ہے۔ ان تینوں شکلوں میں سے اگر تیسری شکل صحیح ہے اور نیز اگر خدا اپنی ذات اور قدرت میں غیر محدود ہے تو جس طرح ہم اوپر سے آئے والے ایک فزہ کو اپنے ہتھ میں لیکر اس کو زمین پر گرنے سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ کشش ثقل کا جتنا حصہ اس فزہ کو نیچے کی طرف لارہا تھا۔ ہمارے ہتھ کی طاقت اس سے زیادہ ہے اور اس لیے اس وقت کشش ثقل کا عمل کرنا اسکے قانون کا ٹوٹنا نہیں ہے بلکہ ایک اس سے بڑی طاقت کا مزاحم ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا چونکہ سب سے بڑی طاقت ہو اس لیے اس کا دنیا کی تمام طاقتوں کا مزاحم ہونا اور اپنے ارادہ سے ان کے قوانین کو کسی خاص وقت کے لیے معطل کرنا خلاف قانون قدرت نہیں ہو سکتا۔ اور نیز بیشک مذہبی حیثیت سے خدا کو مذہب عالم جاننا اور ہر کام کو اسی کی قدرت اور ارادہ کا اثر سمجھنا فرض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو خدا عدل سے اس نے معز کر دیے ہیں اگر یہ اپنی بالاتر طاقت کو دخل دیکر کسی وقت کے لیے ان کو معطل کر دینا خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر چونکہ وہ حکیم و خیر ہے اس لیے خاص اسکی اپنی طاقت کو دخل دینے کا کوئی فائدہ ایسا ہونا چاہیے جو اس عمل کے سوا صورت پذیر ہو سکے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ فائدہ بند گان خدا کو ہدایت کرتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی ذات سے انکار کرنے والے اور بالخصوص اس خاص صورت سے انکار کرنے والے جس صورت پر خدا کو ماننے کے لیے مجبور لانے والے انبیاء کرتے ہیں اور نیز اس کے ساتھ شرک کرنے والے ہر زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں۔ پس اگر ان کو ہدایت دینے کا فائدہ محض معجزات سے حاصل ہو سکتا ہے تو لازم ہے کہ معجزات کا ظہور ہر وقت ہوتا رہے حالانکہ اگر معجزات ہرگز اور ہر قوم میں کثرت سے عرو ہیں مگر مینہ ظاہر نہیں ہوتے اور زمانے کا بہت بڑا حصہ ان کو خالی گذر جاتا اور گذر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت کا ملکہ کی حرکت میں آنے کی وجہ محض ہدایت کے سوا کچھ اور ہوگی۔ اور نیز جس طرح پر خدا کی قدرت کا ملکہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغیر کسی ظاہری سبب کے معجزہ کا ظہور ہو سکتا ہو اسی طرح خدا کی قدرت کا ملکہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے خلق اللہ کو ہدایت چوکتی ہے پس خلق اللہ کو ہدایت کرنے

کرنے کے لئے انبیاء کو سب طہیرانا اور انبیاء کی تصدیق کے لیے معجزہ کو علت گردانا خود اس دعویٰ کو تسلیم کرنا کہ اگرچہ ہر تناسب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس عالم اسباب میں اس کے ظہور کے لیے خاص قواعد و علت معلول کا ایک تسلسلہ مقرر ہے مثلاً آکسیجن اور ہڈی و رجن کے ملنے سے پانی کا مناسخہ کے حکم اور ارادہ پر معروف ہر گھر اس کے پانی بننے کا حکم جیسا صادر ہوتا ہے کہ دو کو اپنی معینہ مقدار پر اور مقررہ شرطوں کے ساتھ جمع ہوں۔ اور ان کے جمع ہونے پر اس کا پانی نہ بننے کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جب انکی معینہ مقدار میں تفاوت ہو یا شرطیں جو پانی بنانے کیلئے اس نے مقرر کی ہیں وہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جسم کو گاہ میں ڈالنے پر اس کا نہ جلنا یا جسم کا بغیر جانی اسباب کے بلند ہونا اگرچہ ہے خدا کی قدرت سے مگر ایک وقت میں ایسا اثر ظاہر ہونے کے لئے اور دوسرے وقت میں ایسا نہ ہونے کے لیے بھی ضرور کوئی وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت کوئی خدا کا بندہ ایسا صاف باطن موجود ہوتا ہے جسکی ان روحانی طاقتوں میں سے جن کے اوئی کرشمے ہم دیکھ رہے ہیں کوئی طاقت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ جسم پر حکومت کر سکتا ہے اور اس وقت وہ صفائی جو اسکی روح میں پیدا ہوئی ہے ایسے بن کر اور وہ نور جو خدا کی قدرت کا ملکہ کی شکل میں ہر وقت تابان ہے آفتاب بن کر دونوں باہم متصل ہو جاتے ہیں اور اس متصل سے اجسام پر اثر کرنے کی کوئی ہی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو بلا تشبیہ (ریڈی امپلیٹر) کے اوپر روشنی ڈالنے سے چوڑے پائے پر اس کے اندر کا پنکھا ہلنے میں ظاہر ہوتی ہے۔ غرض اس اثر خدا کی قدرت کا اثر کہو یا انسان کی روحانی طاقت کا کرشمہ مطلب وہی ہے کہ ہر تناسب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس کے ہر نیچے واسطے انسان کی روحانی طاقت ایک سنت اور قانون ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اسلام اور قانون قدرت | معلوم نہیں دنیا کے اور مذاہب اور ان کی آسمانی کتابیں اس بارہ میں کیا فیصلہ دیتی ہیں مگر اسلام اور اس کی آخری کتاب یعنی قرآن کو دیکھا جائے تو اس میں بارہا اور کثیراً تذکرہ ہے کہ خدا کا واسطہ ہے مگر دنیا میں اس کے تمام افعال خاص سنت اور خاص طریق پر جاتی ہیں اور بغیر معینہ و مدد اور خدا کے اسکی قدرت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَأَنَّ مِنْ غَيْرِهِ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا
نُنَزِّلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ (محمد پاره ۵)
سُنَّةٌ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ أُولِنَا
وَلَا حِجْدٍ لِسُنَّتِنَا تَعْوِيلًا (نبی اسرائیل پاره ۵)
فَظَرَّ اللَّهُ الْبَنِي فَظَرَ النَّاسَ عَلَيْهِمْ لَا تَكْذِبُ
رِجَالِي اللَّهِ ذَٰلِكَ دِينَ الْقِيَمَةِ (روم پاره ۵)
سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ نَكَلُوا مِنْ قَبْلُ كَانَ
أَمْرًا لِلَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا (احزاب پاره ۵)
هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ
يَجْعَلَ سُنَّةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ يَجْعَلَ لِسُنَّةِ اللَّهِ
تَعْوِيلًا (فاطر پاره ۵)
سُنَّةَ اللَّهِ الْبَنِي فَظَرَ النَّاسَ عَلَيْهِمْ لَا تَكْذِبُ
رِجَالِي اللَّهِ تَبْدِيلًا (نعم پاره ۵)
مَا يَبْدِلُ الْفَعُولُ كَذِبًا وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ
لِلْعَبِيدِ (زق پاره ۵)

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (محمد پاره ۵)
فَتَجَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدَرًا (طلاق پاره ۵)

اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں
مگر ہم ان کو نہیں اوازتے مگر ایک عین مقدار پر۔

یہی طریق ہے ان انبیاء کی نسبت جن کو ہم نے تم سے پہلے بھیجا
اور تم خدا کی سنت میں تبدیل نہ پاؤ گے۔

یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی
پیدائش میں تبدیل نہیں۔ یہ مضبوط راستہ ہے۔

یہی خدا کا دستور ہے ان لوگوں کی نسبت جو پہلے گذر چکے
خدا کا حکم مقرر اندازہ پر ہے۔

پس وہ نہیں دیکھتے مگر گذشتہ لوگوں کے طریق کو پس تم
خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤ گے۔ اور خدا کے دستور
میں انقلاب نہ پاؤ گے

یہ خدا کا دستور ہے جو پہلے سے جاری ہے اور تم خدا
دستور میں تبدیل نہ پاؤ گے

میری بات بدل نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا
نہیں ہوں۔

ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے۔
خدا نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کیا ہے۔

معجزات کی روایتوں کو مذہبی نظر سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ اکثر عجب معجزہ
نفس ہوتا ہے۔ -

خدا نے آگ کو جلا۔ نہ سے روک دیا۔ اور اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ بغیر کسی عین سبب کے محض قدرت خدا ہے
ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر یہ حیرانہ عام طریق ہدایت پر غور نہ کرنے سے ہر تلمبہ و رند مذہب کی غرض خدا کی

جُمانا اور اس تک پہنچنے کے وسائل بتانا ہے اور غافلوں کو اس مدد کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ظاہر قدرت کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور چونکہ جبریت کا مبداء اور خالق و مبدیات باری ہے اس لیے اُن کو یاد دلایا جاتا ہے کہ جو ذات ان مظاہر اور ہشیا کی خالق ہے وہی سب کی انتہائی مقصود و مہم جوئی جائے چنانچہ ہواؤں کے چلنے کے لیے۔ بارش کے برسوں کے لیے۔ زمین سے نباتات اُگنے کے لیے۔ آفتاب و مہتاب کی حرکت کے لیے انسان اور حیوان کی شکل صورت اور زبان مختلف ہونے کے لیے خاص اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ معین ہے مگر کہا جاتا ہے کہ خدا ہواؤں کو چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے زمین نباتات اُگاتا ہے اور تمام مظاہر قدرت کو پیدا کرتا ہے۔

خدا وہ دولت مند جس نے آفتاب کو روشنی اور مہتاب کو نور بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تمام سالوں کی تعداد اور اُن کے حساب کے آگاہ ہو۔ خدا نے جو یہ پیدا کیا ہے تو حق کیا ہی بیکار نہیں کیا۔ اور وہ جاننے والوں کے لیے اپنے نشانات کی تفصیل کرتا ہے

اور اس کے نشان ہیں آسمان و زمین کی ہدایت اور تمھاری زبان اور تمھاری زبانوں کا اختلاف۔ بیشک اس میں اہل علم کے لیے بڑے نشان ہیں۔

اور اس کے نشان ہیں جو وہ ہوائیں بھیجتے ہیں تاکہ تم خبری وین تاکہ تم اُن کی رحمت کا لطف اٹھاؤ اور تاکہ اُن کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل بغیر حاش تلاش کرو اور تاکہ تم فکر کرو..... خدا کی رحمت کے نشانوں کو دیکھو وہ زمین کو رہنمائی دے گا کہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے بیشک ہی ہر درجہ زندہ کر دے گا لہذا ہر درجہ نبات کو چاہے اس پر قادر ہو

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ سُبُكًا وَآلَافًا وَقَدَرًا مَنَازِلَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ وَكَانَ حَسَابًا مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا الْحَقُّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

رینس پارہ ۱۷

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَاخْتِلَافًا أَلْسِنَتِكُمْ وَاللُّغَاتِكُمْ. إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ ط (روم پارہ ۳)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَبَلَدٍ يَفْثَكُمُ مِنْ تَحْتِهِمْ وَبَعْضَ أَلْفَاظٍ بِأَمْرِهِ. وَلَيْسَ بَعْضُ مِنْ هُدَايِهِ وَكَانَ كَذَلِكَ تَشْكُرُونَ فَانظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ كَيْفَ يُغِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَكُنَّ الْمُرْكَبِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پارہ ۷)

اور وہی ہے جو بارش اتاتا ہے اس حال میں جبکہ لوگ
ناسید ہو چکے ہیں اور اپنی رحمت پھیلانا ہے اور وہ
دوستی کے قابل اور تعریف کے قابل ہو۔

وَهُوَ الَّذِي يُزِيلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَقْطُوعِهِ
وَيُنْشِئُ سَحَابًا مِمَّنْ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ
(شعشعہ پارہ ۳ ع ۳)

پس اسی محاورہ کے موافق جس طرح پر ہیماں بارش اور ہوا وغیرہ کے تمام درمیانی اسباب اور علل کو ذکر نہیں
کیا جاتا معجزات کے بارہ میں بھی ان کے اسباب اور طریق ظہور سے اعراض کیا جاتا ہے اس لیے کہ غرض
ان کے ذکر سے بھی ان مظاہر کی علت اولیٰ کو یاد کرنا ہے اور جس طرح فلسفیانہ دماغ کے لوگ ہوا اور
بارش کے مضمون کو یوں ادا کر سکتے ہیں کہ ایسا قانون بنانے والا اس بارش اور ہوا باعث رحمت ہوتے
ہیں بہت بڑا قابلِ عظمت ہے۔ اسی طرح معجزات کے ذکر سے تسکین حاصل کی جاتی ہے کہ ایسی طاقتوں کو
پیدا کرنے والا جن سے ایسے عجیب افعال صادر ہوتے ہیں بہت بڑا صاحبِ قدرت ہو۔

مذہب کی طرف سے اسبابِ علل کی اور دوسرے اگر مذہبِ نبات اور دیگر مظاہر قدرت کے اسباب بیان کرنا
تفصیل دینے پر ہدایت کی غرضت سے اپنا فرض گردانتا تو اول تو ان پیچیدہ مسائل کے ذکر سے اسامی
کتاب میں بجائے روحانی ہدایت کے فزنی آلودگی اور سائنس کا لوجی وغیرہ کی
ہو جاتی ہے۔

کتاب میں جن باتیں اور اصلی غرض لینے تو تبتالیٰ اللہ فوت ہو جاتی۔ اور دوسرے جس زمانے میں انسانی
عقول کسی واقعہ کا اصلی سبب سمجھنے کی طاقت و ہندو انہیں کھنٹیں اس وقت کے لوگوں کے لیے ان اسباب
کا ذکر فضول ہوتا بلکہ جہلا اور کم علم لوگوں کے لیے تنگی نقد اور ہر زمانے میں علماء و فلسفیوں سے زیادہ ہوتی
ہے قیاسیم اور انجمن پیدا کرتی۔ آفتاب و ماہتاب کی گردش اور کسوف و خسوف کے اسباب کا ذکر وحشی
قوموں کے واسطے ایک طرف تمدن ممالک کی عام لوگوں کیلئے بھی محض بے سو و ہوتا۔ روحانی طاقتوں
کے قادر سے تاج سے سو برس بیشہ تمام دنیا کی سمجھ سے ہاتھ تھکے غرض نظامِ عالم کو دیکھتے ہوئے اور مظاہر
قدرت اور معجزات کے ذکر سے جو غرض ہے اسکو لحاظ رکھتے ہوئے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک تو اسباب کا ذکر
نہرہ کے لیے غیر ضروری اور اسکی غرض کو فوت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ دنیا عالم اسباب ہے اور ہیماں
کا کوئی فعل بغیر کسی علت کے اور بغیر خاص طریق ظہور کے جس کو قانون قدرت یا شستہ اللہ کہتے ہیں

پیدا نہیں ہوتا۔

تمام مداخلت کے اسباب | فادہ رکھل یہ درست فرماتے ہیں کہ تمام معجزات مسموم و غیرہ کے اصول چنانچہ
معلوم نہیں ہو سکتے۔ | ہو سکتے۔ اور بیشک دنیا کے تمام مذاہب میں خواہ کسی کی بنیاد فلسفیانہ اصول پر

ہو یا الہامی تسلیم پر معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہیں کہ سب کے لیے خاص
اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لیے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہی ضرور ہے کہ
اکثر مذہب تمام مذاہب میں ماننے والوں کی خوش اعتقادی یا طرزِ ادا کی وجہ سے بہت سے غلط و حقارت بھی
معجزات میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ یا ایسے واقعات جو معمولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہور پذیر ہوئے ہوں
معجزہ کی شکل میں بیان کر دیے گئے ہوں گے۔ مگر عقل یہ دعویٰ کہی نہیں کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت
معلوم ہو چکے ہوتی کہ جو واقعہ معلومہ قوانین کے مطابق حل ہو سکے اسکو غلط کہیں یا براہِ راست قدرت
خداوندی کا ظہور یا نہیں۔ اور دوسری جانب مذہب یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام طب و یا بسا اسی غلط
روایات کو کیسا ان کے گھوٹ پر کر کے لیا جائے۔ بلکہ ایسے موقع پر جو کام عقل کیا کرتی ہے مذہب اس سے
زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔

سببِ موم نہ ہونے عقل | عقل ملاحظہ جہانی کو دیکھتی ہے ان کے اسباب تلاش کرتی حلاج ایک سبب
کیا عقل کرتی ہے۔ | پر یقین ہوتا ہے کل ہی واقعہ اور شکل میں پیش ہوتا ہے اور دوسرے سبب ش
کرنا پڑتا ہے اور اس طرح غلطی غلطی کرتی ہوئی کبھی واقعی سبب تک پہنچ جاتی ہے اور کبھی عجز کا اعتراف
کرنا پڑتا ہے۔ اور جہاں واقعی سبب دریافت کر نیا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ وہاں بھی اکثر احتمال باقی رہتا
ہے زمین تک حرارت اور روشنی پہنچنے کا سبب آفتاب کو گردانا گیا ہے۔ مگر روشنی اور حرارت کی فضا
اور گھسکے زمین تک پہنچنے کی وجہ دریافت نہیں ہو سکی اور کہا جاتا ہے کہ آتھرو کو فضا میں پھیلا ہوا مائیکرو
بھی یہ مسئلہ آن ذرا بیل یعنی قابلِ فہم ہے۔ سونا۔ چاندی اور بعض دیگر معدنیات تحلیل نہیں ہو تیں
اس کا سبب یہ کہ عنصر زمین مگر ابھی احتمال باقی ہے کہ شاید تحلیل ہو نیکا سبب آلات کا نقص ہو اور ارفع میں
یہ چیزیں عنصر نہ ہوں۔ یہاں تک کوشش کر چکنے کے بعد جو واقعات یقینی معلوم ہوتے ہیں ان کے

واقع ہوئے پر یقین کیا جاتا ہے اور سب کو کبھی یاس اور کبھی طول ال کے سرور کو دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب مذہب مظاہر جہانی کے ساتھ مظاہر روحانی اور ان کشفی کیفیتوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو عارفان اتمی کو ان کی استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں اور جن کو سمجھنا انسانی عقل کے لیے ناممکن ہے۔ مگر وہ غلطیوں کا لمبا سلسلہ جو جہانیات کی تلاش میں عقل کے لیے ضروری اور اس کو ترقی دینے والا ہے مذہب کے نزدیک غیر ضروری اور اسکی غرض کے منافی ہے۔

مذہب کا عمل کیسے؟ | مذہب نے اپنی تعلیم کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ امور ہیں جن کو سب لالانے کا یا ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہے اور ان کو اصطلاح مذہب میں محکمات کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ امور جن سے محض قدرت خداوندی کا اظہار اور انسان کو توجہ الی اللہ کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ان کو متشابہات کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے امور خواہ باش اور ہو اکی طرح معمولی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں یا مخفی اور نامعلوم علتوں سے۔ اختلاف زمانہ سے ان کے اسباب کے متعلق بہت توجہ میں ایک دوسرے کے متشابہ پیدا ہو سکتی ہیں اور روحانی اور کشفی امور کی نسبت بے شبہ ہرقت ابہام اور شبہا رہتا ہے اور کبھی یقینی سبب دریافت نہیں ہو سکتا۔ پس مذہب محکمات کو تفصیل فر کر کرتا ہے اور متشابہات کی نسبت کوئی توجہ یا حکم کر کے اس پر اصرار کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اگر توجہ تلاش کی جائے اور وہ غلط ہو۔ اور کشفی امور میں عقلی توجہات کا نظر اکثر حالات غلط ہونا غلبہ ہے، تو اس پر بعد اصرار کو توجہ دینا پیدا کرنا ہے اور نادانستہ یقین کرنا غلط کو صحیح تصور کرنا ہے جو تاویل صحیح اور روح کے لٹھ تاکیکی کا باعث ہے پس مذہب کے نزدیک سچے عالم کی یہ شان ہرگز نہیں کہ وہ کسی تاویل پر جو اسکے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے۔ اصرار کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جن واقعات کو وہ اپنی عقلی یا ذہنی شہادت سے درست سمجھتا ہے انکو بالا جہاں مانکر ان کی یاد اور ذکر سے دل پر خدا کی عظمت اور قدرت کا نقش جمائے اور یہ کہ ان اقد کی عظمت کیلئے اس کے یقین عم کو خدا چھوڑے۔

خداوند ذات پر جس نے تم پر کتاب اتاری۔ ہمیں سے
بعض آیات محکمات ہیں جن پر ہدایت کا مدار ہے اور بعض متشابہات

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْ شَأْنِهِ
مُحْكَمَاتٍ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ نَرِيْخٌ فَلَيْسَ مِنْهُمْ
تَشَابَهٌ مِنْهُ اِبْتِغَاءُ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءُ
تَاْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ
وَكَرِهُوا يُعْلَمُوْا فِيْ الْعِلْمِ بِفَعُوْلُوْنَ اَمَّا
بِهَ كُلِّ مَنٍ عِنْدَ تَبَاوُكَا وَمَا يَدْكُرُ
اَدُوْلَا الْاَلْبَابِ (آل عمران پارہ ۸)

میں ہیں جن لوگوں کے دل میں شک وہ متشابہت کے
پہچھے پڑ جاتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے یا تاویل معلوم کرنے
کیلئے۔ حالانکہ اسکی تاویل (توجیہ) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا
اور جو چیز سے علم کر سکتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔
یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی حاصل
کر سکتے ہیں جو عطف ہوں۔

معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہیئے۔

غرض ایک وقت میں قصور متعدد کے سبب کسی غلط سبب پر یقین کرنا
عقل کے پیش اس وقت کیلئے ازیا نہیں ہے بلکہ حدیث یونی ہوتا ہے لیکن مذہب
اپنے دائرہ میں اتنی غلطی کو بھی جائز نہیں سمجھتا اور وہ اس قدر یقین کر داتا ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو
مثلاً معراج کی نسبت خواب کا واقعہ روحانی کشفی سیاحت۔ روح کا جسمانی انزواء اس کے سوا کچھ اور غرض کسی
ایک توجہ پر قائم ہونا اور اصرار کرنا ازیا ہو گا۔ اور سلیم تر عقیدہ یہی ہو سکتا ہے کہ غایت کمال انسانی لو
توجہ الی اللہ کے نہایت اشتغاق سے کسی قسم کا انکشاف ہوا ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کو
معلوم نہیں۔

بالعموم معجزہ کے متعلق ہی اور یہی مسلک ہر مذہب کے لیے ان معجزات کے متعلق ہو سکتا ہے جو اس مذہب کے
یقین کافی ہے۔ معتبر اور قابل وثوق روایتوں سے نہایت ہوں کہ محض واقعہ کو مانکر عظمت خداوندی

اور ہم دیکھتے ہیں کہ معروایات معراج کے متعلق قطعی طور پر وہی ہیں ان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کسی خاص صورت پر یقین
کرنا کہ ثبوت ہو مثلاً میں ذکر نہیں کہ معراج خاتم عصر سے ہوا محض خدا نے بندہ کو سیر کرائی، یہ میں گیا اور میں دیکھا، اسی قسم
کے لفظ طہرین۔ اور ان لفظوں سے روح مع جسم بھی مراد ہو سکتی ہے اور صرف روح کا ذکر بھی ایسی الفاظ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم لوگ
اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ تب بھی اس شاندار کو جو جسمانی نہیں ہوتا یونی اوکرتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا اور میں نے دیکھا
اور اسی طرح یہ لفظ کہ ”ہم نے جو تم کو خواب دیکھا یا ہے وہ ایک آزمائش ہے“ اس سے بھی یہ ثابت کرنا ذرا ہوشی ہے کہ وہ
خاص خواب ہی کا واقعہ تھا کیونکہ کوئی عجیب اور دلچسپ نظارہ جو تصویر دیکھ کے بیٹھے نظر آئے اس کی نسبت یوں کہنا عام
محاورہ ہے کہ ”ایک خواب تھا جو دیکھ لیا“

کا خیال تسلیم کیا جاوے اور واقعہ کی کیفیت کہ وہ روحانی اثر سے ہوا یا معمولی جسمانی فعل سے یا کسی اور طرح پر اس تفتیش کو اپنے عقیدہ میں داخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ قدرت خداوندی کا یقین ایک ذرہ سے لیکر کسی بڑے آسمانی کردہ تک کے ہر ایک معمولی اور غیر معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے مثلاً دشمن سے بھاگنے والے قافلہ کو دریا سامنے آجانے پر اپنی گرفتاری اور موت کا یقین ہو گیا ہے اور ساتھ ہی کسی طرح دریا سے گزرنے کا بہتہ پالیا ہے اور پار جانے پر جب دشمن اسی رستے سے عبور کرنے لگا ہے تو دریا کے چڑھاؤ نے اسے غرق کر دیا ہے۔ اس واقعہ میں دریا کا رستہ دینا خواہ روحانی طاقت کا اثر ہو جس سے اشارہ کرتے ہی پانی کی حرکت مرکب گئی اور جا بجا رستے پیدا ہو گئے۔ یا معمولی اتفاق ہو کہ دو مین لکڑی ٹیکتے ہی جزر کے اثر سے کئی جگہ پانی پایاب ہو گیا ہو اور بعض بعض گردابوں میں ابھی پہاڑ جیسی لہرں پڑ ہی ہوں اور دشمن کے عبور کرنے کے وقت پہرندہ یا ہو کر سطح ہمار ہو گئی ہو۔ ہر طرح پر ایسے نازک وقت میں مغلوب کار ہائی پانا اور غالب کا تباہ ہونا قدرت خداوندی کا بڑا کرشمہ ہے اور انسان کے لیے یہ واقعہ ہر طرح خدا کی طرف توجہ کرنے کا محرک ہے۔ پس ان دونوں توجہ دین یا اور ایسی چند شرمحون میں سے کیونکہ کسی ایک پر یقین کیا جائے جبکہ دوسرا طبع حاصل ہو سکتا ہے اور کیوں نہ کہا جائے **وَعَالِمُ**
تَأْوِيلُهُ إِلَّا اللَّهُ ۖ أَمَّا بَدِيعُ كُلِّ شَيْءٍ فَإِنَّهُ

معجزہ کو دعویٰ نبوت سے | معراج کو دعویٰ نبوت کی شہادت میں پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسکی تفصیل کیا تعلق ہے۔ بطور ایک واقعہ کے اپنے دوستوں میں بیان کی گئی ہے اور کلام ربانی میں

اس کا محل اشارہ اظہار قدرت کے طور پر ہو ہے اور اس لیے اس کو مشہور اصطلاحی معنوں میں معجزہ نہیں کہہ سکتے۔ مگر دیگر عجیب واقعات جو اہل قسم کے مخفی اسباب سے ظہور پذیر ہوتے رہیں ان کو بیشک اکثر جگہ بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے اور اس لیے عام طور پر معجزہ انہی فوق العادہ افعال کو کہتے ہیں جو نبوت نبوت کیلئے پیش ہوں پس اگر معجزات کو روحانی طاقت اور دیگر معنیہ قوانین قدرت کا اثر مانا جاوے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ اس سے دعویٰ نبوت کیونکر ثابت ہوگا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص جسمانی طاقت کی ایسی مشق بہم پہنچائے کہ اپنے زمانہ کے تمام پہلوانوں سے بڑھ جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ

شخص صادق العقول اداہانت اور اپنی تعلیم میں قابل تسلیم بھی ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی شوق میں ایسا فائق ہو گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس عیسوی اعمال سے روک دینا ہو سکتے تو کیونکر لازم آتا ہے کہ نہ ہر شخص متعلق بھی کسی بات میں راست اور قابل پذیرائی ہیں۔

اس شش درج میں پڑ کر مخالفین کی طرف سے ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس شخص کی صداقت کے بیغ جو اپنے تئیں فرستادہ خدا اور اپنی تعلیم کو حکم خدا بتاتا ہے ضرور ہو کہ اس کو ایسے نشان دیئے جائیں جو تمام قوانین معینہ سے پرے اور محض قدرت خداوندی کا اثر ہوں۔ تاکہ ثابت ہو کہ جب خدا نے اُسے بھیجا ہے تو اپنی خاص قدرت کو گواہ بنا کر اُس کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف جب قدرت خداوندی کا بے واسطہ ظاہر ہونا ثابت نہیں ہوتا تو نبوت کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر طحان الیاس مل اپنے تیسرے مضمون میں اسی بنا پر روحی کی تردید کرتے ہیں مگر ان دونوں مقدمات میں سے دوسرا مقدمہ بیشک صحیح ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نظام عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت الہدیین اور مقرر ہے اور اُس کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن پہلا دعوے کہ ثبوت نبوت کے لیے فوق العادت نشان ہونا چاہیئے اور معینہ قوانین قدرت کے مظاہر یہ غیبت اور انہیں کر سکتے کسی قدر غلط ہے۔

معجزہ خاص حالات میں
مفید ہوتا ہے۔

دنیا کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام انسانی کی حالت اپنے آغاز و انجام میں افراد انسانی سے بہت کچھ مشابہ ہے جس طرح ہر ایک سچے ہوتا ہے شعوری کی حالت سے ترقی کرتا ہوا کامل عقل مشعور تک پہنچتا ہے اسی طرح سے تو میں بھی ابتدا میں وحشیانہ حالت سے تدریج تہذیب تک پہنچتی ہوں اور جس طرح ہر سچے ابتدائیں عجیب باتوں کا شائق ہوتا ہے اور جو کام میں ان لوگوں کی تقلید کرتا ہے جو طاقت میں اس سے برتر ہوں۔ اور پھر جس جس قدر عقل و تہذیب میں بڑھتا جاتا ہے عجائب پرستی اور تقلید کو چھوڑ کر عقل کی رہنمائی کو قبول کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح اقوام انسانی بھی ابتدا سے تہذیب میں عقل و شعور سے عاری ہوتی ہیں اور گروہ پیش کے مناظر قدرت کو دیکھ کر ان سے عاقلانہ علمی نتائج پیدا کر سکتی ہیں اور نہ عارفانہ روحانی تسکین پاسکتی ہیں۔ لہذا

مستقبلے نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ جس چیز کو عام اشیاء سے ممتاز اور عجیب پاتے ہیں بچوں کی طرح
 اسی کی طرف جھک جاتے ہیں۔ کسی رخت کو عام نہات میں کسی صفت میں ممتاز پایا اسی کی طرف جھک گئے
 کسی جانور میں کوئی عجیب خاصیت دیکھی اسی کی سیوا کرنے لگے۔ یا کسی انسان میں اپنی سے زیادہ قدرت دیکھی
 اسی کا وہن بکڑ لیا۔ غرض اس طرح ابتدائی حالت کو ترقی کرتے کرتے بتدریج عقل و شعور اور وجدان و فطرت
 تک پہنچتی ہیں۔ اور نیز زمانے کی ترقی سے جھلا کی تعداد اگر چاہے کم ہو مگر کم ہوتی جاتی ہے اور گذشتہ
 زمانے میں ایسی قربین اور ایسے افراد بکثرت موجود تھے چنانچہ اُس زمانے کی عجائب پرستی اور تقلید کی وجہ
 سے معمولی جادو گردوں اور فن سادوں کی وہ پرستش ہوتی تھی جس کی آج خدا کے واسطے بھی توقع نہیں
 کی جاتی۔ پس ایسے وقت اور ایسی قوم میں جو شخص وحی و الہام کی دولت لیکر آتا تھا اور لوگوں کو راہِ راست
 دکھانا چاہتا مگر لوگ نہ اس کی عرفانی قدر و منزلت کو سمجھ سکتے تھے اور نہ عقل و شعور سے اس کی تعلیم کو پرکھ سکتے تھے
 تو اندرین حالت ایسی قوم کو راہِ راست پر لانے کا صرف وہی طریق ہو سکتا تھا جو بچوں کو عقل و شعور سکھانے کے
 لیے تیار جاتا ہے اور خوش قسمتی سے آج ہم کو اس مثال کی وضاحت کے لیے جو سامانِ مدیت ہے وہ پہلے صاف
 دیتا۔ ہدینہ سے بچوں کو بچپن کے زمانے کو عقل و شعور کی باتیں فلسفیانہ لکھتے سنی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش
 ہوتی رہی ہے مگر چونکہ ان کے دماغ اس تعلیم کے لیے تیار نہیں ہوئے اس لیے اربط اور جبر و تشدد و بچپن
 کی تعلیم کا جزوِ عظم رہا ہے اور یہی نتیجہ بہت دیر میں اور بہت ناقص پیدا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہیں
 کہ کینڈس گارٹن کے نام سے بچوں کو انہی عجائبات سے تعلیم دینے کا طریق رائج ہو جاتا ہے جن کی طرف وہ
 بالطبع رغبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ رنگین اور خوش نما کھلونوں سے ان کو عقل و شعور کی باتیں سکھائی جاتی ہیں اور باوجود
 کہ ابھی اس طریق کی ابتداء کمزور ہے مگر بہت کچھ کامیابی ہو گئی ہے۔ رنگ و رنگ کی گولیوں سے حساب کے ابتدائی
 قاعدے۔ لکڑی کے مختلف ٹکڑوں سے چھوٹی کی ابتدائی شکلیں۔ تصویروں اور زبان کے ناموں سے حرکت و اجساد کی
 مشق چھوٹی عمر میں ایسی خوبی سے ہو جاتی ہے کہ پرانی طرزِ تعلیم سے بہت مدت میں وہ نہیں نہیں ہوتی تھی
 پس یہ طریقہ جو دنیا وادوں نے آج زمانہ کی بہت اہلٹ پھیر کے بعد سیکھا ہے غلط ہے یا صحیح ہے اس کا
 نہایت تاریک زمانے میں اس کو کام لیتے رہے ہیں۔ اور چونکہ اُس زمانے والے اپنی گرو پیش کی چیزوں سے بچوں کو

روزمرہ دیکھتے تھے خدا کی قدرت کا نتیجہ نہیں نکال سکتے تھے اس لیٹو وہ استاد اپنی روحانی طاقتوں کے کوشش دیکھا کہ ان کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے اور چونکہ توجہ الی اسد کی برکت اور جہانیاں سرکوش ہونے کے سبب ان کی روحانی طاقت ان جادو گروں اور فوسوں سازوں سے زیادہ ہوتی تھی جو فوسوں پر طو پر اس طاقت کی مشق کرتے تھے اس لیے ان لوگوں کی قدرت ان کے تمام معصرت قدرت والوں پر غالب آجاتی تھی۔ اور وہ بچوں جیسی نا سمجھ قوم اپنی عجائب پرستی اور جڑی قدرت والوں کا دامن پکڑنے کی عادت کے سبب ان کی ہدایت کو ناپائیدار اٹھاتے تھے پس صرف قرین قیاس بلکہ امر واقعہ کہ مخفی طاقتوں کے کسی نادر لفظ سے سو ایسے لوگ قدرت خداوندی کے معترف ہوئے ہیں اور یہ جس قوم اور جس ملک میں عجائب پرستی کی عادت زیادہ ہوئی ہے اسی قوم اور ملک میں ان لوگوں کی طرف سے جن کی تعلیم اپنے زمانہ کے موافق توجہ الی اسد اور مذہبی اصول سے معمور ہے معجزات بھی کثرت سے ظاہر ہوئے ہیں۔

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے کہ نہ کر کہا جاسکتا ہے کہ روحانی طاقتوں کا ظہور ہر جگہ ثابت و ثابت کے بیٹے کافی ہے جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ نہ صرف معجزات کا انھوں کو دیکھنا بلکہ ان کا قابل فوق اور تہذیب ان کی زبان سے سننا بھی اکثر انسانوں کو تسکین دینے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ آج تک لکھو حکام و مہتمم اپنی مذہبی ہدایتوں پر اس لیے قائم ہیں کہ وہ اپنے پیشواؤں سے معجزات کا ظہور سنتے آئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ جہاں یہی طاقتوں کا ظہور دیکھ کر ہدایت کی طرف آجاتے ہیں وہاں کسی گمراہ اور دھوکے باز کی طرف سے کوئی کرشمہ دیکھ کر ہدایت جلدی اس طرف بھی جھکا پڑتا ہے میں چنانچہ سامری کے شعبدے نے خود مسیحی علیہ السلام کے زمانے میں بہت لوگوں کو بہکا دیا۔

جنی ہلہ کی کمزوری اور اسکی ہجرت اور اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل اکثر اپنے پیشواؤں اور پیغمبروں سے گمراہ ہوتے رہے ہیں اور اکثر انبیاء ان کے ہاتھ سے قتل بھی ہوئے۔ ڈاکٹر مل نہ ہب کی ریکٹوں سے انکار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اس عادت کو نظیر میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں :-

اگر مذہب میں نیک اخلاق اور عادات پیدا کرنے کا وصف ہوتا تو ہی ہر نیک کی نسبت سے زیادہ
براہست خدا کی حکومت کے زیر اثر ہو نیکا دعویٰ کیا جاتا ہے مذہبی احکام سے اس کی گرتہ دھرتے کو
کی نسبت ان کے پیغمبر اور موع ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہیں کہ انھوں نے مذہبی ہدایتوں
کی طرف ہر اپنے کان پہرے کر لیے ہیں۔“

ڈاکٹر مل چاہتے ہیں کہ مذہب کی برکت کو جب مائیں کہ مذہب کا اقرار کرتے ہی انسان فرشتہ بن جائے اور کفر کو
چھوڑتے ہی ایسی کا یا پلٹے کہ ایک دم میں تمام جسمانی خواہشیں انسانی فطرت سے نابود ہو جائیں حالانکہ مذہب سے
لوہے سبب کسی چیز کے وجود میں آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور عقل ہی کی فتنہ کا سبب پیدا ہوا تسلیم کر سکتی
ہے البتہ مذہبی عبارت اور نیز عالم انسانی حصار و ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر افعال سبب اول کی طرف منسوب کر دیے
جاتے ہیں اور درمیانی معزوں کو ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً کہتے ہیں کہ بادشاہ نے فلان ملک فتح کیا حالانکہ
بادشاہ محض سبب اول یعنی حکم دینے والا ہے اور فتح کرنے کے لیے اس کی فوج سبب قریب چوس کو ذکر نہیں کیا
گیا مگر سننے والا سمجھ لیتا ہے۔ اسی طرح ہم دیشک دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب انسان کو برائیوں سے روکتا ہے مگر
اسی صورت پر کہ وہ انسان کو نیک و بدار افعال سے آگاہ کرتا ہے اور جن امور سے روح روشن اور محبتی ہوتی ہے ان کی مشق
کرنے کا حکم دیتا ہے ماری کی بخشنے والے اعمال سے روکتا ہے اور جن لوگوں کی طرف مذہب بھیجا جاتا ہے پہلو
ان کو فطری ہدایت طلبی کے سبب اور اگر وہ کسی قوم میں روحانی امر میں سرگرم ہو چکی ہو تو عقل و ان
کو نظام کائنات سے اور مجملہ کو غیر معمولی مظاہر قدرت دکھا کر مذہب کا یقین دلوا دیا جاتا ہے پھر تعلیم
مذہبی کے موافق مشق کرنے سے روح میں جس قدر نور پیدا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کو برائیوں سے
نفرت اور نیکی کی رغبت ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انسان خیر مجسم ہوتا جاتا ہے اور
برائی سے بھی ہی نفرت کرنے لگتا ہے جیسی پہلے نفرت کرتا تھا اور اس وقت اور اس انسان کی نسبت
کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کی برکت مکمل ہوئی۔ اور اس سے پہلے جس قدر روح کی صفائی میں کمی ہو اسی قدر
برائیوں سے بچنے کی خاصیت بھی نامکمل ہے۔ اور اسی طرح عملی حالت پیدا ہونے کو پیشتر جن یقین
حاصل کرنے کے ذرائع میں اختلاف ہو اسی قدر حاصل کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ چونکہ

فطر سلیم کی رہنمائی سے مذہب کو قبول کرتے ہیں ان میں نور حاصل کرنے اور بدی سے بچنے کی ہستاد اور نہایت قوی ہوتی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو عقل سلیم کو کام میں لا کر اور نظام کائنات سے کار پر فائز کی قدر تو ان کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے کمتر وہ لوگ ہیں جو صرف گاہ بگاہ پیدا ہونے والے غیر معمولی واقعات کو فعل خداوندی سمجھ کر ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ نظام کائنات کو عقل سلیم سے دیکھنے والے کو ایسے واضح الحقیقت نہ ہوں جیسے وہ لوگ جن کے دل خود بخود مذہب کی طرف رغبت میں مگر پھر بھی چونکہ وہ قدرت کے تمام مظاہر کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں سے خدا کے احکام کی مطابقت اور مقابلہ کر کے مذہبی فراہمی کی صحت و سقم کو پرکھ سکتے ہیں اس لیے انکا اعتقاد بھی میلان قلب سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت کے اصول پر ایمان لاتے ہیں۔ بر خلاف عجائب پرستوں کے کہ وہ ایک بڑی طاقت کو دیکھ کر اس سے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کا اعتقاد خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے ان کے اعمال میں وہ محبت اور شوق نہیں ہوتا جو روحانی جہلا کے لیے ضروری اور اس کو جلدی پیدا کرنے والا ہے اور اسی لیے ایسے لوگوں کو مذہب کی برکت کم میسر آتی ہے اور بنی اسرائیل اسی قسم کے لوگ تھے کہ ایک عرصہ دراز کی جہالت و غرور مصر اور شاہان فینو کے سامنے غلامانہ حالت میں رہنا اور ساتھ ہی خاندان نبوت میں ہونے کا یہ جائز اور مقرب خدا اور عذاب الہی سے آزاد ہونے کا خط اعتقاد غرض یہ یا ایسے ہی چنا اور اسباب سے ان میں نہ وہ فطری شوق اور میلان بھی باقی رہا تھا جو مذہبی برکات کے لیے ضروری ہے اور نہ عقل سلیم رکھتے تھے جس سے صحیح نتیجہ تک پہنچ کر اپنے اعتقاد کو درست کرین اس لیے انکی ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ یعنی مخفی طاقتوں کا دھب و داب رکھنا تھا جو ان کے پیشواؤں نے استعمال کیا۔ اور جب کہ اس ذریعہ کا خاصہ پھیلنا بن وہ پختگی و دیباہ ہوئی جو فطر سلیم یا عقل توہم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے ان سے اکثر اپنے جن لوگوں کے خلاف شورش اور فساد مہم زد ہوتا رہا۔

مگر اس علت و معلول کے سلسلہ میں جگہ جگہ ہونی و دنیا کے انداز اس وقت اور اس توہم کے لیے کوئی اور ذریعہ ہدایت کا نہ تھا اور گو تمام قوم نے اور توہم کی نسبت ہوں نے راہ راست نہ پایا یا اس پر قائم نہ رہے مگر پھر بھی ان میں سے اکثر افراد اور اکثر نسلیں راہ ہست پر گزین اور مذہبی برکتوں سے فیضیاب ہوئیں

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ کھفی طاقتوں کا ظہور بھی بعض وقتوں میں اور بعض قوموں کے لیے ہدایت اور ثبوت نبوت کا ایک ذریعہ ہے گو دوسرے وقت میں اور دوسری قوم کیلئے اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ بھی ہو۔ اور چونکہ یہ ذریعہ کم درجہ کا ہے اور اس کا قوی اثر رہتا بھی اسی وقت تک کہ معجزہ دکھانے والا اور دیکھنے والے نرغہ میں اس لیے ایسے مذہب جنکی دنیا و محض معجزہ پر نہ دانی بنیں ہو سکتے اور نیز ایسے وقت میں انہی بھی پہچان اور کثرت آتے رہتے ہیں کہ اپنی معجزہ نامی سے قوم کو تنبیہ کرنے ہیں

دانی مذہب کے لیے معجزے کے سوا کوئی اور ثبوت نہ پڑ جائیے

لیکن جہ مذہب ہمیشہ کیلئے اور تمام دنیا کے واسطی ہدایت کا داعی ہو جس کے بیشک معجزہ پر انحصار نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ دنیا میں عالم و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں بعض عقلا کے لیے گھاس کا ایک پتہ اور خاک کا ایک ذرہ بھی قدرت خدا کا ویسا ہی عجیب کرشمہ ہے جیسا سمجھ کا مردہ کو زندہ کرنا اور کرشن کا ایک وقت میں تین سو ساٹھ مکافوں میں موجود ہونا۔ اور مجہلا کے دل پر معجزہ کا اثر کامل طور پر اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ وہ اس کو بذات خود ملاحظہ کریں اور مذہبی روایتوں میں معجزہ کا ذکر بیشک کسی قدر مفید ہے مگر انہی لوگوں کے مزید اطمینان کیلئے جو پہلے سوائے مذہب اور اس کے بیان کرنے والوں پر ایمان رکھتے ہوں ورنہ ان لوگوں کے لیے جن کو کفر سے ایمان کی طرف لانا ہوا ان روایتوں کا اثر اور خصوصاً اسی حالت میں کہ ہر مذہب ان واپسوں سے معمور ہے کوئی اثر پیدا نہیں کرتا پس دانی مذہب کے واسطے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہئے یا یوں کہئے کہ ایسا معجزہ ہونا چاہیے جو ہمیشہ ثبوت مدلل کے لیے کافی ہو۔ اور یہ ثبوت تعلیم کی خوبی اور نظام کائنات و اس کی تطبیق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ شہادت خود مذہب کے اندر موجود ہونی چاہیے اور عقل سلیم اس کو پہچنے والی ہو۔ چنانچہ اسلام میں بار بار اظہار قدرت پر ایمان کا مدار رکھا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كُنْتَا نَفْثَتَيْنَا هَا وَبَعَثْنَا مِنْهُمَا طَافِئَتَيْنِ ۖ هَاتِي هَاتِي

کیا نہ مذہب و انکار کرنے والے انہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم
ناتماز تھے پہننے ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر چیز کی زندگی
پانی پڑھ کر پھری پس کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور معجزہ کہوا ثبوت نبوت کی عقلی دلیل جو پیش کیا گیا ہے وہ اپنی تعلیم کا بے نظیر اور سب سے خالق ہونا ہے
 وَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَمْسُكُوهُمُ فِي الْوُجُوهِ فَلَا تَمْسُكُهُمْ سُجُودًا
 فَأَنُؤْمِنُ بِسُورَةِ مِثْلِهِ وَلَا غَرْهًا شَمَكًا لَكُمْ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
 (تکوین پاره ۷)

کہا کہ اگر تمام جن اور انسان اتفاق کریں کہ اس
 قرآن کی نظیر بنا کر لیں تو وہ اس جیسے نہ لاسکیں گے
 خواہ بعض بعض کی مدد کریں -

قُلْ لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْجِبُّ وَالْأَنْسُ عَلَىٰ أَنْ
 يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوا بِمِثْلِهِ
 وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (اسراء پاره ۸)

اور اگر بہت سرخشی طاقتوں کے طور پر بھی منہ پر اسلام کی ذات بابرکات سے راوڑے یا بے راوڑہ صادر تھے
 ہیں گروہ شہادت کے طور پر پیش نہیں ہوسکتے۔ بلکہ جب مخالفین نے معجزات طلب کئے ہیں تو جو
 دین کہا گیا ہے کہ بیشک گذشتہ زمانے میں انبیاء نے معجزات کو دعویٰ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا
 اور جو کچھ تم کہتے ہو ظاہر ہوا اگر نتیجہ یہی ہوا کہ معجزہ لانیوالوں کو ساحر کہا گیا اور انبیاء قتل ہوئے غرض
 کہ وہ شہادت پورے طور پر مفید نہ ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَمْدًا إِلَهُنَّ أَنْ
 لَّا نُؤْمِنُ مِنْ رُسُلِهِ حَتَّىٰ يَأْتِيََنَا بِسُورَةٍ
 نَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ
 بِالْبَيِّنَاتِ وَإِلَٰهِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ
 إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (ال عمران پاره ۷)

بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم سے عہد کیا ہے کہ
 ہم کسی سول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی
 نہ دکھائے جسکو آسانی آگ اگر کھا جائے انکو کھد کر دے
 رسول تمہاری پاس معجزات دیکھو اور جو تم کہتے ہو وہ نشان
 بیکارے ہیں اگر تم سچے ہو تو تمہیں انہیں کیوں قتل کیا۔

پس جب انکے پاس پہلے طرف سے رہتی (قرآن) آئی تو انہوں
 نے کہا کہ انکو ایسی معجزہ کیوں نہیں دی گئے جو موسیٰ کو دی گئے
 تھے مگر کیا اس سے پہلے موسیٰ کے معجزات کیوں نہ دی گئے تھے کہ انہیں

تَطَاهَرُوا وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لَكَافِرُونَ ۝

(تقصیم پارہ ۵)

اور کیا یہ نہیں کہا گیا ہے دو قوجا و ایک دوسرے کے دشمن
اور ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔

اور اسی طرح مجوزہ طلب کرنے پر ہندو انکار کیا گیا ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب و کچھ جس میں تمام

انبیاء سابقین کی شریعت کا خلاصہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَبِينَ رَبِّهِمْ كَرِهَ اللَّهُ

تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ مِّنَّا فِي الْغُصْفِ أَفَلَا

(طہ - پارہ ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ شریعت ہمارے پاس اپنی خدا کی طرف سے
کوئی نشان کیوں نہیں لانا لیکن کیا ان کے پاس ایسی کتاب
نہیں ملایا جو گذشتہ کتابوں کی تشریح کرنے والی ہو۔

اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت کے مناسب ذریعہ ہدایت لیکر آیا کرتا ہے چنانچہ یہ
نبی بھی اپنے زمانہ کے موافق (عام منافع قدرت ہی) لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے آیا ہے۔

يَعْمَلُونَ الْاٰيَاتِ لَعَنُوا لَوْ كُنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْهِ اٰيَةً

مِّنْ سَمَاءٍ ؕ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

هَادٍ ۝ (رعد پارہ ۵)

کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں
نہیں اُتر آ رہا کہ یہ کجی تم بھی ایک پیغمبر مودہ ہر قوم کے
لیے جدا جدا ہادی ہوتے ہیں۔

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ مَّا اُمِّرْنَا بِالْاَوَّلٰى ۝ مَا

اٰمَنَّا مِنْهُمْ مِنْ قُرْبٰى اَهْلَكْنَا هَآ اَفْهَمُ

نُورٌ مِّنْ نُورٍ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا

فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(انبیاء پارہ ۵)

دوہ کہتے ہیں کہ اگر شریعت ہمارے پاس نشان لاؤ جس طرح پہلے
انبیاء لاتے رہے ہیں مگر ہم نے جن قصیدوں کو ہلاک کیا ہے ان میں
سوی کوئی ایسا نہیں ملایا اس کا یہی لے آئیے ہم تمہارا
طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے
پس کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

عقل ثبوت پر عرض اور غرض اسلام نے اپنی صداقت کا مدار اپنی تعلیم کی خوبی پر رکھا ہے گناہ

اس کا جواب

ڈاکٹر عبد الباقی عرض کرتے ہیں۔

داندرونی شہادت بیشک بہت متم با نشان ہے لیکن یہی عظمت اصولی طور پر پیغمبر پہلو ہوتی ہے جو

اندرونی شہادت کو سب کو چھوڑنے کیلئے توشیح تو یہ دیکھتی ہے لیکن کسی تعلیم کو نہ ان کی طرف سے

ماننے کے واسطے کافی نہیں۔ اگر کسی المادی مذہب کی اخلاقی تعلیم بری اور رستی سے دور ہے تو
خاکسی کی طرف ہو جو ہم پر اس کو ترک کرنا فرض ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم کسی حکیم و خیر برستی کی طرف سے
نہیں ہو سکتی۔ لیکن اخلاق کی عمدگی ہم کو مستحق نہیں گردانی کہ خواہ خواہ اسے کسی فوق العادت
حشر و پد کی طرف منسوب کریں۔ کیونکہ اس امر کی کوئی دلیل تو یہ موجود نہیں کہ جس خوبی کو پرکھنے کی طاقت

انسان میں موجود ہے اس خوبی کو دریافت کرنے کی قابلیت اس میں موجود نہ ہو۔

مشرعل کی یہ دلیل جس قدر قوی ہے اُسی قدر بڑا دھوکا بھی اس میں موجود ہے کہ انھوں نے آجکل کے
 مذاق کے موافق مذہب کو عین اخلاق سمجھا ہوا ہے اور محض اخلاقی خوبیوں سے مذہب کو پرکھنا چاہتے
ہیں اور چونکہ فلسفۂ اخلاق انسان کے باہر گر بناؤ سے پیدا ہوتا ہے اور جس میں روئے کے نقص معلوم
ہوتے جاتے ہیں ان کو چھوڑ چھوڑتے اخلاق کی ایک مکمل شکل پیدا ہو سکتی ہے اس لیے ان کو گمان
ہوا ہے کہ عمدہ اخلاقی تعلیم غور انسان کے دماغ سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس لیے اسکو خدا کی طرف
سے ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ دھوکا اس تعلیم سے پیدا ہوا ہے جو مذہب کی شکل میں مشرعل
کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مذہب عیسوی پر یہ معلوم کیا افتاد پڑی ہے کہ اب اس میں جو کچھ
خوبی موجود ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اخلاق کے کچھ عمدہ اصول مانے جاتے ہیں اور اسی کو اپنے
مذہب کی ترجیح میں پیش کرتے ہیں ورنہ مذہب کا اعلیٰ عنصر یعنی ذات و صفات خداوندی کا اعتقاد
ان میں نہایت بھدی شکل میں رکھا گیا ہے اور ایک علیٰ جز انسان کو اس میں شریک گردان کر دیا اسی پر
نجات کا مار رکھ کے مذہبی خوبی کو بالکل نیت و نابود کر دیا ہے۔ اس لیے مشرعل کو جب غور کرنے کا
موقع ملا تو ان کو جو چیز اچھی معلوم ہو سکتی تھی وہ اخلاق ہی تھے چنانچہ افضول نے اسی کو مذہب سمجھا اور
اسی معمول پر چرتہ دیکر کہہ سکتے تھے کی۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے اور عیا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے
اخلاق مذہب کا پروردہ اور اس کا خادم ہے عین مذہب نہیں۔ بلکہ مذہب کی حقیقت ایک نادیو
ہستی کو ماننا ہے اور ذکر ہو چکا ہے کہ اس چیز کی تلاش انسان کی فطرت میں داخل ہے اور سوائے
خاص مہتوں کے جہاں کہ یہ جذبہ خارجی اسباب سے مژدہ یا پتھر وہ ہو گیا ہو ہر جگہ تمام ہی نوع اس

تلاش میں سرگرم ہیں۔ اور پھر یہ بھی فکر مولا ہے کہ اس تلاش و تجسس میں جو کچھ دریافت ہوا ہے حقیقت میں اس کا ماحض ان تجربوں پر ہے جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل کو جلوہ ہائے معرفت کی صورت میں ہوتے رہی ہیں اور پھر تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ بالآخر ہی کی غایت اور کمر کے انفعال سے ہوا کرتا ہے پس خدا کا تجربہ ہی اسکی حرکت علی اور انسان کی استعداد انفعالی سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ہر ایک حضوری اور ہر ایک وحی خواہ وہ کیسی بڑا سے بڑا شکل میں ہو ممکن نہیں کہ انسان کی محضر اپنی کوشش سے اور بغیر ذات باری کی فاعلانہ مداخلت کہ ہو اور اگر انسانی استعداد انفعالی میں باہم تفاوت نہ ہوتا اور اگر سب کے دل نفسانی کدو رنگوں سے پاک ہوتے تو جو نور ذات باری کی طرف سے وحی کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے وہ کیساں رہتا اور مذہب کی یہ مختلف شکلیں یہاں نہ ہوتیں مگر چونکہ استعداد میں مختلف ہیں اور ہر زمانے میں ترقی کرتی رہی ہیں اس لیے وحی کی شکلیں یکے بعد دیگرے مختلف اور باہم متضاد ہوتی آئی ہیں۔ اب اگر انسان کے اپنے نفسانی جذبات احکام وحی کے ساتھ ملکر اسکی شکل بدل نہ دیا کرتے اور انسان میں خود رائی اور اصرار کی عادت نہ ہوتی تو ہر ایک ترقی جو تجربہ معرفت میں ہوتی بالعموم تسلیم کی جاتی اور ایک ہی مذہب ترقی کرتا ہوا چلا آتا اور ہر شخص کی طرف سے اپنے مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینے کا دعویٰ پیش نہ ہوتا۔ مگر جبکہ بدقسمتی سے اختلاف کی شکل موجود ہے تو اس وقت جو کام تعلیم کی اندرونی خوبی اور معیار عقلی سے لیا جاسکتا ہے وہ تجربہ ہائے معرفت یعنی وحی والہام کے گرد و پیش کے حضور و ائد کو دور کرنا اور مذہب کی اصلی شکل پر سے پردہ اٹھانا ہے۔ غرض یہ کہ مختلف الہاموں کی تعلیم کو عقل سے پرکھ کر یہ ثابت ہی نہیں کیا جاتا کہ فلان خدا کی طرف سے ہے اور فلان اسکی طرف سے نہیں بلکہ صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے حقیقی خوبی کس میں ہے اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق قابل تسلیم عقیدہ کون پیش کرتا ہے جب کوئی مذہب ایسا ثابت ہو جائے تو پھر ضرور زمین کے اس کا خدا کی طرف سے ہر نامی ثابت کیا جاوے کیونکہ ایسا الہام اور دوسرے تمام غلط الہام تھی خدا کے فاعلانہ توجہ سے اور غلطی جو کچھ موجود تھی وہ کچھ قصور استعداد کے سبب تھی اور کچھ بدین دیگر نفسانی خیالات کی آمیزش سے۔

عقل مختلف مذاہب کی نزاع
میں فیصلہ دے سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم جیمس ایک طولانی لکچر میں ثابت کرتے ہیں کہ مذہب ایک
وجدانی امر ہے اور اسکی پیدائش عارفانہ الہاموں سے ہوتی ہے یا اس فطری خواہش

سے جو انسان میں ودیعت ہے۔ اور یہ کہ خشک عقلی دلائل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مذہب کے پیدا ہونے کے
بعد اسکی تائید میں پیدا کیے جاتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس طرح پر

”عقل کا یہ کام رہا ہے کہ مذہب کو ناگوار پوشیدگی سے نجات دے اور کائنات اس کے لیے قابل تسلیم بنائے“

اور آگے پرنسپل جان لیٹرڈ کی کتاب فلاسفی آف ریلیجیئن کا اقتباس رکھتے ہیں کہ

”مذہب حقیقت میں ایک دل کی چیز ہے لیکن اسکو باطنیت اور پردہ نشینی کی فضا سے نکالنے کے لئے

اور نیز حق باطل میں تمیز کرنے کیلئے ضرور کسی ظاہری معیار کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور جو چیز

دل پر قابض ہے یعنی مذہب۔ تو اسے ذہنیہ سے دیکھنا پڑنا ہے کہ کیا وہ حق ہے اور کیا اسکو ایسا تحقیق حاصل

ہے؟ کہ ہمارے وجدان پر قابض ہو اور کیا اسکو ایسا معیار گردانا جائے؟ جس سے وجدان کو پرکھ سکیں

پس کسی شخص یا قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کا اندازہ لگانے میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا دلی میلان

کس طرف ہے بلکہ یہ کہ اس نے کیا سوچ مجھ کر ایسا طریق اختیار کیا ہے۔ اور نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے

مذہبی عقاید کیسے راسخ ہیں اور ان میں کس قدر جوش اور وافرنگی ہے بلکہ یہ کہ خدا یا اپنے معبود کی

نسبت اس کے کیا خیالات ہیں جن سے ایسا سوچ اور جوش پیدا ہوا ہے۔ دلی میلان بیشک مذہب کا

ضروری عنصر ہے لیکن کسی مذہب کی خوبی اور قدر و قیمت جاننے کے لیے صرف میلان قلب کی

قوت و ضعف کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسکی عقل بنیاد کو دیکھا جاتا ہے۔“

پھر اسی لکچر کے آخر میں ثبوت کر نیکیے بعد کہ اگر تجویز اسے معرفت نہ ہوتے تو محض عقل سے مذہب کو پیدا کرنا
یہ ثابت کرنا ناممکن تھا۔ لکھتے ہیں کہ۔

”مگر فلسفہ کی نسبت صرف یہی نفی نتیجہ نکال کر خاموش ہو جانا میرے نزدیک فلسفہ پر ظلم کرنا ہی اسلئے

مجھے بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ مذہب کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔ پس میں کتابوں

کہ اگر فلسفہ اپنے قیاس استقراء سے اہمیات میں دخل نہ دے اور حقیقت ذات دریافت کرنے کے پہلے خدا کے لواضع و صفات میں غور کرے یعنی خود کو پہلے فلسفہ مذہب کہلانے کے علم مذہبی لقب دے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے۔

”انسان کا ذہن جبکہ اپنے گرد و پیش کی ترغیبوں کو اتنا دیکھا جائے تو وہ اپنی موجودگی کی یہی ہی تعریف کر لے گا جیسی اس کے سابقہ مسلمات عقلی کے مناسب ہو پس فلسفہ ان تعریفوں سے واقعی و فضول اجزا کو تیز کر سکتا ہے اور عقاید و کلیات دونوں کے غیر ضروری حصہ کو الگ کر سکتا ہے اور مذہبی عقاید کو عقلمندی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان اصول کو جدا کر سکتا ہے جو عالماء نظر میں مبرورہ اور انیل ہیں۔ اس طرح پر وہ تاؤ و خیالات کو نکال کر تصورات کا ایک ایسا حصہ باقی چھوڑے گا جو کم از کم ممکن ہو۔ پھر ان تصورات میں سے ہر ایک کو ایک جدا گانہ قیاس فرض کرے گا ان کا امتحان کرے گا جس طرح مختلف قیاسوں کا امتحان کیا جاتا ہے اور جس قیاس کو زیادہ قابل اعتراض پائیگا اس کو نکال کر تہہ او کم کرتا جائیگا اور پھر شاید کسی ایک کا حامی بن جائیگا جس کو بالکل ثابت یا قابل اثبات پائیگا۔ پھر اس قیاس یا نامی کی تعریف میں اصلاح کرے گا اور اس میں جو اجزاء محض تمثیل کے واسطے ہو گئے یا نفس عقیدہ سے غیر متعلق سمجھ جائیگے ان کو تعریف کے اصلی اور ضروری اجزاء سے جدا کرے گا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مختلف عقاید یا اہل عقائد میں نصف کا کام دے گا اور مذہب میں اتفاق اور یک جہتی پیدا کرنے میں مدد ہو گا۔ اور اس کو جو قصور کا مبینہ اپنی اس کوشش میں ہو گی اسی قدر وضاحت کے ساتھ مذہب کے ذاتی عناصر و رعام اور ضروری اجزاء متماثل ہوتے جائیں گے۔“

”میں نہیں جانتا کہ ایک ایسا علم جس کا موضوع مذہب کی نکتہ چینی اور اس باغ کی ستر چینی ہو وہ کیوں مذہبی ہی نہ ہو۔ علم حاصل کر لے گا جو علوم ظاہری کو حاصل ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس صورت میں وہ لوگ بھی جو مذہبی طبیعت نہیں رکھتے ایسے فلسفہ کے نتائج سے انکار نہ کر سکیں گے جیسے دنیا آدمی علم مناظر کے مسائل سے انکار نہیں کر سکتا لیکن جیسا کہ علم مناظر و دنیا میں لوگوں کے تجربوں سے پیدا ہوا ہے اور انہی کے تجربوں سے اس کے مسائل ثابت ہوتے ہیں اسی طرح علم مذہب کی ابتدا ہی

عصر بھی لوگوں کے ذاتی تجربے (دلی و الہام) دونوں کے سامنے آئیں گے نکتہ عینی اور موضوع
میں تحقیق و تدقیق کا سنگ بنیاد نہیں بنے۔ غرض علم علی حالت سوا ہر جائیگا اور محض خالی مضامین اور ٹاپیکا
اور پیشہ اس کو ہی متعارف کرنا پڑیگا جو دوسرے علوم کرتے ہیں کہ مظاہر قدرت کی حقیقت ہماری ستر سے
باہر ہے البتہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اقرب لہو لب ہے فلسفہ صرف لفظ میں رہتا ہوا مصادقت حقیقت
ہمارے دل میں ایسے طور سے درآتی ہے کہ لفظی امتدادوں پر ہی رہ جاتی ہے۔“

غرض یہ کہ جو لوگ مذہبی تجربوں یا جلوہ ہائے معرفت کی لذت سے آتش نہا نہیں ہیں وہ اگر محض اپنی راہ
سے دوسرے لوگوں کے تجربوں کا لحاظ کرنے کے بغیر کوئی مذہب قائم کریں تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی
انسان بتا لوگوں سے پرچھنے کے بغیر بنیانی کے قواعد مرتب کرے پس اس حالت میں ایسے لوگوں کی عقل
مذہب کے بارہ میں کچھ مفید نہیں پہنچتی البتہ اگر روایات معرفت کو پیش نظر رکھ کر جو عقائد و مسائل ان لوگوں
کی بنیاد پر پیدا کئے گئے ہیں یعنی پیرائے اہل الہام نے پیش کی ہیں انکو عقلی مبنیاں پر رکھا جائے اور جو نقص
اہل الہام کے تصور و اعتقاد میں کی نفسانی خواہشوں سے وحی کے ساتھ مل گئے ہیں ان کو الگ
کیا جائے تو اس صورت میں عقل مذہب کی شناخت اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں بہت کچھ
مفید ہو سکتی ہے۔ بلکہ جن لوگوں کو معرفت کا کوئی جلوہ نظر آیا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے ذہن کو جو جلوہ
کی نسبت فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں ان کے اپنے ذاتی میلان اور نفسانی خواہش کی کس قدر آمیزش ہے
اور خالص جلوہ ربانی اور حکم الہی کس قدر ہے۔

مثلاً جلوہ ہائے معرفت کی جو مثالیں اوپر پروفیسر ولیم جیمس کی کتاب سفر و نقل کی گئی ہیں ان
میں ایک شخص خدا کا جلوہ ایسی صورت میں دیکھتا ہے کہ اسکو کوئی بھرنے کا گمان کرتا ہے۔ دوسرا خیال کرتا
ہے کہ میں خدا ہی میں رہتا ہوں اور ایک اور شخص اسکی حضوری ایسی طور پر محسوس کرتا ہے کہ اس کے لیے
سمت ہو اور نہ کوئی رنگ اور مزہ۔ ان میں سے پہلا شخص چونکہ زیادہ ترجمانی خیالات میں مبتلا ہے اس لیے
اس کو خدا کی نسبت بھی جسمانی صفات کا خیال ہوا ہے پس اگر اس کے خیالات میں ترقی نہ ہو اور نیز
اگر اس طرح کا جلوہ بھی اس کو ہمیشہ نظر آتا رہے اور وہ اس بنا پر ایک نسبت قائم کرنا چاہے تو یہ مذہب میں ضرور

خدا کو مجسم اور گرفت میں لینے کے قابل مانا جائیگا اور غالباً اسی قسم کی غلطیوں سے بعض قدیم مذہب میں خدا کو مجسم مانا گیا ہے۔ اور اس طرح دوسرے شخص چونکہ خدا کے مطلق اغنیہ و محدود ہونے کو دنیا کے عام اور وسیع خیالات سے مشابہ سمجھتا ہے اس لیے اسکو فضا کی طرح اپنے رہنما اور چلنے پھرنے کا ظرف تصور کرتا ہے اور سیر شخص چونکہ اعلیٰ خیالات میں ان سے متنازع تھا اس لیے تو بہت میں مبتلا نہیں ہوا۔ یہ عقل اس قسم کے مختلف خیالات میں نصف بن سکتی ہے اور علوم یقینیہ کی تطبیق سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان میں سے کونسا خیال قابل تسلیم ہے۔

گویہ کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ نظام کائنات اور عام مناظر قدرت میں غور و فکر کرنے سے انسان میں ذہن سلیم اور فکر صائب پیدا ہو جائے اور بہت الٰہی قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے حق برماطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل ہو چکی ہو اور قریب البتین ظاہر ہے کہ ابتدا و آخر فیض سے موجود نہ تھیں بلکہ قانون ترقی کے موافق رفتہ رفتہ اور نہایت طویل زمانے میں پیدا ہوئی ہیں پس اسی قدر زمانہ گزرنے کے بعد انسان کو کائنات کے مطالعہ سے مذہب کو تحقیق کرنے کرنے کی استعداد میسر آئی ہے۔ ورنہ گذشتہ زمانے میں جبکہ انسان وحشی حالت میں تھا اس وقت کے رہنماؤں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی بڑے عمت از نظر قدرت یعنی معجزہ سے لوگوں کو خدا کی طرف مبائین اس لیے اس وقت کے لیے وہی عجیب باتیں آیتا الٰہ اور برہان توہیم تھیں اور ان کے برخلاف عقل و شعور کے زمانے میں ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر چیز اس کی طرف بلانے کے لیے زبان گو یا کا حکم رکھتی ہے۔

عقل ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے | بلکہ انسانی علوم جب قدر ترقی کرتے جائیں گے اور قوانین قدرت کی پیچیدگیان جبر سے رکھلتی جائیں گی ہی قدر خدا کی قدرت کو ماننے کا سائلان زیادہ مہیا ہوتا جائیگا۔ بیشک خدا کی بڑی قدرت ہو کہ اس نے حرکت کو نہ کرنے کے لیے ہاتھ پائوں اور دلی خیالات ظاہر کرنے کیلئے زبان اور قلم کو مہیا کیا۔ مگر سلیم سے حرکت کا سامان اور بجلی سے نفاذ پیغام کی سہولت دیکھ کر اس سے بھی زیادہ قدرت ثابت ہوتی ہو اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس نے ہلکے سے

غبار میں لاکھوں من بوجھ لیبلنے کی اور غیر محسوس برقی رُو میں ہزاروں کوس ریل کی طاقت لکھی ہے اور اس کیلئے خاص قافلہ سائے اور کسانوں مقرر کیئے ہیں اور جس نے انسان کو عقل دی ہے کہ وہ اوقاف و اوقات کو دریافت کرے اور اوقات قوتن سے کام لے۔ وہ حکیم خوب یہ خدا بری قدرت اور عظمت کا مالک ہے اور بیشک خدا کے خوف سے ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اسکی بے انتہا قدرت کا پتہ لگاتے ہیں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
بیشک بندگان خدا میں وہاں کے خوف خدا پرست علمایں ہیں۔

اور ان قوتوں کو پہچانتے ہیں جو پہاڑوں کو ہلا سکتی ہے زمین کو چکر میں لے سکتی ہیں اور آفتاب و چاند کو ایک خاص نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور پھر بھی مانتے ہیں کہ ابھی اسکی قدرتوں کی کوئی حد نہیں اور بقول نیوٹن اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقت کے ناپیدانہ اسقدر کے صرف ساحل پر کھڑے ہیں۔

اور تو اکر ڈاٹھوں کی وہ تصویر جس کو مذہب کی بیخ و بن سیادہ کھاٹنے والی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے رُو سے انسان و حیوان اور ان کی آنکھ ناک وغیرہ اعضا کی خاص متی نے ابتداء پیدا نہیں کیے بلکہ تمام جاندار ایک ہی نسل سے ہیں جس کے ناقص اور بیکار اعضا کیے بعد کیے معدوم ہوتے جاتے انسان جسکی بصورت متی موجود ہو گئی ہے۔ اس تصویر سے بھی مذہب کے نابود ہو جانے کا خوف ایک تو صدمہ ہے۔ پہلے ہمارے دل اسی صنعت کو دیکھ کر شش کی کرتے تھے کہ ایک ناجیز قطرہ کو کیسے عجیب طور پر پرورش کیا جاتا ہے کہ وہ جمادی حالت سے ترقی کرتے کرتے ایک سر و قامت گلگندار اور عقل فہیم انسان بن جاتا ہے۔ اب اگر ہزاروں صاحب کا خیال درست ہو تو اسکی قدرت کا کرشمہ اور بھی عجیب ہو جاتا ہے کہ پانی کے ایک کیڑے کو ایسی استعداد دیکر بھیج دے کہ وہ نہ صرف اپنی موجودہ جسم حرکت و زندگی کو قائم رکھنے کے قابل ہے بلکہ ترقی کی ایسی قابلیت رکھتا ہے کہ بڑھتا ہے۔ اپنی ناقص اور بیکار اعضا کو بدل دیتا ہے۔ کچھ سے کچھ اور کچھ سے کچھ ہوتا ہوا ریشم بننے والے کیڑے سے رُو ر اور طاقتور بن جاتا ہے اس کو آگے بڑھتا ہے بشیوہی کی حالت سے ہزاروں جیسے ہزاروں سال پیشتر کی باتیں جانتے والے انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس کیڑے کو ایسی استعداد دینے والا کیا کچھ قدرت نہ رکھتا ہو گا۔

اور ابھی تک صرف حیوانات کو ایک غاندان فرض کیا گیا ہے اور نباتات کو غالباً ایک جداگانہ سلسلہ نامہاتا ہے لیکن اگر کہیں یہ پردہ بھی کھل جائے اور معلوم ہو کہ نبات بھی ترقی کرتے کرتے حیوان اور حیوان سے انسان بن جاتی ہے تب بھی خدا کی قدرت پر کوئی حریف نہ آئیگا۔ بلکہ مٹی کے ایک فہرہ میں نبات حیوان اور انسان بننے کی قابلیت پیدا کرنے والا اہل دل کے لیے اب سوزیادہ حمد و ثناء کے لائق ہوگا۔ غرض ان اعلیٰ عالم کے فرائض اور اسباب خواہ کتنے ہی معلوم ہوتے جائیں اور انسان ان کے قاعدے دریافت کر کے سب چیزوں سے سب منشا کا مہ لینے کے قابل ہو جائے تو جزوات تمام عالم کا سرچشمہ ہے اسکی قدرت زیادہ سوزیادہ ثابت ہوتی جہاں سب علم و حکمت کے متوالے طبقات میں کی تحقیق کرتے ہوں یا اجرام سماوی کی حرکات کی تحقیق ہوں قانون مقناطیس سے پیش از وقت نہ لوہ کی اطلاع پائیں یا آفتاب کے واغون سے سبھی کچھ کو سچا مین ہر حال میں اگر داغ کے ساتھ دل بھی کہتے ہیں تو ہر ذرہ خدا کا نام شینگے اور ہر واقعہ سے اسکی شہادت پائیگئے اور انکی اعتراف کرنا پڑیگا کہ اے پیدا کرنے والے تو نے ایسا عجیب نظام محض ایگان نہیں بنایا اور ضرور ہر کوسئی عاکیلیئے پیدا کیا ہے۔

بیشک انسان زمین کی پیدائش میں اور رات و دن تغیرات میں عقلمندوں کے واسطے نشان ہیں۔ مگر کون عقلمند جو خدا کو بیٹھ اٹھے اور بیٹھ یا کرتے ہیں اور انسان زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے پروردگار تو نے اس نظام کو رانگان نہیں بنایا تو پاک اور برتر ہے۔ ہر کوئی کہ عذاب پر غور کرے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَفِي تَخْلُفِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ
الَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى
كُلِّ مَوْضِعٍ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ ذَرِّبْنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا يَا بَاطِلًا
سُجَّكَ فَقَدْ أَغْلَبَ النَّارُ
(آل عمران پڑھو)

بایستہم

ختم نبوت

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ اظہارِ ہرستم نبوت ملکہیں نہیں، فیضانِ وحی بالوہطہ اور بیضا۔ اگر ترقی کرنے والے اپنی حد اسکان تک پہنچ گئے ہیں تو آئندہ قانون ارتقا کا بند بوجانا ممکن ہے۔ انسانی علوم و تعلقات تک ہنسنا ہے۔ ذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔ نہ ہی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب سے ختم نبوت اور مسیحیت سے ختم نبوت اور پارماکر۔ اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتے ہیں؟

ذکر یہ تھا کہ جس طرح پر خاص انسانوں کو علومِ جسمانی میں بعض اوقات میں خاص نکتے ملاحظہ ہیں اور اس طریق سے انسانی عقل ترقی کرتی ہے اسی طرح خاص بندوں کو خاص اوقات میں نکاتِ مغفیب علوم ہوتے رہتے ہیں اور یوں مذہب ترقی کرتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب بالانزہی کا تجربہ ہے اس لئے اُس میں انسان کی طرف سے انفعال اور خدا کی طرف سے قاعلانہ قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کو وحی کہتے ہیں۔ اخص میں معراج اور معجزہ کا ذکر ایک جملہ مستعرض تھا جس کی اہمیت اور نیز اس کے خلاف غلط اعتراضوں کی کثرت کے سبب مضمون کو معمول سے زیادہ طول دینا پڑا۔ اب نفسِ مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں | جلوہ ہائے معرفت جو خدا کے نیک بندوں کو نظر آتے ہیں انکی مختلف شکلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربے و قسم کے ہیں۔ ایک کسی خاص وقت میں یا بعض خاص متون کو اکثر کوئی حضوری ہوتی ہے جو ان کے ذاتی افکار میں یا سلوکِ معرفت کی وقتوں میں سہولت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے لیکن اس کو کسی شکلِ ملکہ کا حل یا جدید عقیدہ کا انکشاف نہیں ہوتا اور اسکو مطلقاً نہیں کشف کہتے ہیں اور جس شخص کو یہ حاصل ہو اگر وہ پہلے سے بالکل درست اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے کشف میں کوئی نفسانی آمیزش نہ ہو تو وہی کہلاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو صاحبِ استیلاج نام پاتا ہے۔ اور دوسری قسم

کے متجسس ہیں جن سے کسی سابقہ نقص اور غلط فہمی کی اصلاح ہوتی ہے اور یہ عقائد اور ذرائع مواصلاتی یعنی عبادات و معاملات کے متعلق خدائی احکام دریافت ہوتے ہیں اور خاص اسی قسم کے تجربے ہیں جن کو مصطلح مذہب میں وحی کہتے ہیں اور یہی تجربے ہیں جن سے مختلف مذاہب پیدا ہوئے ہیں اور جن کے لائبرالوں کو پیغمبر کہتے ہیں۔

بغلافِ حق موت ممکن نہیں | اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے ہی ہوتا آیا ہے یا اسی طور پر آئے گا بھی کشف اور وحی کا سلسلہ جاری رہے گا یا کبھی قوت اس کا بن ہو جائے گی ضرور ہے۔ اور چونکہ عقلی ترقی محی و دہش نہیں ہے اور کوئی وقت ایسا خیال میں نہیں آسکتا کہ انسان آئندہ تو انہی قدرت کو دریافت نہ کر سکے اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے کشف و وحی کے بارہ میں آسان جواب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا مگر اس جواب کو صحیح سمجھنے سے پہلے کسی قدر اور بھی غور کر لینا چاہیئے۔

فیضانِ وحی بالوسط اور یہ وسط | کشف میں چونکہ نئی تعلیم نہیں ہوتی اور محض اس کے سفر کو آسان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کا فائدہ دوسروں تک نہیں پہنچتا بلکہ اکثر اہل تصوف حالات کشف کو محض رکھنا ضروری جانتے ہیں تاکہ کسی طرح تکبر اور عورت نہ پیدا ہو سکے۔ برخلاف وحی سے نہ صرف صاحبِ وحی کو بلکہ عام خلق اللہ کو فائدہ پہنچتا ہے اور غلطیوں کی اصلاح ہوتی ہے اور اس لیے انبیاء پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تعلیم کو شائع کریں۔ پس یہ پیغام جو مطلق اللہ میں شائع کرنے کے لیے اُنقا ہوتے ہیں۔ ان کی انسان تک پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جب کوئی صاحبِ استعداد موجود ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے اس کو وحی کی حاجت ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ جب تک کوئی شخص منصبِ نبوت کے لائق نہ پیدا ہووے نکات اور احکام جو کسی نبی پر اتر چکے ہیں ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچتے رہتے ہیں۔ پہلی صورت کو لائے آف ایوولیوشن یا قانون ارتقا کہنا چاہیئے۔ اور دوسری صورت کو لائے آف مٹی پلی کیشن یا قانون توارث کہنا چاہیئے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ دنیا کے دیگر معاملات میں قانون ارتقا اور قانون توارث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے یا کسی کی وجہ سے اس کا انقطاع بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح پر غور کرنے سے جو قاعدہ ان کے جاری رہنے یا بند ہونے کے واسطہ دریافت ہوگا اسی کی وجہ سے وحی کی نسبت بھی فیضانِ وحی کہنا چاہیئے۔

اگر ترقی کرنے والے اپنا خود امکان تک پہنچ گئے ہیں تو آئندہ قانون ارتقا کا بند بوجھ ضرور نہیں۔ نباتات میں اگر کچھ ایسی بھی دریافت ہوئی ہیں جو جانوروں کو غذا بناتی ہیں مگر ان کو جانور کے بعد کی مخلوق مانکر بھی نباتات کا بڑا حصہ حیوانی غذا سے زیادہ اور حیوانوں سے پہلے موجود مانا پڑتا ہے۔ ان کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوئے ہونگے جو نباتات کو غذا لیتے ہیں اور ان کے بعد وہ حیوان جو گوشت کھاتے ہیں اور انسان کے لیے چونکہ تمام قسم کی نباتات اور قسم کے حیوانات کی ضرورت ہر اس لیے یہ سب کے بعد دنیا میں آیا ہوگا۔ اس سلسلہ کو یقینی ماننے کے بعد اس احتمالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہیں سے قدیم خیال یہ ہے کہ ہر ایک نبات اور ہر ایک جاندار مجبوراً پیدا ہوا ہے۔ اور ایک خیال علیٰ دنیا میں اب حکومت کر رہا ہے کہ سوائے ابتدائی آبی کیڑے کے اور کوئی جاندار ابتداءً معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ اسی کیڑے کی نسل سے بدلتے بدلتے ہر قسم کے حیوانات بن گئے ہیں جسے کہ وہی نسل ٹھہرتے بڑھتے بند۔ بن مانس اور انسان ہو گئی ہے۔

ان دونوں احتمالات کو آپس میں کشمی لپٹتے ہوئے اور نئے کو پرانے کا شانہ زمین پر لگاتے ہوئے چٹھو کر جو امر مشترک دونوں میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نباتات خواہ گوشت خواہ جڑات ایک ہی وقت میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ پہلے بیشک کسی طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ ایسے جاندار اب بھی دیکھے جاتے ہیں کہ کشتی خفجہ جگہ یا گندہ موسم میں نباتات جلدی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر انکی نسل یعنی شروع ہوئی ہو گئی تھی کہ جب وہ وقت آیا ہوگا کہ ان سے بڑا کوئی اور جانور بھی نہ رہ سکے تو وہ موجود ہو گیا ہوگا۔ خواہ کیڑے میں ہی یہ تعداد آگئی ہو کہ وہ میٹڈک مچھلی کی شکل حاصل کرے یا سطح زمین پر قابلیت ہو گئی ہو کہ اُس میں سے بڑے جانور کا ظہور ہو سکے۔ پھر سب معمول کچھ مدت اس جانور کی نسل چلی ہوگی اور ایک وقت پر اس جانور کی یا سطح زمین کی تمام راد کامل ہونے پر کوئی تیسری شکل ظاہر ہوئی ہوگی اور پونہی سلسلہ جاری رہا ہوگا کہ کچھ عرصہ تک یہی جانور نسل در نسل چلا آتا ہوگا اور

کسی وقت میں کوئی نئی صوت پیدا ہوتی رہی ہوگی حتیٰ کہ ایک وقت پرانے سبکے برابر آراستہ ہونے کے بعد حضرت انسان کا جلوہ نمایاں ہو رہا ہوگا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی ایک نوع میں یا سطح زمین میں دوسری شکل پیدا کر نیکی استعداد نہ موجود ہو یا ناقص ہو تو قانون توارث عمل کرتا ہے اور ہرن کا بچہ ہرن اور بکری کا بچہ بکری پیدا ہوتا ہے یعنی قدرت کا اثر باپ کی وساطت سے بیٹے تک پہنچتا ہے اور جب یہ استعداد کامل ہو جاتی ہے تو قانون ارتقا قانون توارث کی جگہ لیتا ہے اور ایک اور حیوان کی شکل بننے میں آتی ہے یعنی قدرت براہ راست عمل کرتی ہے اور بیٹے میں وہ بات پیدا ہوتی ہے جو باپ میں نہ تھی۔

لیکن انسان کو وجود پذیر ہونے پر اگر مادہ میں حسین تک ترقی کرنے کی استعداد و ولایت تھی یا اگر خدا کا ارادہ و نیامیں اسی نوع تک پیدا کرنے کا تھا تو کہنا چاہئے کہ آئندہ اس سلسلہ میں قانون ارتقا کا خاتمہ ہو گیا اور اب قانون توارث سے انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا ہو گا۔ اگرچہ ایک اور سلسلہ میں یعنی انسان کی عقلی قابلیت میں قانون ارتقا اب بھی عمل کر رہا ہے مگر اس وقت ہم حیوانی شکل و صورت کے سلسلہ کو دیکھ رہے تھے جس کے بدلنے سے نوع حیوانی کا نام بدل کر کبوتری کے بعد شیر اور بندر کے بعد بن مانس کہنے لگے مگر میں اور عقلی ترقی سے ایسا تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا فلاسفر دونوں کا نام انسان ہی رہتا ہے۔

اچھا تو شکل و صورت یا انواع حیوانی کے سلسلہ میں قانون ارتقا کی نسبت سوال ہونے پر یہ عام جواب کہ قانون ارتقا کسی بندہ ہوگا، بالکل غلط ہے بلکہ سچا جواب یہ مشروط جواب ہوگا کہ اگر مادہ اپنی وقتی شکل تک پہنچ گیا ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا اور یہ معلوم ہے کہ مادہ کی انتہائی شکل انسان ہے اس لیے یوں بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا۔

ابھی کے بارہ میں قانون ارتقا کے بنیاد یا جاری و منقطع کا سوال ہو تو اس کی نسبت بھی عام

فیصلہ غلط ہو گا اور سچا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کے لیے جہاں تک خدا کو پہچانا ممکن ہو اگر وہی کے تجربے اس حد تک پہنچ چکے ہیں تو اس سلسلہ میں بھی منت ازلہ کا کچھ گنجائش نہیں۔ اور اجماع کا یہ مسئلہ جو ایک دفعہ قانون ارتقاء کے روسے قدرت کے براہ راست عمل کرنے کو کسی انسان پر کشف ہوا آئندہ قانون توارث کے روسے ایک انسان کو دوسرے انسان تک پہنچتا رہیگا جس طرح پریش کا سلسلہ غلامی میں حیوان تک پہنچنے کے بعد قانون ارتقاء سے انسان پیدا ہوا ہے اور آئندہ صرف قانون توارث کے روسے انسان سے انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور اب کسی حیوان سے یا زمین سے انسان پیدا نہیں ہوتا۔

مگر آگے یہ وقت پیش آتی ہے کہ سلسلہ حیوانی میں مادہ کی انتہائی صورت یقیناً معلوم تھی کہ وہ انسان ہے اور مذہبی سلسلہ میں خواہ تاریخی طور پر وحی کی انتہائی صورت معلوم ہو سکتی ہو مگر دنیا میں وحی کا جو مادہ عوام کے ذہن میں بھی ہوتے آئے ہیں اس لئے مثبت دعوے سے پہلو کشی شکل کو انتہائی کمال غلط ہو گا پس جیسا جاب حیوانی سلسلہ میں دیا جاسکتا ہے کہ اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقاء ختم ہو گیا۔ اس قسم کا جواب مذہب کے بارہ میں نہیں ہو سکتا بلکہ پہلی جگہ یوں کہنا پڑے گا کہ اگر کلمہ وحدت و جہود کا واقعی جلوہ ہے جس تک انسان پہنچ سکتا ہے تو جس شخص نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تعلیم دی ہے وہ خاتم الانبیاء ہو گا اور پیچھے آنے والے سب اسی کے خوش چین ہوں گے اور اگر خدا کا انسان کی شکل میں حلول کرنے کا یا بیٹے کی شکل میں آنے کا مسئلہ خدا کا واقعی جلوہ ہے تو انبیاء علیہم السلام سب سے آخری نبی ہے۔ یا اگر خدا کی نسبت واقعی علم یہ ہے کہ وہ بغیر مادہ اور صوح کے دنیا کو پیدا نہیں کر سکتا تو اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والا آخر المرسلین ہے اور اسی طرح دنیا کے ہر انبیاء کی نہایت کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو واقعی کشف ہو گیا ہے تو پھر خدا کی طرف سے کسی اور نبی پر وہی مسئلہ القا کرنے کی ضرورت نہیں اور آئندہ محض اسی انسان کی وساطت سے واقعی تعلیم رائج ہو سکتی ہے۔ اب اس کے عقل کی وساطت سے یا جس طرح بھی ممکن ہو یہ تلاش کرنا انسان کا فرض ہے کہ ان صورتوں میں سے کونسی صورت ہے جس کو خدا کا واقعی جلوہ کہا جائے۔

انسانی علم صرف تعلقات
مکتبہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چونکہ خدا غیر محدود و ہر اسلئے اہل حقیقت تک پہنچنا محدود
انسان کے لیے ناممکن ہے مگر یہی صورت مادی علوم میں پیش آتی ہے

انسان مادہ کی حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا اور اس کا مبلغ علم صرف اس قدر ہو کہ اس کے بعض
اوصاف اور تعلقات سے واقف ہو اور اس کے علم کی صحت یہ کہ ان تعلقات اور اوصاف تک
پہنچ جائے جو واقعی مادہ کے اندر موجود ہیں اور غلطی یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور اوصاف کا یقین کئے
جو ہمیں نہیں ہیں مثلاً ہم سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کو کیسا ہی تحلیل و ترکیب کرنے کے قابل
ہو جائے اس کی حقیقت سزا آتا نہیں گے اور صرف اس کے بعض اوصاف معلوم کر سکیں گے مثلاً یہ کہ وہ سیدھا
ہے یا کڑوا ہے اور اس کے اندر اس قدر اجزاء ہیں پس اگر ہم نے سمجھا کہ وہی اوصاف دریافت کئے
ہیں جو واقعہ میں اس کے اندر ہیں مثلاً یہ کہ اس کو ایک خاص وزن تک کھانے سے انسان مر جاتا ہو
تو ہمارا علم صحیح ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی اور یقین پیدا ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اس کو انجان کی طرح کھانے سے
خدا کا کام لے سکتا ہے تو ہمارا علم غلط ہے۔ ٹی کٹر پندرہ کہتے ہیں۔

”سائنس کی ترقی جہاں تک بھی ہو اس سے صرف اندرونی اور بیرونی تعلقات کی تکمیل ہوتی ہے
(ایک مثال یوں دیتے ہیں) ایک تیر کی سی نبات کی خاموش شبو سے اس کو کھانے لگتی ہے تو اس
اس کے اندر خوشبو کا تصور ایک حرکت پیدا کرتا ہے یعنی خوشبو جو بیرونی چیز ہے اس کو تیر کی
دل میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور جیسا خوشبو کو درخت سے تعلق ہے ویسا ہی اس تصور کو کھانے سے
تعلق ہے۔ اور اسی طرح تیر کی کے قد و قامت رنگ و ٹھنک اور قرب و بعد کی نسبت کو دیکھ کر چڑیا
کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس کو کھانے کو دوڑتی ہے اور اسی طرح عقاب
چڑیا کو دیکھ کر چڑیا کے اندرونی حرکات و سوانح پر عصبانی اور جانی حرکات کے ساتھ چڑیا پر
بھڑکتا ہے اور ان سب کے اوپر شکاری ہے جو عقاب کی شکل اور اس کے قرب و بعد وغیرہ کے علاوہ نبات
کے اثر اور مختلف کام کر رہا ہے تو زمین قدرت کے اوضاع و اطوار سے متاثر ہو کر بد وقت بناتا ہے

اور بارہو ہر کار و اسکے اثر کا قانون دریافت کیے عقاب کو مارنا چاہتا ہے پس چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر میں مشمول قوت عقلیتہ مادہ جہ غایت اندرونی اور بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل مطابقت اور درستی کا نام ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے اسکی نہایت سادہ شکل یہ ہے کہ اندرونی حالات اور بیرونی سائل کا کیفیہ علم جو جیسے تیزی کو خوشبو اور کھانے کے تعلق کا علم ہے اور اس سے اعلیٰ شناخت ذرا اور پیچیدہ اندرونی اور بیرونی تعلقات کو معین کر لینا ہے جیسے کہ انسان نے عقاب۔ لوبا اور بارہو کو دیکھ کر جانور کو مارنے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ پس عقل و ذہانت کی یہ کارروائی کیسی ہی اعلیٰ ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہو اور اس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے اور نہ بیرونی وسائل کو۔ صرف اتنا جانتی ہے کہ کوئی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے (مثلاً خوشبو کے ساتھ نبات) یا کس چیز کے بعد کوئی چیز آتی ہے۔ (مثلاً بندہ وقف چلانے کے بعد جانور کا مارنا) پس مدت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک درپٹ کر لین اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک دریافت نہ کریں۔ غرض تفکر چونکہ تعلق دریافت کر نہ کیا نام ہے اسلئے کوئی قوت متفکر تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی؟

ذہب بھی محض ظاہر و مخلوق کے
تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔
غرض جب ہماری کل کائنات تعلق ہی کو دریافت کرنا ہو تو خدا کے
لا محدود ہونے کو اور دریافت حقیقت ممکن نہ ہونے کو بہانہ بنا کر تلاش
معرفت سے پہلو ہٹ کرنا انسان جیسی عقلی ہستی کی شان نہیں اور جب ہم حقیقت کسی چیز کی بھی فریت
نہیں کر سکتے تو جس طرح مادی علم میں صرف مادہ کے تعلقات پر قناعت کرتے ہیں اسی طرح بیان بھی
خدا اور مخلوق کے تعلقات کو دریافت کرنا؟ انتہائی نظر مہر کا اور نہ سب اپنی تعلقات کو دریافت کرنا
کا دعویٰ کرتا ہے ایک کہتا ہے کہ مخلوق اور خالق کا تعلق یہ ہے کہ ایک ہی ہستی مختلف مظہر و درجہ میں
جلوہ کر رہی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایک نے دوسری کو نسبت سے ہست کیا ہے اور تیسرا دعویٰ کرتا ہے کہ
ایک نے دوسری موجود چیز کو مختلف شکلیں عطا کی ہیں۔ اسی طرح ایک کہتا ہے کہ جب تک وہ کسی خاص قسم
شکل میں جلوہ نہ کرے انسان اس تک نہیں پہنچ سکتا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس تک پہنچنا ہوتا تو تمام

خاص چیزوں سے پردہ دیکھو۔ اور قیاسی تعلقات میں حقیقت دریافت کر نیکادعوئی ان میں کبھی نہیں
 بھی نہیں اور انہی تعلقات میں غور کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ہمارا فرض ہے۔ اس تحقیق میں اگر ہم
 اس نتیجے تک پہنچ جائیں کہ فلان قلعہ قمع تعلقی سے توہی کی تعلیم دینے والے کو خاتم اللہ ہر کھینے
 اور اگر بالفرض کسی تعلقی کو بھی واقعی نہ کہ سکین تو اس صورت میں بیشک مذہب کی آئندہ ترقی کا احتمال
 باقی رہے گا۔ مگر اس صورت میں بھی مذہب کے کھلے اعراض کرنا یا بالکل بے سوچے سمجھے کسی ایک پر کاربند
 ہونا غلط ہوگا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے واقعی غلط کون ہے اور قریب بصدرت کون۔ اور جو قریب
 بصدرت ہوں ان میں سے سب سے ترقی یافتہ اور بالاتر کون ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر سب سے بالاتر
 پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ کیونکہ جب تک عقل کو معلومہ قوانین قدرت سے بالاتر قوانین دریافت کرنے کی استعداد
 نہیں ہوتی عقل کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ معلومات میں جو سب سے تر ہو ان پر کاربند ہو اور اس سے
 پہلے کے معلومات کو جو غلط ثابت ہو چکے ہیں ترک کرے۔ مثلاً جب تک انسان پانی اور ہوا وغیرہ
 کو تحلیل نہیں کر سکا اور بعض اصرار پتھیں کرتا رہا اور جب ان چیزوں کے اجزاء دریافت ہو گئے تو ان
 اجزاء کے تحلیل کا احتمال بھی باقی ہے مگر جب تک وہ وقت نہ آئے انسان کا فرض ہے
 کہ اگر پانی وغیرہ کو عنصر کہنے پر اصرار نہ کرے اور جو اجزاء دریافت ہو گئے ہیں ان کو عنصر مانکر اپنی
 نتائج اور مختلف فنون و صنعتوں کی بنیاد اسی اصول پر رکھو۔ اسی طرح کسی مذہب کو سب سے ترقی یافتہ
 تسلیم کرنے کے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اس سے کمتر مذہب پر اصرار نہ کریں اور اس بالاتر مذہب کو مانکر اپنی
 عارفانہ رفتار میں اسکی ہدایتوں پر کاربند ہوں۔

غرض ہم ختم نبوت کے نتیجے پر پہنچیں یا بحالت موجودہ سب سے بہتر مذہب کو معلوم کریں تو ان
 حالتوں میں عملی نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور اٹھ پاؤں توڑ کر میٹھ رہنے یا ہر کسی کو ناکس کے دروازہ سے
 بھیک مانگنے کی بجائے کوشش کرنا اور ایک دروازہ تک پہنچنا ضرور ہوگا۔ مگر اس کوشش میں عیب
 ہی جلوہ معرفت ہونا چاہیے۔ کیونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے خدا کی شناخت ہی
 اس کے نتائج کا معیار ہو سکتی ہے۔

ہی کی کثافت سے
لافت کی جانب سے

اب خدا کی شناخت کو ختم نبوت یا ترجیح مذہب کا معیار گردان کر واقعی حسابو

معرفت تلاش کر نیکی کے لیے اُن استدلالوں کے علاوہ جو یہ دینی شہادت پیش

کئے جائیں خود مذاہب کے اندرونی تغیر و تبدل اور ترقی کی روش سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ

سے ابتدائی مذاہب جو دنیا میں پائے جاتے ہیں اُن میں کسی بالکل محسوس اور معین چیز کو اور اکثر

فات ایسی کئی کئی چیزوں کو معجزہ گردانا گیا ہے اور اس طرح خدا کو محسوس۔ محدود۔ مقتیدہ۔ ناقص۔ غانی

نیز سمجھا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ سب سے ابتدائی شکل ہے اسلئے اس کے علاوہ اوجین فذو کلین مذہب میں پدا

ہیں اُن مذہب کو اس شکل سے ترقی یافتہ اور صداقت سے قریب تر سمجھنا چاہیئے اور پھر جب ان شکلوں

دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خدا کی محدودیت اور نقصان وغیرہ میں زیادتی نہیں

ہی بلکہ درجہ بدرجہ اسکو غیر محدود و مطلق۔ کامل۔ دائم اور نامتناہی مانا گیا ہے مثلاً ذرت پتھر تو ترقی

کرتا ہے تو اگرچہ خیال دنیوی پسندوں کی طرف ہی گیا ہے مگر ذرت پتھر سے لطیف تر یعنی پانی

بہتر اور غیر کو خدا مانا ہے۔ اس سو آگے اس سے لطیف تر یعنی پانی اور آگ کے مابین اور دینا فرض کئے

ہیں اور اس کے بعد بتدریج بڑھتے برکتے اور دنیوی پسندوں کا لطیف سے لطیف درجہ فرض کرنے

کے تمام دنیا کا مجموعہ اور پھر اس سے آگے تمام دنیا کا امر انتزاعی یعنی درجہ اطلاق خدا مانا گیا ہے

پھر دنیا سے پرے اور تمام شیا سے برتر اور اعلیٰ ہستی تک پہنچے ہیں اور مانا ہے کہ خدا تمام شیا

کا تمام کائناتوں سے پاک۔ تمام لطافتوں سے متصف اور عقل و قیاس سے برتر ہے۔ مگر نہایت کثیف

یعنی محسوسیت سے آفاذ کر کے ایسے لطیف درجہ تک آنا اور اس کو پورے طور پر دل میں جگہ دینی آسان

یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کی تشکیل خدا کی طرف سے پہلے مذہب پیدا کیا گیا ہے اور

پھر یہ کہ اثر سے جیسا انسان نے تلاش شروع کی تو سب سے پہلے وہ محسوسات ہی کی طرف جھکا پس یہ ایک تئیش ہے

مان کے تصور کو شریعہ الہام بانی کے ساتھ جو گئی اور علیٰ ہذا القیاس اس کے تنجیس نبی نے تعلیم دی کہ خدا پتھر میں ہے

بروخیو کا خالق ہے تو جن طاقتوں کو زمین نے جارات اور نباتات میں تغیر ہوتا دیکھا انکی طرف جھکا گئے۔ اور اس طرح آخر

دفعہ سے مذہبی ترقی اور ایک غلط قیاس سے غلط آئیش ہوئی گئی۔

انسان کام نہ تھا چنانچہ جب پہلے پہل اس درجہ تک پہنچے ہیں تو اس عقیدے نے اُنہی شکل میں جان سے مل تک آنے اور اعلیٰ حالت پر اثر کرنے میں بہت وقت صرف کیا اور خدا کو واقعی سب سے برتر کہنے کے بعد کسی نے نیتی نیتی یعنی خدا نہ یہ ہے نہ وہ ہے کہتے کہتے نقائص سے پاک ماننے کے علاوہ کئی تمام صفات کا ملکہ کو بھی اڑا دیا۔ اور اگر فلسفیانہ چھان بین کے وقت ہم کسی چیز کی ذات کا خیال اور اس کی صفات کا خیال جدا جدا ذہن میں لا سکتے ہیں اور اسی طرح ذات کے مرتبہ کو تمام صفات سے منقطع تصور کر سکتے ہیں۔ پس ذہنی عمل جو کا ورنہ خارج مین کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہو سکتی جو کوئی صفت رکھتی ہو کیونکہ اس کو موجود مانکر کم از کم وجود کی صفت ضرور لاحق کرنی پڑتی ہے پس خدا کو نیتی نیتی کہہ کر تمام صفات سے منقطع کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ موجود بھی نہیں اور صرف ذہن نے دیگر موجودات کو دیکھ کر اس کا تصور قائم کر لیا ہے پس گویا اس نے ہر سب سے موجودات عالم کو تحلیل کرنے کرتے اس کے آخری درجہ یعنی حالت طلاق تک پہنچ کر اس کو خدا مان لیا ہے اور مذہبی جذبہ جو خدا کو موجود اور ہر حال میں ہر چیز کا حامی و ناصر ماننے کا تقاضا کرتا ہے اور نیز جلوہ ہائے معرفت جن میں بالعموم خدا کا دیدار بطور ایک موجود فی الخبیث کے ہوتا ہے ان دونوں کو اس مذہب سے تعلق نہیں جو او را بقول ولیم جیمس گویا یہ علم منظر کا ایسا حقل ہے جو بصارت والوں کے تجربہ پر مبنی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اور مذاہب نے اپنے اپنے خدا سے خدا کو برتر از قیاس کہا مگر علماء اس اعتقاد کی تردید کی اور جب اس کے برتر از قیاس ہونے کو دل میں نہ جاسکے تو کبھی کسی مرتب کو اس کا خاص جلوہ گاہ فرض کیا اس کے بعد کبھی کسی انسان میں اس کا ظہور مانا اور اس طرح پر خدا کو اس کے درجہ سے نیچے لاکر عبادت ایسی چیز کی شروع کی جو محدود و متعین اور ہر طرح سے ناقص ہے نہ وہ برتر از خیال و قیاس ہستی۔ اور پھر کبھی اسکی ذات کو برتر مانا مگر اسکی صفات کو برتر ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اسکی قدرت کا انسانوں کی قدرت بر قیاس کر کے خالیت وغیرہ میں اس کو مادہ کا محتاج ماننے لگے۔ ان سب کوششوں کے بعد معرفت کا وہ درجہ ہے جس میں خدا کو برتر از احساس (کائنات کے اک انحصار و انہماک پر) برتر از قیاس (کائنات کے محیط و انہماک پر) برتر از قیاس (کائنات کے محیط و انہماک پر) تمام صفات کمال سے متعین

(وَلِلّٰهِ الْاَكْمَالُ الْكُتُبُ الْعَرَفُ الْبَارُوعُ) سب سے بے نیاز واللہ الصمد بارہ (افضل) ذات و صفات میں کتنا رکت اَلْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اِنَامُ بَارُوعُ) اور تمہارا لائق عبادت (کالاہ) اَلَا ہُوَ اِنَامُ بَارُوعُ (۱۲) اور ہر چیز کا خالق (خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ) اِنَامُ بَارُوعُ (۱۳) مانا گیا اور اُس وقت وہ ترقی جو معرفت کے بارہ میں کثافت سے لطافت کی طرف شروع ہوئی تھی ختم ہوئی کیونکہ دائرہ کے ایک نقطہ سے عین مقابل نقطہ تک اور بالکل کشیف ہو کر ال لطیف تک پہنچ گئی ہے اور یہی انتہا ترقی اور کمال معرفت ہے۔ اس کے بعد کہ دنیا آسان ہے کہ آئندہ معرفت کی وحی ہوتی ہو گی مگر صرف گمان پیدا کر لینا اور ہے اور کوئی مقبول وجہ پیدا کر کے آئندہ کی امید باندھنی اور ہے بیشک خدا غیر محدود ہے اور انسان اُسکا احاطہ نہیں کر سکتا مگر انسان کے وسطے کمال معرفت بھی ہی تھا کہ اس کو تلاش کرنا ہوا اُس یقین تک پہنچ جائے کہ وہ سب بالا ہے اور اپنی صفات کمال میں کسی چیز کا محتاج نہیں اور ہم اُسکی ناتی اور صفاتی کہ نہ نہیں پہنچ سکتے اور نہ صرف زبان پر عجبا کا اعتراف کرو بلکہ کلام بھی کسی اور ناقص سپینہ کو بخدا کا مظہر یا اُس کا شریک ٹھانے اور عبادت کرنے کے وقت محدود و شبہا پر دھیان نہ جھائے بلکہ عبادت بھی اس بزرگ پرستی کی اُسی بزرگ حیثیت سے کہے اور جب اعتقاد اور عمل کے اس درجہ تک سائی ہو جائے تو آئندہ انسان کیلئے کوئی وجہ باقی نہیں اور مذہب اور وحی اور نبوت ختم ہو گئی۔ البتہ دوسرے قسم کے جلوہ ہائے معرفت حج انسان کو سلوک معرفت میں اطمینان بخشنے والے اور قر و صبا ل کی خوشخبری دینے والے ہیں ہمیشہ انسان کی اپنی حیثیت کے موافق موتے ہیں گے کیونکہ ان کے بغیر مالک کو منازل طے کرنے میں کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا +

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانَ یَتَقُوْنَ لَہٗ اَللّٰہُ شَرِیْکُ
فِی الْحُجُوْمِ اَلْ دُنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ (یونس پارہ ۷)
عَنْ رَّجُلٍ مِنْ اَہْلِ مِصْرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الدَّوْدِ
عَنْ رَّجُلٍ اَللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لَہُمْ اَلْبَشَرُ فِی الْحُجُوْمِ
اَلْ دُنْیَا فَقَالَ مَا سَأَلَنِیْ اَحَدٌ غَیْرَکَ اِلَّا رَجُلٌ

جو لوگ ایمان لائیں اور متقی ہوں ان کے لئے
بشر ہے جو دنیوی مسیت میں اور آخرت میں۔
قیام مصر میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ابو دزدانی
اسعد سے سنا کہ تم تعزائی کے بارہ میں سوال کیا تو اہل البشر ہے
ابو دزدانی نے کہا کہ جب میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَاِحَدٌ مِّنْهُمْ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
مَا سَأَلْتَنِي عَنْهُ اَحَدٌ غَيْرُكَ فَمِنْ اَنْزَلْتُ
عَنِّي لَمْ يَزَلْ يَأْتِي الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ
اَوْ تَرَاهُ لَهَا -

(ترمذی - ابواب الرؤیا)

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمْ يَزَلْ يَرِنُ مِنَ السَّمَاءِ
اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ لَوْ رَأَى الْبَشِيرَاتُ قَالَ
الرَّوْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری باب المبعثرات)

سے اس آیت کا مطلب پوچھا ہے مجھ سے تم سے پہلے
ایک شخص کو سوا اور کئی نے نہیں پوچھا اور جب میں جناب
رسالت نے جس سے پوچھا ہے تو آپ نے ہی فرمایا تھا کہ جب سے
آیت انزلی ہے مجھ کو تیرے ساتھ کسی نے اس کا مطلب نہیں
پوچھا۔ بشرطے ہو مراد نیک غلاب ہو جو مسلمان ہو سکتا ہے
یا اس کے بارے میں کسی اور مسلمان کو غفلت ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم کو فرمایا تھا کہ نبوت میں سے مبعثرات کے
سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبعثرات
کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نیک غلاب۔

ختم نبوت اور منسپس ہر برٹ اسپنس اپنی فلسفیانہ نظر سے موجودہ درجہ معرفت آگے ایک اور درجہ
کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایک وقت پر خدا کو ایسا مطلق ہے مطلق اور برتر ہے ہر سمجھا جاوے گا
کہ اس کی طرف کوئی صفت منسوب نہ ہو سکی اور انسان ہر ایک حیثیت سے اس کو ناقابل فہم یہ تسلیم کر لے گا۔
ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر طرح کا کمال اور جن جو آج انسان خدا کی طرف منسوب کرنا چاہے اور وہ ہر طرح
کی امداد اور اعانت جو اس کی طرف سے پہنچنے کا یقین کرتا ہے یہ سب خیالات و درود و مائیں گے اور صرف
خدا کا اقرار ہو گا اور کچھ نہ ہو گا اور ان کے نزدیک ترقی اس وقت ختم ہو گی۔

انصاف کی نظر میں منسپس کی اس ترقی کو دیکھ کر ویدانت والوں کی فلسفیانہ باریک بینی کا احترام
کرتی ہے کہ انہوں نے بہت عرصہ پہلے سے خدا کی نسبت اسی قسم کے خیالات تعلیم کئے ہوئے ہیں
فرق اگر ہے تو اس قدر کہ عمر و حادث وجود کو ماننے والے اور غالباً ویدانت فلاسفی کے پیرو بھی فرق
مقابلہ کو ملتے ہیں اور ان کے نزدیک مرتبہ ذات بحت (خالص) سب سے اول ہے اور اس مرتبہ

لے کتاب فرہٹ پرنسپلز آخر باب پنجم۔

میں ان کے ساتھ کسی صفت کا انساب نہیں ہوتا اور پھر مرتبہ احدیت اور واحدیت وغیرہ کے بعد مرتبہ صفات مانا جاتا ہے اور اس درجہ میں ہر طرح کے صفات کمال ایسی طرف منسوب ہو سکتی ہیں مگر مرتبوں کا یہ تمام استیلاز اور تفریق صرف ذہن میں ہو سکتی ہے اور خارج میں جو ذات موجود ہے اس میں تمام مراتب متحد ہوتے ہیں اور سطر سپنس خدا کے وجود خارجی کو تمام مراتب سے معز اور محض ذاتِ بحت کا درجہ لے لیتے ہیں۔

مگر حقیقت میں جیسا کہ میں ذکر آیا ہوں ویدانت کی خیتی خیتی اور سپنس کا ان فوایبل و دونوں عقیدے فلسفہ کی پیشکش ہیں۔ جذبہ مذہبی کی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ کیونکہ جذبہ مذہبی نے جس تہ پر ترقی کی ہے اس میں خدا کو بیشک کثیف و لطیف ماننا چلا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کو حسن و کمال میں بیشتر از بیشتر ماننا آیا ہے پس اس سربزگی ترقی کا ختم تمام اسی درجہ پر ہو گیا ہے جہاں اس کو ہر طرح کی لطافت اور ہر طرح کے حسن کمال میں ایسا اونچا مانا ہے کہ عقل اس تک پہنچ نہیں سکتی۔ ایسے آگے اگر اسکی طرف صفات کو منسوب کرنے کو بھی انکار کیا جائیگا اور انکا میں صفات بھی نفی ہو جائیگا تو یہ ترقی دہوگی بلکہ دائرہ کی ایک تہ سے آگے بڑھ کر نیچے کی طرف اترنا ہو گا۔ اور بیشک اگر کائنات کی ترقی مذہب کی طرف سے بے پردائی اور جذبہ مذہبی کو دبانے کی کوشش ہو چکی ہو رہی ہے اسی طرح جاری رہی تو مذہب اور خدا سے انکار کرنے کا پہلا زینہ یہی ہو گا کہ اگر خدا ہے تو وہ حسن و خوبی کا خدا نہیں ہے بلکہ مخنصر درجہ اطلاق و بہت سی موزوں ہے اور اس کے بعد اس رستہ پر ترقی کرنے کا ختم تمام یوں ہو گا کہ نہ صرف صفات بلکہ خود ذات بھی کوئی چیز نہیں ہے اور اس وقت دائرہ مذہب کی عروجی اور نزولی دونوں قسین ختم کہے انسان اسی نقطہ پر پہنچ جائیگا جہاں سے ابتداء سے وحشت میں چلا تھا۔ اور ہم مانتے ہیں کہ اس نقطہ پر پہنچنے والا شخص اگر اسکو نبی کہا جائے تو مذہب کو نابود کرنے والے انبیاء میں خاتم المرسلین ہو گا مگر مذہب کو ترقی دینے والے نبیوں میں خاتم الانبیاء وہی ہے جس نے مذہب کو موجودہ ترقی تک پہنچایا۔

مستر سپنس اپنی ایجاد کردہ معرفت میں اتنا نقص تسلیم کرتے ہیں کہ بحالت موجودہ انسان

اس کو ماننے کے لٹو تیار ہے اور نہ اس کو ماننا اس وقت انسان کی اخلاقی حالت کو درست کر نیکو قابل ہو گا بلکہ اس کے برخلاف نہایت ناگوار نتائج مرتب ہوں گے کیونکہ آج تک کی تہذیب میں انسان اور است پر اسی خیال سے قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی خدا ہے جو اگونیکی بی بی کا بھل دیتا ہے اور اپنے تعلقات و دوستی سے اس پر ہر وقت تعریف رکھتا ہے اور اگر خدا کو تمام صفات سے معرمانا جائے تو جزا و سزا و تعلقات و دوستی بھی چونکہ صفات میں اس کی طرف منسوب ہینگے اور انسان بالکل آزاد ہو جائیگا۔ گریہ کہتے ہیں کہ جس وقت انسان تہذیبی حالت کے کمال تک پہنچ جائیگا اور سمجھ لیگا کہ نیک و بد اعمال کے نتائج بے انتہا پھیلے ہوئے چل جاتے ہیں اور خود بخود ظاہر ہوتے ہیں تو اس وقت خدا کی نسبت ایسا بلند عقیدہ مناسب ہوگا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان ایسا مذہب ہو جائے تو اس وقت بھی ایسے خدا کا انکار کیا فائدہ دینگا کیونکہ جب نیک و بد اعمال کا اثر خود بخود پہنچا تسلیم ہو جائیگا اور صفات خداوندی کی نفی سے انسان کے ساتھ اس کا کس طرح تعلق ہی ناہنجائیگا تو اس وقت ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہوگی۔ پس عیسائی کہتے ہیں کہ یہ عقائد خدا کو نہ ماننے کا پہلا ذریعہ ہوگا اور یہ درجہ مذہبی تنزل کی ابتدا ہوگی نہ اسکی ترقی کی انتہا۔ البتہ ڈاکٹر پنسر کی تقریر سے جس کا خلاصہ مندرجہ نقل کیا ہے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر انسان ترقی کر تا ہو جائیگا تو بد نتائج کے سلسلہ کو چشم عقل سے دیکھنے کے قابل ہو جائے تو اس وقت خدا کو ماننے کے بغیر بھی اخلاق قائم رہ سکتے ہیں۔ مگر اول تو یہ صورت جب خیال میں آسکتی ہے کہ ہر فرد بشر عقل و غور میں پنسر ہو جائے جو ایک امید موہوم سے زیادہ نہیں اور دوسرے ہی بحث کہ اخلاق خدا کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہیں ہمارے اس موضوع سے باہر ہے کیونکہ یہاں جذبہ مذہبی اور اسکی ترقی کا ذکر ہے نہ جذبہ اخلاقی اور اس کے وجود عدم کا اور جذبہ مذہبی کی نسبت ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کو ماننا ہے اور اپنے خدا کو ماننا ہے اور شریعت کا خدا خدا تو شائد ہو مگر اپنا خدا نہیں۔ اس لیے یہ جذبہ مذہبی کا تنزل ہو گا نہ ترقی۔

ختم نہت ادب پارکر | مسٹر ٹی پارکر اگر ختم نہت کے لفظ سے گھبراتے ہیں مگر ایلیس و نیوٹن نے

مکمل مذہب کی تلاش ان کو بھی ہے چنانچہ اس کے لیے ایک معیار قائم کرتے ہیں اور پھر اس معیار کے مطابق تعلیم دینے والے مذہب تک پہنچتے ہیں اور اپنے نزدیک اس مذہب کو سب سے مکمل اور اس کے اصول کو دائمی ثابت کرتے ہیں چنانچہ یہ معیار قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”مذہب بجز محبت کی قسم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے گو یہ دونوں ان دونوں کے لحاظ سے جو ان کے ساتھ پہنچیں اور نیز اس سے بچنے کے لحاظ سے جو ان دونوں کا مقصد و رہا ہے بہت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں مثلاً محبت کا دلوں کی کمر و ہول ہے کسی زبردست، کسی جاہلانہ، کسی عاقلانہ، کسی خود غرضی کے ساتھ کبھی اخلاق کے ساتھ۔ یہ تو محبت کے زیر ایل کے اوصاف ہیں اور پھر ایسا ہی اختلاف اس چیز کے متعلق نظر آتا ہے جس کی محبت کی جائے یعنی محبت اولاد کی، برائی سے یا برائی کی یا درست کی یا اسکے سوا اور۔ اسی طرح مذہب کے مختلف عنصر ہیں یعنی مذہب کبھی عقیدت کے ساتھ، کبھی خوف کے ساتھ، کبھی دانائی کے ساتھ، کبھی بہالت کے ساتھ، کبھی محبت ہو اور کبھی نفرت سے۔ اور اسی طرح مذہب کا مطلوب کبھی ایک چیز ہوتی ہے کبھی بہت چیزیں اور کبھی تمام چیزیں۔ اور ایسا ہی کبھی اسکو بالکل مکمل مانا جاتا ہے اور کبھی محدود۔ کبھی علم کبھی ہمتوں اور کبھی ناقابل الفت“

اور پھر آگے چل کر مکمل مذہب کی تعریف کرتے ہیں کہ

”مکمل مذہب خدا کے فتانوں کی کامل اطاعت کرنا۔ جسم کے ہر ایک عضو اور روح کی ہر ایک طاقت

کو مناسب استعمال یا تنجیل اور تربیت جو خدا کی خدمت بجا لانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکھنا،

جس سے زندگی میں انسان کی تمام طاقتیں جہان تک کر سکیں ہم امنگی اور تمام سے کام کریں“

یہ عیاریات ائمہ کریمینکے بعد وہ سب سے مکمل ملنے ہیں کیونکہ اس کے اصول میں داخل ہے کہ

”تمام انسانوں سے یہی محبت کرو جیسی اپنے آپ ہو اور خدا کے ساتھ سب سے اور“

مشرط پارسہ کی پہلی تقریر سے جس میں انہوں نے مذہب کی مختلف شکلیں بیان کی تھیں گمان ہوتا

تھا کہ وہ واقعی نتیجہ تک پہنچ گئے کیونکہ اس میں مذہب ماننے والے کے مختلف دلوں اور دعا کے مذہب

یعنی خدا کی معرفت کے مختلف مراحج وہ نون باتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا چلا بیٹے تھا کہ عباد پر عبود و نون کی مکمل حالت کو مکمل مذہب کی تعریف میں مد نظر رکھا جلا۔ مگر حیرت ہے کہ تعریف کرنے کے وقت مذہب ماننے والے کی سب سے اعلیٰ خواہش کا تو خیال رکھتے ہیں اور اس مذہب کو مکمل ماننے ہیں جس کی بنیاد کامل محبت پر ہو۔ لیکن مزا عاے مذہب یعنی معرفت خدا کی سب سے اعلیٰ شکل کا ذکر تک نہیں کرتے اور اس وجہ سے جو تعریف مکمل مذہب کی ان کی قلم سے نکلی ہے وہ اس صورت پر بھی صادق آسکتی ہے جب کوئی شخص بہت سی محسوسات یا کھانا مانا ہو اور تمام انسانوں سے مجبوریت کے ساتھ کاش اگر مسطر پار کر لو تعریف کرتے وقت یہ سمجھ نہ ہو جاتا اور وہ تکمیل معرفت کا بھی خیال رکھتے تو مسیحیت کے کمال کا نتیجہ نہ کمال سکتے کیونکہ جبر مذہب میں خدا کی تقدیس و تشریف کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی جتنے کہ ان کی ذات کا شرک۔ ولدیت۔ حیسانیت اور حلول غیر ناموزون صفات سے پاک ہونا بھی صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو باپ کے لفظ سے لپکا کر ایسا اشتباہ ڈالا گیا جسکی بنا پر تسلیم پانے والوں نے خود اسی کو خدا کا بیٹا مان لیا جو خدا کی بادشاہت کی نشانی دینے آیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک کا تین ہونا اور مجبّر و کا جسم میں حلول کرنا۔ یہی قباحتوں کی بنیاد پر تھی وہ مذہب کبھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کامل معرفت کی تلقین کی ہے۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کی زبان سے بصرحت یہ عقائد بھی نہ نکلے ہوں گے جو ان کے شاگردوں نے انکی نسبت قائم کیے مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس وقت کی استعداد کے موافق یا کسی اور وجہ سے وحی کو ایسے گول الفاظ میں بیان کیا گیا جس سے کامل معرفت پیدا نہ ہو سکی۔ اور اگر اس کے بعد خدا کی محبت جو شہین نہ آتی اور واقعی جلوہ معرفت سر خدا کی تشریف و تقدیس پر صاف الفاظ میں نہ نور نہ دیا جاتا جو رو دینے کا حق ہے اور مسیحیائے ان کی یونانی لکڑی (نثار پارہ ۲۳ ع ۶) کا قطعہ فضلے عالم میں نہ پھیل جاتا تو مسیحیت میں یہ یونی ٹیلیٹین (مرحد) وغیرہ فرشتے اور یہ مسٹر پارکر جیسے مجدد پکھنے میں نہ آتے۔ بلکہ وہی حضرت پوپ کی خدائی حکومت اور انسانوں بلکہ تصویروں کی پختیش جاری رہتی اور دنیا کا خدا کی تقدیس سے آشنا نہ ہوتی۔ بلکہ اسکا جاسکتا ہو

کہ ایسے مذہبوں میں بھی جو ہزاروں خدامانتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے غلط فہم سے بہت ہی
سودمند فرستے پیدا ہو گئے ہیں گو وہ اُس مشرک کا اعتراف نہ کریں جس سے نامعلوم طور پر ان کے
لب ترہے ہیں +

اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتی ہیں غرض محبت میں جو کچھ کمال ہے وہ ان چند اخلاقی اصول لکھے ہیں کہ
مشرک پر کبذہبی کمال سمجھتے ہیں اور ان کو اس مہم کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ خدا کی تقدیس کے متعلق
ان کو اس تعلیم میں کوئی درین اصول نظر نہ آیا اور نہ ضرور مدعا سے مذہب یعنی معرفت کے کمال کو وہ
تقریب میں داخل کرتے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو گو تمام انسانوں سے اپنی جیسی محبت کرنا
نہایت اعلیٰ اخلاق ہے لیکن اسکی تشبیح میں جو فوائد ملتے ہیں اور اس کا مطلب جس طرح سمجھا گیا
ہے اُس نے اس کو حقیقت و بہت دور کر دیا ہے کیونکہ حیا مشرک پر کریمان کہتے ہیں کہ اگر دشمن شتر بار
دشمنی کو بے تب بھی اسکو معاف کر دینا چاہئے اور جیسا کہ انجیل کا ترجمہ کرنا الون کی عبارت سے سمجھا جاتا
ہے (کیونکہ اہل انجیل غالباً و نیما کے پردہ پر موجود نہیں ہے) یہ اصول خاص خاص حالات میں اور خاص خاص
مردان خدا کے لیے بیشک انکی نعمت و درجات کا باعث ہو لیکن اسکو شرعی حکم قرار دینا اور عقیدہ میں کہ
یہ فرض ٹھہرانا کہ اگر کوئی ایک گناہ پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دے ایک ایسی فروگزاشت ہے
کہ اگر یہ حکم صرف کاغذ پر رہتا اور عیسائی قوم عملاً اس پر کار بند ہوتی تو دنیا کے تختہ پر ان کا نام باقی رہتا
مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ جب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ انھیں تمام ہرگز نہ لیا جائیگا تو جن لوگوں کی طبیعتیں
بدی کی طرف متغیب ہیں اور جن کو ایسے نفوس قدسیہ کی حمان اور مال و دایرہ لینے میں کچھ فائدہ ہوگا
وہ کہیں ایذا دہی سے باز نہ رہیں گے۔

غرض یہ اصول جنرل دول لینے عام قاعدہ فہم کی ہرگز قابلیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے
کہ کہیں اس پر عمل نہیں ہوا اور غالباً مشرک پر کرنے اس نقص کو دیکھ لیا ہے اور اسی لئے وہ پیش بندی
کرتے ہیں کہ۔

” اصول کی خوبی کو دیکھنا چاہئے خواہ اصول کو پیش کرنے والا بھی اس پر کار بند نہ ہو“

مگر یوں کی غلطی ہے۔ اکثر اخلاقی اصول کی شناخت ہی یوں ہو سکتی ہے کہ وہ قابل عمل ہے یا نہیں۔ کون نہیں مانتا کہ تعلقات زناشوی کی خواہش یا مال کی خواہش ہی وہ جذبات ہیں جن سے دنیا میں ہزاروں طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں لیکن باوجود ان فتنوں کے عورت اور مال کی خواہش کو بالکل دبانے اور مجرور اور مفلس رہنے کا حکم اسی لیے نازیبا ہے کہ وہ قابل عمل نہیں۔ یہی حالت اس اصول کی ہے کہ وہ زبان اور قلم سے نکلتا ہوا بہت خوبصورت اور لکچر مشعل معلوم ہوتا ہے مگر عمل کرنے کے وقت ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر ناموزون ہے۔

اور اگر مذہب کی خوبی یہی ہے کہ بظاہر خوشا اصول پیش کئے جائیں تو عیسائیت سر زیادہ کمال اُن مذہبوں میں ہے جو کسی جہاد کو بھی ستانا جایز نہیں سمجھتے خواہ وہ کیسا سوزی ہو بلکہ اپنوں کو دودھ پلاتے ہیں مینہ پر پٹی باندھتے ہیں۔ جوتی نہیں پہنتے تصاف پانی نہیں پیتے اور دوسروں کے برتنوں کا دھوئیں ہتھمال کرتے ہیں تا غیر محسوس جا نذا جو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ سوسائٹیز اور اوقیل و خونریزی سے اس قدر نفور ہیں کہ اس مذہب کے پابند کو بادشاہ بننا بھی جائز نہیں کیونکہ حکومت کے لیے جنگ و جدل لازمی ہے مسیحیت صرف انسانوں نے محبت رکھنے پر کمال کا دعوے کرتی ہے مگر جو نام مخلوق سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مسیحیت سوزیادہ تکمل کو پہنچان لیکن غنیمت ہے کہ اس اصول کے پورے پابند صرف چند تارک الدنیا گوشہ نشین ہوتے ہیں در نہ اور تو اور دنیا میں سانپ ہی اس کثرت سے ہوتا ہے کہ زمین سکونت کے قابل نہ رہتی۔

اور اگر اخلاق کی خوبی یہ رہتی چاہئے کہ اس سے بدی کا استیصال ہو اور امن و رحمت اشاعت پائے تو چاہئے کہ ورستی اور نرمی و دون اپنے اپنے موقعوں پر جائز ہوں تا بد کو بدی کرنے اور شکستوں کو تلنے کا موقع نہ ملے اور خلقِ احد دین و دنیا کے کام اطمینان ہو سکا لائے۔ اور حقیقت میں تمام انسان سے محبت کر نیکاً اثر بھی یو بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم ہو اور اسکو اتمام سے بہتر قرار دیا جائے مگر اتمام بھی جائز ہو اور اس کے ساتھ شرط ہو کہ سزا جرم کی حد سے نہ بڑھے؛

لَسْتَ بِكَوْنٍ فِي أَمْرِ الْاِكْهَادِ وَنَفْسِكَ وَنَفْسِكَ

تم ضرور اپنے مال و جان کے متعلق تلے جائز گے

مِنَ الَّذِينَ ارْتَوَوْا لِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِكَ وَمِنَ
الَّذِينَ اشْرَكُوا اَذَىٰ كَثِيرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا
وَتَشْكُرُوْا فَاِنَّ فِيْكَ مِنْ غَزْوِ الْاُمُوْطِ

(آل عمران پارہ ۱۹ ع ۱۹)

كَانَ عَامِبِئْتُمْ تَحَاكِبُوْا اِمِثْلَ مَا عُوْثِبْتُمْ بِهٖ
وَاِنَّ صَبْرَكُمْ لَهٗ وَخَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ

(دخل پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اور اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت ہی ایذا کی باتیں
سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پھر پھر گھری کو شہر بناؤ
تو یہ اسے جتنی کام ہے۔

پس اگر تم سناؤ تو وہی قدر سناؤ جس قدر تم کو
تکلیف پہنچی ہو اور اگر اس سے بھی صبر کرو تو صبر کرنے
والوں کیلئے بہتر ہے۔

جنگ و جدل میں پیش قدمی منوع ہے۔ مگر جب کوئی شخص اور محض اس وجہ سے مارنے کے لئے آمادہ
ہو کہ ہم ایک خاص طرز مذہب کے پابند ہیں تو جواب دینا بھی فرض قرار پائے مگر اس وقت بھی حد سے
بڑھنا جائز نہ ہو +

اور خدا کے رستہ میں اپنا اپنے فساد فی الغرض کے
بغیر ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں گریہ وادی
نہ کرنا خدا وادی کوئی کرنا ان کو پند نہیں کرتا

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْكُمْ
وَلَا تَعْتَدُوا عَلٰٓى اللّٰهِ لَاحِجًّا الْمُعْتَدِيْنَ ط

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور ہر حال میں عدل و احسان کا حکم اور صبر و مغفرت کی ترغیب ہو اور ظلم و ستم کی مخالفت۔

حکم خدا ویتا ہے عدل کا احسان کا قربت و ادب کے
سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے شری برائی اور
بغاوت کے کاموں سے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے
تا تم باز آؤ۔

اِنَّ اللّٰهَ يُاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَاِلٰى حَسَنٍ وَّ
اِتْيَآءِ ذٰى الْقُرْبٰى رَیْبٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَاَلْمُنْكَرِ
وَالْبَغِیِّ یُحِیْظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط

(دخل پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے پس جو شخص مان
کرے اور سچ کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے بیشک عدل ان
کو پند نہیں کرتا اور جو شخص ظلم و ستم کرنے کے بعد بدلہ

وَجَنَآءِ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٍ مِّثْلِهَا مَتْنٌ عَفْوٌ وَّ
اَصْلُهُ فَاِجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ ط
وَمَنْ اَنْصَبَ بَعْدَ ظُلْمٍ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلٰیہُمْ

مِنْ سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظُنُّونَ
النَّاسَ وَيَتَّبِعُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَكِنْ صَبَرُوا
وَعَفَوْا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(شورے پڑھو ۲۴ ع)

اس پر کوئی مواخذہ نہیں بیشک مواخذہ اُن لوگوں پر ہے
جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق فساد مچاتے ہیں
ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور عفو
کرے تو یہ کام اعلیٰ جہتی کا ہے۔

غرض یہ وہ اخلاق جس سے صبر و مغفرت کی وجہ سے جبکہ ایسا کرنے کی ہمت اور نیز اعتنائے وقت
ہو و رعایت کی لمبائی میسر ہوتی ہے اور انتقام جائز ہونے سے بلکہ کسی کے موجود تاملانہ حکم کرنے کے
وقت اگر تاب مقابلہ ہو تو انتقام فرض ہونے سے بد معاشرت کو بدی کرنے اور نیکی جتوں کو ستانے کا موقع
نہیں ملتا اور اس کے برخلاف اگر بدوں کو سزا دینے سے روکا جاوے تو نہ نیک لخت پاسینگی اور نہ بد بدی
کو چھوڑینگے اور یہ دونوں کے حق میں یعنی تمام انسانوں کے حق میں دشمنی ہوگی نہ تمام انسانوں سے اپنے
جیسی ہمت۔ اسی لیے انتقام کی تحریک میں کہا گیا ہے۔

اور ت: ب: قتل سے زیادہ بُرا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (توبہ پڑھو ۲۴ ع)

اگر تم جہاد نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بیت و فساد
پر پرا ہوگا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ فِي الْأَرْضِ خِصْفَةٌ أَفْكَارٍ وَقَسَادٍ
كِبِيرٍ كَثُورٍ دَخَالٍ وَأَثَارٍ لَا تَحْصَىٰ (سجده پڑھو ۲۴ ع)

پس معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کے لحاظ سے یہی سب سے بڑا کو مکمل نہ مہم تلاش کرنے میں کامیاب نہیں
ہو سکے اور یہی قسم کی تکمیل بھی انہی لوگوں کا حصہ ہے جو دنیا میں تلواریں پکڑنے کے لیے جہاد میں +

ماہنامہ

مختلف مذاہب نظر

دنیا کی موجودہ صورت۔ کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ مادہ کی ابتدائی شکل۔ وہ خیال جو مہاتما بدھ کی طرف سے ہے۔ ہلیسن اور سپنسر کی بحث۔ مادہ کا خود بخود عمل کرنا۔ وحدت وجودی۔ ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا۔ وحدت وجود روحانی۔ عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ پاک ناپاک کون ہے؟ مطلق عدلیت کے سلسلہ میں تین علمائے نظیر کے پیدائش پر بحث۔ وحدت وجود کے لڑکے کیا تشبیہیں دے سکتے ہیں۔

اگرچہ کل مذہب یا خاتم المذاہب تلاش کرنے کیلئے جو اصول قرار دیا گیا ہے اس میں سب سے بہت کچھ رشقی طرہ سے ہے لیکن کسی خاص مذہب کو اس درجہ پر ماننے کے بغیر کم از کم اس قدر تو ہر شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ جن مذہب میں خدا کا انخشاف اس حد تک پہنچ گیا ہے جہاں تک انسانی دل و دماغ کی رسائی ہو سکتی ہے وہ مذہب سب سے اعلیٰ ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص صاف لفظوں میں اس کا اعتراف نہ کرے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مذہب اس اصول کو ماننے میں اور اسی لیے ہر ایک مذہب کی طرف سے اپنی تعلیم کو خدا کا دائمی انخشاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس اس موقع پر اس امر کی نسبت غور کرنا بھی ضرور ہے کہ کونسا مذہب ہے جسکی تعلیم اصول عقیدہ کے مطابق دیگر مذاہب سے زیادہ قرن قیاس ہے۔ مگر دست صرف اس حیثیت سے غور کیا جائیگا کہ معرفت ربانی اور تعلق خالق و مخلوق کی نسبت کون سے عقائد پر تری کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذہب کا اصول و ریسے مہتمم پادشاهان سلسلہ معرفت اور بندہ و خدا کا تعلق ہے اور اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور اصول عبادت وغیرہ دوسرے درجہ پر اور اس اصول اولیٰ کو تقویت دینے والے ہیں۔

اور اگرچہ آجکل عقل اور زمانہ کا رجحان اس جانب ہے کہ موجودات عالم سے خدا کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اور بقول پرنسپل ولیم جیمس آجکل اقسام کی تحریروں کی نسبت کتب قانون کو خاک و پودینا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے عقل کے خزانہ میں دولت ہی اس قدر چرا دار انسان کو آنکھ کھول کر عیسائیت کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے مذہبی اصول کو عقلی طور پر پرکھنے کے لیے بھی موجودات عالم ہی کو معیار گردوانا ہو گا۔ اور جہاں تک بن پڑے یہاں کے قاعدے قانون سو کھینا ہو گا کہ اس سے پرے کے حالات ہم کمان تک سمجھ سکتے ہیں۔ اور جب قدرت نے ہلاری عقل کو سرمایہ ہی یہ دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ اسی دریا کی غوطہ زنی سے کئی وقت کو بہر مقصود بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس بیٹے

کیا فرض ہو کہ سب کو ملے ایک جواب آؤ تو ہم بھی یہ کر رہے ہیں کہ وہ طوکی

اور دوسرا و پر مفصل طور پر ذکر ہو چکا ہے کہ عقل اگرچہ مذہب کو پید نہیں کر سکتی۔ مگر وحی و الہام سے خدا اور مذہب کی نسبت یقین پیدا ہونے کے بعد جو اختلاف معرفت خدا اور پیدائش عالم متعلق اقوام عالم میں پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے نجات پانے اور کسی ایک تعلیم پر یقین کرنے کے لیے دلائل عقلی بہت کچھ مفید ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم بھی ان مضمون کے لیے اصول عقلیہ سے کام لینے کی جرأت کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کونسی تعلیم ان کے رو سے قابل تسلیم ثابت ہوتی ہو۔

دنیا کی ہر صورت | انسان جن چیزوں کو اپنے گرد پیش دیکھتا ہے انہیں سے بعض اس کو اپنی چرخی

سی عمر میں کئی طرح کی حالت بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر زوال شروع ہوتا ہے اور ہر تہہ موتے ایک دن مر جاتا ہے۔ وہ کمیت میں دانہ ڈالتا ہے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بڑھ کر اپنے وقت پر پھل لاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے۔ وہ مکان بناتا ہے پس سفید مہیاں ہوتی ہے۔ پھر اینٹ مٹی کے طبعی نظریے میں عمارت ٹھنسی شروع ہوتی ہے۔ مگر فلک محلِ منکرتیار رہ جاتا ہے کچھ مدت میں جو سیدہ ہونے لگتا ہے ادا ایک وقت پر بند ہو جاتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اکثر چیزیں اسے ایسی نظر آتی ہیں جن کو اس کی جانی تاکہ تمام عمر کیساں دیکھتی رہتی ہے۔ وہ زمین کو دیکھتا ہے کہ ہزاروں طرح کی مخلوق اس میں سے پیدا ہوتی ہے اور مٹی میں سما جاتی ہے۔

گردہ جینی چمن میں دیکھی تھی ایسی ہی مرنیکے وقت تک نظر آتی ہے۔ وہ پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ جس طرح سے وہ کالے دیو کچن میں دوڑنے کے وقت اس کے سداہ ہونے تھے اسی طرح بڑھاپے کے وقت رفتار کو روکے تھیں۔ وہ چاند سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے کہ جس قاعدے سے وہ روشنی دیا کرتے تھے اسی قاعدے پر چلے جا رہے ہیں بلکان کے علاوہ وہ بعض بڑے درختوں کو بھی تادمِ عمر دیکھتا رہتا ہے کہ ایک ہی قاعدے کے کبھی پھل لاتے ہیں اور کبھی پتے گراتے ہیں *۔

کیا یہ درست سمجھتا ہے؟ | اب سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ قرن قیاس ہے کہ دنیا کو اسی طرز پر مانا جائے کہ اسکی بعض چیزیں بدلتی رہتی ہیں اور بعض ازل سے ایک ہی حالت پر ہیں اور یہ دسترخوان ہمیشہ سحر یونی چتا ہوا ہے؟ عقل جواب دیتی ہے کہ نہیں یہ عقیدہ دماغ میں جگہ پانے کے قابل نہیں کیونکہ اگرچہ جانی آنکھ بڑے درختوں کو اور زمین اور دیگر کواکب کو ایک حالت پر دیکھتی ہے لیکن عقل کی آنکھ ان کے تغیرات کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ نہ صرف درخت بلکہ پہاڑ اور زمین اور چاند سورج سب اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوئے ہیں اور نباتات و حیوانات کی طرح اپنے طفولیت شباب اور پیری کا زمانہ گزارتے ہوئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک زمین کے پہاڑوں اور دیگر سخت طبقات کا تعلق ہے عقل کو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے اس شکل پر نہیں تھے اور وہ جانتی ہے کہ کیونکہ ابتدائی حالت سے رفتہ رفتہ اس موجودہ شکل تک پہنچے ہیں۔ مگر اس سے پرے اگرچہ اسکی نظر بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی لیکن پھر بھی یقین ہے کہ سخت ہونے سے ہمیشہ تیز جو حالت ہوگی وہ بھی ہمیشہ سے نہیں ہے اور اپنے موجودہ تجربوں سے عالمانہ اصول کے مطابق اسکی پہلی حالت کا خاکہ بھی کھینچا جا رہا ہے اور فیصلہ کر چکی ہے کہ زمین کی جدا گانہ مہتی بھی ایک محدود عرصہ سے معروضہ وجود میں آئی ہے اور نہ صرف میں بلکہ تمام سیارے اور غواذِ نبات بھی اسی تدریجی رفتار سے اس درجہ تک پہنچ رہے ہیں اور نہ پہلے ایک وقت پر جدا گانہ وجود کسی کا بھی رہتا تھا۔ چنانچہ طبقات الارض کے مشہور عالم ڈاکٹر سر آرچیبالڈ گیکسکی لکھتے ہیں کہ

لے کتاب کلاسک آف جیولوجی باب شانزدہم۔

اگر زمین کی تاریخ کا پتہ محض اس شہادت کو لگا بھادے جو خفین کے اندر ہی ہے تو ہمارے قدرتی ترازو زمین سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو ہماری دسترس کے اندر ہیں۔ تاہم ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس کرہ کے موجودہ سمندر اجزا کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اس پر تاریخ کا ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے اور یہ خیال تو یہی ارتقا اور تکمیل کے ان نشانات سے یقین تک پہنچ جاتا ہے جو عالمانہ بیات نے ابرام سادی میں دیکھے ہیں اور چونکہ زمین بھی ان سیاروں میں سے ایک ہے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں اس لیے جدا جدا گاہے ہستی کے ابتدائی مراحل بالکل وہی ہوں گے جو تمام نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے زمین کی ابتدائی تاریخ تلاش کرنے کے لیے عالم طبقات الارض کو عالمانہ ہیئت کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔“

”زمانہ حال میں تحقیقات کے صحیح طریقہ میں سے اور خصوصاً احباب ام سادی کی تحقیق میں دور میں ہمنام سے وہ خیال صحیح ثابت ہوتا ہے جس کو نیبلیو کا عقیدہ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے موافق اجرام سادی کا سلسلہ جس کو نظام شمسی کہتے ہیں ایک زمانہ میں جو کہ بہت ہی پرانا ہے نیبلیو کا اپنے تمام مادے کا ایک بادل کا سا مجموعہ تھا۔ جیسے کہی مجموعے آج کل بھی فضا میں راکشیاں کی شکل کے مشاہدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بادل اس وقت میں کم از کم اتنا ہی پھیلنا ہوا تھا جتنی دور تک آج کل آفتاب کے گرد سیاروں کا ہجوم ہے اور اس بادل میں تو بالکل چلتا ہوا بخار ہوگا یا تیز حرکت کرتے ہوئے پتھروں کے بادل ہونگے جس طرح کے پتھر اب بھی گاہ گاہ شہابوں کے ساتھ ہماری فضا میں آتے اور زمین پر گرتے ہیں اور یہ پتھر تیز حرکت کرتے ہوئے رگڑا کھا کر بخار بن گئے ہونگے جیسا کہ غالباً دوسرا سیاروں کی دم بخار بن کر اڑتی ہے۔ غرض کچھ بھی پھر اس بادل کا مادہ کثیف ہونا شروع ہوا ہوگا اور اس حالت میں کچھ کچھ حلقے جدا ہوتے گئے ہونگے جس طرح کا حلقہ اب بھی زحل کے گرد موجود ہے اور اس بادل کی دوری حرکت کے سبب یہ حلقے بھی اس کے گرد حرکت کرنے لگے ہوں گے اور جس قدر وہ بادل سکڑنا لگیا ہوگا یہ حلقے نکلتے آئے ہوئے۔ لیکن ان کے ٹکڑے

لے شکر استوفی الی السلام وھی رحمۃ اللہ علیہ (رحمہ اللہ علیہ) کیا یہی ہر کہی کی طرف اشارہ ہو۔

اس زور سے یا ہم نہ مگراتے ہوں گے کہ حرارت پیدا ہو کر پھر بخار بن جائیں اور آخر کار جلتی بھی
 ٹکڑے ٹکڑے تیار ہوں گے ہو چکے اور ان میں سولہ حصے کے کثیف ہونے سے پھر حلقہ بن گئے ہوں گے
 جو کسی میں اب تک موجود ہیں اور کسی میں وہ بھی کثیف ہو کر ان کے مددگار سیر سے پا جانے لگے
 اور جب سرد بھاری مادہ بادل کے وسط میں رہ گیا وہ زمین کثیف ہوتا گیا اور اسکی حرارت عرصہ
 تک کم رہنے کے قابل ہو گئی پس آفتاب وہی بادل کا دریا فی حصہ جس کی حرارت اس نظام کی
 بے حدی مقامات تک پہنچتی ہے۔“

مادہ کی ابتدائی شکل | غرض عالمانہ نظر کسی قدر یقین اور سیدہ استدلال علی سوزین لسان
 کو حادث مانتی ہوئی اس بادل تک پہنچی ہے جس میں سے تمام اجرام سماوی پیدا ہوئے ہیں
 اور اگرچہ سائنس کی تحقیق ابھی تک اس سوا آگے نہیں بڑھ سکی لیکن کیا آئندہ کے لیے کوئی سرال
 بھی پیدا نہیں ہوتا اور کیا ہماری سمجھ کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے کہ جہاں کی ابتدا محض ہی بادل
 ہے ؟ شکر کیا تمہیں کے بڑے مہربان مٹریڈ کا ایسا سوال کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ
 ” ضرورت ہی کیا ہے کہ دنیا کی اصلیت کو خیال میں لانے کی کوشش کی جائے۔“

۱۔ دنیا کا بادل سے شروع ہونا ایک تھوڑی سی بات ہے جو ممکن ہے کہ صبح ہوا اور ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت
 ہو اور حال میں جو سڈیٹیم ایک جدید دھات دریافت ہوئی ہے اس نے یہ خیال پیدا بھی کر دیا ہے کہ شاید
 میں اسی دھات کی بڑی مقدار موجود ہے اور اس لئے وہ بغیر ٹکڑے کرنے کے حرارت اور روشنی سے پھوٹا ہوا اور اس بنا پر
 اسکا بادل کی شکل سے مسکڑ کر موجودہ شکل میں آنا غلط ہو فرض خواہ کوئی صورت ہو ٹکڑے کرنے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے تغیرات
 عقل کو اور نیز درمیان کو نظر آتے ہیں جو آفتاب اور دیگر سیاروں میں ہو رہے ہیں اور اس لیے یقین ہو کہ یہ موجودہ حالت
 میں اور ضرور ہے کہ دنیا کی اس سے پہلو کوئی اور صورت ہوگی اور کیسی طرح ممکن نہیں کہ جو شکل اس وقت موجود ہے ہمیشہ
 شکل ہی طرح پر چلی آتی ہو اور موجودہ صورت کیلئے اسی قدر ثابت ہونا کافی ہے۔

۲۔ فری ٹھنکس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۸۷

لیکن کیا واقعہ میں انسان کا دلغ اس سوال کو پیدا نہیں کرتا؟ اور کوئی عام انسان تو خیر دوا نہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے سوال کو دیوانہ پن کہہ سکتے ہیں۔ مگر کیا عالمانہ دلغ ضرور اس سوال سے خالی رہتا ہے؟ ڈاکٹر سیمون نیو کویم ایل ایل ڈی جن کی نسبت سٹراپرٹ بال ایل ایل ڈی لکھتے ہیں کہ :-

”وہ نہ صرف امریکہ میں تمام دنیا کے علما میں ہئیت اور دیگر علوم کے لحاظ سے مقدم نشین ہیں“
غرض ایسا عالم تو یہ سوال پیدا کرتا ہو اور کہتا ہے کہ

”نیو بیولا کے عقیدے کو مان کر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیو بیولا یعنی ہمارا بادل کیونکر پیدا ہوا اور اس کا آغاز کیونکر ہوا لیکن اب ہم ایسی حد پر پہنچ گئے ہیں جہاں سائنس حل تو پیدا کر سکتی ہے مگر اسکا جواب نہیں دے سکتی۔“

غرض معلوم ہوا کہ تحقیق کی حد پر پہنچ کر عقل پوری تسکین نہیں پاتی اور نہ عام عقل بلکہ سائنس کی عقل بھی سول پیدا کرتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر نیو کویم جو کہ سائنس کی طرف سے کئی اب کی امید نہیں دیتے اور واقع میں ہونا ہی یہی تھا کیونکہ خواہ کسی زمانے میں سائنس اس بادل کو چیر کر دیکھ لے اور اُختی کا پتہ لگا سکے لیکن جس شکل کو اس سو پہلے فرض کیا جائیگا اسکی نسبت پھر ہی سوال ہوگا اور آخر سائنس کو پھر ہی سوال ہوگا اور آخر کار سائنس کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اب اسے کچھ معلوم نہیں۔ پس یہی وہ حد ہے جہاں سے مذہب کی حکمت شروع ہوتی ہے اور مذہب کی ضرورت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ آخر میں سائنس ایسا سوال پیش کرتی ہے جس کا جواب نہیں دے سکتی۔ گویا اس وقت تک وہ جو عقل کی رہنمائی اور اب ایک جگہ ٹھہر کر دور سے مذہب کی طرف انگلی کا اشارہ کرتی ہے اور عقل کو اس کے پیچھے دوڑا کر الگ ہو جاتی ہے، ڈاکٹر سیمون نیو کویم کہتے ہیں :-

۱۔ دیباچہ کتاب اسٹوڈی فار ایمر فاڈی۔

۲۔ کتاب مذکور حصہ سوم آخر باب دوم۔

۳۔ فوسٹ پرنسپلز۔ باب اول۔ خلاصہ۔

حقیقی علم تمام ممکن خیالات کا عادی نہیں ہو سکتا اور انکشاف کتنی ہی دوزخ کا واسطہ ہے۔
 رہتا ہے کہ اس سے پہلے کیا ہے۔ سائنس میں جس قدر زیادتی ہوتی ہے وہ اس کا معلوم حالات سے
 اور زیادہ قریب کرتی جاتی ہے۔ پس جب علم تمام قنیت کا اجارہ دار نہیں بن سکتا اور جب دماغ کے لئے
 ہر شے ممکن ہو گیا کہ موجودہ علم سے بالاتر معلومات کے ساتھ تعلق پیدا کرے تو کہیں ایسا نہ ہو گا کہ مذہب
 جیسے چیز کے لیے کوئی موقع ہی نہ رہے اور چونکہ مذہب اپنی تمام اشکال میں اور اشیا کی عین علیہ اور امت سے بہرہ
 اس کا مضمون ہی ہے تو یہ کی حد دوری بالاتر ہو گا۔

وہ خیال جو ہر تائید کے بغیر نہ رہے | غرض یہ کہ اگر یہ سائنس اس وقت تک بخار کے بادل تک پہنچی ہے لیکن
 اس سے آگے بھی جہاں تک تجزیہ کی ترقی کا احتمال ہے وہ ملک سائنس کی موجودہ فکر و مین نہیں تو اس کے
 زیر اقتدار ضرور ہے اور ان حدود تک مذہب کی حکومت مسلم نہیں اور واقع میں مذہبی خیالات اسی جگہ سے
 شروع ہوتے ہیں جہاں مادہ کی ابتدائی حالت مانی جائے پس وہ ابتدائی شکل خواہی ہی بخار کا بادل ہو یا
 کچھ اور اس کی نسبت سوال ہوتا ہے کہ آیا وہ خود بخود موجود ہے اور خود بخود عمل کرتا ہے یا اس پر کوئی اور
 مخفی طاقت حکومت کر رہی ہے اور یہی سوال ہے جو ہر جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے اور قدیم سے
 اس جواب کا مطلب سمجھنے میں بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور جو مکمل مادہ کی ابتدائی شکل کے متعلق ہے
 اس لیے پہلا اختلاف خود مادہ کے وجود کی نسبت ہے۔ چنانچہ ایک احتمال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ روح اور
 خدا ایک طرف خود مادہ بھی موجود نہیں ہے۔ اور دنیا میں یہی تغیرات اور اوصاف موجود ہیں جو نظر آنے
 ہیں اور لہروں کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ اور ان لہروں کا بننا ہو جائیگا یہی نجات ہے چنانچہ اس احتمال کو
 پیدا کرنے والے کہتے ہیں کہ جو تغیرات ہم دیکھتے ہیں ان کے لیے اوصاف کا وجود کافی ہے پس اوصاف کے

۱۔ کتاب گیان یوگ مصنف سوامی دیکانند باب ہندم صفحہ ۳۳ طبع دوم۔

۲۔ جن لوگوں کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے یعنی پیران بردہ افسوس ہے کہ مجھے کوئی ان کی اپنی تصنیف دیکھنے کا
 اتفاق نہیں ہوا۔ اور ہر تائید کے متعلق کچھ دیکھنے میں آیا ہے وہ اختیار کی تحریر میں ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے اور خود
 روگ کہیں ہی صفائی سے ان خیالات کو لکھتے ہوں مگر میرے دل کو ان پر ایسا یقین نہیں جیسا خود صاحب مذہب کی

ساتھ ذات کو بھی موجود انا ایک سبب کے لیے وہی ہوں کا یقین کرنا ہے جو غیر منطقیانہ طریق اور اصول
اعتقاد ہے۔ اس خیال کو خواہ کیسے ہی شاندار الفاظ میں ظاہر کیا جائے اگر بالعموم عقل پر قبضہ کرنے کے لیے
کافی نہیں اور اگرچہ ہماری نظر صرف تغیرات یا ان سے آگے اوصاف تک محدود ہے مگر یہ جسمانی نظریہ جو
ایسی ضعیف واقع ہوئی ہے ورنہ عقل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ تغیرات اور اوصاف عارضی چیزیں ہیں اور ہم
نہیں ریکٹین جب تک کوئی ذات ان کے پیچھے سہارا دینے والی نہ ہو۔ اور چیزوں کے لیے تو یہ فیصلہ صرف
عقل ہی کرتی ہے مگر انسان کے اپنے وجود میں اس کا تاثر متجزیہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے جسمانی اور روحانی
ہزاروں قسم کے تغیرات ہیں جو اس کے رنگ روپ۔ قد و قامت اور دیگر اوصاف کو ایک سر سے دوسرے
سر تک بدل دیتے ہیں مگر یہ خود ایک چیز ہے جو تمام مختلف حالات میں قائم رہتا ہے اور ایک بچہ بڑھا
ہو کر اور ایک تندرست بیمار و نزار ہو کر یقین رکھتا ہے کہ میں وہی ہوں جو پہلی حالت میں موجود تھا۔
پس اگر محض تغیرات اور اوصاف ہی موجود ہوتے تو ان کے بدل جانے پر ایک انسان فنا ہو جاتا اور
دوسرا پیدا ہوتا اور اس طرح پریچپن سے بڑھاپے تک کا زمانہ ہزاروں انسانوں کا ایک سلسلہ ہوتا
نہ وہی ایک انسان۔

ہیردین اور سپنسر کی بحث | سوامی ویکانند نے اسی مضمون کو ملتی جلتی ایک بحث مٹھیردین اور سپنسر
سپنسر کی لکھی ہے۔ مٹھیردین نے جن کے تغیرات کے اندر ایسی چیزیں موجود ہیں جو غیر متغیر ہیں مٹھیردین

تقریر سے پیدا ہو سکتا ہے اور بالخصوص جبکہ میں ذاتی تجربہ دیکھتا ہوں کہ اسلام کے متعلق جو تحریریں انیسار کی
طرف سے شائع ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ ان میں خواہ کیسی ہی صداقت اور نیک نیتی سے لکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ اسلام کے
چہرہ کو بگاڑنے میں شاذ و نادر ہی کوتاہی ہوئی ہے اور اصلیت پر بالعموم پردہ ڈالا گیا ہے۔ پس جس پیار سے اسلام کو پیارا
جاتا ہے کیوں ممکن نہیں کہ اسی پیار سے اور ان کی تواضع ہو۔ اور دوسرے جیسے مذہب کی نسبت ان تحریروں کے
مضمون میں بھی اختلاف ہو چنانچہ بعض جگہ سے خدا کو مانتے کا خیال بھی سمجھ میں آتا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت ان اختلافات کی بحث ہر
جوئے کے متعلق پیدا ہو سکتی ہے اس لیے خیال غور مانتا ہر مذہب کا ہوا کسی اور کا ہمیں انکی توث اور ضعف کو دیکھنا چاہئے۔

۱۔ کتاب گلیان لوگ ۱۔ پانزدہم صفحہ ۲۶۲ طبع دوم

ہیرسین کہتے ہیں کہ ہم صرف تغیرات کو دیکھتے ہیں اور انہی کو معلوم کر سکتے ہیں غیر متغیر کا ہم کو علم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ مشر سب پنڈت کٹریت سے یہی انسان کی نظیر پیش کی گئی ہے کہ میں کھاتا ہوں۔ چلتا ہوں۔ سوتا ہوں۔ یہ سب کام بہتے بہتے ہیں لیکن میں موجود رہتا ہوں۔ پس ”وہ“ میں ”تغیرات کو برداشت کرنے والا مادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تغیرات پیش آتے ہیں اور میں اُن کو یاد رکھتا ہوں۔ پس ”وہ“ یاد رکھنے والی قوت ہے۔“

سوامی جی اعتراض کرتے ہیں کہ ”میں“ اور کھانے والا کہنے میں جدا ہو سکتے ہیں اگر جس وقت کھانے والا موجود ہے اس وقت ”میں“ اور کھانے والا ایک چیز ہے اور اسی طرح جب چلنے والا موجود ہے اس وقت ”میں“ اور چلنے والا ایک چیز ہے“ گویا کھانے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے اور چلنے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور ”میں“ اور وہ دہانی میں ان دونوں چیزوں کو ان کے موجود ہونے کے وقت ”میں“ کہا جاتا ہے جس سے لازم نہیں آتا کہ دونوں وقتوں میں چیز بھی ایک ہی موجود ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ دو چیزوں کے لئے ایک مشترک لفظ یعنی ”میں“ استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے کو بھی انسان کو بعض باتیں یاد نہیں رہتیں یا بعض امراض میں کچھ بھی یاد نہیں رہتا بلکہ انسان ان باتوں کو بھولتا ہے۔ پس کیا اس وقت وہ غیر متغیر ”میں“ فنا ہو گیا؟

مگر سوامی جی کے دونوں اعتراضات میں شرسپنسر کی دلیل کو مکرر نہیں کر سکے کیونکہ اگرچہ کھانے والا ظاہر میں ”میں“ ہے مگر جو شخص صرف تغیر کو جانتا ہے آیا وہ کھانے والے کے چلنے یا سوتے کے وقت یقین کرتا ہے؟ کہ کھانے والا نہیں رہا اور اب اور چیز چلنے والی پیدا ہو گئی ہے۔ اور نیز جو شخص کہتا ہے کہ میں کھانا کھاتا تھا اور اب میں سیر کر رہا ہوں اور میں مکان پر جا کر سو رہا ہوں۔ وہ لفظ ”میں“ کو کس طرح استعمال نہیں کرتا جیسے کوئی مشترک نام دو شخصوں پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ اس وقت نہیں سمجھتا کہ ایک ”میں“ کھانا کھاتا اور کوئی اور ”میں“ سیر کر رہا ہے اور کھانے والا میں فنا ہو گیا۔ بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ایک ہی ”میں“ ہے جسکی تینوں حالتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ صرف تغیر کو مانتے ہیں وہ بھی اپنے تمام معاملات میں اس طرح ”میں“ کا استعمال کرنے والے کو سچا جانتے ہیں اور جس شخص نے

نہوں کیلئے جس کو اس واقعہ کے بعد کھانا کھانے کی حالت میں پاؤں کو سزا دینا جائیجئے تھے میں پس جس حالت میں اس وقت یہ لوگ کھانا لیکو چلنے والا اور قاتل کو گھر میں چھپنے والا کہہ رہے ہیں وہی حالت قائم رہنے والے مادہ کو محسوس کرتا ہے۔

اور اسی طرح سوامی جی کے دوسرے اعتراض سے بھی کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خواہ بعض باتیں قبول جاتی ہوں یا انسانوں کو سب کچھ بھول جاتا ہو لیکن پھر بھی بہت سی باتیں یاد رہتی ہیں اور بہت سی انسانوں کو یاد رہتی ہیں، پس جیسے بعض نفا انسان بالکل مدہوش ہو جاتا ہے یا بعض انسان بالکل عقل سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر عقل کے موجود ہونے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان میں عقل کا جہر ودیعت ہے۔ اسی طرح اکثر باتوں کے یاد رہنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تغیرات سے پرے کوئی یاد رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ اور جب طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر جو عقل انسان میں ودیعت نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی عقل کا حصہ نہ پاتا اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ اگر صرف تغیرات موجود ہوتے اور ان کے پیچھے غیر تغیراتی موجود نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں کچھ بھی اور کیونکہ یاد نہ رہتا۔ بلکہ یہ بات بہت سی باتیں یاد رہتی ہیں حالانکہ صرف کسی ایک بات کا یاد رہنا بھی غیب متغیر مادہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا پس یلئے اب بعض اشخاص کو یاد نہ رہنے کی وجہ یہ ماننی چاہئے کہ اس وقت ذات کی صفت حافظہ دور ہو جاتی ہے نہ کہ خود ذات معدوم ہو جاتی ہے

مادہ کا خود بخود عمل کرنا | غرض صرف تغیرات کے موجود ہونے کا احتمال جو مذہبی ارشاد سمجھا جاتا ہے ایک معلول کو ماننا ہے اور اسکی فاعلی اور مادی کسی علت کو نہیں ماننا اور معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا ایسا دعویٰ ہے جس کو سمجھنے کے لئے عقل انسان کی طرح تیار نہیں ہوتی۔ اس سبب اس کو سمجھ کر اور تغیرات کے اندر کسی مادہ کو موجود مانکر دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مادہ کے اجزا ایک وقت پر خود بخود حرکت کر نہ لگے ہیں اور حرکت سے لگا ٹکٹ شروع ہو گیا ہے۔ یا اگر انکی حرکت دائمی ہوگی تو کسی وقت خود بخود جمع ہونے لگے ہیں اور اس اجتماع سے آفتاب اور ستارے پیدا ہونے لگے اور ہوتے ہوئے دنیا کی یہ صورت بن گئی۔

اس احتمال کو اگرچہ ایک فرقہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا نام اسے بھی اسٹیا دہیتر رکھا جاتا ہے مگر یقین نہیں آتا کہ کوئی عقلمند اس عقیدے کا قائل ہوگا کیونکہ دنیا کو مادہ کی ابتداء کا شکل سے موجودہ صورت میں آنے تک خواہ کیسا ہی بڑا اور طویل زمانہ صرف ہوا ہو مگر تاہم وہ زمانہ محدود ہو گا۔ اور خواہ ہم اس زمانے کے سال اور صدیاں بتانے کے لئے تا مقررہ قوم ہندسیہ کہہ جائیں تک ضرب دے سکتے ہوں دے لیں مگر پھر بھی اس زمانے سے پہلے مادہ کا اپنی سادہ حالت میں موجود رہنے کا زمانہ غیر متناہی باقی رہیگا۔ پس اس قدر عرصہ تک مادہ کا جس طرح حرکت اور فیاضیت کے موجود رہنا اور آخر میں ایک وقت پر تکوین عالم کا سلسلہ شروع کر دینا ایسا فعل ہے جس کی کوئی علت مافی نہیں جاتی اور سبب کا بغیر سبب کے موجود ہونا سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی علت کے بغیر مادہ کیونکر تسلیم کیا ہو گا۔

وحدت وجودی | مادہ کو موجود مانکر اور کسی وقت اتفاق سے خود بخود پیدائش کا عمل شروع ہو جانے کو ناممکن سمجھ کر وہ احتمال پیدا ہوتا ہے جس کو وحدت وجودی یا یکا سمو قیٰ اور مبنی الوہیت عالم کہتے ہیں۔ اور اس کے رو سے محض مادہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور سلسلہ تکوین کو نہ اتفاق بلکہ او کے مقررہ قوانین کا اثر تسلیم کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مادہ دائم الحکیت کرتا رہتا ہے اور اپنے غیر متبادل قاعدوں سے اپنی حالت کو بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح گویا موجودات عالم سے پہلے اسکی ہزاروں شکلیں بن کر بگڑ چکی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

اس احتمال میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مادہ ایک شکل اختیار کرتا ہے مثلاً آفتاب ماہتاب سیارہ بجاتے ہیں اور پھر خود بخود اس شکل کو توڑنے لگتا ہے اور وہیں لوٹتا ہوا اپنی پہلی حالت پہ جا کر پھر دوسری شکل میں نمودا ہونے لگتا ہے اور یہی کسی بننا اور کہیں بگڑنا چلا جاتا ہے۔ مگر ہم جو صرف اسی عالم کو دیکھ سکتے ہیں مادہ کی انہی طاقتوں کا یقین کر سکتے ہیں جو اس عالم میں مشاہدہ ہوں

لے یہ خیال ستر لٹو اور دیمقراطیس و فیروچہ مکاسے یونان کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پریٹینک ڈوریلیمین اب پیغم۔

اور اس عالم میں کسی چیز کے اندر اس دو گاہ بننے اور بگڑنے کی طاقت کا تجربہ نہیں بلکہ اس کے خلاف مادہ میں اسے شکیلا کے نام سے یہ طاقت ثابت ہوئی ہے کہ وہ اگر متحرک ہو تو اس کی حرکت ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے اور اگر ساکن ہو تو سکون ہمیشہ تک قائم رہ سکتا ہے اور دنیا کی چیزیں جو متحرک سے ساکن اور ساکن سے متحرک ہوتی ہیں تو اس لیے کہ اور یہی وہی قوتیں ان پر عمل کرتی ہیں اور حالت کو بدل دیتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی درخت اجڑا کے ختم ہونے اور تکمیل کو پہنچنے کے بعد سوکھنے لگتا ہے اور اجڑا پراگندہ ہو جاتا ہے شروع ہوتے ہیں اور اگر ایک جاندار جو ان ہو کر بڑھ چاہے اور موت کی طرف لوٹتا ہے تو اس انقلاب میں ہیں اور اس کی تہا رہا یہی وہی طاقتیں عمل کر رہی ہیں اور انہی کے اثر سے بننے والی چیز بنی ہے اور انہی کے اثر سے اس کا زوال ہوتا ہے۔

اور اس کے علاوہ جب عام طور پر تمام مادے کے میلان کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی بننے اور بگڑنے کی دہری طاقت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ ایک خاص سمت ہو جس کی طرف چلا جا رہا ہے چنانچہ علمی تجربہ برہان تک پہنچ چکا ہے اس کا فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ کی ابتدا بخار کے بادل سے ہوئی ہے اور آئندہ کے لیے وہ اجڑا سے منتشر و جمع ہوتے جاتے ہیں اور اب وقت آ رہا ہے جبکہ یہ تمام کائنات ایک مجدد نوہ بن جائیگی جان سلسلہ اٹھ مل لکھتے ہیں کہ:-

”جن لوگوں نے تکوین عالم کا موجودہ روشنی سے مطالعہ کیا ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی ایک بخار کے بادل سے شروع ہوا ہے اور ایسا عمل کر رہا ہے جس سے ایک وقت پر جب کچھ ایک ٹھوس مادہ کا وجود ہو جائیگا اور جو بروت اس کو جائیگی وہ قطب شمالی کی سرحد سے بھی زیادہ ہوگی۔“

اور چونکہ احتمالات مذہبی کی تحقیق کے لیے نظام عالم سے پرے کی شواہد تسلیم نہیں اس لیے دنیا کی اس رفتار کو دیکھ کر گناہ پڑتا ہے کہ جب اس تمام سفر میں مادہ کا میلان صرف ابخار کی جانب ہو تو جب برف کی مانند جم جائیگا اس وقت کے لیے کس طیل سے ثابت ہوتا ہو کہ مادہ اپنے میلان کو چھوڑ کر خود بخود پیچھے کو لوٹنا شروع کر لیا اور اجڑا کو منتشر کرتا ہوا بخار کی شکل اختیار کر لیا۔ بلکہ اگر محض مادہ کو موجود مانا جائے اور اس کے اوپر کوئی اور طاقت حکمران نہ ہو تو اس کی رفتار سے عقلی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ اتحاد

پر مادہ کی کاروائی ختم ہو جائیگی اور اجزا میں سکون پیدا ہونے سے آئندہ خلق و تکوین کا سلسلہ جاری نہ رہے گا۔

مگر ایسا افسوسناک انجام بات کربیب آغاز کو دیکھا جاتا ہے تو محض مادہ کا وجود اور وقت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بخار کی حالت جو ابتدائیں تسلیم کی گئی ہے اس سے موجودہ صورت پیدا ہونے کی کیفیت یوں ثابت ہوتی کہ:-

”ہر چیز موجودہ عالم کے ایک محدود عرصہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اسکی جو شکل اب ہر ایک وقت میں نہ تھی اور اسکی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیے اسکا آغاز کمین نہ کمین سے فرض کرنا پڑتا ہے اور اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اصول موضوعہ کے طور پر اس دنیا کے آغاز میں بخار جیسی غیر منور حالت کو فرض کریں جس کے ذرات مع اپنے قلوبہ جاذبہ راہیہ کے ایک دوسرے سے الگ ہوں گے اور یکساں طور پر تقسم نہ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ذرات یکساں پھیلے ہوئے ہوتے تو قوت جاذبہ ان اجزاء کو ایک انبار کی صورت میں جو ہمیشہ گردش کی شکل میں رہے کسی عام اک: ثقل کی جانب کھینچ لاتی اور قوت راہیہ اجزاء کے باہمی رگڑ سے متحرک ہو کر اور حرارت بن کر بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے ابھرتی رہے گزرتی رہے پس اس وقت میں ضرور ہے کہ ان اجزاء کی وضع اور اطوار اب ہر گز مختلف ہونگے اور وہ اجزاء خاص خاص مرکزوں کی طرف کھینچے جارہے ہونگے اور ان انباروں کی مقدار اور انکی حرکتوں کی مقدار میں بے انتہا تبدیلیاں ہوتی ہونگی۔ اور اس طرح جمع کیے ہوئے قوتوں اور پھیلائے والی طاقتوں کی وساطت سے بار بار ذرات کی ترتیب بدلنے سے دنیا کا انقلاب واقع ہوتے رہے ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جو چیز بظاہر یکساں تھی (یعنی بخار کا بادلا) اس سے ترقی ہو کر وہ اجسام پیدا ہونے لگے جو حقیقت میں ایک دوسرے کے شائبہ بین میں اور جو چیزیں بے شکل تھیں وہ مشکلاں ہو گئیں اور سادہ چیز مرکب و مرکب بنی گئی تھیں کہ یہ مرکب جاندار مخلوق میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئی۔“

۱۔ کتاب دس ثوریات کروی البتن صدوم باب ششم صنفہ شرط و شرط کلاذ۔

اس طرح جو ترکیب بخار سے اجسام بننے کی بیان کی گئی ہے اس میں یکم کرنا پڑا ہے کہ وہ ایک محدود زمانے سے موجودہ حالت تک پہنچ گئی ہے اور وہ زمانہ خواہ کیسا ہی بڑا ہو لیکن قدامت ایسی چیز ہے کہ اس کا عرصہ اس زمانے سے پہلے بھی غیر محدود باقی رہتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محدود و قدیم زمانے میں مادہ کے ذرات ہمیشہ سے اسی طرح مختلف مقدار کے انباروں میں حرکت کر رہے تھے یا اس کے متعلق کوئی اور صورت تھی۔ اگر مانا جائے کہ ہمیشہ سے مادہ انھی مختلف انباروں کی شکل میں تھا تو چونکہ اس شکل میں ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تو اسے جاذبہ اور ماریجیل شروع کریں اور ان کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ میں انقلاب ہوتے ہوتے موجودہ شکل تک پہنچ جاتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ جو عمل اب چند بار سال سے شروع ہو کر موجودہ شکل تک پہنچا ہے وہ عمل قدیم سے ہوتا اور اب اس کو ختم ہوئے اور مادہ کو موجودہ حالت سے گزیر کر فضا کا مادہ بننے غیر محدود زمانہ گزر جاتا۔ اور اسی طرح اگر کہا جائے کہ اگرچہ مادہ قدیم سے مختلف انباروں میں جمع نہ تھا مگر قدیم سے اسکی وہ صورت تھی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مادہ کے انبار متفاوت ہو جائیں تو بیشک اس طرح پر دنیا کی بناوٹ کا زمانہ اور زیادہ دراز ماننا پڑے گا لیکن جس طرح بخار سے اجسام بننے کا زمانہ محدود ہے اسی طرح بخار کے متفاوت بادلوں سے پہلے خواہ لاکھ لاکھ شکلیں اور مانی جائیں انکا زمانہ بھی محدود محدود ہوگا اور ان تمام طویل سے طویل زمانوں کو نکال کر بھی قدامت کا زمانہ غیر محدود باقی رہتا ہے اگرچہ اگر قدیم سادہ کی وہ شکل تھی جس کا نتیجہ انباروں کا متفاوت ہوتا ہے تب بھی آج تک عمل کو ختم ہوئے غیر محدود زمانہ گزر جاتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیرات چلتے چلتے ہی طویل در طویل ملنے جائیں اور خواہ انکی حرکت بھی بخار سے بخار کی جانب ہو یا کسی اور طرز پر۔ وہ سب ایک محدود زمانہ چلتے ہیں اور قدیم نہیں ہو سکتے اس لیے اگر مادہ قدیم ہے تب بھی ضرور ہے کہ وہ پہلے بالکل ساکن شکل میں ہو۔

اَوَلَمْ يَلِدْ يَحْيٰى كَهْرًا اِنَّ اللّٰهَ لَمَوْلٰى
اَلَا تَحْسَبُ كَاٰتِلًا تَقَاتِلُ اَهْمًا (انبیاء ۲۱)

کیا نہ جب کہ لگا کر نہ تو نہیں دیکھو کہ اسان زمین باہم
ماتھا تو تھے جیسے انکو امیر اجداد کر دیا۔

پس اگر مادہ کے سوا کوئی اور طاقت موجود نہیں تو لازم آتا ہے کہ مادہ اپنی سادگی کے علاحدہ و زمانے کو ختم کر کے ایک وقت پر دینے کی طاقت کے وہ شکلیں اختیار کرنے لگے جس کا نتیجہ دنیا کی موجودہ حالت ہے

غرض علمی مشاہدہ سے جس قدر ثبوت ہوتا ہو سکتا ہے اس کا نتیجہ یقینی ہے کہ محض ماضیہ واقعات عالم کو پیدا کرنے کے لیے بالکل ناکافی ہے اور ایسا خیال کرنا معلول کو بغیر علت کے ماننا ہے جو قابل تسلیم نہیں +

یہاں تک جن احتمالات کا ذکر میرے وہ اُن اوگن کے دماغ کا نتیجہ ایک سو زیادہ چیزوں کا قدیم مزہا ہے جنہوں نے موجودات عالم کو دیکھا مگر اُن کی لمچ پیوں میں اس قدر محو ہوئے کہ اپنے خیال کو دنیا سے پرے تک نہ لے جاسکے اور اس لیے ابھی تک مذہبی عنصر یعنی مادیہ متی کا اعتراف نہیں پایا گیا لیکن آگے بڑھ کر جو احتمالات پیدا کئے گئے ہیں وہ باختلاف مدایج اس غیب محسوس کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ احتمال ہے جس میں کائنات کو ایک بالائے مرتبہ سے وابستہ کیا ہے لیکن موجودات عالم کی عظمت بھی دل میں جاگزیں رہی ہے اور خدا اور مخلوق دونوں کو قدیم مانکر خدا کو اس مملکت پر قابض تسلیم کیا گیا ہے اور اسی طرح یہ کہی خدا اور مادہ - کہی خدا اور شیطاں اور کہی خدا مادہ اور روح متین کو غیر مخلوق اور قدیم ہونے کی عورت دی گئی ہے۔

اس احتمال کی نسبت فیصلہ کر لے سے پہلے چند قوانین قدرت کو دیکھنا ضرور ہے جو واقعات عالم سے ثابت ہوتے ہیں -

اول یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کی ذات میں داخل ہوتی ہے تو دوسرے کا وجود بعد میں پہلی چیز کا وجود ہوتا ہے یعنی ممکن نہیں ہوتا کہ دوسری چیز موجود ہو اور جو اس کی ذات میں داخل ہے وہ موجود نہ ہو لیکن جو چیز کسی اور چیز کی ذات میں داخل نہیں اس کو اس چیز کے ساتھ موجود کر کے نہ کہہ سکتے ہیں فاعل کو جو بد فعل کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہ ممکن ہے کہ وہ وہاں ہم موجود نہ ہوں مثلاً امیڈر جن اور کسیسین پانی

۱۔ خدا اور مادہ کی قدیمت فلاطون کی طرف منسوب ہو اور خدا اور شیطان کی قدیمت ایرانی فلاسفرانی کی جانب سے دیکھی گئی ہے ۲۔ افسوس! اکثر یہی خیال مشورہ دشت کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے مگر حال حریح خیال پاریس کو غلط کہتے ہیں مادیہ متی کے تعلق کا تاثر تہمتیں لگ کر مٹا دیا (اصحائی نو مذہبی) اور تین صدیوں کا خیال ہندی فلاسفرانہی مانج اپنی مذہبی کتاب وید کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور آجکل اہل مذہب کی ایک جماعت اس خیال کی سخت حامی ہے +

کی ذات میں داخل ہیں یعنی دونوں اُس کے عناصر میں اسلئے پانی کا موجود ہونا بعینہ ہیدروجن اور آکسیجن کا موجود ہونا ہے۔ اور ممکن نہیں کہ پانی موجود ہو اور ہیدروجن اور آکسیجن موجود ہو لیکن پانی کی روانی اور پانی کا رنگ پانی کی ذات میں داخل نہیں بلکہ ایک عارضی صفت ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ پانی موجود ہو اور اس میں روانی یا رنگ نہ ہو۔

دوئم۔ دو چیزوں کا کسی ایک ذاتی خاصہ میں مشترک ہونا یہ مطلب ہو کہ اُن دونوں کی ذات میں وہ مشترک عنصر موجود ہے مثلاً رنگ آہن اور پانی جو آکسیجن کی صفت میں مشترک ہیں تو اس کا یہ مطلب ہو کہ دونوں میں آکسیجن کا عنصر موجود ہے۔

سوئم۔ جو دو چیزیں ایک دوسرے سے علیحدہ اور متماثل ہیں ضرور ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک ایسا عنصر رکھتی ہے جو دوسری چیز میں موجود نہیں۔ ورنہ دونوں جدا جدا چیزیں نہ ہوتیں مثلاً پانی اور رنگ آہن جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہے تو اسی لیے کہ پانی میں آکسیجن کے ساتھ ہیدروجن اور رنگ آہن میں بجائے ہیدروجن کے لوہے کا عنصر موجود ہے اور اگر ہیدروجن اور لوہے کا اختلاف نہ ہوتا اور دونوں میں ایک ہی قسم کے عناصر ہوتے تو وہ جدا جدا چیزیں ہرگز موجود نہ ہوتیں یا پانی ہوتا یا رنگ آہن بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن دو چیزوں میں مادّی عناصر بالکل ایک ہیں ان کی ذات میں بھی کوئی غیر مادّی عنصر ایسا موجود ہے جن سے وہ دونوں چیزیں متماثل اور علیحدہ شمار ہوتی ہیں مثلاً الماس اور کوئلہ مادّی عناصر میں بالکل متحد ہیں لیکن انرجی یعنی طاقت کا دوسرا عنصر دونوں مختلف ہے اور اسی سے وہ دونوں باہدگر متماثل ہیں اور جب کہیں دونوں کی طاقت کو یکساں کرنے میں کامیابی ہوئی ہے تو امتیاز معدوم ہو گیا ہے اور اس عمل سے کوئلہ بعینہ الماس بن گیا ہے۔

چہارم۔ جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے وہ ضرور حادث ہوتی ہے اور اس کے وجود سے پہلے اسکی اجزاء کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے اور نیز ایسے مرکب کو ترکیب دینے کے لیے کسی فاعل کا وجود بھی لازم ہے مثلاً پانی جو آکسیجن اور ہیدروجن سے مرکب ہے اُس کے وجود سے پہلے آکسیجن اور ہیدروجن کا وجود ضروری ہے اور کوئی ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہوگی جس نے دونوں عنصر کو پانی کو تیار کیا۔

ان مقدمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا اور مادہ اور روح یا کوئی ہی چیزیں
قدیم ہیں تو ضرور وہ پہلے کا قدامت انکی ذات میں داخل ہوگی کیونکہ اگر قدامت ان کے لیے ایک عارضی صفت
ہو تو پہلے قاعدے کے موافق ممکن ہوگا کہ وہ چیزیں موجود ہوں اور قدامت ان کے ساتھ نہ ہو اور نیز
ضرور ہوگا کہ اس صفت کو لاحق کرنے کے لیے کوئی فاعل موجود ہو جس چیز کو قدیم مانا گیا تھا وہ ہی
میں قدیم نہ ہوگی بلکہ حادث ہوگی پس جبکہ قدامت دو یا تین چیزوں کی ذات میں داخل ہے اور وہ سب
اس ذاتی وصف میں شریک ہیں تو دوسرے قانون کے رو سے ضرور ہے کہ قدامت کا عنصر ان سب کی ذات
میں موجود ہو۔ اور چونکہ وہ سب ایک دوسری سے علیحدہ اور متنازع ہیں اور اسی لیے ان کو دو یا تین کہا جاتا
ہے تو قیصر اصول کے مطابق ضرور ہے کہ ہر ایک میں کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو دوسری چیز میں نہیں
اور اس تحقیق کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا اور مادہ اور روح تینوں میں ایک عنصر قدامت کا مشترک
ہے اور ہر ایک میں ایک ایک عنصر ایسا موجود ہے جس سے خدا کی خدائی اور مادہ کی مادیت اور روح کی
روحانیت ایک دوسرے سے ممتاز ہے پس وہ تینوں جو عنصر ان سے مرکب ہونگے اور چوتھے قاعدے
کے رو سے ماننا پڑے گا کہ تینوں حادث ہیں اور ان سے پیشتر ان کے عناصر کا وجود ماننا پڑیگا اور نیز ان
عناصر سے ترکیب دینے کے لیے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جن تین چیزوں کو قدیم
مانا گیا تھا قدامت ہی کے اشتراک سے وہ سب اس صفت کو محروم ہو جائینگے اور ترکیب دینے کے لیے
فاعل کی ضرورت پیش آنے پر چونکہ اس مذہب والے ان تینوں کے سوا کسی اور چیز کو موجود نہیں مانتے تو
آئیگا کہ مرکب جو معلول ہے بغیر علت کے پیدا ہوا ہے اس لیے اس احتمال میں بھی بالآخر وہی وقت
پیش آئی جو پہلے احتمالوں میں موجود تھی یعنی قانون علت و معلول کا باطل ہونا جس سے یہ احتمال ناقابل
تسلیم ہو جاتا ہے۔ ہر برٹ پفسر لکھتے ہیں :-

”اگر بہت سے قدیم ہیں تو ان میں ضرور کوئی چیز مشترک ہوگی جو ایک سے زیادہ قدما کو ضرورتی ثابت
کرے پس وہی مشترک عنصر قدیم ہوا کہ وہ بہت سے مانے جوتے قدما۔ اور نیز چونکہ بہت ہیں

اس لئے وہ ایک دوسرے سے محدود ہونگے پس غیر محدود نہ رہیں گے اور نیز وہ سب مطلق نہ ہونگے کیونکہ ایک دوسرے سے انکو تعلق ہے۔

وحدت وجود روحانی اس خیال کے بعد اس احتمال کا درجہ ہے جس کو وحدت وجود روحانی کہتے

ہیں اور زمین مادہ کے وجود سے بالکل انکار کیا گیا ہے اور محض ایک غیر محدود مطلق ہستی کو موجود مانا گیا ہے اس خیال کو ماننے والے مختلف اقوام عالم میں کثرت سے ہیں چنانچہ ملاحق اس کی تقریر یوں کرتے ہیں

”ہم عالم کو زمین صرف ایک بسیط ذات موجودہ جو نہ کلی ہے اور نہ جزئی یعنی نہیں کہہ سکتے کہ وہ

واقعیت کثرت کو قبول کر سکتی ہے اور نہ یہ کہ کثرت کو ہرگز قبول نہیں کرتی بلکہ اُس ذات کو مبینا

مختلف اور واقعی شائین ظاہر ہوتی ہیں اور ہر ایک ہر شان پر مختلف آثار اور احکام مرتب ہوتے

ہیں پس وہ معین شان جو نظر آتی ہے ممکن کمالاتی ہے اور اس تعین سے قطع نظر جو ذات موجود

ہے وہ واجب الوجود اور خدا ہے قادر ہے۔“

مشر پارکراس مسئلہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

”وحدت وجود روحانی روح کی ہستی کو مانتی ہے اور مسلمانہ یا کٹائیہ مادہ کے وجود سے انکار کرتی ہے

میں کے نزدیک وہ روح خدا ہے جو ہمیشہ یکساں رہتی ہے مگر ہمیشہ نئی شکلیں دہلتی رہتی ہے۔

اس کے رو سے خدا ایک مکمل مہمتی ہے اور دو صفتیں رکھتی ہے علم اور وسعت۔ انسان میں اگر

اُس کو اپنی ذات کا علم ہے اور اس سے پہلے حیوانات وغیرہ میں شعور سے خالی ہے۔ جو کچھ خدا کے

سوا ہے وہ شے جس سے محروم ہے اور موجود نہیں۔ محض ظاہر میں نظر آتا ہے اور اس کی ہستی

محض اسکا نظر آتا ہے۔“

سوامی ویکانند لکھتے ہیں :-

۱۰ شرح علم العلوم مصنفہ لاسن مرحوم بحث علم باری تعالیٰ -

۱۱ ای ڈسکورس آف میٹرز پرنسپلز ٹو پریلیمین باب پنجم -

۱۲ کتاب گیان یوگ باب شانزدہم -

”سوائے شکر آچار کے نزدیک خدا مادہ بھی ہے اور قائل بھی ہے۔ مگر بظاہر و نہ حقیقت خدا یہ دنیا نہیں بن گیا۔ بلکہ دنیا نظر آتی ہے کیونکہ خدا کی بنیاد ہے۔“

غرض الفاظ اور طرزِ ادا اگر مختلف ہے مگر مدعا سب کا یہ ہے کہ ایک مطلق ہستی اسی طرح مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی میں مختلف لہروں کی شکل میں ظاہر ہو کر تہ ہے پس جس طرح پر لہروں کو ان کے ظاہر ہونے پر جداگانہ نام اور شخص حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت میں لہر کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ وہی دریا اس شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اسی طرح سے ہستی مطلق کے مختلف مظہروں کو آسمان زمین انسان حیوان وغیرہ جداگانہ ناموں اور شخصوں سے نام دکر تہ ہیں ورنہ حقیقت میں یہ چیزیں جداگانہ ہستی نہیں ہیں اور اسی ایک ذات کے مختلف ظہور ہیں۔ پس جس وقت یہ ظہور موجود ہیں چونکہ انکی ذات جداگانہ نہیں ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ وہی ایک ذات موجود ہے اور چونکہ ان کی شکلیں جداگانہ ہیں اور وہ ذات شکلوں سے پاک ہے اس لیے محض ان شکلوں کو اس کا غیر کہہ سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ شکلیں محض اعرض ہیں اس لیے ان کا وجود ایک اعتباری وجود ہو گا اور حقیقی اور ذاتی وجود پھر بھی ایک ہی رہے گا۔

عالم کا ہر ایک تغیر کسی
مصاحت پر مبنی ہے

اس عقیدے میں بیشک یہ خوبی ہے کہ موجود اور قدیم محض ایک چیز کو مانا گیا ہے اور چیز بھی اسی جو خود ہی اپنے مظاہر کی علت ہو لیکن اس خیال کو دل میں جگہ دینے سے پہلے اس ظاہر ہونے والی ذات کا ایک اور خالصہ بھی پیش نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے جس قدر مظاہر دیکھے جاتے ہیں وہ جمبوٹے ہون یا بڑے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی بڑے مدعا اور فایرے کو مد نظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ آفتاب ہر تو اس کو بنایا ہی اس طرز پر گیا کہ کہ سیاروں کے ایک بڑے انبوہ کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکے اور ان سب میں روشنی اور حرارت اور حرکت دینے والی شاعون کو ہو پچلے۔ زمین ہے تو اسکی ترکیب اسی قسم کی ہو کہ لاکھوں طرح کے جاندار اور بے جان مخلوق کو پیدا کر سکے اور ان کی بقا اور تناسل کا سامان ہم ہو پچلے۔ اسی طرح حیوانات اور دیگر موجودات میں سے ہر ایک کو وہی طرز پر پیدا کیا ہے کہ اس غرض اور مدعا کو باحسن وجہ پورا کر سکے

جس کے لٹو وہ پیدا ہوا ہے اور پھر ہر ایک مخلوق کے اجزا اور اعضا کو وہی ساخت دی ہے جس سے وہ اپنے فرض پورے طور پر ادا کر سکے۔ اگر درخت کی رگیں ہیں تو انکی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ خود بخود خرماک اور سامان زلیست کو جذب کر سکیں اور بقا و بقا و نفع کا سامان مہیا ہو۔ اگر جاندار کی آنکھ کان وغیرہ اعضا ہیں تو ان کے اجزا کو تو قریب ہی اس طرز پر دیا ہے کہ خود بخود ان کے افعال سرزد ہوتے رہیں۔ غرض ایک ڈسے سے لیکر بڑے بڑے کوہ تک کسی چیز کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو کسی مفاد اور مدعا سے خالی ہو اور اس ذات کے تمام مظاہر سے یہ ایک عام اور کلیہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل عبث نہیں بلکہ چرچہ کہ کوکل علم و شعور کی مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے اور کسی کہنے والے کا یہ خیال بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات انسان بننے سے پہلے بے شعور تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان میں ظہور کرنے سے پیشتر جس قدر مظہر مادہ کی مختلف شکلوں میں ہوئے ہیں ان حالتوں میں یہ مادہ بیشک بے شعور ہے اور صرف بے شعور ہے بلکہ تمام حالتوں میں کثیف ہے۔ محدود ہے۔ محسوس ہے گو کثافت محدودیت اور محسوسیت کے مابین مختلف ہوں اور نیز بعض حالتوں میں بے حس ہے بعض میں بے حرکت ہو اور بعض حالتیں غلاظت اور دیگر عیب بھی ظاہر کرتی ہیں۔ اس لیے اس ایک ذات کو ہر ایک شان میں ظاہر ہوتے ہوئے مگر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محسوس۔ مطلق۔ پاک اور بے عیب ذات نے یہ ظاہر کیوں اختیار کیا؟

پاک ناپاک کیوں ہوا

کہنے پر محسوس۔ مقید۔ ناپاک اور عیب وار ہیں اور جب اس ذات کا عام نامہ ہے کہ وہ ایک ذرہ کو بھی عبث اور بے وجہ پیدا نہیں کرتی تو خود اپنی ذات کو جو ہر طرح کا کمال رکھتی تھی کس مصلحت سے ان بجا سنوں میں جس لوہہ گر کیا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین اور زمین کی پیداوار ایکے بعد دیگرے کثیف و لطیف ہوتی جاتی ہے۔ معدنیات بالکل بے حس و حرکت تھے نباتات میں حرکت نے ظہور کیا حیوانات میں مختلف حواس کی تکمیل ہوئی انسان سب سے بڑھ کر عقل و شعور اور دیگر کمالات میں ترقی کرتا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر کی رفتار لطافت کی جانب ہے اور اس لیے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ذات کثافت کی طرف آنے کو کمال سمجھتی ہوگی۔ کیونکہ

اگر غیر محسوس سے محسوس ہو جائے کمال مہتا اور اس کمال کو حاصل کرنا اُس فرائض کی غرض غایت قرار دیا جائے تو ضرور تھا کہ موجودات عالم کی رفتار لطافت ہو کثافت کی جانب ہوتی اور اسی طرح ایک پیداوار سے دوسری پیداوار کشیف تر ہوتی جاتی مگر جب اس کے خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کی چیزوں کا کمال اسی لطافت کی جانب مڑتی کرنا سمجھا جاتا ہے جس لطافت سے اُس فرائض نے منزل کر کے کثافت کا جامہ پہنا ہے تو اس فعل کا محبت اور بے سبب ہونا اور بھی دلنشین ہو جاتا ہے۔

مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں | سوای ولیکا ننداس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

”غیر محدود محدود از قیاس کیوں ہوا ؟ یہ بہت مشکل سوال ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ کیوں کا
کا سوال دنیا کی چیزوں پر ہوتا ہے جو علیت کے سلسلہ میں مقید ہیں اور مطلق علیت اور زمانہ و فضا
سے بالاتر ہے اسلئے اسکی فرائض کی نسبت کیوں سے سوال نہیں ہو سکتا“

علم غیر نظریہ کے پیدا نہیں ہو سکتا | لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطلق بیشک بالاتر ہے مگر سوال کی پیچیدہ ہے کہ ہم اس علم کا سبب میں مقید ہیں اور ہمارے استدلال عقل کی افنا و بے باقی ہوتی ہے کہ جب کسی معلوم چیز یا واقع کی نسبت غور کرتے ہیں تو اس کے لئے ایسا ہی نتیجہ یا عقیدہ قرار دیتے ہیں جسکی نظیر و افعال معلوم میں پائی جاتی ہو اور اس کے برخلاف کہی ایسا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس کی نظیر نہ ہو۔ مثلاً جب ہم کوئی نامعلوم آواز سنتے ہیں اور خیال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیوں کر پیدا ہوئی تو جو طریق آواز پیدا ہونے کے معلوم ہیں اُن میں غور کرتے ہیں کہ ایک آواز انسان کی ہو سکتی ہے جو کچھ بات کرتا ہو اور ایک آواز حیوان کی ہوتی ہے جو اپنی عادت کے موافق بولتا ہے اور ایک آواز بادل کے گرجنے کی یا بجلی کی کڑکنے کی ہوتی ہے اور اسی قسم کی آوازیں جہاں تک ہمارے علم میں ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نامعلوم آواز ان میں سے کس سے مشابہ ہے اور اس طرح پر جو تشبیہ ہو اغلب معلوم ہوتی ہے اسی کے مطابق اُس آواز کی نسبت رائے قائم کرتے ہیں اور کہی ایسا احتمال قائم نہیں کرتے جسکی نظیر نہ دیکھی ہو۔ یا مثلاً جب چاند کے دھنوں کو دور میں سے دیکھا گیا تو دھنوں کے کتاب گمان یوں باب خچیم۔

کا مقام روشن جبکہ کی نسبت کسی قدر ہوا معلوم ہوا چنانچہ اس وقت کے ذخیرہ معلومات کی بنا پر
 داغون کی نامعلوم کیفیت معلوم کی گئی کیونکہ نظیر کی تلاش ہوئی اور دکھایا گیا کہ زمین پر پانی کی سطح خشکی
 کی نسبت ہلکا رہتی ہے اس لیے خیال ہوا کہ چاند کا یہ مقام بھی سمندر ہے۔ اس کے بعد دو مہینوں
 میں ترقی ہونے پر جب داغ زیادہ صاف نظر آئے تو خود اس کے اندر بھی نشیب و فراز معلوم ہوئے
 اب چونکہ پانی میں نشیب و فراز ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں اور اس کے برخلاف آن داغون
 کو موجود علم کی بنا پر پہاڑ کے غاروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس لیے دوسرا احتمال قائم ہوا کہ چاند
 میں سمندر نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے غار ہیں جو داغ کی شکل میں نظر آتے ہیں بلکہ اب جبکہ قریب قریب
 سیاروں کا ایک دوسرے پر عکس ہوا نامعلوم ہوا اور نیز چاند کا وہ عکس بھی دکھایا گیا جو ایک اس کے قریب
 ستارہ پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اس میں دکھایا گیا کہ پانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا تو نتیجہ نکالا گیا کہ کم از کم
 چاند کے بالائی سطح پر کوئی دریا یا نفع موجود نہیں ہے اور یہ اسی لیے کہ پانی موجود ہوا اور اس کا قریب
 ستارے پر عکس نہ پڑے اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔

ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں :-

”میں سلا اور سرولیم ہلالٹ نے چشہ طین علم کی لکھی میں میرے نزدیک انکے علاوہ ایک اور بھی
 شرط ہے یعنی مناسبت۔ ہم جس چیز کو معلوم کرتے ہیں اس کا اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اور چیزوں کا علم
 پہلے سے ہوتا ہے مثلاً ہم کسی جانور کو دیکھتے ہیں تو اگر اسی قسم کا جانور پہلے دیکھا ہو اس حالت میں اسے
 پورے طور پر معلوم کر لیں گے اور اگر نہیں دیکھا تو جو باتیں اس میں پائی جاتی ہیں جن جانوروں میں
 اسی قسم کی باتیں پائی جائیں ہم مانیں گے کہ یہ جانور ان جانوروں کی قسم کا ہے اگر چارپیر رکھتا ہو تو
 چو پاؤں کی قسم سے کہیں گے۔ بڑے دانت رکھتا ہو گا تو درندہ سمجھیں گے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو غلط چاندنا
 کہیں گے۔ یا زندگی کا نشان بھی نہ ہو تو نباتات یا اس ہوا تر کربوات وغیرہ کی قسم سے کہیں گے۔ غرض
 اسی حد تک علم حاصل ہو گا جس حد تک پہلے معلومات سے پیدا ہو چکا ہے۔“

غرض ہمارا علم محض نظائر و مناسبات کی وساطت سے ترقی کرتا ہے اور اس بنا پر صحیح علم ہم تک نہیں مناسبت کا

کامل لحاظ رکھا گیا ہے اور جہاں تک مشابہت اور نظیر کی تعین میں غلطی کی گئی ہے اسی تک علم بھی غلط ہوگا اور اس قاعدے کے موافق جب ہم نے فیزکات عالم کو دیکھا اور ان کے آفاقی نسبت خود کرنا شروع کیا تو چونکہ محض تغیرات کو محض مادہ کو یا مادہ اور خدا دونوں کو قدیم مانکر دیکھا کہ معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا ہے اور اپنے ذخیرہ معلومات میں اس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ معلول خود بخود اور بغیر علت کے پیدا ہو جائے اس لیے ان خیالات کو غلط مانکر ہم اس عالم سے پر کسی قدر ہمتی کی تلاش کرنے لگے اور یہاں تک ہماری رفتار بالکل درست تھی لیکن اب ایک غیر مادی ہستی کو مانکر جب یہ خیالات قائم کیا گیا کہ وہی ایک ذات اپنی پاک اور کامل حالت کو ان ناپاک اور ناقص مالتون میں بدل رہی ہے تو لامحالہ سوال پیدا ہوا کہ اس کا فیصلہ کس مصلحت پر مبنی ہے اور چونکہ کوئی فائدہ قرار دیا نہیں جاسکتا اس لیے اگر اس کے دیگر افعال میں جو روزمرہ ہم دیکھتے ہیں کوئی ایسی نظیر ملے جو بالکل عبث اور بے وجہ ہوتی تو بیشک اس عقیدے کو ماننے کی گنجائش ہو سکتی لیکن حال یہ ہے کہ اس دنیا میں اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی عبث نہیں ہے اس لیے یہ خیال ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یعنی ان تمام چیزوں کو موجود کرنا عبث اور سلسلہ علت سے خارج ہوگا۔ غرض پہلے احتمالوں میں کسی ذات کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا تھا اور اس احتمال میں ذات اگرچہ قدیم ثابت ہوئی مگر اس کا سب سے بڑا انقلاب جس میں غیر محسوس محسوس اور غیر محدود محدود ہو گیا بے علت رہا۔ قصہ مختصر اس عالم کا وجود ہر احتمال میں معلول بے علت ثابت ہوا اس لیے یہ احتمال بھی اگرچہ پہلے احتمالوں سے بالاتر ہے مگر اس نقص کے سبب قابل تسلیم نہیں۔

سوامی دیکھنا ایک اور موقع پر بھی یہی سوال پیدا کرتے ہیں کہ جب ایک ہی ہستی سب طور پر ہے تو وہ تکلیف کیوں اٹھاتی ہے اور زمین ناپاک کیوں ہوتی ہے؟ اور جواب دیتے ہیں کہ آفتاب کیساں چمکتا ہے لیکن کسی کے نقصان بصارت سو چراگی یا مختلف رنگ نظر آتے ہیں وہ آفتاب پر عیب نہیں لگا سکتے اسی طرح وہ کون سی جسمانی نقصان دہ عیب وار نہیں ہو سکتی اور اسی طرح ایک اور

جگہ لکھتے ہیں کہ وحدت کثرت کیوں ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اب بھی وحدت ہی موجود ہے اور کثرت صرف بیرونی طور پر ہے۔

لیکن آفتاب کی نظیر سے اور کثرت کو محض نائشی ماننے سے یہ عقدہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ اس لطیف ہستی کے سوا کوئی کثیف ذات موجود ہو جس پر اُس کا نور وحدت چمکا اور دوسری ذات کی کثافت اور کثرت کے سبب سے وہ ظاہر میں کثیف اور کثیر معلوم ہو۔ حالانکہ اس عقیدے کے برعکس عالم کی یہ صورت نہیں ہے بلکہ ذات ہر حال میں ایک ہی موجود مانی گئی ہے اور جسم یا اُن کو خیال کے مطابق مایا کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتی اور اس لیے کثرت یا عیب جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اُن یا صفات میں اور ظاہر ہے کہ عرض اور صفت بغیر کسی ذات کے موجود نہیں ہو سکتے اس لیے وہی ایک ذات ہوگی جو پہلے غیر محدود غیر محسوس غیر منفصل و متصف تھی اور اب محدود محسوس اور ہر طرح کی خاص صفات سے معرض ذات ایک مانکر صفات بیرونی ہوں یا اندرونی اُن کا محل ہر حال میں اُن ہی ذات ہوگی اور آفتاب کی نظیر اس پر صادق نہ آئیگی کیونکہ یہاں جن چیزوں پر آفتاب کی شعلہ پڑتی ہے وہ آفتاب سے علیحدہ ہیں اور اسی لیے اُنکا نقص آفتاب کے نور کو عیب دہن میں کرتا۔ البتہ اگر محض آفتاب موجود ہوتا اور اس حالت میں اُس کی شعلہ کسی ذراتی اور کہیں تاریک ہو جاتی تو بیشک ایک نظیر موجود ہوتی لیکن اس صورت میں شعلہ کا تاریک ہونا بھی آفتاب ہی کا نقص ماننا پڑتا۔

وحدت وجود کے لیے کیا مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنے کی یوں بھی کوشش ہو سکتی ہے کہ اگر اُس ذات تشبیہ میں ہوگی ہیں۔

کو دریا سے تشبیہ دی جائے اور تعینات عالم کو دریا کی لہرین فرض کیا جائے یعنی دنیا کی ہر ایک چیز کہ اُس ذات کا ایک حصہ مانا جائے تو وہ ذات ایک جسم کی طرح طول عرض وغیرہ جسمانی صفات سے متصف ہوگی اور صاحب اجزا ہونے کے نتیجہ میں زمین اور اس صورت میں یہ تمام بھی دوسرے لفظوں میں محض مادہ کا اپنی لطیف تر حالت میں قدیم ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر اس تشبیہ کو ناقص سمجھا جائے اور واقع میں وحدت وجود کے نقطہ خیال سے تشبیہ ہے مگر ناقص۔ کیونکہ وہ

دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک جز و یا حصہ نہیں مانتے بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز بلکہ ہر ذرہ میں اُس کا کامل ظور ہے تو اس صورت میں اُن ذات مطلق کی نظیر انسان یا دیگر امور کلیہ کو ماننا چاہیے کیونکہ انسان بھی ایک ذاتی مطلق ہے اور اپنے ہر فرد یعنی زید عمر خالد وغیرہ میں وہ کامل ظور پر موجود ہے یعنی افراد کو انسان کا ایک حصہ نہیں کہتے بلکہ ہر شخص کو پورا انسان کہتے ہیں۔ لیکن ایسا مطلق ماننے میں یہ قباحت ہے کہ یہی ہستی مطلق مثلاً انسان محض اپنے افراد میں موجود ہو سکتی ہے اور افراد سے باہر اُس کا کوئی وجود نہیں یا یوں کہا جائے کہ محض زید و عمر کا وجود ہے جس سے انسان کی ہستی مطلق کو خیال کی ضرورت کا نہیں احتیاج ملتا ہے ورنہ غریب میں زید و عمر وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں اور اس لیے جب زید و عمر وغیرہ تمام افراد معدوم ہوں اُس وقت انسان بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح پر وہ ذات جس کو مطلق یا کونیا کے تعینات کرنا اسکے افراد مانا جاتا ہے اُس کا وجود بھی غریب میں کی مسامت سے ہوگا اور یہ تعینات چھ یقیناً حادث میں اس لیے جن نے میں انکو معدوم فرض کیا جاوے وقت خدا بھی موجود نہ ہوگا اور لازم آئے گا کہ وہ ذات اس عالم کی علت اور باری نہیں ہے بلکہ خود ایک طرح سے معلول اور اپنے وجود کیلئے وجود عالم کا محتاج ہے اور اس صورت میں پھر عالم کو موجود کرنے کیلئے جس سے وہ ہستی مطلق بھی موجود کی عزت حاصل کر کے کونیا کی تلاش ہوگی اور چونکہ اُسکے سوا کوئی اور فاعل مانا نہیں جاتا اس لیے اس صورت میں بھی معلول کا بغیر فاعل کے وجود ہونا لازم آئے گا۔

اور اگر تیشیل بھی غلط فہمی جائے اور خدا کو نہ دریا کی طرح تمام مظاہر کا مجبوز مانیں اور نہ انسان کی طرح تمام افراد کا مشترک سمجھیں اور پھر بھی یہ خیال کریں کہ وہ ایک موجود ہے اور تمام مظاہر میں جلوہ کرتا ہے تو یہ ایسا دھوکہ ہے کہ اگر صحیح ہو تو اجتماع نقیضین اور دیگر تمام ناممکن دعویٰ بھی صحیح ہونگے کیونکہ نظیر نہ اسکی موجود ہے اور نہ انکی۔ اور بے دلیل ماننا ہوتا تو اس لیے یہاں سب کچھ مانا جاسکتا ہے۔

غرض محض ایک ذات کو موجود ماننا اور اسی کو مادی صورتوں میں جلوہ گرفتار کرنا ہر طرح سے ویسا ہی غلط فہمی ہے جس کو محض مادہ کو قدیم سمجھنا یا بغیر فاعل کے تغیرات عالم کا ظور پند پر مینا اور خیال قائم کرنے کے لئے دُنیا میں کوئی نظیر موجود نہیں۔

باب سوم

پیدائش

نیت سے بہت چہرہ کیا نیت سے بہت ہر نفس کی کوئی تغیر موجود نہیں۔ تغیر کی تلاش میں کوئی بھی چوٹی ہے۔ خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے۔ خیالی مخلوق قابل لمس اور روز نما رہتی ہے۔ خیالی مخلوق دوسروں کو بھی محسوس ہوتی ہے عینت و بہت کر نیز اے میں شعور کی صفت رہتی چاہئے خیال کی پائیش ادبی، و پناہ کسمی ہے جو ادبی مخلوق میں ہیں مبدل حادثات و علت قدیم۔ وحدت شہود۔ علم کے لئے کوئی معلوم نہ ہوا چاہئے، علم کس کس چیز کا ہو سکتا ہے۔ خدا کا علم کبریا کو خیال میں آسکتا ہے خدا کی ہستی میں اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اس کی تحقیق خاص ہو عام کی طرف مایا کا قانون قدرت ہو۔ خدا کو ماننے سے انسان و اہل ہوا جا تم ہے اسطر بریلہ لاکا اعتراض کہ تو دنیا جیسی چیز کہی پیا اپنی بنین دیکھی شہرت باریتالی کو ضعیف کر کر کر باب اسلاحدت۔

نیت سے ہٹ جاتا ترتیب احتمالات کے روسے یا کہ ان کم میرے علم میں اب صرف ایک تعامل باقی ہے اور وہ یہ کہ کسی ہستی بے کیف نے اس عالم کو نیت سے ہٹ کیا ہے۔

کیا نیت ہوست ہو نیکی
کوئی نظیر موجود نہیں؟

اس خیال کو دل میں جگہ دینے کے وقت سب سے پہلے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ محض نیت ہوست کیونکر ہو سکتا ہے اور تلاش ہوتی ہے کہ آیا دنیا میں ایسی
کوئی نظیر موجود ہے؟ اس تلاش میں دنیا کے اکثر واقعات پیش نظر آجاتے ہیں مگر کسی میں کوئی چیز محض
معلوم سے وجود میں آتی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والا مادہ مختلف شکلیں بدلتا نظر آتا ہے
دوست الگ ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہیں ہوتی بلکہ محکم اور اجزائے زمین نئی شکل میں جلوہ گرہ جاتے ہیں
حاجد اور پرورش پاتا ہے تو وہ نیت ہوست نہیں ہوتا بلکہ لطف اور خوراک کی شکل میں انقلاب ہو جاتا ہے
خجل کرسی بناتا ہے یا درزی کوٹ مینا ہے تو صرف مادہ دنیا کو نئی شکل دیتا ہے۔ غرض ایسے ہی واقعات

میں جن سے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی چیز ہو جو ہمیشہ موجود رہتی ہے اور صرف اس کے اعراض میں نمودار ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز محض عدم سے وجود میں آئے۔

نظیر کی تلاش میں کوتاہی | مگر کہہ دینے سے تمام تغیرات کو دیکھ لیا اور کیا کسی تغیر میں نیست سہمت ہوئی ہے

نظر نہیں آتا؟ شاید ایسا ہی ہو مگر ابھی تک ہماری تلاش ضرور ناقص ہے
ہم نے اگرچہ تمام شہر میں ڈھنڈور اٹھایا ہے مگر اپنی گود کو دیکھنا باقی ہے یعنی بے شعور چیزوں کو شعور والا انسانوں کو دیکھا لیکن خود شعور کو نہیں دیکھا اور اگرچہ اس اعتراف کا خیال بڑے بڑے کے دل میں پیدا ہوا ہے لیکن انفس ہی کہ کسی نے خود خیال کی طاقت کو نہیں آدایا کہ وہ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے اور عقلی کارناموں میں شامل اس سے بہاؤ تعجب انگیز کوئی امر نہ ہو گا کہ جس چیز سے روزمرہ کام لیتے ہیں اسی کی ایسی خاصیت کو نہیں دیکھتے جو کم دیش شخص میں موجود ہے۔

خیالی مخلوق نظر آسکتی ہو | خیالی طاقت کا سب سے کم تر ظہور عموماً اور قریباً ہر شخص کو نظر آتا ہے جب کوئی شخص تنہا اور بالخصوص تاریکی میں ہوا دیکھ کر چیز کا خوف نہایت شدت سے پیدا ہو سکے تو ایسے وقت میں جس چیز کا خوف ہے وہ اکثر پیدا ہو جاتی ہے شیر کا خوف ہے تو شیر کی شکل و انت نکالے ہوئے سمجھ کر تے ہوئے دکھائی دیتی ہے دیو کا خیال ہے تو ایک بلند اور مہیب بت آکھیں چمکاتا ہوا اور ہاتھ پیرھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ خوف زدہ انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہے کسی وقت بے اختیار آنکھیں بند کر لیتا ہے کہیں بھاگتا ہے اور کبھی جھنجھار کر مہوش ہو جاتا ہے اگر کوئی دل گردہ رکھتا ہو اور اس نے اس خیال کو دور کر کے بھر دیکھا تو وہ ان کچھ بھی نہیں ہوتا۔

خیالی مخلوق قابل لمس اور | پس کیا اس وقت نظر آنے والا نیست سے بہت نہیں ہوا؟ البتہ نہیں
وزن دار ہوتی ہے۔

بعض انسانوں کو سوتے ہیں اور بالخصوص کسی مرض کی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھاری انسان نے اس کو دبوچ لیا ہے۔ ایسی حالت میں مرض اکثر بیدار ہو جاتا ہے اور بیداری اور ہوش میں بھی کچھ دیر تک خیالی اثر قائم رہتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ پشت پر زلزلان جگہ اس کا سر ہے اور

فلان مقام پر چھپاتی اور فلان فلان جگہ اُسکی موٹی موٹی انگلیوں سے دبائی ہوئی ہے اور وہ ہلنا چاہتا ہے بلکہ نہیں جاتا۔ بولنا چاہتا ہے بلکہ نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں خواب کی خیالی قوت ختم ہوتی ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ چار پائی پر اس کے سوا کوئی نہیں۔ یہاں ایسی چیز نیست ہوئی ہے جس میں وزن بھی ہے اور جس کو پیا کیا گیا ہے اُسے قوت باصرہ نے دیکھا اور قوت لامسہ نے چھوا اور کم پیش اکثر اشخاص کو اُس کا تجربہ ہے۔

خیالی مخلوق دوسروں کو
بھی محسوس ہوتی ہے

مگر ان مثالوں میں اپنے خیال نے خود اپنے تئیں ایسا نظارہ دکھایا ہے لیکن اس سے بڑھ کر ایسے واقعات بھی نہایت کثرت سے پیش آتے ہیں جن میں قوت خیال نابود و کبود کرتی ہے اور دوسروں کو دکھاتی ہے اور نہ صرف قریب والوں کو بلکہ بڑے بڑے فاصلہ پر یہ غیر مادی شکلیں نظر آتی ہیں اور نہ صرف کسی ایک آدم کو بلکہ بعض اوقات بہت سے لوگوں کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس طاقت کا غور نہ صرف اتفاقاً ہوتا ہے بلکہ ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں کسی شخص نے اپنے ارادہ سے خیالی وجود کو کسی فاصلہ پر اور وہ بھی ایسے شخص کو دکھایا ہے جو کہ پہلے سے اس قسم کا خیال نہ تھا۔

مسیحاٹھا فارسیٹھیکیکل مریسچ نے روحانی مظاہر کی تحقیقات میں جو واقعات خیالی قوت ظاہر ہونے کے جمع کئے ہیں ان میں سے بہت سے مشربطہ صریح اپنی کتاب کے ایک باب میں لکھے ہیں۔ چنانچہ بعض ہیں کسی مرنے والے کو جس عزیز کے دیکھنے کی حسرت ہو اس عزیز کو کسی فاصلہ پر اس وقت مرنے والی شکل نظر آتی ہے۔ بعض ہیں مرنے والے کے پاس بیمار داروں نے اس کے کسی عزیز کو دیکھا ہے جس کو مرنے والے کا خیال منگی ہے مگر اُس کے پاس نہیں آسکتا اور بیمار داروں نے جس شکل کو ادھر جس قسم کے لباس کو دیکھا ہے وہ پہلے اس سے تشابہات تھے مگر بعد میں ملاقات کے وقت یہ سب باتیں صحیح ثابت ہوئی ہیں بعض میں کسی دوست کی شکل دیکھی ہے مگر اُس کا لباس ایسا نظر آیا ہے جس کا پہلو سے ظلم نہ تھا اور بعد میں صحت ہوئی ہے کہ اُس وقت نظر آنے والے کا واقعی وہی لباس تھا۔ اور بعض

میں کسی شخص نے کسی فاصلہ پر خود کسی دوست کو اپنی شکل دکھانے کا ارادہ کیا ہے اور اسکو نظر آیا ہے اور یہ سب بیداری میں اور روشنی میں نظر آئے ہیں بلکہ بعض اوقات برقی روشنی میں یاروں کے وقت دکھائی دئے ہیں۔ اور ان کے بعد وہ ایسے واقعات جمع کرتے ہیں جن میں بہت سے لوگوں کو کسی کی خیالی طاقت کا حلوہ نظر آیا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کی تہمیدیں لکھتی ہیں کہ:-

یہاں تک وہی روحانی نقش فکر پہنچتے ہیں جو ایک شخص کو معلوم ہوئے اور اکثر جوتا ہی ایسا ہی ہے کہ محض ایک شخص کو تنہائی میں نظر آئے ہیں کیونکہ دوسروں کی موجودگی میں جو واقعی مفسریت ہوتی ہے وہ اکثر حالات میں ان واقعات کے لیے مناسب نہیں منہجرتی کا واقعہ جو اوپر درج ہوا ہے (جہاں ایک شخص کو دوسروں کی موجودگی میں مرنے والے کی شکل (نظارتی مضمی) ایک مستثنیٰ واقعہ ہے۔ لیکن تاہم ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک ہی خیال دو یا دو یا دو شخصوں کو نظر آیا ہے اور بعض دفعہ وہ معلوم کئے والے خود ہی ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوئے ہیں اور دونوں کو یہ خیال مختلف وضع سے نظر آیا ہے مثلاً سرگامنس جنس مقام بریسنڈیٹ ایڈمنڈز میں تھے اور ان کے بھائی ویلیٹ منسلٹ میں جبکہ انھوں نے اپنے والد کے وفات کی شب کو غیر معمولی تجربہ دیکھا۔ سرگامنس اس آواز سے چمکنے کہ ”ایک خفاک واقعہ پیش آیا ہے“ اور ستر ہر ہٹ جنس جو بیار تھے انھوں نے اپنا نام دو دفعہ سنا اور ایک بھاری چیز پر تھیلوں سے گرتی ہوئی سنائی دی۔ اور دیگر واقعات میں (اور اکثر قسمی کے ہوتے ہیں) معلوم کرنے والے ایک جامع ہوتے ہیں اور عموماً خیال بھی ایک ہی شکل میں نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ایک شکل کو دیکھتا ہے تو سب وہی شکل دیکھتے ہیں اور اگر ایک آواز سنتا ہے تو دوسرے بھی آواز ہی سنتے ہیں چنانچہ سین سالس کی رپورٹ میں مجمع اشخاص کے ۹۵ نظارے لکھے گئے ہیں جن میں سے ۶۷ انسانی شکلوں کے تجربے میں اور ان میں ۲۷ ایسے واقعات ہیں جن کے نظارے انہوں نے زندہ اشخاص تھے“

اور اس کے علاوہ اور واقعات جن میں کسی خاص مقام پر کوئی شکل عموماً نظر آتی ہے اور جس کو دیکھتے جن کہتے ہیں یا مردوں کی نوح فرض کی جاتی ہے ایسے واقعات کو وہ بابوں میں جمع کر کے مسٹر پڈ موسر اپنے استدلال سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ عموماً خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے اور بعض جگہ جہان کے لوگوں کو جنات پر یقین ہو سب کی خیالی طاقت اس شکل کو پیدا کرتی ہے اور بعض جگہ کسی ایک شخص کا خیال پیدا کرتا ہے اور دوسرے اس کے خیال کو محسوس کرتے ہیں۔

مسٹر جے ہڈن اپنی کتاب میں ایک عنوان ”اشکال مردگان“ کا قلم کرتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں:-

”یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے کہ انسان کی نوح میں خیالی جسم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے جو دوسروں کے ظاہری حواس کو نظر آسکے اور بہت سوا واقعات ہیں جن میں ایک ہی وقت پر بہت سے شخصوں نے خیالی اجسام دیکھے ہیں اور اکثر اس طرح نظر آئے ہیں کہ دیکھنے والے پوری صحت اور معمولی حالت میں تھے۔ اور ایسی چیزیں نہ کہ صرف انسانی نظر محسوس کرتی ہے بلکہ وہ ایچی جسم اور نمایاں ہوتی ہیں کہ ان کا عکس آمارا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ایسی وقت ہوتا ہے جن جب خیال پوری قوت سے عمل کرے اور چونکہ ایسی قوت بڑی آرزو کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی آرزو انسان کو مرنے کے وقت اپنے عزیزوں کو دیکھنے کی ہوتی ہے اور خصوصاً ایسے لوگوں کو جو تنہائی میں ناگہانی یا ظلم کی موت سر میں اس وقت سخت حسرت محسوس ہے کہ کاش ان کے دوستوں کو اس واقعہ کا علم ہوتا اور وہ اسکا تدارک کرتے اس لیے یہ وقتا بیشمار مرنے والوں ہی کے دیکھے گئے ہیں اور انکی اس وقت کی حسرت ان کے خیال کو مجسم کر کے انکے عزیزوں کو دکھا دیتی ہے یا کسی عرصہ تک اس نوح میں نظر آتی رہتی ہے جہاں موت واقع ہوئی ہو۔ اور ایسی وجہ سے اکثر روحیں نگین اور افسردہ نظر آتی ہیں کیونکہ ان

۱۵۔ اب ہم وہم کتاب سنڈیٹز -

۱۶۔ کتاب لائف سائیکسک فیٹامنٹا باب بہت خلاصہ -

وقت کا خیال! الطبع افسوسناک ہوتا ہوا اور اگر یہ بعض اوقات زندہ لوگوں کی شکلیں بھی نظر آتی ہیں مگر ان کی طاق کسی قدر کم ہوتی ہے اور سبب یہی کہ ان کی حسرت اس درجہ کی نہیں ہوتی جیسی مرنے کے وقت ہوتی ہے۔“

مردے کی شکل نظر آنے پر ایک گمان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہ خیالی قوت نہ ہو بلکہ خود مردے کی روح نظر آتی ہو لیکن جن حالات میں زندہ شخص کی تصویر دوسرے مقام پر نظر آتی ہے یا جس وقت کسی شخص نے اپنے ارادہ سے کوئی شکل دوسرے کو دکھائی ہے اس وقت خود روح کے بدلنے کا گمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مٹر ہڈیوں میں مردے کی شکل کو بھی خیالی قوت کا اثر ثابت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ”عموماً مردوں کے ساتھ انکا لباس اور کبھی گاڑی گھوڑا بھی نظر آیا ہے اور اس حال میں جب گاڑی گھوڑے اور لباس کی روح نہیں فرض کر سکتے اور یہ عقده صرف خیالی قوت کے اثر سے حل ہوتا ہے تو انسان کی روح ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔“

مگر اس بحث کو طول لینے کے بغیر بھی زندہ شخص اس کا تجربہ خیالی قوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ جو لوگ ارواح کا باقی رہنا اور ایک طرح کے جسم میں جس کو وہ اسٹائل باڈی کہتے ہیں داخل ہونا مانتے ہیں وہ بھی انسان کی خیالی قوت سے انکا رہنمائی کر سکتے۔ چنانچہ تھیبو سا فیکل سسٹم کے مشہور ممبر مٹر لید بیڈر جو قیام ارواح کے بڑے حامی ہیں اپنی کتاب کا ایک باب خیالی اجسام کے ذکر پر وقف کرتے ہیں اور ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ جمع کر کے جن میں سرف خیال کا اثر مانا جا سکتا ہے خیالی جسم اور اسٹائل جسم میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ

اسٹائل جسم اس وقت دوسروں کو نظر دکھاتا ہے جبکہ خاکی جسم موت کے سبب ناپید ہو گیا ہو یا سخت مرض یا غلبہ خواب کے سبب بیکار ہو۔ اور جب وقت خاکی عبادی اور قوت کی حالت میں ہو اس وقت اگر وہ دوسروں کو کسی اور مقام پر نظر آئے گا تو خیالی جسم ہو گا۔“

نیت سہرت کرنیوالوں میں	غرض دنیا کی اور چیزوں میں اگرچہ دیکھا جاتا ہے کہ تغیرات میں ایک مٹھی مادہ ہر وقت
شور مگھت ہوتی چاہئے	موجود رہتا ہے مگر ان جسموں میں جو کمزوریت کے وقت شیر باد کی شکل میں نظر

علم سے بغیر مادہ کے فطر میں آنے کے لائق ہشیا جیسے بڑھکر پیدا کر سکتی ہوگی اور جب انسان ایسے بے مادہ جسم کو اس کرنے کے لائق اور حرکت کرنے اور بولنے کو لائق بنا سکتا ہے تو وہ ہستی بھی انسان یا خدا کو انسان سے بہت زیادہ محسوسیت حرکت آواز اور اثر کے لائق بنا سکتی ہوگی۔

خیال کی پیدائش وہی اوستنا | پس علم خدا سے بغیر مادہ کے پیدا ہونے کی نظیر خود انسان کے اندر
کھتی ہو جہاں مخلوق میں ہیں | ایسی موجود ہے کہ اس میں اور انقلابات عالم میں تفاوت محض درجہ کا
ہے نہ قسم کا۔ کیونکہ اگر خیالی جسم محسوس نہیں ہوتا بلکہ محض اس کی شکل وزن یا آواز محسوس ہوتی ہے
تو اسی طرح کائنات کا مادہ بھی کہی براہ راست محسوس نہیں ہوتا اور صرف اس کا رنگ وزن اور
دیگر صفات محسوس ہوتی ہیں اور جب طرح یہاں صفات جو مادہ پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح شکل
وزن وغیرہ سے خیالی جسم پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خیالی جسم معدوم ہو جاتا ہے
گردنوی مادہ معدوم نہیں ہو سکتا تو یہ بھی ایک دھوکا ہوگا کیونکہ خیالی جسم بھی حقیقی معدوم ہو سکتا ہے کہ خیالی قہقہ
ختم ہو جائے یا خود خیال کر نیز ہلا اپنے خیال کو بدل دے یا بعض حالات میں کوئی اسی قوت کا دوسرا خیال
مخالف اثر پیدا کرے۔ درمیان حالات کے بغیر اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی خیالی تصویر کو نابود کرنا چاہے تو نہیں
ہو سکتی اور اسی لئے تجربہ ہوا ہے کہ بعض اوقات کوئی خیالی جسم سالہا سال تک قائم رہا ہے اور لوگوں کے
بنائے کچھ نہیں بنی اور یہی حال مادہ کا ہے کہ وہ بھی ہماری ضعیف قوت سے معدوم نہیں ہو سکتا کیونکہ
ہم سے بے انتہا زیادہ قوی ہستی نے اس کو موجد کیا ہے۔ اور جس علم نے اسے موجد کیا ہے وہ اگر چاہے
جیسی بھی معدوم نہ ہو سیکے گا اس کی کوئی دلیل نہیں۔

غرض انسان آکھ کھول کر دوسری چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خود اپنے تئیں نہیں دیکھتا
اور کہتا ہے کہ میں انسان ہوں یعنی عالم الکبر سے زیادہ نظر کر سکتے ہیں
وَفِي الْأَنْفُسِ آيَاتٌ لِلْمُؤْتِمِنِينَ وَفِي الْأَنْفُسِ
أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ (ذاریات پانچواں)
سُورَةُ هِمْ آيَاتُ فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْأَنْفُسِ
ہم ان کو اپنے نشانات دیکھتے ہیں اور خود ان کو

حَقِّ يَسْتَلِمْ لَهْمَا أَهْلُ الْحَقِّ ط

نفسوں میں تاؤن کو معلوم ہو کہ وہ ذات حق ہے۔

(رحمہ مجددہ پانچواں عہد)

مطلوبہ احادیث اور علت قدیم ان نظائر کو دیکھتے ہوئے اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح پر انسان چھوٹے پیمانہ پر اپنی خیالی طاقت سے انسان کا اور اس کے لباس اور دیگر استیلا کا جسم اور جسم کے خواص یعنی محسوسیت وغیرہ کو نیت سے ثابت کر دیتا ہے اسی طرح پر خدا نے بڑے پیمانہ پر اپنی علمی طاقت سے مادہ اور اس کے خواص کو پیدا کر دیا ہے مگر بھی اس خیال کو صحیح سمجھنے سے پہلے چند امور کا لحاظ کرنا بھی ضرور ہے اور انجملہ ایک یا اعتراض ہے کہ خدا قدیم ہے اس لئے اگر وہ اس کا علم اس کی علت ہو تو لازم تھا کہ عالم تعبدی مہم سے ہوتا حالانکہ عالم جہم دیکھتے ہیں اس کے حادث ہونے کی علامات خود اس کے اندر مشاہدہ موجود ہیں اور اگر اس عالم کے بننے اور پکڑنے کے سلسلہ کو رد کیا جائے اور کہا جائے کہ موجودہ عالم سے پہلے بھی دنیار عالم بن کر آیا ہو چکے تو اول تو اس عالم میں اسکی شہادت موجود نہیں اور دوسرے اس سے پیشتر کے مضر و منفعی عالم چونکہ بن کر فنا ہو گئے ہیں اس لئے وہ بھی ضرورت حادث ہونگے کیونکہ قدیم کے فنا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس لئے ضرور ہے کہ کبھی کسی وقت میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے پس اس شروع کے وقت کا خیال جاکر مقرر ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے نابود تھی اسکو موجود کرنے کی علت کیا ہوئی اور اگر کہا جائے کہ خدا ذی ارادہ ہے اس لئے ایک وقت پر اس نے اپنا ارادہ سے عالم کو پیدا کر دیا تب بھی سائل ہوتا ہے کہ اس وقت پر ارادہ کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہوا۔ اور اس بنا پر اگرچہ خدا قدیم ہے اور اگرچہ اسکی علمی قوت نیت سے بہت کرنے کے لئے کافی ہے مگر پھر بھی نیت سے بہت ہونے کی صورت پر سے اعتراض دور نہیں ہوتا ۹

اس اعتراض کو ہمارے زمانہ کے ایک بڑے فاضل نے لایفعل نام ہے اور بظاہر ان الفاظ میں حرکت بھی ایسی ہے کہ عقل ایک دفعہ ضرور چکر کھا جاتی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ جی بزرگ اس اعتراض کو وحدت وجود کے مسلک پر حل شدہ گردانتے ہیں حالانکہ غور کیا جائے تو وحدت وجود کو مانکر یہ اعتراض اور بھی قوی

۱۰ یعنی علامہ شبلی نعمانی۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا روم۔ بحث وحدت وجود۔

مہر جاتا ہے کیونکہ یہ تعینات جن میں وحدت وجود والے خود ذات باری کو ظہور کرتے ہوئے مانتے ہیں
وحدت وجود کو مان کر بھی حادث ہیں اس لئے نیت حرکت کرنے میں توانائی اختیار نہیں کیا کہ جب
پہلے دیکھا تھا تو اس وقت ایسا کیوں کیا اگر وحدت وجود کی صورت میں ایک تو یہی سلسلہ باقی رہتا ہے
کہ جب پہلے تعینات کو اختیار نہیں کیا تھا تو اس وقت کیوں کیا؟ اور دوسرا سوال یہ تو ہے کہ
کہ اس نے اپنی کامل اور مطلق ذات کو نقص و قید کی آلائشوں سے کیوں آلودہ کیا اور ناقص چیز کو
پیدا کرنا تو بڑھئی کتر ہے وہ ذات خود کیوں پاک سے ناپاک ہو گئی۔ اس لئے اگر یہ اعتراض پیدا کرنے
کی صورت میں لایا جیل ہے تو ذات کے ظہور کرنے میں لایا جیل سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ گراہ ہم دیکھتے
ہیں کہ اس اعتراض میں کس قدر قوت ہے۔

اس اعتراض کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ جس وقت کوئی کامل علت موجود ہے اس کے معلول کو بھی کسی
وقت موجود ہونا چاہئے اور اگر معلول اسی وقت موجود نہ ہو بلکہ کچھ عرصہ بعد ہو تو ایسے معلول کے لئے اس
علت کو کامل نہیں کہنا چاہئے بلکہ کوئی اور علت بھی تلاش کرنی چاہئے مثلاً اگر حرکت حرارت پیدا کرنے
کے لئے کامل علت ہے تو جس وقت حرکت موجود ہو اسی وقت حرارت بھی موجود ہونی چاہئے اور اگر کو
ہاتھ ہلاتے ہی حرارت محسوس نہیں ہوتی بلکہ پہلے سردی معلوم ہوتی ہے تو اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ محض
حرکت کا وجود حرارت پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں بلکہ حرکت کا موجود ہونا کچھ عرصہ تک قائم رہنا یا
حرکت کے بعد وقفہ سکون پیدا ہونا یہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس
لئے کامل علت اس صورت میں حرکت اور حرکت کا استمرار یا حرکت کے بعد سکون کا طاری ہونا ہی
یکٹیو اگر بالکل درست ہے مگر اسکو سمجھنے میں کسی قدر فرسوسہ بھی ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے
کے لئے ایک اور مثال کی ضرورت ہے۔

ایک کاریگر کلاک بنانا ہے اور بنانے کے بعد اسکو چلا کر تہناب اگر فرض کیا جائے کہ اس نے
بارہ بج کے پانچ منٹ پر کلاک کو کوک دی ہے تو وہ ٹک ٹاک ٹکی وقت ہی کرنے لگیگا لیکن ایک
بجھنے کی آواز کا نعل پچھن منٹ بعد پیدا ہوگا اور دو کی آواز پانچ منٹ کم دو گھنٹہ بعد اور علیٰ غرہ بارہ

کی آواز پانچ منٹ کم بارہ گھنٹہ میں غصہ نہ پیر ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ کلاک کی ٹک ٹک کی قلت اور گھنٹوں کی آواز کی قلت وہی کارگیر اور اسکی کوک غنی مگر معلول ایک اسی وقت پیدا ہو گیا ہے تو دوسرے کچھ عرصہ بعد پس کیا نہ کوہہ بالانگلیہ اس وقت غلط ہو گیا؟ اور کیا ثابت ہو گیا کہ معلول علت سے کچھ عرصہ بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے؟ نہیں۔ وہ ٹک ٹک سلسلہ ہنہین بلکہ اسکی صورتیں دو ہین کہتی تھیں ایک علت کے بعد کسی دوسری متقل علت کی ضرورت ہوتی ہے اور کہی کامل علت ایک ہی ہوتی ہے مگر فعل کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اسکا طور کچھ عرصہ کے بعد ہر چنانچہ کلاک کی فطرت ہی ایسی واقع ہوتی ہے کہ بجھنے کی آواز ضروری کیسقدر دیر میں پیدا ہو اور اگر فعل کی فطرت کو دیکھی علت کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور مضمون بحث کو سمجھنے میں وقت نہ ہوگی چنانچہ اس عالم کو حادثات ماکر اور اسکی کامل علت علم خدا کو گردان کریم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک خدا قدیم ہے اور اسکی صفات بھی قدیم ہیں لہذا اسکا علم بھی قدیم ہے اور یہ کہ علم غلط نہیں ہو سکتا۔ ہم شکستہ گل نیو لے داتو کو غلطی سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ آج ہو گیا لیکن اگر خدا کا علم قدیم ہے تو اس کے یہی سنی ہیں کہ وہ قدیم ہے ہر زمانہ کو جانتا ہے اور ہر زمانہ کی چیزیں کو عین اسی زمانہ کے ساتھ جانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ دو سال بعد آنے والی چیز کو جانتا ہو کہ دو سال پہلے گز چکی یا اگر اس کو علم ہی جب ہوتا ہو جب کوئی چیز موجود ہو جائے تو وہ عاتق عالم نہ ہوگا جاہل ہوگا حالانکہ دنیا کی ساخت شہادت دیتی ہے کہ اس کو ہر ایک نتیجہ کا پہلے سے علم ہے اسلئے جب قدیم سے اسکا علم ہی اس طرح ہوگا کہ یہ کائنات، ایک خاص وقت میں موجود ہوئی تو جس طرح کلاک کے نیچر میں داخل ہے کہ گھنٹہ کی آواز چلنے کے بعد ایک خاص وقت پر ہوا ہی طرح پر اس علم کے نیچر میں داخل ہے کہ دنیا کا وجود علم کے بعد ایک خاص وقت پر ہو۔ اور جب آواز کے لیے کلاک کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہیں تو حادثات دنیا کے لیے بھی علم کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہ ہوگی پس خدا کو۔ خدا کا علم کہو۔ علم کی فطرت کہو لفظوں کا تفاوت ہوگا اور مطلب ایک ہی رہے گا کہ ایک کامل حسی نے دنیا کو نیت سے درست کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ یوں کہو کہ کائنات اس کے علم میں قدیم سے تھی اور ظہور بعد میں ہوا جس طرح پر گھنٹہ کی آواز کلاک میں پہلے سے

تھی مگر اس کا نظریہ بد مین ہو گیا لیکن جس طرح پر انسان کی خیالی مخلوق جو کسی کو نظر آتی ہے خیال کرنے والے کی ات کا عین نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہی انسان بعینہ اپنی تصویر اور اپنے لباس اور گاڑی ٹیکوٹے کی تصویر بن گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے ان چیزوں کو اپنی خیالی سہیاد کر دیا اور خود ان کے نظروں کے لیے حشر تہیہ بنا۔ اسی طرح خدا کے علم کی مخلوق اسکی ذات کا عین بنی ہوگی

اس اعتراض کو ایک لٹریٹر نے پیش کیا ہے کہ کتاب فرہٹ پر فہم پلزیاب دوم اقتباس شریف میں مسئلہ (کہ کال علت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ علت ہو تو علت بننے سے پہلے وہیں صفت کی کمی ہوگی جس کو علت بن کر پورا کیا۔ پر علت بننے سے پہلے کھل نہ ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب ہی یہ تقریر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جب کلاک کی طرح علم کی نیچر ہی یہ تھی کہ اسکی وقت مخلوقات کو ایک خاص وقت پر پیدا کرے تو اگر وہ اس وقت ایک کامل ہستی حادث مخلوقات کی علت ہوئی مگر اس عجیب طرز پر مخلوقات کے موجود ہونے پر اسکی ذات میں کوئی اضافہ لازم نہیں آیا۔ کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کے علم کی یہی شکل تھی کہ مخلوقات ایک وقت پر پیدا ہوتی ہیں اور اس کو پہلے معدوم ہیں اور مخلوقات کو موجود ہونے پر بھی اسکا علم ہی ہے۔ کہ مخلوقات ایک وقت پر پیدا ہوں گے اس کو پہلے معدوم ہیں۔ غرض علم پہلے بھی مکمل تھا اور اب بھی وہی طرح مکمل ہے جس طرح کلاک گھٹنے کی تلافی پیدا ہوتی ہے پہلے بھی مکمل تھا اور بعد بھی اس طرح کا مکمل ہوا اسلئے اس طرح کی علت ہونا اور نیز قدیم کو کامل ہونے کی کمی نہ تھی۔ اس اعتراض کا جواب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اسی طرح پر دلیہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کتاب تاجہ انظلال بہت قدیم عالم کہ جو شخص کہتا ہے کہ عالم حادث ہوا اور وہ پیدا ہوا ہے خدا کے قدیم ارادہ سے اور ارادہ قدیم سے یہی تھا کہ ایک خاص وقت پر عالم پیدا ہو گا چنانچہ متکبر اس کے ارادہ میں عالم کا عدم تھا وہ معدوم ہوا تا جب وقت ارادہ میں عالم کا وجود تھا اسی ارادہ کو وہ موجود ہو گیا تو اس عقیدہ پر کیا اعتراض ہے کہ جب اور یہ خود ہی امام غزالی متکبر کی طرف اس عقیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حادث کے لئے کوئی موجب اور سبب ہوا کرتا ہے اور جب اس طرح حادث کا بغیر موجب اور سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح ایسے موجب کا وجود بھی محال ہے جس کے تمام اثرات علیہ اور تمام موجود ہوں گے کسی امر کا انتظار باقی نہ ہو اور پھر اسکا معلول اس سے متاخر ہے۔ اور اسی وقت موجود ہوگا

اور نہ کہ سکین گئے کوئی ذات بعینہ ان تعینات میں جلوہ گر ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اس نے ان چیزوں کو اپنے علم سے پیدا کر دیا اور خود ان کے ظہور کا حشر چاہا اور یہاں وہ وقت پیش نہ آئیگی جو وحدت وجود میں لازم آتی ہے کہ ایک کامل اور بے عیب ذات خود تعینات کے نقص اور عیب سے آزاد ہو۔ اور اگر کوئی وحدت وجود کو کھامی خدا کا اسی طرح کا حشر چاہے تو انا ہو اور تعینات میں اس کا ایسا ظہور فرض نہ کرنا جو جس طرح پر انسان

پس علم کے وجود سے پہلے ارادہ کرے حالانکہ ارادہ موجود تھا اور اس ارادہ کا تعلق حادث سے موجود تھا اور ان میں کو کوئی چیز ایسی پیدا نہیں ہوئی جو قدیم سے موجود تھی۔ کیونکہ انہیں سے کیونکہ نوپیدا ماننا خدا کی ذات میں تغیرات کو ثابت کرتا ہے۔ تو اب ارادہ کا نہ ماننے عالم کیوں قدیم سے موجود نہ ہوا۔ حالانکہ عالم کے پیدا ہونے کا وقت اور اس سے پیشتر کا وقت کیساں میں اگر کیوجہ سے تفاوت نہیں۔ اس اعتراض کے بعد اہم صاحب ایسے ارادہ کو جو قدیم سے ایک خاص وقت پر پیدا کرنے کے لیے ہر حال نہیں مانتے جو قاضی ابن رشد کرتا۔ تھانہ امتنا نہ بحث قدم عالم اگرچہ اصل اعتراض کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اپنے سلاک کے مطابق اس کا جواب دیتے ہیں لیکن امام صاحب کے جواب کو سفسطہ اور دھوکا قرار دیتے ہیں اور بزرگین کی طرف سے جو اعتراض امام صاحب نے پیش کیا ہے اس کو بلیغ غایت الیہاں یعنی نہایت ہی صریح اور صاف بتاتے ہیں اور بیشک اگر عالم کی پیدائش اسی طرح فرض کی جائے جیسی مادہ اور خدا دو کو قدیم مانتے تھے نہ انہی ہے اور جیسے ہم کوئی مکان موجود مصلح سے بنایا کرتے ہیں تو پہلے ہمارے دل میں اس کو ایک خاص وقت پر بنانیکا ارادہ ہوتا ہے اور پھر اس وقت کے آجائے پر عزم پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ فعل ظہور کرتا ہے جس سے مکان بن جاتا ہے اور اس صورت میں پہلے ارادہ کے سوا مکان بنانے کے وقت ایک عزم نہ پیدایا ہوتا ہے اور پھر ایک فعل پیدا ہوتا ہے اگر خدا نے اسی طرح عالم کو بنایا ہو تو بیشک اسی ذات میں عزم اور فعل کی نئی صفت پیدا ہوئی جو پہلے سے تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے پیدائش عالم کی یہ صورت نہیں بلکہ اسکی پیدائش تو علم سے ہے اور تجربہ سے قوت عالم کا یہ خاص ثابت ہو ہے کہ بہن ایک خاص وقت کے لئے جس واقعہ کا خیال قائم ہو وقت آنے پر وہ واقعہ موجود ہو جاتا ہے اور اس کے لکھیئے عزم اور بننے فعل کی ضرورت نہیں ہوتی پس جب خدا کے علم میں موجود تھا کہ ایک وقت پر یہ عالم موجود ہوگا تو عالم اسی علم کی قوت سے اپنے وقت پر پیدا ہو گیا ہے اور پیدا ہونیکے

مطلق زید و عمر میں ظہور کرتا ہے تو بیشک ایسی وحدت وجود پر مذکورہ بالا اعتراض اُرد نہ ہوگا۔
لیکن اس وقت بحث صرف لفظی رہ جائیگی اور پیدائش کے عقیدہ میں اور ایسی وحدت وجود میں
کچھ اختلاف نہ ہوگا۔

وحدت شہود بعض مسلمان فاضلون نے وحدت وجود کے خلاف ایک اور خیال قائم کیا ہے

وقت اُسی ذات میں کسی عید یا صفت اور کسی تغیر کا وجود لازم نہیں آیا اور علم کی یہ صورت فرض کرنے پر
منکرین کا یہ اعتراض کہ جب کوئی نسبت اور کوئی سبب بنیاد نہیں ہوا اور سب کچھ قدیم سے تھا تو عالم قدیم
سے کیوں نہ ہو کسی طرح بدین غایت البیان کہلانے کا متوقع نہیں کیونکہ علم اور مخلوقات کے ما بین نسبت
ہی ایسی ہے کہ اگر علم قدیم سے ہو گا تو اس علم سے مخلوقات خاص وقت سے پہلے پیدا نہیں ہو سکتی۔

البتہ امام علیہ الرحمہ منکرین کی طرف سے ایک خاص وقت کی نسبت ایک اعتراض پیدا کرتے ہیں
اور وہ یہ کہ خدا کے لئے یہ وقت جس میں عالم کو پیدا کیا اور اس سے قبل اور بعد کا زمانہ برابر تھا پس
کیا وہ جتنی جس سے اس وقت خاص کو دوسرے وقتوں پر ترجیح ہوئی اور اگر کہو کہ خود ادا دہ نے ایک
وقت کو چن لیا تو ہم کہتے ہیں کہ ادا دہ نے دوسری وقتوں میں سے ایک وقت کو کیوں ترجیح دی۔
حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی کے سامنے کھانے کیلئے دو سبب رکھے ہوتے ہیں اور وہ دونوں کو دفعہ
میں نہیں رکھ سکتا اور اس لیے کسی ایک کو پہلے کھانے کے لئے اٹھا تا ہے تو اس وقت یا تو ایک دوسرے
کی نسبت زیادہ پختہ ہو تا ہے یا خوش رنگ ہو تا ہے یا اتمہ کے قریب ہو تا ہے اس لئے اسے پہلے اٹھا تا ہے
غرض کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیکھائی ہے۔ تو جب تمام دماغ خدا کے
تزوید مساوی ہیں اور اس کے قدرت ہر زمانہ میں پیدا کر سکتی ہے تو ایک وقت کے لئے ادا دہ کرنا اور دوسرے
وقت کو چھوڑنا بے وجہ ہے۔ امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ اسی مثال میں یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ دونوں
سبب پختگی اور رنگت اور تمام صفات میں مساوی معلوم ہونے میں اور اس کے دین اتمہ کو جو کام کے لئے
جلدی حرکت کرتا ہے مرکز انکرا کے گرد ایک دائرہ فرض کیا جا سکتا ہے جس کے خطیرہ دو سبب رکھے
ہوں اور اتمہ کا اور ہر ایک سبب کا فاصلہ مساوی ہو۔ اس وقت انسان کو جو کچھ بھی فرض کر دے تو ایسی صورت

جس کو وحدت شہود کہتے ہیں۔ اور جو عالم اسلامی مسئلہ یعنی نیت سرتست ہونے کے خلاف نہیں بلکہ فلسفیانہ طور سے اسکو قابل فہم بنا تا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یکے مقابل میں اسکی ضد ہوا کرتی ہے مثلاً علم کے مقابل میں جہالت اور نور کے مقابل میں ظلمت لیکن ایسی ضدیں عدم محض ہوتی ہیں یعنی جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نور کا نہ ہونا۔ پس یہی طرح خدا کی صفات کا ملکہ کے مقابل

میں کوئی ترجیح نہ ہونے کے سبب کیا وہ شخص حیران رہ جائیگا اور سب جو اسکی گرفت میں آسکتے ہیں انکو دکھائیگا؟ نتیجہ یقیناً غلط ہے بلکہ وہ ضرور ان میں سے ایک کو پہلے اٹھائیگا تو جو قوت اسوقت دونوں میں سے ایک کو ترجیح دیتی ہے وہی ارادہ ہے اور خدا چونکہ صاحب ارادہ مانا جاتا ہے اس لئے دوسری قوتوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اس وقت یہ کہنا کہ ارادہ نے کیوں ایک کو انتخاب کیا بعدہ ایسا ہے جیسو کہا جائے کہ علم کے کسی چیز کی واقعی حالت کو کیوں پہچاننا میں افضل ہو کہ نہ علم کہتے ہی اس طریقہ کو ہیں جس سے چیزوں کی واقعی شناخت ہر سی طرح ارادہ کہتے ہی اس قوت کو ہیں جس سے دوسری چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کیا جائے۔ قاضی ابن رشد چونکہ امام صاحب کی کلام میں کہتے ہیں کہ فرض سمجھتے ہیں اس لئے اس جواب پر بھی فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ جب دو چیزیں بالکل ہم مثل فرض کی جائیں تو اس وقت ارادہ کرنے والی ایک کو اختیار کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہیں کہہ سکتے۔ دو تو ہم مثل ہوں اور ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو۔ یہ سب سنی ہے بلکہ اس وقت وہ دو نو کو ہم مثل مانے ہے اور ہر ایک کو دوسرے کا بدل فرض کرنا ہو اور جانتا ہے کہ کوئی ہی چیز اٹھائی جائے نہ عاجز رہا ہو جائیگا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ عموماً قاضی صاحب نے اس اسچ وچ سے کیا اعتراض پیدا کیا۔ دوسری چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر اس فعل کو ترجیح کہو یا دو نو کا برابر ہونا یہ ثابت ہو کہ ارادہ کی قوت سے دو ہم مثل چیزوں میں سے ایک کو لیا جاسکتا ہے اور اعتراض ہی تھا کہ خدا نے ہم مثل قوتوں میں سے ایک کو کس طرح پر لیا پس ایک وقت کو ترجیح نہ ہی اس کو دوسرے وقت کے برابر سمجھ کر ایک کو اختیار کر لیا تو یہ وہی عمل ہوا جو در سبب یکساں ہونے کی صورت میں انسان کرتا ہو اس لئے ہمیں کوئی حیران نہیں۔

لے اس بارہ میں ملاحظہ ہوں مکتوبات مرزا جاسخانان اور مکتوبات تاحی شاد امد علیہ الرحمہ۔

میں کئی مہدین یا اعدام ہو گئے اور ان اعدام نے ہر ایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کر لیا ہوگا مثلاً نہ جو ان ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی متنازفرویں ہیں۔ پس اس وقت ان اعدام متنازفہ صفات خداوندی کا عکس اور پڑا ہوگا جیسا کہ اس کے عکس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفات خداوندی کا عکس یا عکس میں جن میں اعدام متنازفہ نہیں مادہ کی ہیں اور عکس صفات بنظر صورت کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونوں کی قابلیت رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس سے خیر اور شر دونوں طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔

اس عقیدہ پر یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہوئی چاہے جس پر دوسری چیز عکس پڑے جس طرح سے انسان کے مقابل میں آئینہ موجود ہوتا ہے اور صفات کی ضدوں میں سے اگرچہ ایک صفت کا عدم دوسری صفت کے عدم سے ہمارے ذہن میں متنازفہ ہے لیکن خارج میں وہ سب عدم و محض میں اس لئے عکس پڑنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

اس اعتراض کا حل یوں ہی ہو سکتا ہے کہ پہلے علم کی قوت کو شیا عالم وجود میں آئیں اور پھر ان پر صفات آئینہ کا عکس پڑ کر ان میں خیر اور بھلائی کی قابلیت پیدا ہوئی پس وحدت شہود میں اصلی احتمال دہی سلم خداوندی کی قوت کو شیا امکانیت کو بہت ہونا ٹھہرا لیا۔ اور یہ بعد میں دوسری بحث ہوگی کہ ان شیا میں بھلائی اور برائی کیوں ہے جس کو حل کرنے کے لئے اس خیال کو پیش کیا جائیگا کہ چونکہ حقیقت میں عدم سے وجود میں آئی ہیں اور عدم غیب ہے اس لئے ان میں بدی کی قابلیت ہو اور چونکہ علم وغیرہ صفات خداوندی کا ان پر عکس پڑا ہے اس لئے ان سے بھلائی صادر ہو سکتی ہے اور غالباً وحدت شہود والے بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ علم خداوندی نے

پہلے خاص وقت کا اعتراض امام صاحب کی تقریر سے پورے طور پر حل ہو جاتا ہے اور خدا کے تقدیم مادہ اور تقدیم علم میں جن وقت پر عالم کا پیدا ہونا مراد کو خدا اس وقت پیدا کرنے کو سید پیش کا مدعا پورا ہو جاتا ہے طرح دوسروں میں سے ایک کو اٹھالینے سے کھانے کا مدعا پورا ہو گیا تھا۔ اور جب ایسے فعل کے لئے نظیر موجود ہے تو جواب کو تغلط کتنا تغلط سے بھی بڑھ کر ہے۔

اصدا و صفات کو نیت سے بہت کر دیا ہے اور اس کے بعد ان پر صفات کا عکس پڑا ہے کیونکہ وہ اپنی تقریر میں صفات ربانی کا اس کے علم میں مفصل اور ممتاز ہونا مانتے ہیں اور علم کی اس شکل کو مرتبہ واحدیت ہی موسوم کر کے اصدا و باہر گر ممتاز ہونے کے لئے اس مرتبہ کو سبب قرار دیتے ہیں۔

علم کے لیے کوئی معلوم ہونا چاہئے | عدم سے وجود میں آنا چونکہ علمی قوت پر منحصر جاسیلے علم کے متعلق ایک اور اعتراض بھی قابل غور ہے کہ علم اور معلوم باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا۔ عالم کسی معلوم کا عالم ہو گا اور معلوم کسی عالم کا معلوم ہو گا۔ اور موجودات اپنی وقت سے پہلے عدم میں تھیں اس لیے اس حال انکا علم بھی نہ ہو گا۔

ہر بڑے سپنسٹر اس پر اور اضا فہ کرتے ہیں کہ خدا کا علم مخلوقات کے متعلق ایک طرف خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خدا کی ذات پر منحصر ہو گا پس اس وقت مطلق صرف ذات کو کہہ سکیں گے اور علم مطلق نہ ہو گا۔

اس اعتراض کا جو حصہ ٹرینسپنسر نے پیش کیا ہے اس میں ہم مقدار الزام ہے کہ خدا کا علم خدا کی ذات پر منحصر ہے اور بیشک عام طور پر صفات کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ذات پر منحصر ہو لیکن ذات مطلق ہوا اور اسکی صفات مطلق نہ ہوں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر اس بارہ میں تحقیق و تفتیش کو طول نہیں دے سکتے اس لیے کہ خدا اور اسکی ذات و صفات احاطہ عقل سے بالاتر ہیں اور خدا کی ذات اور اس کے علم کا سمجھ میں آنا ایک طرف خود ٹرینسپنسر تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کو جو اپنی ہستی کا علم ہے اسکی کیفیت بھی ناقابل فہم ہے چنانچہ وہ اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی پہلی اور بنیادی شرط عالم و معلوم کا تعادل (فیثیت) ہے پس اپنا علم ہونے کی صورت میں آپ اگر معلوم ہے تو عالم کون ہو گا یا عالم اگر خود ہے تو علم کس چیز کا ہے پس اس چیز کا تعین جو عالم ہے اور جسکی ہستی کا سب سے زیادہ یقین ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن باوجود یہ سمجھ سکنے کے جب ہم کو یقین ہے کہ ہم اپنی ذات اور صفات کا علم رکھتے ہیں تو اسی طرح خدا کو بھی اپنی ذات

اور صفات کا علم ہوگا مگر مخلوقات چونکہ قدیم سے موجود نہیں ہیں اس لیے علم خداوندی کا ان سے متعلق ہونا الہیہ غوطہ طلب ہے۔ اور ہمارے اپنے علم کی کیفیت دیکھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عموماً اسی چیز کا علم حاصل کرتے ہیں جو موجود ہو اور جس چیز کا کسی قسم کا بھی وجود نہ ہو وہ ہمارے علم میں نیند کی سی مگر اس قاعدے کو ذرا تفصیل دینے کی ضرورت ہو۔

علم کس چیز کا ہو سکتا ہے؟ ہم ایک تو ان چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں جو خارج مین موجود ہوں مثلاً یہ درو دیوار اور گھوڑا گاڑی جو خارج مین موجود ہیں ان کا تصور بھی ہمارے ذہن میں موجود ہو اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کر سکتے ہیں جو خارج مین موجود تو نہیں مگر انکی اجزا کی مختلف نشانیں موجود ہیں مثلاً ہم ایک دیو کا تصور کر سکتے ہیں جبکی انکارہی آنکھیں ہوں آسمان سے لگا ہو مگر بھارٹا کھلا ہو منہ ہو اور پھاوٹے سر لٹکے ہوئے دانت ہوں اور وزت جیسے ہاتھوں سے ہم کو پکڑنے کے لئے لپکے۔ ایسا وجود خارج مین دیکھا نہیں گیا مگر ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اس کے اعضاء کو تشبیہ و کرمینے خیالی وجود قائم کر لیا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کر سکتے ہیں جو نہ خود خارج مین موجود ہو اور نہ کسی قسم کی انکی ناقص تشبیہ موجود ہو مگر انکی ضد ہمارے تصور میں ہو مثلاً ایک ماورزاد یا بینا روشنی کا تصور کر سکتا ہے حالانکہ اس نے خارج مین کبھی روشنی کو نہیں دیکھا اور وہ تصور اس لئے کر سکتا ہے کہ انکی ضد یعنی تاریکی اس کے علم میں موجود ہے جس سے وہ خیال جاسکتا ہے کہ اس کا نہ ہونا روشنی ہے اور یہ ضد سے دوسری ضد کا علم صرف نابینا پر منحصر نہیں بلکہ علمی دنیا میں اکثر تحقیقات کی بنیاد ہی قسم کے تصور پر ہے۔ جتنے جب ہو دیکھنا شروع کیا ہے بلکہ جب سے ہماری تاریخ اور تجربہ نے دیکھنا شروع کیا ہے ہم نے زمین کی بیشی شکل دیکھی ہے پس ایسی ضد کو تصور کر سکنے کی طاقت کا کرشمہ ہے جس سے ہم خیال کر سکے کہ زمین جو اس وقت ٹھوس ہے کبھی سیال یا گیس کی شکل میں تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کبھی یہ سرسے موجود ہی نہ ہوگی یہ بیشی جو زمین کے سیال یا معدوم ہونے کا تصور کیا ہے ایسا تصور ہے جس کا موضوع ہم کو خارج مین کبھی نظر نہیں آیا اور جو کچھ دیکھا ہے وہ سیال یا معدوم ہونے کی ضد ہے پس جتنے دیکھا کہ اسی ضد سے

ہم کو دوسری ضد کا تصور پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح چاند سورج جو خاج میں ہم کو اسی شکل میں نظر آتے ہیں ہم ان کے وجود کی ضد بھی تصور کر سکتے ہیں اور نہ صرف کر سکتے ہیں بلکہ عنانوں کو دیکھنے کے بعد ایسا یقین بھی رکھتے ہیں کہ ایک وقت میں فضا کی بساط پر یہ روشن ٹھہرے چنے ہوئے نختے اور نواور خود اس اعتراض میں جو مخلوقات کے معدوم ہونے کے وقت خدا کے علم کی وجہ دریافت کی جاتی ہے اس وقت مخلوقات کے معدوم ہونے کا تصور خود ہماری اس تصور کی طاقت کو ثابت کرتا ہے جس سے ہم نے موجودات کے موجود ہونے سے انکی ضد یعنی عدم کا خیال قائم کیا۔

خدا کا علم کیونکر خیال میں | بس علم کا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز خاج میں خود موجود ہو یا انکی تشبیہ
آسکتا ہے؟ | موجود ہو یا اسکی ضد موجود ہو ان سب صورتوں میں ہم اسکا تصور کر سکتے

ہیں۔ اب اگر خدا کے علم میں اتنی ہی طاقت مانی جاوے جتنی انسان میں ہے تب بھی چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اپنی صفات کا علم ہے اور وہ سب عدم ذات اور عدم صفات کے تضاد میں اسلئے عدم کا بھی علم ہوگا اور علاوہ براین صفات کے علم کا سوا اس کے کوئی مطلب نہیں کہ وہ سب اپنے عدم سے متماثر ہیں مثلاً قدرت کا علم بھی ہوگا کہ وہ عجز نہیں ہے اور وجود کا علم بھی ہوگا کہ وہ عدم نہیں علم کا علم ہی ہوگا کہ وہ جہل نہیں۔ کیونکہ اگر اسکو قدرت اور عجز یا وجود اور عدم میں امتیاز ہی نہیں تو قدرت اور وجود کا علم بھی نہیں بلکہ جہل ہے پس صرف یہی ثابت ہوگا خدا کو تضاد صفات کا علم ہونا ممکن ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوگا کہ اسکو ان تضاد کا ضرور علم ہوگا اور یہ عدم کا مقابل میں صفات ربانی ہیں یہی وہ مادہ ہے جس سے علمی قوت نے دنیا کو پیدا کیا اس لئے لازم نہیں آتا کہ اول میں مخلوقات کی تصور کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

پس جس طرح نابینا تاریکی کو دیکھ کر روشنی کا تصور کر سکتا ہے اور پھر اپنے علم کے موافق اسکی کوئی شکل فرض کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اسکی صفات قائم کر سکتا ہے یا جس طرح سمجھنے میں آوے آفتاب وغیرہ کے وجود سے ان کے عدم کا تصور کیلئے اور پھر اس عدم کی صورت کو پھیل کر اپنے ذہن میں اس تمام مادے کو نیو لای یعنی بنجہ کے بادل سے لیکر گیس اور تیاں اور منجمد طرح

کی شکلیں قیاسیم کر لی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ علم خدا میں ان اعداد کی پھیلی ہوئی شکلیں موجود ہوں مثلاً معجز کے پھیلاؤ سے ایک عاجز مخلوق کی صورت اور اس پر قدرت کے عکس سے کسی قدر طاقت کا ظہور یا موت کے پھیلاؤ سے ایک بیجاں مخلوق کی صورت اور صفت حیات کے عکس سے کسی قدر جان داری کا نشان یہ تصورات ہوں گے جن کو علمی قوت نے انسان کی خیالی تصویر کی طرح موجود کر لیا۔

غرض اہل حدیث شہود کی فلسفیانہ وقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے الہام ربانی کے ٹھیک منشا کو سمجھ کر اسکو بعض نکات کو اس غروی سے حل کیا ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ درہنہ جن لوگوں نے اسی قسم کی وقتوں سے تنگ آکر خود خدا کو ان تعینات میں غلط کر کے ہوئے نامتناہی و پاک مہنتی کو ناپاک بنانے کے مرکب ہوئے اور جنہوں نے اُس کے ساتھ مادہ کو قدرت کا حصہ دار ٹھہرایا تنہا وہ دونوں میں ایک نصف مشترک مانکر دونوں کے مرکب ہونے اور اجزاء کے محتاج ہونے سے خدا اور مادہ کو واقع میں قدرت محروم کر دیا ہے پھر اسے اور باوجود اس کے علم کی کوئی وجہ بیان کر سکے۔ کیونکہ خواہ وہ ذات خداوندی خود ہی تعینات میں غلط کر رہے ہو مگر ذات کے مرتبہ میں یہ تعینات نہ تھے اس لیے اس وقت ذات کو ان تعینات کا علم ہو تو یہی اعتراض اُردو ہوتا ہے اور اسی طرح خواہ مادہ قدیم ہو مگر اسکی شکلیں خدا نے پیدا کی ہیں اسلئے جسے شکل مادہ موجود ہونے کے وقت خدا کو ان شکلوں کا علم ہو تو یہی وقت پیش آتی ہے حالانکہ خدا کا پہلے ہی عالم ہوتا ہے اس تمام نظام کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے پس اسکا حاصل سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا جو وحدت شہود سے پیش کیا ہے کہ یہ سب کہیں ہی علمی قوت کا ہے اور علمی قوت ایک خدا کے وجود کو دوسری ضد کی طرف جاسکتی ہے۔

خدا کی پہلی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔
 قائم کئے ہیں ان کا میلان ان کے لاؤ ریاضی اصول کے موافق
 اس جانب ہے کہ وہ خدا اور مخلوقات کے تعلق کو سمجھ نہیں سکتے ورنہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ باوجود سمجھ

سکھنے کے اقوال خدا اور مذہب کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں لیکن چونکہ نہ سمجھنے کو گمان ہو سکتا ہے کہ ان تعلقات کا یا خدا کا عقیدہ غلط ہو گا اس لئے جا سجا ان کے شک کو بطور اعتراض کے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ان میں ایک اعتراض اور قابل غور ہے۔ وہ موجودات عالم کی نسبت تین احتمال پیدا کرتے ہیں۔ ۱۔

(۱) قدیم سے اسی طرح موجود ہونگے

(۲) خود بخود پیدا ہو گئے ہونگے

(۳) یا کسی خدا نے ان کو پیدا کیا ہو گا

اور ان میں سے دوسرے احتمال کی نسبت وہی اعتراض کرتے ہیں جو پہلے اس اعتراض کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ پیدا ہونے کے لئے کسی علت کا ہونا ضروری ہے ورنہ قانون علیت کا مطلق نفاذ لازم آئیگا۔ اور پہلے احتمال کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے موجود ہونے کے لئے غیر محدود و داد فرض کو تیار کیا حالانکہ غیر محدود و دائمی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اور تیسرے احتمال یعنی خدا کی قدرت کو پیدا ہونے کی نسبت تین اعتراض کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بغیر مادہ کے پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اور اگر مادہ سے پیدا کیا ہو تو پھر اس مادہ کی نسبت بھی تین احتمال ہو سکتے ہیں اور ہر احتمال پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس فضائیں یہ دنیا ہے وہ کہاں سے آئی۔ اگر خدا کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات سے پہلے خدا بھی نہ ہوگی حالانکہ ہم خدا کے نہ ہونے کو سمجھ نہیں سکتے اور تیسرے یہ کہ بنائو الا خود کہاں سے کیا۔ ایلوہ قدیم سے تھا یا خود بخود پیدا ہوا یا اس کو کسی اور خدا نے پیدا کیا۔

ان اعتراضوں کے بعد وہ تین احتمال کو ناقابل فہم قرار دیتے ہیں اور یہی وجہ حیرت ہے کہ چونکہ پہلے اور تیسرے احتمال کی نسبت ان کا اعتراض صرف یہی ہے کہ وہ سمجھ سے باہر ہیں مگر دوسرے احتمال کی نسبت نہ سمجھ سکے کے علاوہ یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ قانون علیت کو توڑتا ہے پس اگر پہلا اور تیسرا احتمال ایک دوسرے پر رکھا جائے تو دوسرا احتمال پھر بھی ان سے زیادہ مشکل اور ایک بڑی قانون قدرت کو توڑنے کے سبب قابل تک قرار دینا چاہئے تھا۔

اور پھر دیکھا جائے تو موجودات کے ہمیشہ سے ہونے پر جو پہلا احتمال ہے اور خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر جو تیسرے احتمال سے لازم آتا ہے جو اعتراض وہ کرتے ہیں اسکا وزن بھی مساوی نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ اگر موجودات عالم کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوتا تو خدا کے اور موجودات کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر صرف یہی اعتراض رہتا کہ ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے اور اس صورت میں دونوں جگہ اعتراض کا وزن مساوی ہوتا مگر اب صورت یہ ہے کہ موجودات عالم کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ انکی حالت یوں مافیوذا اور لحظہ ب لحظہ بدلتی جرتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کی صحیح رفتار نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام زمین و آسمان ایک وقت پر اس صورت میں نہ تھے بلکہ جب یہ موجود ہیں اپنی شکلوں کو بدلتے رہے ہیں پس اگر یہ مخلوقات ہمیشہ مانی جائے تو سمجھ نہ سکنے کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان کے تغیرات بھی بغیر کسی علت کے خود بخود پیدا ہوتے ہیں اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس احتمال پر بھی قانون علیت کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور اس وجہ سے اس احتمال پر جو اعتراض ہے وہ وزن میں دوسرے احتمال کے اعتراض سے مشابہت رکھتا ہے اور قانون دائمی کو توڑنے کو کسب اس احتمال کو بھی قابل ترک قرار دینا چاہئے۔

رہ خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض سو ابکی یہ صورت ہے کہ جس عقلی رفتار سے ہم اس مسئلہ پر پہنچے اس سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ غیر متغیروں کا کائنات جگہ کا کائنات ہے پس اسکو ہمیشہ سے ماننے پر قانون علیت کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا اس لیے اسکی نسبت صرف نہ سمجھ میں آئیگا الزام باقی ہے۔ اور واقع میں ہماری محسوس عقل خواہ آگے کی نسبت غور کرے خواہ پیچھے کی نسبت ایک حد تک جاکر تھک جاتی ہے اور آگے تارکی کا ناقابل عبور پردہ حائل ہو جاتا ہے اور ہم ہمیشگی کو خواہ وہ مٹی کی ہو یا مستقل کو معین شخص طور پر پسند نہ کریں حاضر نہیں کر سکتے مگر یہی تو ہماری عقل کا ہی ناطق فیصلہ ہے کہ دو ضدوں میں سے اگر ایک نہ ہو تو دوسری ضد ضرور موجود ہوگی مثلاً اگر روشنی موجود نہ ہو تو ضرور تاریکی موجود ہوگی اور اگر علم موجود نہ ہو تو ضرور جہل موجود ہوگا اور اس لیے جب ہم کسی موجود کے حادث ہونے کو ناممکن یقین کرتے ہیں تو ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ قدیم ہے گا۔ اور نیز دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم

سمجھ نہیں سکتے چنانچہ حرکت کا وجود شعل کی رفتار اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کو خود مسٹر سپنسر ناقابل فہمیت ثابت کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ہم حرکت اور رفتار شعل وغیرہ کو یقیناً موجود مانتے ہیں کیونکہ ان کو ماننے کے سوا چارہ نہیں اس لئے خدا کی ہیشگی پر بھی باوجود نہ سمجھنے کے جب اسکے اقوال کے بغیر چارہ نہیں یقین کرنا پڑیگا۔ پس یہ اعتراض تیسرے احتمال کے متعلق کوئی وزن نہیں کھتا حالانکہ پہلے احتمال کی نسبت بوجہ تیزی اس کے ایسا باری ہے کہ اس میں ملتا۔

رہا دوسرا اعتراض کہ پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اسکی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انسان کی خیالی مخلوق بعینہ آدمی شکل کی ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ اس قابل تعظیم فلاسفر کی قوت و اہم نے دُنیا کے ہمیشہ سے ہونے کی نظیر پیدا کر لی اور مان لیا کہ اسکا نمونہ درخت و چو خود بخود شکل مہیا کرتا ہے حالانکہ درخت ہرگز خود بخود وجود نہیں ہے بلکہ ہزار ہا قسم کی ارضی و مادی اثر ہیں جو درخت کو مکمل کرتے ہیں اور وہ خود نمونہ بنا کر پھر ترمیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہونی کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر شروع کے ہو پس جب اس قدر نقص موجود ہیں تو اس احتمال کو صاحب نظیر ہونے کی عزت نہیں معلوم خیال سے دی گئی ہے اور یہی حال دوسرے احتمال کی نظیر کا ہے کہ بخارات و بادل کا پیدا ہونا خود بخود پیدا ہونے کا نمونہ قرار دیتے ہیں حالانکہ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ ”بادل پہلے بالکل معدوم تو نہ تھا اور دوسرے اسکو پیدا کرنے میں صرف بخاری فاعل نہیں بلکہ آفتاب کی حرارت بازگشت کا کم ہرتے جانا بالائی کمرہ کا سر و ہرنا اور زمین کا کشش کرنا بہت سے فاعل میں جنہوں نے بخار کے ساتھ عمل کر کے بادل کو پیدا کیا ہے پس اسکو خود بخود پیدا ہونیکا نمونہ کہنا اور عدم سے وجود میں آنے کی نظیر سے کا ڈن پہا کہ دھڑا جبرت پر حیرت ہے حالانکہ جن چیزوں کو دُنیا میں موجود کہا جاتا ہے وہ بھی محض عرض طول رنگ وزن اور حرکت وغیرہ سے پہچانی جاتی ہیں در نہ مل چیز یعنی مادہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور جو جسم انسان کا خیال پیدا کرتا ہے زمین بھی طول عرض رنگ وزن اور حرکت وغیرہ تمام جسمانی صفات ہوتا ہوتی ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کا علم بڑا ہے اس لئے اسکی مخلوق بھی بڑی ہے اور انسان کا علم حقیر ہے اس لئے اس کی مخلوق بھی حقیر ہے پس اگر نظیر رکھو کی

عزت حاصل ہے تو صرف اسی احتمال کو نہ کسی اور کو۔ اور اس لئے ایسے فاضلوں کا ایسی واضح نظیر کو نہ دیکھنا تعجب ہو۔ مگر سچ ہے

گاہ باشد ز پیر دانشمند بر نیامد و دست تدبیر سے

غرض خدا کی بیشکلی کو ذہن کا معین نہ کر سکتا ذہن کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے بے جا اور اس لئے حقیقت میں یہ کوئی اعتراض نہیں جس سے خدا کا انکار لازم آئے۔ پیدائش کی نظیر کا نہ ہونا البتہ اعتراض تھا مگر نظیر موجود ہے اس لئے اس وقت جو امر غور طلب باقی ہے وہ خدا کے متعلق اعتراض ہے اور اس اعتراض پر غور و طرہ پنسر کی تحریر سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے چنانچہ وہ خدا کے وجود پر نیکیا یقین رکھتے ہیں مگر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں کہ

”اگر وہ خارج میں موجود ہوگی تو شے ہوگی اور ہر تجربہ بتاتا ہے کہ اس کا شے ہونا نامکن ہے کیونکہ شے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صاحب صفات ہو کیونکہ شے کو لاشے سمجھنا یہی اس طاقت سے کہ شے میں جو کوئی شے ہمارے علم یا اثر کرنے کے لیے رکھی ہو اور جو اثر وہ ہمارے علم پر کرتی ہو اس کو اس شے کی صفت کہتے ہیں۔ اور ان صفات کا معدوم ہونا اس اصطلاح کا معدوم ہونا ہے جس سے ہم اس شے کو تصور کرتے تھے اور اس طرح اس شے کا تصور ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اب شے کے لئے صفات کا ہونا لازمی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کوئی صفت نہیں رکھتی۔ خدا کی صفت پھیلاؤ ہو سکتا ہے مگر خدا کی صفت خدا کہنے کے برابر ہے پس جب وہ کوئی صفت نہیں رکھتی تو اسکو شے کہنا بھی غلط ہوگا۔ اب اگر وہ شے نہیں تو لاشے بھی نہیں ہو سکتی اگر کسی اور شے کی صفت بھی نہیں ہو سکتی تو اس شے کے نہ ہونے سے اس کا عدم لازم آئے حالانکہ یہ معدوم جناب میں نہیں آ سکتی اور اگر یہ وجود نہ ہو تو ذہن کے معدوم سے معدوم ہونی چاہئے“

غرض یہ ہے غلامہ اس الجھن کا جو کٹر پنسر کو خدا کے متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نہ خود صفات رکھتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور نہ موجود ذہنی ہے اور موجود ہونے کی یہی تین صورتیں تھیں مگر باوجود اس کے وہ موجود بھی ایسی ہے کہ اور سب چیزوں کو معدوم فرض کر سکتے ہیں مگر

اس کا سدوم ہونا کسی طرح خیال میں نہیں آتا البتہ اس کی نسبت ایک اور شکل سے بھی غور ہو سکتا ہے۔
 شطرنج کا ایک گول ٹمر جس پر گھوڑے یا فیل کی شکل بنی ہوئی ہو جب کسی جگہ رکھا ہو
 اور فرض کیا جائے کہ اس کے پاس کوئی انسان بھی موجود نہیں تو اس مہرہ کا بسبب گول اور
 بے تصویر ہونے کے نہ کوئی آگاہ ہوگا نہ پیچھا اور صرف غیر محسوس فضا اس کو چاروں طرف سے محیط
 ہوگی۔ لیکن جب اسکو کوئی انسان لباط کے اوپر اور مہرون کے ساتھ تپنے اور کھیلنا شروع کرے
 تو اس وقت انسان کے وجود اور نیز دوسرے مہرون کے وجود سے اس کے گرد کی فضا میں آگاہ
 پیچھا پیدا ہو جائیگا۔ یعنی جس مہرہ کو انسان نے اپنے آگے اس ٹمرہ پر پہلے رکھا ہے وہ اس کے
 پیچھے ہوگا اور جس کو اس مہرہ کے بعد رکھا ہے وہ آگے ہوگا اور اسی طرح بعض ٹمرے اس کے آگے
 ہونگے اور بعض بائیں۔ غرض جو غیر محسوس فضا پہلے بغیر کسی تمیز کے اسکو چاروں طرف سے گھیرے
 ہوئے تھی اب اس فضا کے چار حصے ہو گئے جن کو آگاہیچھا دایان یا بیان کہہ سکتے ہیں۔ اب فرض کیجئے
 کہ کھیل ختم ہو گیا۔ لباط الٹ گئی ٹمرے بکھر گئے اور وہ مہرہ کسی تنہا مقام میں جا پڑا تو پھر وہی آگاہ
 پیچھا رکھنے والی فضا بغیر کسی تمیز کے مطلق فضا رہ گئی۔ اب اس مہرے کے آگے پیچھے کی نسبت
 سوال ہو کہ وہ خارج میں موجود ہے یا نہیں تو یہی جواب ہوگا کہ خارج میں صرف اور گرد کی غیر محسوس فضا
 موجود ہے مگر انسان کے بیٹھنے اور مہرون کو چھننے سے ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہم اس فضا
 کے چار حصے کر سکتے ہیں اور ان کا نام آگاہ پیچھا دایان یا بیان ہو چکا ہے۔ اس نسبت اور نسبت
 حقیقت میں کوئی موجود خارجی نہیں بلکہ ایک غیر محسوس چیز یعنی فضا اور چند محسوس چیزیں یعنی
 انسان اور مہرے ان سب کا مجموعہ ایسی ترکیب ہے جس سے قبلت اور بعوت کا تصور ہوتا ہے اور
 اس مجموعہ کے بعض افراد یعنی انسان اور مہرون کے پرانندہ ہونے پر جس چیز کو ہم معدوم فرض نہیں
 کر سکتے وہ غیر محسوس فضا ہے۔

اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب ہم فضا کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خیال بھی ہمارے
 ذہن میں اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو وہی عرض و طول رکھتی ہیں اور نیز دوسرے

چیزوں کے ساتھ کبھی پیوستہ اور کبھی تنہا طے فاصلہ پر اور کبھی طے فاصلہ پر واقع ہوتی ہیں اور جہاں تک کسی چیز کا طول ہوتا ہے ہم وہاں تک اس چیز کو دیکھتے ہاتے ہیں اور پھر اس کے بعد جگہ خالی پستہ ہیں یا یوں کہو کہ وہاں کوئی محسوس چیز نہیں ہوتی اور وہ خلا کچھ دور تک ہماری نظر کو لیجاتی ہے پھر کوئی اور چیز حائل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد خلا یا کوئی تیسری چیز ہے کہ اسی طرح جہاں یا قیاسی آنکھ سے جہاں تک رسائی ہو سکے تمام چیزوں اور ان کے درمیانی خلا کو دیکھتے ہوئے ترقی مدت تک پہنچتے ہیں اور اسکے بعد خلا کو دیکھتے ہیں جو دور تک چلی جاتی ہے اور پھر نظر اور قیاس کی حد تک پہنچ کر تاریکی جلدی رفتہ کو روکتی ہے۔

غرض موجودات کی اس شکل اور ترتیب نے ہمارے ذہن میں فضا کا تصور پیدا کر دیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب اور انسان کے وجود نے قبلیت اور بعدیت پیدا کر دی تھی اب اگر کوئی وقت ہو جبکہ یہ تمام موجودات معدوم فرض کی جائیں تو اس وقت کسی فضا کا تصور بھی نہ ہو سکیگا جس طرح ایک مہرہ کے تنہا ہونے کے وقت قبلیت اور بعدیت نہیں ہوتی لیکن جیسے مہرہ کے گرد غیر محسوس فضا موجود ہے اسی طرح اس وقت ایک غیر متمیز عدم یعنی خلا موجود ہوگی۔ مطلب یہ کہ فضا کی حقیقت عدم ہے جیسے قبلیت اور بعدیت کی حقیقت فضا تھی مگر یہ عدم ہمارے ذہن پر فضا سلنے کرتا ہے کہ اس عدم کے ساتھ مشیا کا طول و عرض اور باہمی بعد اور فاصلہ مل گیا ہے اور ان سب کے مجموعے نے ہمارے حواس پر اثر کیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب نے قبلیت و بعدیت کا اثر پیدا کیا تھا پس جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ حقیقت میں موجودات خارجی ہیں جس طرح قبلیت و بعدیت پیدا کرنے کا سبب مہرون کی ترتیب تھی اور جس چیز کو ہم بقول مسٹر سچسر کے ہم معدوم فرض نہیں کر سکتے وہ خلا محض ہے جس طرح مہرہ کے لئے غیر محسوس فضا تھی جس کو معدوم فرض نہیں کر سکتے غرض جو چیز معدوم نہیں ہو سکتی وہ اور ہے یعنی عدم اور جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ اور چیز ہے یعنی موجود چیز جن سے اس عدم کا فرض تصور پیدا ہوتا ہے۔ آگے یہ مباحث کا فرق ہو کہ اس کا نام موجود خارجی رکھو اس لئے کہ ہم نے اسے خارجی چیزوں سے تصور کیا ہے یا موجود ذہنی

کہوں گے کہ ذہن ہی اس سے متاثر ہوا ہے یا معدوم کہو اس لیے کہ اسکی حقیقت عدم ہرگز مناسب
یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے حواس پر پائز کرتی ہے اُسے موجود ذہنی کہیں کیونکہ موجودات خارجہ بھی مستند
ہوتی ہے اور موجود ذہنی اسی چیز کا نام ہے جس کا تصور دیگر اشیا سے پیدا ہو جیسے انسان کہ دیگر وغیرہ
موجودات خارجہ سے مطلق انسان کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جس چیز کو ہم معدوم فرض نہیں کر سکتے اسکو
اُس کے اصلی نام یعنی عدم سے نامزد کریں کیونکہ اُس کا خالص تصور اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تاہم
کو معدوم فرض کیا جاتا ہے اور اس وقت عدم کے سوا اور کچھ نہیں۔

اس نتیجہ کے بعد جب مسئلہ پیر کے اعتراض کا خیال کیا جاتا ہے کہ فضا کو کس نے پیدا کیا تو معلوم
ہوتا ہے کہ اعتراض کسی حقیقت پر مبنی نہیں کیونکہ موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے کچھ فضا اور ہمارے نزدیک
معدوم نہیں ہو سکتا وہ عدم ہی ہے پس اسکی نسبت پیدا کرینیکا سوال فضول ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ
بیشک اسکو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ خدا نے موجودات کو پیدا کیا۔ اُن کے عرض و طول کو پیدا کیا۔ اُنکو
قریب قریب اور فاصلے سے ترتیب دیا جس سے ہم اس قابل ہوئے کہ اس عدم کا تصور اپنے ذہن میں
لاؤں اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ موجودات کو پیدا کرنے سے اُس نے اس عدم کے تصور کو بھی پیدا کیا
اور اگرچہ موجودات کو پیدا کرنا تو عدم کا تصور بھی پیدا نہ ہوتا اور صرف عدم ہونا جو پہلے سے تھا۔

مسئلہ پیر پہلے احتمال یعنی وہیہ کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے لئے
غیر محدود زمانہ چاہئے جو سمجھ میں نہیں آتا اور یہ درست ہے لیکن ہے زمانہ کی بھی وہی صورت جو فضا
کی ہے کسی چیز کے شروع ہونے سے اس کے قائم رہنے سے پھر ختم ہوجانے پر دوسری چیز کے شروع
ہونے سے وغیرہ اس قسم کی موجودات خارجہ سے ہمارا ذہن ایک عرصہ کو تصور کر لے ہے اور اس کا نام زمانہ
رکھتے ہیں اور موجودات کا آغاز تسلیم کرنے پر ان سے پہلے کا عرصہ تصور میں آتا ہے اور موجودات کو ختم
کرنے پر ان کے بعد کا زمانہ خیال میں آتا ہے پھر جب ان مخلوقات کے پہلے اور پیچھے کسی اور موجود چیز کا
خیال قائم کیا جائے تو یہ پہلے اور پیچھے کا زمانہ ہمارے تصور میں ایک غیر محدود و طول اعتدائی کرنا ہے
جس کو سپر صاحب درست کہتے ہیں کہ ہم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ بھی ضرور ہے کہ اسکی کوئی حد بھی فرض نہیں کر سکتے

اگر یہ تمام ذہنی عمل اسلئے ہوا ہے کہ ہم نے موجودات کو یکے بعد دیگرہ سامنے آنے اور کچھ کچھ عرصہ قیام کرتے دیکھا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو عدم محض کے وقت زمانہ بھی ایک عدم ہی ہوتا اور تصور نہ کیا جاسکتا پس دنیا کو قدیم مانکر زمانہ کا اسکے ساتھ ساتھ چلنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ دنیا تغیرات کو قبول کرتی ہے اور ان تغیرات کے سبب سورہ عدم طویل یعنی زمانہ بھی اجزا میں تقسیم ہوتا جاتا ہے اور قابل تصور ہوتا ہے اور اس طرح بر دنیا کے تغیرات کا اور زمانہ کے قابل تصور ہونے کا وجود بغیر کسی علت کے لازم آتا ہے۔ مگر اگر بجائے دنیا کے خدا کو قدیم مانا جائے تو چونکہ خدا کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہے اس لئے وہ عدم جو تغیرات کو قابل تصور ہوتا ہے اس صورت میں اس وقت قابل تصور نہ ہوگا اور محض عدم رہے گا اور عدم کے لئے کسی علت کی ضرورت نہیں اس لئے خدا کو قدیم مانکر وہ وقت لازم نہیں آتی جو دنیا کو قدیم مانکر لازم آتی تھی۔

خاص سے عام کی طرف جانا مسئلہ تخلیق عقلی اعتراضوں کے سلسلہ میں سب سے آخر وہ اچھا ہوا اور سب قانون قدرت ہے۔ جو سوامی دیکھتا ہے کہ دنیا کو خدا کی مخلوق ماننے میں عقل کا کلیہ قاعدہ

خاص سے عام کی طرف جانیکا پایا نہیں جاتا اور نیچے کو نیچے سے واضح کرنا کیا یہ دستور نہیں۔ ان کا مطلب ویدانت تصویریں یعنی وحدت وجود کے موافق غالباً یہ ہے کہ اگر مثلاً کمبات خاصہ سے اور عناصر اتمہ سے اور اتمہ روح سے اور روح خدا سے نکل ہوئی مانی جاتی تو یہ خاص سے عام کی طرف جاؤ کی صورت ہوتی اور اسی طرح جو کہتا ہے اگر کہا جائے کہ اس کا سبب قانون فطرت ہو تو نیچے کی نیچے سے توضیح ہوگی لیکن اگر پتھر کے گرنے کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی جن کی طرف تو غلط فہم ہوگا پس اگر دنیا کو مانا جائے کہ اپنی ضرورت کے موافق ایک مطلق ذات سے پیدا ہوئی ہے تو نیچے کے قانون سے بھرا اور اگر اس کو خدا کی مخلوق مانا جائے تو نیچے کے خلاف ہو گا ایک تو گذشتہ یہ تحریر میں ہم نے محض عقل کی رہنمائی سے تغیرات کو قدیم ماننے سے لیکر ذات مطلق کے درجہ تک تمام احوال کو دیکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی صورت میں قانون علیت کو توڑنے کا الزام نظر آیا ہے اور ان کے بعد تخلیق

لئے کتاب گیان یوگ باب سیزدہم۔

کے احتمال کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اسکے اعتراضوں پر ہم غالب آ سکتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر کئی نامعلوم سبب کو تلاش کرنے کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اسکے متعلق تمام احتمالوں میں سے جو اعتراضوں سے پاک ہو اس پر یقین کیا جاسے۔ ہم جب جھٹ پر کمر بٹھائے بڑن کو زمین پر گرتا دیکھیں اور دیکھیں کہ نہ جھٹ گری ہے اور نہ ہوا ایسی چلی ہے جو بڑن کو اڑا سکے اور نہ زمین کی کشش ایسی حالت میں اثر کر سکتی ہے تو ضرور اس احتمال پر یقین کرتے ہیں کہ اس کو کسی نے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہی صورت یہاں پیدا ہوئی ہے اور تمام احتمالوں کو غلط ہونے سے ہم یقین کیا ہے کہ اس دنیا کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور پھر مفصل طور پر یہی دیکھ لیا ہے کہ پیدا کرنے کے لئے جو عنوان ہماری عقل تسلیم کرتی ہے وہ موجود ہیں اور جو اعتراض خیال میں آسکتے ہیں وہ غلط ہیں تو پھر ایسے عمل کو نیچے کے خلاف قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

اور دوسرے وہ ذات مطلق جس کو ویلنٹ کے حامی ان تقینات میں غلطو کرنے چوتے مانتے ہیں اگر اس کو بے شعور اور بے ارادہ سمجھا جائے تو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اسکو اپنا طلاق کے درجے ان تقینات میں غلطو کرنے کے لئے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور اگر اسے ذی شعور اور ذی ارادہ مانا جاوے اور کہا جائے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے یہ غلطو کرتی ہے تو یہ عمل خود ویسا نیچے کے مطابق ہوگا جیسا سماجی جی کو مطلوب ہے کیونکہ موجودات کے جس قدر درجے فرض کئے جاسکتے ہیں ان میں سے آخری درجے یعنی صرف انسان صاحب شعور نظر آتا ہے ورنہ اس کے نیچے جس قدر درجات ہیں ان میں یکے بعد دیگرے شعور و ارادہ معدوم ہوتا جاتا ہے جسے کہ مادہ کی ابتدائی شکلوں میں اس کا نام نشان نہیں رہتا پس ان تمام بے شعور درجوں سے پہلے وہ سب سو عام درجہ جس کو وہ ذات مطلق کہتے ہیں وہ سب سو زیادہ بے شعور ہونی چاہئے اور اگر صاحب شعور ہو تو رفتہ رفتہ عام سے عام تر نہ ہوگی اسلئے اس احتمال کو بھی خلاف نیچے کہنا چاہئے۔

اور پھر اگر خاص سے عام کی طرف جانے کو دیکھا جائے تو یہ بھی اپنی مکمل صورت میں محض اسی احتمال میں موجود ہے کیونکہ ویلنٹ میں وجود کو خاص سے عام کرتے ہوئے اس عمل کو ایک

موجودی پر جا کر ٹھہرا دیا گیا ہے جس کو ذات مطلق کہتے ہیں اور اس کے خلاف اس احتمال میں مرکبات سے عناصر اور عناصر سے اتھیر وغیرہ عام تر اور لطیف تر موجودات کو فرض کرتے ہوئے آخر میں ایسے عام پریس ہوئی ہے جس سے زیادہ عام خیال میں نہیں آ سکتا یعنی عدم۔ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ خاص سے عام کی طرف سلسلہ جاتا ہے جہاں وجود کو وجود ٹھہرایا گیا ہے یا وہ جس میں وجود کو تحلیل کرتے ہوئے عدم سے ملا دیا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک ایسے وجود کو ملا دیا گیا ہے جو ہمیشہ سے کیساں رہا ہو اور ہر شے کی اور تغیرات کی آلائش کو اسکے ذات سے نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

خدا کو کہنے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے ؟

عقلی اعتراضوں کے بعد اس اخلاقی اعتراض کا درجہ جو سماوی دیکھانہ نے مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا ہے کہ خدا کو ماننا انسان کو ذلیل بناتا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے تئیں عاجز و ناتواں ہے اور ہر کام میں ایک بیرونی طاقت کا محتاج بنتا ہے حالانکہ طاقت سب اس کے اندر ہے پس جس قدر بدی و مینا میں ہے وہ ہمیشہ خدا کو ماننے کی وجہ سے ہر اس سے اس کو وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے جس سے ہمیشہ پیشوا کا ظلم و تشدد شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو ایک بڑے آدمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے قابل التفات ہو تو اور بات ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی واقعی حالت کو یقین کرنے سے انسان ذلیل کیوں ہو جاتا ہو اور جو دولت واقع میں موجود ہو اس سے خدا کا انکار کرنے سے کیونکر دور کر سکتا ہے اور جو طاقت اس میں نہیں ہے صرف اس کا خیال جلا لینے سے کیا عورت پاسکتا ہے بیشک انسان کی فطرت میں بہت سطحی یقین و دہشیت میں اور جو لوگ ان کو پیدا کر سکتے ہیں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہیں لیکن جس شخص نے ان طاقتوں کی مشق نہیں کی وہ واقع میں ذلیل ہے اور اس وقت اگر وہ خدا کو نہیں مانتا بلکہ خود خدا ہے جب بھی ذلیل خدا ہے۔ پس اس وقت محض غلط یقین کرنا ہے کہ میں سب کچھ کر سکتا ہوں وہ ذات ہی نہیں ہو سکتا اگر کسی واقعی شخص نہیں دیکھتا اور جو لوگ خدا کو انہیں وہ الہی شخص کو جو خدا کی وی ہوئی طاقتوں کی مشق نہیں کرتا ذلیل خیال کرتے ہیں اور فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اس کو خدا سے ہمت دی ہے

دوسرے کا دست نگر نہ ہو پس اس صورت میں خدا کو ماننے کو کیا ایسی قہاحت لازم آتی ہے جو خدا کا انکار کر نیسے اور سبکدستی ہو۔ اور اگر اسی بہت سی طاقتیں میں جو انسان کی فطرت میں ودیعت نہیں ہیں۔ انسان انسانی جسم میں رہے اور ابد الابد تک زندہ رہے ناممکن ہے انسان انسانی جسم میں رہے اور تو زمین قدرت اور بالائی طاقتوں کے اثر سے محفوظ رہ سکے ناممکن ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کو خدا یا روح کا مظہر مانکر کہا جائے کہ مرنے کے بعد وہ روح یا خدا باقی ہے اس کو انسان بھی غیر فانی ہے کیونکہ اس وقت اگر غیر فانی مانا جائیگا تو اس بہتی مطلق کو مانا جائیگا نہ کہ اس پیکر خاکی کو۔ پس وہ بہتی مطلق اس پیکر خاکی میں جلوہ گر رہی اور پھر دائم و باقی رہے یہ بڑھ اور دیکھانہ کے نزدیک بھی ناممکن ہے پس اس واقعی حالت پر یقین رکھنا کیونکہ دولت کھلانے کا مستحق ہے اور اس کے خلاف محل طور پر اپنے اندر سب طاقتوں کا دعویٰ کرنا کہ انسان قابل تحسین ہے اس وقت نیت یا بڑھ مذہب کی بحث سے (جو گندہ چکی) ایک سوہو کر جوامر واقع معلوم ہو تا ہے وہ یہ ہے کہ جو طاقتیں واقع میں انسان کو حاصل ہیں انہی کا دعویٰ اسے زیب دیتا ہے اور انہی سے کام لینا اسکا فخر ہے اور انہی کو بیکار چھوڑنا ذلت ہے اور جہاں تک کم از کم اس پیکر انسانی میں رہ کر اس کی رسائی نہیں ہے ان کا دعویٰ فخر بھی ہے اور ان سے عاری ہونے کا اعتراف قابل طاعت نہیں اور اس بارہ میں خدا کو مانو و لے اور انکار کر نیو لے سب برابر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو ماننے کا دعویٰ علی طور پر زبان سے اُتر کر دل تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ بھی اس بہتی انسانی کے ضعف سے انکار نہیں کر سکتے اور ہر ایک کا کم وجود کہہ سکتے ہیں اس سے ثابت کرتے ہیں کہ کوئی اور طاقت یا قانون ہے جو ان کی موجودہ حالت سے بڑا اور انکی موجودہ حالت پر حکمران ہے۔ کیا ہوا اگر وہ بظاہر دل خوش کن مشاؤون کو اپنے تئیں تسلی دیتے ہیں کہ صرف نام و شکل ہے جس سے لہر سمندر سے جدا ہو گئی ہے۔ "پانچنے اپنی آنکھوں پر خود ہاتھ رکھ کر اندھیرا اندھیرا لٹکانا شروع کر دیلے" "ورنہ حقیقت چاہے کچھ ہو اس وقت جو کچھ موجود ہے لہری کی شکل اور ہیک کا نام ہے اس لیے وہ سمندر کی عظیم لہر ان طاقت کے تحت ہوا اور جو پیکر انسانی

موجود ہے۔ اکی آنکھوں پر ضرور ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور اس لیے اس وقت اسکو کسی دوزخ و سزائی حاصل کرنے کی ضرورت ہوا جب یہ حالت موجود ہے تو اس وقت پانی کی پتی سی لکیر ہونے کے وقت سمندر بہنے کا دعویٰ اور آنکھیں بند ہونے کے وقت سب کچھ دیکھنے کا فخر ہرگز درست اور جائز نہیں کو یہی وہ دعویٰ ہے جو خدا کو ماننے والے پیش کرتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اس بالاتر طاقت کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہم ہی ہیں مگر ہمارے یقین اس وقت موجود نہیں ہوتا اور خدا کو ماننے والے اسکو ”ہم“ اور ”مگر“ وغیرہ قیود سے بھی پاک اور اصلی معنوں میں برتر خیال کرتے ہیں۔ پس خواہ کوئی ایسا خدا موجود نہ ہو مگر خدا ماننے والوں کا محکوم ہونے کا دعویٰ ایسا صحیح ہے کہ منکرین کو بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں پس ایسے دعویٰ کو دوسروں کے سرگھا کر کس طرح ذلت کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ باعث ذلت اس وقت ہوتا کہ فی الواقع انسان بقید انستہ قسم کا کمال رکھتا اور خدا کو نہ ماننے والے ان کمالوں کو ظاہر کرتے ہوئے دکھائی دیتے اور اس کے برخلاف خدا کو ماننے والے اپنے تئیں محکوم سمجھ کر تمام طاقتوں سے محروم رہتے تو اس وقت منکرین یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ خدا کو ماننے سے یہ ذلت نصیب ہوئی۔ مگر جب حالت اس کے برخلاف ہے اور موجودہ کمزوری میں دونوں فریق یکساں ہیں تو اس سچی حالت کو تسلیم کرنا کیونکر ذلت کا باعث قرار دیا جاسکتا ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ دنیا میں بدی محض خدا کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اسکا ثبوت نہیں معلوم کیا جاوے گا اور نہ جو لوگ خدا کو ماننے میں وہ اس کو محض نیک اور تمام نیکیوں کا سرشمیر سمجھتے ہیں اور بدی کو اس سے دور نہ ہو کیا باعث خیال کرتے ہیں پس اس خیال کا جب یہ پختگی سے ذہن میں قائم ہوا لازمی اثر ہے کہ انسان تمام برائیوں کو ترک کرے اور بہترین نیکی کا طالب ہو۔ اور ہم جو اس کے خلاف بدی کرتے ہیں تو اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو اعتقاد واقع میں خدا پر ہونا چاہیے اور جو یقین نیکی کرنے سے قرب ربانی کا انسان کو رکھنا چاہیے وہ پایا نہیں جاتا۔ مثلاً انسان کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جان نیکو اس لیے کہی کوئی نہ سستہ اس فعل کا ترک نہیں ہوتا پس اگر اسی طرح کا یقین اس عقیدہ پر ہو کہ بدی کرنے

سے خدا سے بُد ہو گا جو سب عذابوں سے بڑھ کر ہے تو انسان! اُسے ہرگز بڑی کا ارادہ نہ کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں خدا کا یقین کامل نہ ہو نہ کیا یاد دوسرے لفظوں میں خدا کا انکار نہ کیا معصوم ہے جو دنیا میں بدی کو مروج دیتا ہے نہ خدا کا یقین جیسا کہ ان اعتراض کرنا یوں کا خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کو مانکر جو سبیل تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بیشک خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہیں کہ اُلٹتوں کا قیام جو خدا نے انسان کو دی ہیں اور ان تو انہیں قدرت کا انتظام جو دنیا میں عمل کر رہے ہیں سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس لیے وہ کوئی کام کرنے کے وقت اپنی تمام طاقتوں کو اور تمام بیرونی اسباب کو ہٹا رکھنے کے لیے خدا سے مُنہی ہوتے ہیں مگر اس بارہ میں ان کے اس فعل سے کوئی اور بہتر فعل خدا کا انکار کرنے والے بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس دنیا میں رہ کر وہ بھی تمام قوانین قدرت کے ماتحت ہیں اور کسی کام کے وقت ان کی بھی دلی آرزوی یہ ہوتی ہے کہ جو اسباب اندرونی اور بیرونی اس کام کے لئے ضروری ہیں وہ ہتیار میں اور پھر خدا کو ماننے والے جس وسیلہ کی تلاش کرتے ہیں اگر وہ سچے خدا کو ماننے والے ہیں تو وہ وہ وسیلہ محض خدا ہے۔ مذہبی پیشوایا کوئی اور مددگار ان کے نزدیک بھی کارساز نہیں جو اس لیے مذہبی پیشواؤں کا نظم و تشدد جو ایمان والوں کے سر پہ چڑھا جاتا ہے وہ بھی حقیقت میں خدا کے اعتراف میں نقص پہنچنے کے سبب پیدا ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ خدا کو کامل کارساز نہ ماننا اور اس کے سوا دوسرے بانیانِ دین کو خدائی اختیار دیکر سیاہ و سفید کا ملاٹھ لٹکانا وہی خدا کے انکار کا بقیہ ہے جو اس قباح کا باعث ہوا ہے۔ ہاں دنیا میں رہ کر اپنے تمام کاروبار کے لیے اسباب کو تلاش کرنا انسان کا فرض ہے وہ چلنے کے لئے لکڑی پر سہارا لیتا ہے کھینچنے کے لیے استاد سے مدد مانگتا ہے روحانی شوق کے لئے روحانی پیشواؤں سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسی ضمن میں مذہبی پیشواؤں سے ان کے تعلقہ فرائض میں ہدایت پاتا ہے مگر خدا کو ماننے والا ان سب چیزوں کو ذریعہ گردانتا ہے اور فاعلِ حقیقی ہر امر میں خدا کو جانتا ہے پس اگر یہ فعل بدی پیدا کرنے کا باعث ہو تو خدا کو نہ ماننے والے بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے اور عالم اسباب کے قانون سے باہر ہو کر اور وسائلِ مہینہ کھپو کر کوئی کام انجام نہیں دے سکتے۔

مطر بریل لا کا اعتراض کو دنیا جیسی چیز کیسے پیدا ہوتی نہیں دیکھی کی بھی کوئی علت نہ ہوگی اس لئے اس قانون کے متعلق مطر بریل لا کا ایک اعتراض دلچسپ اور قابل غور ہے۔ انکا خیال ہے کہ

”ہر کسی چیز کو دیکھ کر اسکی علت اور فاعل کی تلاش اسی لیے کیا کرتے ہیں کہ اس موقع پر پہنچنے والی اسلکھ کو چکری فاعل کے ہاتھ سے بنتی دیکھی جوتی ہے مثلاً جھگل میں کسی کا غدر پتھر پر پڑھی ہوئی دیکھ کر کسی لکھنے والے کا یقین اس لیے کرتے ہیں کہ اس موقع پر پہنچنے والوں کو لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر یہی یہ دنیا ہے اسی دنیا کو پہنچتے ہوئے کسی نہیں دیکھا اس لیے اس دنیا کے فاعل کی تلاش عبث ہے۔“

اس استدلال کی قوت بیشک حیرت میں ڈالتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مطر بریل لانے والے کو اس موقع پر ٹوکا ہے کہ استدلال علت کا تمام سلسلہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ مگر نہیں معلوم یہ ہدایت جو طالع بان خدا کو دی گئی ہے دیگر علوم و نبوی کی تلاش کرنیوالوں کو بھی مطر و صوف اسی قسم کی تنبیہ کرتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں کرتے تو اس وقت اپنے فرض سے کوتاہی کرنا کیوں جائز سمجھتے ہیں حالانکہ وہ لوگ بھی اکثر اپنے نتائج یقینیہ پر سطح بغیر کسی تحقیق علیہ کے پیدا کیا کرتے ہیں مثلاً انہوں نے زمین جیسے کرہ کو کبھی گیس کی حالت میں سمجھتے ہوئے آکھ سے زمین دیکھا اور چاند جیسے ٹکڑے کو کبھی زمین سے ٹوٹے ہوئے مشاہدہ نہیں کیا۔ اور نہ لفظ شمس کو ایک وزن تک پھیلے ہوئے بخار کے بادل سے بنتے دیکھا ہے اور نہ آفتاب جیسے کرہ کا زمین کو اپنی طرف کھینچنا یا زمین جیسے کرہ کا چاند کو کش کرنا یا کسی کرہ کا پہلے چاند انہوں سے اور نباتات سے و خالی ہونا اور پھر تدریجاً آباد ہوتے جانا یا آفتاب کا حرکت کرنا اور زمین کا اس کے گرد گھومنا نظر سے گذر رہا ہے۔ غرض کوئی واقعہ جو تحقیق عالم کے متعلق ہو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا اور جانتا کہ انفرادی یا مجموعی نظر کا تعلق ہے اس عالم کو اسی شکل پر آباد دیکھا ہے مگر باوجود اس کے

لے فرما تھکرس ٹکسٹ بک سٹال واسٹل

وہ ان تمام واقعات پر یقین رکھتے ہیں اور یقین پیدا ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات میں اس قسم کے انقلاب نظر آتے ہیں پس جس طرح پرکھا اٹا لہے کہ جنگل میں پڑے ہوئے کاغذ کا کھنڈ والا انڈر گرونیہ کے جلنے والا نہ مانو اس لیے کہ ایسے بنانے والے کو دیکھا نہیں ہی طرح یہاں اعتراض ہوتا چاہیے کہ بخار سے پانی اور پانی سے برف بن جانے کو مانو مگر گیس سے زمین بن جانے کو مانو اس لیے کہ ایسا شامہ نہیں ہوا اور درخت سے پھل گرنے کو زمین کی کشش کو مگر زمین کی حرکت کو آفتاب کی کشش کہ کو ملک زمین کو حرکت کرتے ہوئے بھی نہ مانو اس لیے کہ ایسا کبھی دیکھا نہیں اور کسی انسان کا کبھی منہ نظر آنے پر او کبھی پشت دکھائی دینے پر بیشک کہو کہ وہ شخص گھوم رہا ہے مگر آفتاب کے دھنوں کو سامنے آتے جلتے دیکھ کر کہو کہ وہ حرکت کرتا ہے اس لیے کہ تھے بڑے جسم کی دوری حرکت کا کبھی تجربہ نہیں ہوا بلکہ جس طرح پروان ہسٹر پر ٹیلا لگتے ہیں کہ دنیا یونی پیدا ہو گئی ہوگی اسی طرح یہاں کہنا چاہیے کہ زمین ہمیشہ سے یونی آباد ہو گئی ہوگی اور حرکت سے وجہ پیدا ہو گئی ہوگی اور آفتاب کے داغ بے سبب سامنے آتے جلتے ہو گئے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہسٹر پر ٹیلا کا اعتراض غلط ہے اور کسی بڑے واقعہ کے لیے ایسی جیسا انہوں نے سے دیکھنا ضرور نہیں بلکہ انسانی عقل کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ کسی چھوٹے واقعہ کو دیکھتی ہو اسکی وجہ تلاش کرتی ہے اور چند واقعات میں وہی علت موجود پانے پر کلیہ بناتی ہے اور پھر اس کلیہ کو بڑے واقعات کے متعلق جاری کرنے کی شیکل ہوتی ہے کہ بڑے واقعہ کی جو حالت موجود ہے اسکا اور اسکی ضد کا اور دیگر کسی قدر مختلف حالات کا تصور کر کے اپنے کلیہ پر عہدہ کو جو حالت پر منطبق پاتی ہے اس کے وجود کا حکم دیتی ہے اور اسی طرح یہاں تمام دنیا میں معلول کو بغیر علت کے موجود ہونے نہیں دیکھا گیا اس لیے اس کلیہ کو تسلیم کرنا پڑا اس کے بعد مختلف علتوں کے مختلف ایسواف دیکھے اور اسے دیکھا کہ مطابق معلول میں مختلف حالات نظر آئے یوں اور کلیات بنتے گئے اور ان سب کی مجموعی حالت کو بعد نظر رکھ کر جب ایجاد عالم کی نسبت غور کیا تو دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے خلاف صرف مادہ کے وجود ہونے کی حالت یا بالکل معدوم ہونے کی حالت یا ایک خدا کے تقدیم ہونے کی حالت غرض اس قسم کی تمام

صور قون کو تصور کیا گیا اور قانون علیت کو ہر حالت میں مطبق کرنا چاہا شدہ شدہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ قانون بھی مطابقت نہ کر سکتا ہے کہ کوئی قائل ہو جس نے عالم کو نیت سے ہست کر دیا ہے

ثبوت ااری قتالی کو ضعیف کرنے کے اسباب - غرض جس طریق استدلال کو بیان کام لیا گیا ہے اگر اس میں غلطی نہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی علمی قوت کو عالم کے پیدا ہونے کا خیال دیگر تمام

نہیں اور غیر مذہبی احتمالوں کی نسبت زیادہ قرین عقل اور اعتراضوں سے پاک ہو اور نیز کہا جاتا ہے کہ موجودات عالم کا سلسلہ علت و معلول اور موجودات عالم کی ترتیب اور نظام اور خود انسان

کی ماذر و فی طاقیتیں سب بلکہ خیالات کا ایسا سلسلہ بناتے ہیں جو اس بالاتر تہی کا پتہ دیتا ہے اور اس کے خلاف جس قدر اعتراض پیدا کئے جاتے ہیں ان میں جن مقدمات کو کلیہ فرض کیا جاتا

ہے وہ واقعہ میں کلیہ کہلائے کے مستحق نہیں ہوتے مثلاً نیت کا ہست نہ ہو سکتا یا موجودات خارجی کے سوا کسی اور چیز کا تصور میں نہ آنا اور اس کے سوا اور قاعدے جو گذشتہ اعتراضوں

میں تسلیم کئے گئے ہیں ثابت ہو رہے کہ وہ واقعہ میں قاعدہ کلیہ نہیں ہیں۔ اور اس کے علاوہ ایک بڑی بات یہی ہے کہ جو لوگ مذہب کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں وہ اپنے اعتراضوں میں اس

طرح بھی کامیاب ہوئے ہیں کہ انہوں نے دلیل ثبوت کے چند ٹکڑے کر لیے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ٹکڑے کو جو واقعہ میں پوری دلیل کا ایک ایک مقدمہ ہے مکمل دلیل گردان کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ

ان دلیلوں سے خدا کا ثبوت ہم نہیں چھوڑتے مثلاً سلسلہ علیت کو ایک دلیل اور نظام عالم کو دوسری دلیل اور جذبہ فطری کو تیسری دلیل ٹھہرایا گیا ہے اور پھر اعتراض کیا گیا ہے کہ اتنی اتنی

بات سمجھا ثبات نہیں ہوتا گویا کسی انسان کی طاقت کو آزمائش کے لئے اُس کے دست دیا اور دیگر مصلحت کو کاٹ کر ہر ایک کی جداگانہ حالت کو انسانی قوت کا معیار فرض کیا گیا ہے حالانکہ انہی

طاقت مکمل انسان میں دیکھنی چاہئے۔

مثلاً اس طرح ان سٹوارٹل نے علت اولیٰ کو دلیل مانکر اعتراض کیا ہے کہ دنیا میں مادہ قائم رہتا ہے اور صرف حالات بدلتے ہیں اس لیے مادہ کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں اور علت

اولیٰ کی تلاش بالکل فضول ہے مگر اتنی ہی بات سے خود ان کو بھی اطمینان نہیں ہوا۔ اور واقعہ میں یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی علت کیا ہوگی؟ چنانچہ اسی سوال پر انھوں نے غور کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علوم جہانیت کی متفقہ شہادت سے ثابت ہوئے کہ تغیرات کی علت فوس یعنی طاقت کی کچھ مقدار اور ترتیب ہے اور اس لیے علت اولیٰ مادہ کو یا فوس کو کہنا چاہئے ورنہ کوئی خدا موجود نہیں ہے جسے علت اولیٰ مانا جائے۔ غرض اس نتیجہ تک پہنچ کر انھوں نے اپنی طرف سے دلیل علت کو غلط ثابت کر دیا ہے حالانکہ ابھی اس دلیل سے خدا کو ثابت کر لیا موقع ہی نہیں آیا تھا بلکہ یہ ایک ابتدائی تمہید تھی جس کے بعد خیال کرنا چاہئے تھا کہ جبر قوت کو علت اولیٰ قرار دیا جاسکتا ہے وہ قدیم ہونی چاہئے ورنہ اس کے لیے کسی اور علت کو تلاش کرنا پڑیگا اور پھر قوت اور مادہ دو چیزیں جدا گانہ قدیم نہیں ہو سکتیں ورنہ دونوں کام کب ہونا لازم آئیگا اور بقول سترنسپہ ان کے اس جزو کو جو دونوں میں مشترک ہے قدیم ماننا پڑیگا اور پھر قدیم قوت کو مادہ مانکر دیکھنا چاہئے تھا کہ نظام عالم کی شہادت سے اس میں پیش تہی اور علم ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح دلیل علتیت سے اس قدیم اور علیم مہی نہایت پر خ سکتے تھے جس کے علمی فوس کو وہ دنیا میں کام کرتے دیکھتے ہیں اور واقعہ میں اس وقت اس دلیل کی وہ قوت معلوم ہوتی جس کو انھوں نے قلم کی ایک کشش سے اڑانا چاہا ہے۔

اسی طرح میٹرل نے نظام عالم کو ایک مستقل دلیل فرض کیا ہے اور اسکو تار پڑ کاؤ دیو ہے آخر میں علیم کیا ہے کہ ہمارے علم کی موجودہ حالت میں یہ دلیل وجود خدا کا ایک گمان غالب پیدا کرتی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ اور دلائل ثبوت سے اس دلیل کو کوئی قوت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دلیل بھی کل دلیل کا ایک دیرانی مقدمہ ہے اور اس کے ساتھ علت اولیٰ کی دلیل کو ضرور خیال کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ بقول ان کے فزیکل سائنس کی تمام شاخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ کے علاوہ ایک قوت موجود ہے جو تمام تغیرات کو پیدا کرتی نظر آتی ہے اور پھر دیکھنا چاہئے اس لیے اس موقع پر باب گذشتہ میں رحمت وجود ہادی کی بحث ملاحظہ ہو۔

کہ وہ قوت جسکو اس دلیل نظام سے علیم ہی کہنا چاہئے بدین وجہ قدیم اور لیگانہ بھی ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کے لیے اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور لیگانہ ہو تو مرکب اور حادث ٹھیرگی اور اس طرح تمام دلائل کو یکجا کرنے سے خدا اور اسکی علمی قوت کا پتہ اس سے زیادہ ملتا جس قدر صرف نظام سے آکھو ملا ہے۔

لا محمد ودیت | اسی طرح دلائل عقلیہ کو جو موجودات حسی سے بنائی جاتی ہیں غور کرتے ہوئے یوگ

اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے اگر خدا ثابت ہوتا ہے تو اسکی لامحدود قوت ثابت نہیں ہوتی یا یہ کہ اس کی لامحدودیت کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ اور بیشک ہم خود محدود ہیں ہماری نظر، ہمارا تجربہ ہماری عقل اور اس کا استدلال سب کچھ محدود ہے۔ ہم جہاں تک غور کریں اور جہاں تک موجودات عالم کی مخفی سے مخفی حالات کا پتہ لگائیں وہ سب محدود ہوگا اور اس لیے اس کے فاعل کا فعل بھی جو اس وقت تک ہمارے سامنے آئیگا وہ محدود ہوگا اور غیر محسوس و کثابت کرنی کے لیے ضرور ہے کہ اس غیر محدود اثر شخص اور معین طور پر ہمارے پیش نظر ہو پس ہمکو اس اعتراض کے سوا چارہ نہیں کہ غیر محدود کو محض استدلال عقلی سے ثابت کرنا اور منوانا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ مگر یہاں بھی استدلال کو ناقص چھوڑنے کا جرم کسی قدر موجود ہے کیونکہ اس وقت صرف موجودات حسی کو دیکھا گیا ہے اور جو قوت ان کے ساتھ جذبہ فطری کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے انکو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ مذہب اور خدا کے اعتقاد کی حقیقت تھی وہ اسی جذبہ فطری میں پائی جاتی ہے اور موجودات خارجیہ کو دیکھنے کا عین اسی قدر سائدہ تھا کہ جس خدا کے خدا ہونے کی آواز ہمارے بونی نوع کے ہر عالم و جاہل کے دل سے ہر ملک اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل سے پیدا ہوتی رہی ہے اور جس کو کوئی اندر بیٹھا ہوا لامحدود اور بے انت پکار رہا ہے اس کا اعتقاد محض دل ہی میں جاگزیں نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر ذرہ سے بھی اسکی اپنی اپنی قابلیت کے موافق اس ہستی کا کچھ نہ کچھ نشان ملتا ہے اور اسی نشان ڈھونڈھنے کا نام استدلال عقلی ہے۔ اس لیے موجودات حسی سے یہ امید ہی رکھنی فضول تھی کہ وہ خدا کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ ہمارے

سلسلے جلوہ افروز کر سکیں گی۔ پس جو دعویٰ غیر محدود ہوتا نہ ہوتا کی طرف سر پیش ہوتا ہے وہ عقل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے وجدان اور جذبہ مذہبی نے ہی سمجھا ہے اور ہمارے اندر اس کی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ عواہر سمجھ میں نہ آئے اور کوئی واضح ثبوت ہم نہ پہنچے لیکن پھر بھی ان محدود اشیا اور محسوسات کو دیکھ کر ذہن ان سے پرے ایک غیر محدود ہستی کی طرف جاتا ہے اور اسی غیر محدود کی تلاش ہے جس کے لیے ابتدائے آفرینش سے اب تک ہزاروں طرح کے مذہبی جہود ہر چکے ہیں اور یہ اس کے سمجھ میں نہ آنے کا سبب تھا جس سے ہر ایک ناقص مذہب نے غیر محدود مانکر بھرا سکو کئی کسی ایسی شکل میں سمجھا کہ غیر محدود محدود ہو گیا۔ اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہر چکا کہ اس فطری تلاش کا آخری مقام ہر نامی یہ چاہئے تھا کہ غیر محدود مانکر اس کو غیر محدود ہی رہنے دیا جائے اور اس کی ذات اور کثرت کو سمجھنے کی ہر ایک کوشش کو ترک کیا جائے اور صرف وہی تعلق دریافت کرنے پر اکتفا کی جائے جو ہم کو اس ذات کے ساتھ ہے کیونکہ اس ذات کے متعلق سمجھ جہاں تک جائیگی وہاں تک غیر محدودیت نہ رہیگی۔ پس استدلال عقلی سے غیر محدودیت کا ثابت نہ ہوتا اور حقیقت اعتراض نہیں بلکہ اگر عقل ایسا ثابت کر سکتی تو ایک طرح سے اعتراض ہوتا کہ وہ ذات عقل کے احاطہ میں آگئی اسلئے غیر محدود نہیں ہے۔

مگر اس کی ذات یا ذات کی غیر محدودیت کو سمجھ نہ سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ذات کا خیال جو ہمارے ذہن میں فطرت نے ودیعت کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ بحیثیت عطیہ فطرت ہونے کے اسکو ترقی دین اور دیگر نفسانی غلطیوں سے پاک کر کے اس کے حقیقی ثمرہ کو حاصل کریں اور پھر ہم جو اس کا اعتراف کرتے ہیں اور دنیا میں اس کی نظیر تلاش کرتے ہیں تو اگرچہ کوئی کامل نظیر دستیاب نہیں ہوتی مگر اسکل سی نظیر پھر بھی مل ہی جاتی ہے کیونکہ ہم دنیا کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اپنی اور تمام گزشتہ تجربہ کرنے والوں کی متفقہ کوشش سے یقین کرنے لگتے ہیں کہ کم از کم اس وسیع دنیا کے کسی گوشہ کے تمام نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کو جان گئے ہیں مگر پھر بعد میں اپنے ذہن کی نظیر یا آئینہ آئے والوں کی نظر کو اور نباتات اور حیوانات الیہ کھائی

دعواتے ہیں جن کو پہلے تجربہ کرنا ہوا انہوں نے نہ دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین و آسمان اور اجرام علویہ کو آنکھیں پھاڑ بھاڑ کر دیکھتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اس فنجان کے کوئے کو نے سو واقف ہو گئے مگر بعد میں ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزیں پہلے نظر نہ آئی تھیں جو اب دکھائی دینا لگی ہیں پھر ان چیزوں کی اندرونی ساخت کو دیکھنے لگتے ہیں کھول کھول کے اور تحلیل کر کے گمان کرتے ہیں کہ بس اب سب کچھ معلوم ہو گیا مگر تجربہ اور آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ ابھی تم نے دیکھا ہی کچھ نہیں پھر چیزوں کے خواص اور تاثیرات کو دیکھتے ہیں اور ایک حد پر پہنچ کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں مگر زمانہ ثابت کرتا ہے کہ اس امتحان میں بھی فیل ہوئے اور بہت سو خواص اور تاثیرات باقی ہیں جو ہمہ دانی کے وقت معلوم نہ ہوئی تھیں۔ غرض کہنے کو کہ دنیا آسان ہے کہ دنیا جس کو ہم دیکھتے ہیں محدود ہے مگر دنیا کے کسی ایک چھوٹے سے حصہ کو بھی یقیناً محدود ثابت کر دینا بہت مشکل ہے اور ہمارے گذشتہ ناکام تجربے ثابت کرتے ہیں کہ اشیا موجودہ کی تعداد ان کے اقسام ان کے افراد اور ان کے خواص کوئی بھی کسی حد تک ختم نہیں ہوتے اس لئے اگر اس نظام کے بنانے والے کی طاقت کو شک منطقی استدلال سے واحد و ثابت نہیں کیا جاسکتا تو کم از کم ایسا نامحدود و ضرور ماننا پڑتا ہے جس کو انسانی عقل احاطہ نہ کر سکے اور انسان کی عقل ہی وہ بڑی کائنات تھی جو جذبہ فطری کے مقابل میں کچھ چون و چرا کر سکتی ہے پس جب وہی اس کو احاطہ نہیں کر سکتی تو اور کونسی طاقت ہے جس نے اس کی قدرت کو گھیر کر محدود کیا ہوا ہے اور جس سے جذبہ فطری ماراں گستاخ مسٹر پریسرایک مقام پر اشیا عالم میں سے صرف علم کو دیکھتے ہیں کہ وہ محدود ہے یا غیر محدود چنانچہ لکھتے ہیں کہ لے

اب اندرونی حالات کی طرف توجہ کریں اور اپنے علم کے درجات کو دیکھیں کہ کیا ہماری تعلیم محدود ہے یا غیر محدود۔ غیر محدود تو کہ نہیں سکتے ایک تو اس لیے کہ ہم بالاطہ جانتے ہیں کہ اس کی کوئی ابتدا و انتہا نہیں اور دوسرے غیر محدود کوئی ہر سمجھ سے بالاتر ہے اب اگر محدود کہیں تو یہی ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی کنارہ ہمارے علم میں نہیں۔ اپنے حافظہ کو دیکھو اور خیال کا

دور بین سے جہاں تک پیچھے کو جا سکتے ہو جاؤ۔ تاریکی چھا جائیگی اور کچھ نظر نہ ملے گا اور نہ معلوم
 ہوگا کہ ہم نے کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہی حال انجام کا ہے کہ آئندہ کے لیے کہیں ختم نہ کیا
 ہم کو علم نہیں۔ حال میں جو سب سے آخری درجہ علم موجود ہے وہ بھی ہم دریافت نہیں کر سکتے کیونکہ
 جس درجہ کو ہم آخری سمجھیں وہ حقیقت میں آخری نہیں کیونکہ اس وقت ہم اسکو آخری سمجھ رہے
 ہیں اور یہ بھی ایک علم ہے جو آخری کے بعد یا پس آخری آخری نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کی
 حد میں طور پر جان نہیں سکتے مگر بالواسطہ یہ خیال تو کر سکتے ہیں کہ اسکی کوئی حد ضرور موجود ہوگی
 مگر ایسا نہیں۔ ہم خیال بھی نہیں کر سکتے کیونکہ پہلے واقفیت کا انجام نہیں دیکھ سکتے سوائے
 کہ ایک اور تصور انجام کے متعلق قائم کرتے ہیں۔ اور نیز جب کوئی کیفیت ذہنی پیدا ہوتی
 ہے تو اسکی نسبت ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلی حالت ذہنی کی مانند ہے یا نہیں کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو
 تو وہ کیفیت ذہنی ممتاز نہ ہوگی اور پہچانی جائیگی پس اسکو علم بھی نہ کہہ سکیں گے۔ اس لیے اسکی
 نسبت مانند ہونے یا نہ مانند ہونے کا خیال ایک اور علم ہے جو اس کیفیت ذہنی کے بعد پیدا ہوگا۔
 غرض یہ ہیں وہ نظیر میں جو اگر مکمل نہیں ہیں مگر تاہم درجات علم اور دیگر اشیاء کو پیدا کرنے
 والے کی نامحدود قوت کا کچھ نہ کچھ نہ دیتی ہیں اس لیے مذہب کا خدا کو نامحدود سمجھنا اگرچہ وجدان
 پر موقوف ہے مگر عقل کے لئے بھی ایسا نہیں کہ اسکی کوئی بنیاد نہ ہو یا اس کی تردید ہو سکے۔

بائیں

پیدائش کے متعلق مذہبی شہادتیں

ویدیک لوگوں کی شہادت - بائبل کی شہادت - قرآن کی شہادت - اول - ویم - سوئم - چہام - پنچم - ششم
وعدت وجود کا نقل ہند لال - انسانی افعال کا خدائی افعال نہ ہوا - خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا -
ہمیشہ سے ایک نامحدود قدرت رکھنے والے وعدہ لا شریک خدا کا موجود ہونا اور ازل سے اسکے
علم میں مقدر رہنا کہ ایک وقت پر وہ سلسلہ کائنات کو عدم سے وجود میں لائے گا اور پھر اُس وقت
پر اسکی علی طاقت سے خیالی تصویر کی طرح عالم کا وجود میں آنا بھی وہ صورت ہے جو تمام دیگر احتمالات
کی نسبت وقتوں سے خالی اور قرین عقل ہے اور یہی وہ صورت ہے جو جس پر الہامی روایات اور
پیشوا ایمان مذہب کے اقوال منطقی ہوتے ہیں -

ویدکی شہادت مثلاً وید میں مذکور ہے کہ

”اُس پر پاتا کی ناہمی یعنی ناف سے درمیان عالم پیدا ہوا سر سے بالائی عالم اور پاؤں سے زمین ہوئی
اور کائنات ہو گئی - اسی طرح وہ سب لوگوں کو بھی پیدا کرتا ہے“

۱۰ یسھون مجرید اور اسیا نمبر ۱۳۲ کا ہے اور اگر حقیقتاً گمانیں جاسکتا کہ وید مقدس کا دعویٰ الہامیت
کمان تک درست ہے مگر بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اس قدر ہکویقین ہے کہ اس سرزمین اور اس قوم میں بھی
حسب ارشاد قرآنی ضرور انبیاء مبعوث ہوئے ہونگے - اور فرامین آتی کسی کسی طرز میں ان پر اتارے گئے ہوں گے اس لئے ممکن
ہے کہ وید بھی اسی قسم کی کتاب ہو - خواہ بعد میں اسکی شکل جیسا کہ بعض دیگر الہامی کتابوں کی نسبت دیکھا جاتا ہے بعض جگہ
یا ہر جگہ بدل گئی ہو یا شروع سے کچھ تو حسب استعداد زمانہ اور زیادہ تر یسھون کی پیچیدگی کے سبب وہ مضامین محل الفاظ
اور پیچیدہ استعاروں اور تشبیہوں کی شکل میں بیان کئے گئے ہوں ۔

ہیں منتر کے الفاظ میں چونکہ خدا کو انسان کی طرح دست و پا اور دیگر اعضا سے متصف مانا گیا ہے جو یقیناً نشانِ انبوتی کے خلاف ہو اس لیے اگر یہ الفاظ الہامی ہیں تو ضرور ان کا مطلب کچھ اور ہوگا اور جو اور مطلب قرار دیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ علم خداوندی میں جو صورت اس سلسلہ کائنات کی ہوگی اس میں ضرور بندہ کی پستی اور اطراف وغیرہ ہون گے کیونکہ علم یا خیال میں کوئی چیز موجود نہ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے تمام اجزاء کی ترتیب اور تصویر موجود ہے اور چونکہ وجود ہی کی علمی طاقت ہو جو اسے اس لیے جو صورت اس کے علم میں ہوگی اسی کے مطابق ظہور ہوا ہوگا پس جس طرح کی مخلوق اس کے علم میں جس جس جگہ کے لیے مقرر ہوگی وہ سب اسی جگہ پیدا ہوئی ہوگی پس اس معنوں کو بیان کر سیکے وقت اس علمی صورت کو اطراف و جواب رکھنے کو سبب انسان سے تشبیہ و تکرار بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شکل اس صورت کی ناف یعنی وسط میں تھی وہی ورمیانی عالم کی ہے اور جو صورت بالائی جانب میں تھی وہی دنیا کی بالائی جانب کی ہوئی اور اسی طرح تمام اشیاء میں اسی علمی تصویر کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں اور پھر چونکہ علم خدا کا تھا اس لیے یہ ایک استعارہ استعمال کیا گیا کہ صفت کی بجائے خود موصوف کا ذکر کر دیا گیا اور یوں بیان ہوا کہ خدا کی ناف اور سر وغیرہ سے دنیا موجود ہوئی۔

اسی طرح ایک خاص منتر میں جو اشمیدگی کے آخری اثنان میں پڑھا جاتا ہے اور جس کو ویدک و صرم والے ابنِ ہندھیا کا پہلا منتر شمار کرتے ہیں لکھا ہے کہ

”ہمارے یعنی عدم محض کی حالت میں برہم ہی برہم (خدا) تھا اور پھر جب دنیا کا آغاز ہوا تو پہلے تاریکی پیدا ہوئی اس کے بعد پانی کا سمندر پیدا ہوا.....“

اس موقع پر پہلے تاریکی کو پیدا کرنے کا ذکر ہے حالانکہ تاریکی نور کا عدم ہے اور جس وقت میں نور نہ ہو وہ خود بخود موجود ہوتی ہے اس لیے اس کو پیدا کرنے کا کوئی مطلب نہیں سوا اس کے کہ اگر نور موجود نہ ہوتا تو تاریکی بھی ممتاز اور منفرد ہوتی کیونکہ جس چیز اپنی ضد کو پہچانی جاتی ہے اس لیے تاریکی کی شناخت نور کو پیدا کرنے سے ہوئی ہے اور اس لئے کہ کہتے ہیں کہ اگرچہ تاریکی مخلوق نہیں مگر اس کا امتیاز

مخلوق ہے اور وہ اسی وقت ہوا ہے جبکہ نور کو پیدا کیا گیا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کو موجود کر نیک خیال اور ارادہ ہوتا ہے تو اس خیال اور ارادہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کا ناپود ہوئے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ یہ حالت عدم دور ہو۔ غرض موجود کر نیک پہلا قدم ناپود ہونے کی طرف توجہ کرنا ہے اور چونکہ اسی توجہ سے اس کا امتیاز پیدا ہوا گا اس لیے اس مضمون کو مختصر آوین کہہ دیا گیا کہ سب سوا دل تبار کی یعنی عدم کو پیدا کیا۔

اسی مضمون کو قرآن شریف میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہے ۔

اَلَمْ يَكُنْ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ رَجْعَ الظُّلُمٰتِ وَاَلنُّوْرِ ۚ

حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کی پیدا کیا اور ظلمت و نور کو بنایا

(انعام پارہ ۷ ع ۷۱)

یہاں پیدا کر نیک لفظ موجودات پر استعمال کیا گیا ہے اور نور جس کا ظہور بعض موجودات کے پیدا کرنے سے ہوا اور تاریکی جو نور کے سبب سے ممتاز ہوئی ان کو جعل یعنی بنانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ظلمت مقدم ہے اور اس کی طرف توجہ کرنے سے وجود اور نور پیدا ہوا ہے اس لیے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر کیا گیا۔

بائبل کی شہادت | ایسے کنگلی کی چادر میں چھپے ہوئے جواھر کے بعد جو یہ مقدس سے تلاش کرنے پر مل سکتے ہیں جس الہامی کتاب تک مجھ و مٹرس ہے وہ عمدتین و جدید ہے چنانچہ اس میں اس مضمون کو کس قدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب امثال میں علمی قوت کو دامائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی دیان سے کہا گیا ہے۔

”خداوند اپنے انتظام کے شروع میں مجھے رکھتا تھا۔ اپنی صنعتوں سے پیشتر قدیم سے۔ میں ازل سے مقرر ہوئی۔ زمین کی پیدائش کی ابتدا سے پہلے۔۔۔ (باب ۲۳ ص ۲۴ وغیرہ)

اور کتاب یوحنا کے آغاز میں یہی مضمون ہے جس میں علمی قوت کو کلام کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

”ابتدا میں کلام تمہارا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تمہا سب چیزیں اس کو موجود نہیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اسی میں تھی اور وہ زندگی انسان کا نہ تھی۔“

قرآن کی شہادت | قرآن شریف میں اس مضمون کو متعدد جگہ مختلف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے ہر جگہ پہلے
اول | ۱۔ مذکور ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور چونکہ تمام شیا میں مادہ بھی شامل ہے اس لیے
مطلب یہی ہر مسئلہ ہے کہ سب کو نیت سے درست کیا ہے۔ ارشاد ہے

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں
بہت کم کم ہو سکتا ہے جو حال کہ ہلکی بھجواہ کوئی نہیں اور اس نے
ہر چیز کو پیدا کیا ہے (اور کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے
ہے۔ یہ ہر خدا تمہارا پروردگار عبادت کے لائق ہے اور کوئی
نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے تم ہی کی عبادت کر۔

وہ خلق کو آغاز کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے
وہ ذات ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت
اور جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں اور جسکی بادشاہت میں
کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے
لئے امانہ مقرر فرمایا ہے۔

یہ خدا تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور جس کے سوا
کوئی لائق عبادت نہیں پس تم کیونکر اس پر افترا باندھتے ہو
کیا انسان پر ناز کا ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ کچھ بھی
نہیں تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ يُخَوِّضُ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ
وَهُوَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ
وَاللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
فَاعْبُدْهُ وَذَكَرْهُ (انعام پارہ ۱۷)

وَاللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ
الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْمَلِكِ
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ
وَاللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
(زمر پارہ ۱۷)

ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَاللَّهُ
الْأَعْلَىٰ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ (نہم پارہ ۱۷)
هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ
لَمْ يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ مَّا ذَكَرُوا (دھر پارہ ۱۷)

۲۔ پیدائش کے ساتھ اپنی صفت علم اور قدرت کو ذکر کیا ہے اور بیشک
نیت سے درست ہونے کی یہی صورت ہے کہ کس چیز کا خیال یا علم ہو اور اس کو موجود کرنے کی خواہش ہو

اور یہی قدرت حاصل ہو۔

قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(راندہ پارہ ۷ ع ۱۸)

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
(انعام پارہ ۷ ع ۱۸)

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ عَلِيمٌ الْقَدِيرُ
(روم پارہ ۷ ع ۱۸)

ذَلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ
الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ
الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ

(سجدہ پارہ ۷ ع ۱۸)

يَبْدِئُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ (فاطر پارہ ۷ ع ۱۸)

قُلْ حَسْبِيَ الَّذِي أَسْأَلُهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ
يَكْمُلُ خَلْقَ عَلِيمٌ (یس پارہ ۷ ع ۱۸)

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ
الْعَلِيمُ (ایضاً)

فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلْ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لَعَلَّكُمْ تَزْكُونَ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (مومن پارہ ۷ ع ۱۸)

اس نے کہا کہ اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اور کیون نہ ہو) خدا ہر
چیز پر قادر ہے۔

اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور (کیون نہ ہو) وہ ہر
چیز کو جانتا ہے۔

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور (کیون نہ ہو) وہ دانا
اور قادر ہے۔

یہ سچی کھلی کوہدیتنے والا غالب اور مہربان خدا ہے
جس نے ہر چیز کو خوبی سے پیدا کیا اور انسان کی پیدا
کار آغاز مٹی سے کیا۔

زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو چاہتا ہے بیشک خدا
ہر چیز پر قادر ہے۔

کسو کہ زندہ کر لگا ان کو وہ جس نے پیدا کیا تھا ان کو
پہلی دفعہ اور وہ مخلوق کو جانتا ہے

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا قادر نہیں
ہے کہ اتنی جیسا پیدا کرے۔ مان کیون نہیں وہ پیدا
کر نہیں والا اور جاننے والا ہے۔

زمین و آسمان کو پیدا کر نیو والا جس نے تم کو جوڑا جوڑا کیا
اور چار پاؤں کو جوڑا جوڑا بنایا۔ تم کو زمین پر پھیلا کر رکھا
اس جیسا کہ تم کو زمین اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ
(زبور پارہ ۷)

وَلِلَّهِ جُمُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا (نہ پارہ ۷)
وَالسَّمَاءُ بَنِيَتْ هَاهُا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَكَوْنِعُونَ
(ذاریات پارہ ۷)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنْ كُلِّ
مِثْقَالٍ يَتَنَزَّلُ الْأَكْمَرُ بَيْنَهُنَّ لَتَعْلَمُوْا
أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ
أَسَاطَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا
الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ
(مک پارہ ۷)

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا
تو کہیں گے کہ ان کو ایک غالب اور دانہ نے پیدا
کیا ہے۔

اور خدا کے لیے ہے آسمان و زمین کا لشکر اور اسے علم
و حکمت کا مالک ہے۔
آسمان کو بننے اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو بڑی قدرت
ہے۔

خدا وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی قدرت
میں ان کے حکام میں نافذ ہے تاکہ تم مانو کہ وہ ہر چیز پر قادر
ہے اور اپنے علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (پیدا کیا)
کیا کہ تم کو پیدا کرنے کے متعلق غور کرتے ہو اگر علم خدا کا پتہ لگے
کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا؟ حالانکہ وہ لطیف
اور دانہ ہے

سوئم ۳۔ مذکور ہے کہ وہ چیز کو موجود ہونے کے لیے علم دیتا ہے اور وہ فوراً ہو جاتی ہے اور
فی الحقیقت جو چیز خیال کی نوت کے ساتھ نیست ہو بہت کچھ اسے ہمیں صرف خیال کرنا کافی ہو گا
اور اس سے زیادہ کسی سامان کو ہیا کرنے کی ضرورت نہیں۔

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے اور جسے
دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے ہو وہ ہو جاتی ہے۔
اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ جب حکم دیتا ہے
کسی بات کا تو کہتا ہے ہو، وہ ہو جاتی ہے۔
وہ وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور

بَدِئِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (بقرة پارہ ۷)
كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (ال عمران پارہ ۷)
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

يَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ (العام پڑھو)

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نَقُولَ

لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ (دخل پڑھو)

اِنَّمَا اَمْرُنَا اِذَا اَرَادَ شَيْءٌ اَنْ يَقُولَ لَهٗ

كُنْ فَيَكُونُ (بیس پڑھو)

هُوَ الَّذِي يُخَيِّ وَيُمِيتُ فَاِذَا اَفْضَى اَمْرًا

فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ (معرن پڑھو)

وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ مَّكْثُرٌ بِالْبَصَرِ

(قمر پڑھو)

جس دن کہتا ہے 'ہو، وہ ہو جاتی ہے

ہماری بات کسی چیز کے لیے جب ہم اس کا ارادہ کریں

یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں 'ہو، وہ ہو جاتی ہے۔

اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے

'ہو، وہ ہو جاتی ہے۔

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور اسے پس حکم دیتا ہے کسی

بات کا تو صرف کہتا ہے 'ہو، وہ ہو جاتی ہے۔

ہمارا حکم صرف ایک ہے جیسے کہ آنکھ، اٹھا کر

دیکھ لینا۔

چارم ۴۔ مذکور ہے کہ خدا سب چیزوں پر محیط ہے اور سب کو بلکہ ہر ذرہ کو جانتا ہے اور اس کی حفاظت

اس کے لیے دشواریاں ہیں اور واقع میں کسی چیز کے علم اور قبضہ اور حفاظت میں دشواری جیسی ہوتی ہے

کہ وہ پہلے ہی موجود ہو اور دوسرے شخص کو بعد میں اس پر تصرف کرنا پسے گرجے جب تمام اشیاء کو علی قوت

سے موجود کیا جائے تو اس علم کا وجود بعد میں تمام اشیاء کا وجود ہے اور علم ہی کے موجود رہنے سے وہ سب

چیزیں قبضہ قدرت اور احاطہ میں رہ سکتی ہیں اور جب تک خیال یا علم میں وہ اشیاء موجود ہیں ظاہر میں

بھی موجود رہ سکتی ہیں اس لیے دنیا کا علم اور قبضہ اور حفاظت اس کی ذات کو ہرگز دشواری نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا

يَـُٔودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

(نقرو پارت ۳۷)

وَكَانَ اللّٰهُ يَمَّا يَخْلُقُ مِجْطَاةً (نہا پڑھو)

وَكَانَ اللّٰهُ يَكْلُ شَيْءٍ مِّجْطَاةً (نہا پڑھو)

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالٍ ذَرَّةٍ

اور اسد تھا اسے اعمال پر محیط ہے۔

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے

اور تیرے خدا سے زمین میں اور آسمان میں ایک ذرہ

فِي الْأَرْضِ وَالْكَافِيَ السَّمَاءِ (برس پائے ع)

وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ

وَالْكَافِيَ السَّمَاءِ (ابراہیم پلٹے ع)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ

بِأَمْرِهِ (ردوم پلٹے ع)

يَذَرُ الْأَرْضَ فِي السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ

(سجاء پلٹے ع)

بھی مخفی نہیں۔

اور خدا سے زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز

مخفی نہیں۔

یہ اس کے نشان ہیں کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم

سے قائم ہیں

وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کا انتظام کرتا

ہے۔

پنجم ۵۔ مذکور ہے کہ زمین آسمان میں وہی ایک خدا ہے اور وہی حق ہے اور اس کے ساتھ نام

اشیا فانی اور زوال پذیر ہیں اور وہی اول آخر، ظاہر اور باطن ہے۔ ان آیات کا مضمون بھی علمی قوت

سے موجود ہونے پر بالکل منطبق ہے کیونکہ جو چیز خیال کی طاقت کو موجود ہو وہ سر اس طاقت پر منحصر

ہوتی ہے اور اپنے اندر کسی طرح کی طاقت اور کسی نوع کا استقلال نہیں رکھتی اس لیے ایسی ہستی ذات خداوندی

کے مقابل میں بالکل بے بود و معدوم ہے پس بیان دل سے کہ زمین آسمان میں وہی ایک ذات حق

اور دائم ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہے چونکہ اس کا پیدا کردہ ہے اس لیے عارضی وجود سے مشغول ہے مگر

حقیقت میں فانی اور معدوم ہے اور یہی دو طرح کی حیثیت رکھنے کو اس کے متعلق دو طرح کے خیالات

ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ چونکہ عارضی ساد وجود رکھتا ہے اسلئے ذات خداوندی کو اس کے مقابل میں خیال

کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر خدا کی ذات اپنی ازلیت میں ان سب سے اول ہے اور باعزت

میں سب سے آخر ہے اور ظہور صفات میں سب سے روشن تر اور نمایاں ہے اور خفا و ذات میں سب سے پوشیدہ

اور چونکہ ان سب کی حقیقت عدم ہے اس لیے ان کو فانی اور نالک اور صرف خدا کو حق اور سمجھ و کہم

سکتے ہیں۔

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ

وَسِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ لَا تَكْبُرُونَ (عام پلٹے ع)

اور وہی خدا ہے آسمان اور زمین میں وہ جانتا ہر خفا و نجوی

اور ظاہر حالات اور جانتا ہر جو کچھ تم کہتے ہو۔

فَقَالَ اللَّهُ لَمَلِكٍ لِّتَقُدَّ (مذہبہ ۱)

كُلُّ شَيْءٍ هَٰذَا لَكَ إِلَّا وَجْهَهُ ۖ لَهُ الْخُكْمُ

وَالِكِبَرُ تَرْجَعُونَ ۖ (نقص پڑہ ۱)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُهُ رَبِّكَ

ذُو الْعَلَالِ ۚ وَلَا كُفْرًا لِّرَبِّكَ ۚ (مذہبہ ۱)

لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ ۝

عَلِيمٌ ۖ (مذہبہ ۱)

خدا بلند ہے جہاں مالک اور حق ہے

خدا کی ذات کے سوا سب چیزیں فانی ہیں۔ حکم کسی

ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

دنیا کے پردہ پر جو کچھ ہے فانی ہے اور خدا سے بزرگ

و با عظمت کی ذات باقی رہیگی۔

اس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہو وہ زندہ

کر رہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول

ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا

عالم ہے۔

ششم ۶۔ ایک موقع چھت علم سے پیدا کرنے کو ایک لطیف تشبیہ میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ

ارشاد ہے۔

اللَّهُ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ

عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک

علاقہ کی مانند جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک

فانوس میں ہو اور فانوس گویا ایک روشن ستارہ ہے

جو چمکتا ہے ایک ایسے ریتوں کے مبارک درخت کے

تیل سے جو شرقی ہے اور مغربی ہے اور اس کا تیل

گویا جل اٹھ کر ہو خواہ اسے آگ نہ لگے۔ خدا اور یہ

نور ہے اور وہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف

جسے چاہتا ہے اور خدا مثالین بیان کرتا ہے گو

کی رہنمائی کے۔ یہ اور خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

یہاں خدا نے اپنے تین ایش واما نور فرمایا ہے اور پھر اپنے ظہور کو ایک مثال میں بیان کیا ہے۔

اس مثال میں ایک چراغ ہے جس سے روشنی نکلا کرتی ہے اس کے بعد فانوس ہے جس کے بیچ چین سے گزرنے پر پھیلا کرتا ہے۔ پھر طاق کا ذکر ہے جس میں فانوس رکھ دینے سے اسکی تاریکی نور سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر فانوس کی نسبت کہا گیا کہ وہ تارہ سا چمکتا ہے اور چمکنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو اپنی نورانیت کے سبب کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل مٹھنے کے قابل ہے اور وہ ایسے وحشت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب کسی سے تعلق نہیں رکھتا اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب پیدا شدہ کائنات کی اس صورت کو دیکھا جاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے اور الہامی نوشتوں سے مفہوم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مثال اس صورت پر بالکل منطبق ہے کیونکہ دنیا خدا کی قدرت کا مادہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور صفت علم وہ واسطہ ہے جس میں ہر قدرت کا ظہور ہوا ہے اور عدم وہ حقیقت ہے جس کو قدرت نے نور وجود سے منور کیا ہے اس کی قدرت خداوندی منبع وجود ہونے کے سبب چرل غ ہے اور علم پھیلنے نور کا راستہ اور ذریعہ ہونے کے سبب فانوس کی مانند ہے اور عدم اصل میں تاریک اور قدرت سے منور ہونے کے سبب طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور پھر صنعت علم جو ایسی روشن چیز ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ ایک فادر و قوی خدا کا علم ہے اس لیے اگر یہ فانوس ہے تو اس کے اندر جلنے والا تیل وہی قوت و قدرت کا اثر ہے اور اگر اس کو تیل کہیں زیتون کا تیل ہے وہ ذات خداوندی ہے جو مشرق مغرب وغیرہ تمام طرفوں سے اور تمام جہانی لوازم سے پاک اور برتر ہے اور پھر علم اگر نور ہے تو ذات خداوندی جو اس نور کا منبع ہے اس سے برتر ہے اس لئے وہ نور کی انوار ہے۔ غرض وہی مضمون جس کے مختلف مدارج مختلف مخلوقوں سے گذشتہ آیتوں میں بیان کیے گئے تھے اس آیت میں ان تمام مدارج کو ایک تشبیہ میں ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت عدم ہے اور حقیقی اور دائمی وجود وہی خداوندی ہے جس نے اپنی قدرت اور علم سے ان کو نیت کر رکھا۔

علامہ محمد الدین ابن العربیؒ جو وحدت وجود کے امام ہیں اپنی تفسیر میں یہاں طاق کو جسم انسان اور فانوس سے روح انسان مراد لیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ وحدت وجود کے مطابق

شجر و حجب کچھ ایسی ایک ذات کی مختلف شانیں اور کلین ہیں۔ پس اگر وہ ذات چراغ ہے تو پھر فانی
یعنی روح بھی خود ہی ہے اور طاق یعنی جسم بھی خود ہی ہے اور اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہی چراغ
فانوس اور طاق بن گیا ہے بلکہ اس کے ذریعہ فانوس میں سے گذر کر طاق کو روشن کرتے ہوئے مانا گیا
ہے اس لئے اگر بیان روح اور جسم ہی مراد ہو تب بھی اس تشبیہ سے نتیجہ وحدت وجود کے مطابق
نہیں نکل سکتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس طرح چراغ بعدیتہ فانوس اور طاق نہیں بن جاتا بلکہ ایک کے
اندر سے دوسرے کو روشن کرتا ہے اسی طرح خدا روح اور جسم نہیں بنا بلکہ روح کی وساطت سے جسم کو
توت اور حیات بخشتا ہے اس لیے اس تشبیہ سے انکی تفسیر کے مطابق بھی وحدت وجود کی تردید ہوتی ہو
نہیں۔ بلکہ آخرین والہ کل شیء علیہ فرامے اور اعد اور شے اور علم کا ذکر کرنے سے اہم ہوتا
ہے کہ اس آیت کی تفسیر ذات خداوندی اور صفت علم اور اشیا موجودہ کے تعلق سے ہونی چاہئے اور
ہم نے دیکھا کہ اسی صورت میں آیت کا مضمون منطبق ہوتا ہے۔

وحدت وجود کا نقلی استدلال
علمائے وحدت جو مذکورہ بالا آیت نور کے علاوہ مغللہ آیات گذشتہ کے بعض اور
آیتوں سے بھی وحدت وجود کا خیال اخذ کرتے ہیں۔ مگر چنے دیکھا کہ تمام آیات مذکورہ
کا مضمون پیدائش کے خیال پر بالکل منطبق ہوتا ہے اور اکثر آیات میں علم و قدرت کے ذکر سے
علمی قوت اور اسکی ایجاد کی طرف ایما ہوتا ہے اور بعض آیات میں پیدائش کا مضمون بے لاحت مذکور
ہے اس لیے بعض آیات کو تاویل سے وحدت وجود پر منطبق کرنا زبردستی ہے۔ مگر تاہم بعض ایسی
آیتیں جو اوپر ذکر نہیں ہوئیں اور جن سے مسئلہ وحدت وجود ثابت ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے انکی
نسبت غور کرنا باقی ہے چنانچہ وہ ان آیتوں سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

وَمَنْ يُلَاحِظْ الرُّسُلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ط
(نہ پانچ)

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَعَمَّا يَتَذَكَّرُ لَوْلَا رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَسَاءَ جَاوِزًا
علیہ سلم تم لو انہوں پر پتھر چلاؤ تو انکی تلافی نہیں چکا بلکہ خدا نے انکی

إِنَّ الَّذِينَ يَبْعُوثُكَ إِنَّمَا يَبْعُوثُكَ
لِيُدَّخِرَ اللَّهُ فَرْقَ أَكْبَرِهِمْ دَرَجَاتٍ (۲۷۰ ع)

وَاللَّهُ الْمَشْرِفُ وَالْمَغْرِبُ فَإِنَّمَا تَوَكَّلُوا فَتَعَمَّ
وَجْهَهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲۷۱ ع)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسَّوْسُ
بِهِ نَفْسَهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبَلٍ

الْوَسِيدِ (۲۷۲ ع)

وَهُمْ يَعْلَمُونَ كَيْفَ كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِأَعْمَالِنَ
بَصِيرٌ (۲۷۳ ع)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ لَمَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى

ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَآهُمْ مِنْ وَحْدِهِ إِلَّا
هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدَنَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا

أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ إِنَّمَا كَانُوا أَنتَضِبَاتِهِمْ
يَا عَالَمُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
(مجادلہ ۲۷۴ ع)

بیشک جو لوگ تم سے بعیت کرتے ہیں وہ خدا سے بعیت
کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے۔

مشرق اور مغرب خدا ہی کے واسطے ہے۔ تم جس طرف منہ
کرو خدا تمہارے سامنے ہوگا۔

بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں
جو خیال اس کے دل میں گزرتا ہو اور ہم اس سے شے شوگ

سے زیادہ قریب ہیں۔

اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔ اور اس کے ہاتھ
اعمال کو دیکھتا ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کو
جانتا ہے کوئی مشورہ نہیں ہوتا جاہلین تین شخص ہوں

اور خدا ان کے ساتھ چوتھا نہ ہو۔ یا پانچ شخص ہوں اور خدا
ان کے ساتھ چھٹا نہ ہو یا اس سے کم یا وہ ہوں اور وہ ان کے

ساتھ نہ ہو۔ وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر خدا قیامت کے دن
ان کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ کیونکہ خدا ہر چیز کا
عالم ہے۔

انسانی فعل کا خدائی | یہاں پہلی تین آیتوں میں ایک انسان کی اطاعت کو خدا کی اطاعت۔
انسانی فعل کو خدا کا فعل اور انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ اور چوتھی

آیت میں خدا کا ہر جگہ ہونا اور باقی تین آیتوں میں خدا کا سب کے ساتھ ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے
گمان ہوا ہے کہ خدا اور مخلوقات کی حقیقت ایک ہونے کے سبب ایسی دیکھا گئی اور بعیت ظاہر کی

گئی ہے۔ مگر اصل میں بیان جن انسانوں کے اوصاف و افعال کو خدا کے اوصاف و افعال کہا گیا ہے

وہ دہی لوگ ہیں جن کو مقربانِ اہلبی مانا گیا ہے پناہ صرف رسول علیہ السلام کی نسبت ارشاد
ہو ہے کہ اس سو بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور اسکی اطاعت خدا کی اطاعت۔ یا رسول علیہ
السلام اور ان کے رفیقوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ قتل وغیرہ جو ان کے ہاتھ سے سرزد ہو ہے اس کا
فاصل حقیقت میں خدا ہے پس اگر اس یگانگت کا باعث یہی ہے کہ ان سب میں ذات خداوندی کا
ظہور ہے تو وحدت وجود کے مطابق صرف نیک بندے نہیں بلکہ ہر چیز خدا کی ایک شان ہے اس لیے
ہر مومن کو کافر بلکہ ہر چیز کو پندار کا فعل خدا کا فعل ہونا چاہئے اور اس لیے مقربانِ اہلبی کی کچھ خصوصیت
نزدیکی اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے یہ تعریف کا موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کی اطاعت کرتے ہیں
کیونکہ رسول کو خدا کا نام لینے پر مارنے کے لیے جو لوگ اپنے حکام کی اطاعت کرتے تھے ان کی اطاعت
بھی سنا خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے کہ رسول کو مارنے کا حکم دینے والے اور مارنے والے
بھی ذات خداوندی ہی کے مظہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں جو مقربانِ خدا کے افعال کو خدا کے افعال
کہا گیا ہے تو اسکی وجہ وحدت وجود کا مسلک ظاہر کرنے کے سوا کچھ اور ہے اور وہ وجہ یہی ہے کہ
جو شخص حاکم وقت کی طرف سے کوئی حکم سناتا ہے اسکی آواز کو اس کے منہ سے نکلتی ہے لیکن حقیقت میں وہ
حاکم وقت کی آواز ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اس حکم کو بجا لاتے ہیں حقیقت
میں اس کہنے والے کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی طرح یہاں جو شخص خدا کے
احکام سناتا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کے الفاظ بھی حقیقت میں خدا کے الفاظ ہیں
اور جو لوگ اسکی اطاعت کا حلف اٹھاتے ہیں اور اس سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں خدا کی
اطاعت کا حلف اٹھاتے ہیں اور خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اس وقت کو غیر بکا ہاتھ بچتے
ہے مگر اصل میں خدا کا ہاتھ ہے جس میں وہ لوگ اپنا ہاتھ دیتے ہیں کیونکہ رسول محض ایک واسطہ ہے
اور اصل تعلق مخلوق اور خالق کا ہے۔

اور علیٰ ہذا جب رسول اور اس کے رفقا خدا کا نام لینے پر ستائے جاتے ہیں اور وہ حاکم کے حکم
سے ستائے والوں کے خلاف ہاتھ اٹھاتے ہیں تو چونکہ یہ فعل محض حکم خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے اور ان کی

و اتی غرض اس کشت و خون سے وابستہ نہیں ہے اس لیے یہ کہنا بالکل درست ہو کہ یہ عمل انکی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض جو افعال و خواہ اس وقت خدا کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان کا ظہور واقع میں خدا کی جانب سے تھا اور انسان ان کے ظہور کے لیے ایک آلہ اور واسطہ سے زیادہ نہ تھا اس لیے بحیثیت آلہ ہونے کے اس فعل کو انسان کی طرف اور بحیثیت فاعل ہونے کے خدا کی طرف منسوب کرنا بالکل صحیح ہے مگر جس طرح ایسا فعل سرزد ہونے کو گماشتہ حاکم نہیں بن جاتا اور تلوار سپاہی نہیں بن سکتی اسی طرح انسان ایسے فعل سے خدا نہیں ہو سکتا۔

خدا کا ہر جگہ ماحرہ ناظر ہونا | البتہ وحدت وجود کا خیال حب ظاہر ہو تا کہ بالعموم ہر چیز کی ماہیت خدا بنائی جاتی اور ہر چیز کے فعل کو خدا کا فعل کہا جاتا مگر قرآن میں ایسا نہیں اور سمجھنے و سمجھا کے باقی چار آیتوں میں جہاں بالعموم تمام انسانوں کا ذکر ہے وہاں خدا کو ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ کہا گیا ہے نہ سب کو متحد۔ اور ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ ہونے کی صورت ظاہر ہے۔ اول تو وہی جو مذکورہ بالا سورہ کی آیت میں پہلے ہی بیان کی گئی ہے کہ دنیا خدا کی مخلوق ہے اور اس لیے وہ خدا کے علم سے موجود ہوئی ہے اور اسی کے علم کے ساتھ قائم ہے پس جس طرح کسی چیز کا کامل علم ہونے پر عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلان شخص فلان واقعہ کو ایسا جانتا ہے گویا وہاں خود موجود ہے یا گویا اسکی آنکھ کے سامنے ہورہا ہے اسی طرح ہر ذرہ کا کامل علم ہونے کے سبب کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ جب انسان کو اپنی ذات اور اس کے تمام تعلقات کا ایسا علم نہیں جیسا کہ خدا کو ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ انسان خود اپنی ذات سے ایسا قریب نہیں جس قدر خدا اس سے قریب ہے۔ اور دوسرے اگرچہ ذات خداوندی انسان کے جسم سے بالاتر ہے اور اس لیے اس کے موجود ہونے کی کیفیت بھی ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اس قدر یقین کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایک جگہ موجود ہونا اور دوسری جگہ موجود نہ ہونا اسی چیز کا خاصہ ہے جو معین عرض و طول و عرضی ہو اور ایک مقام تک جا کر ختم ہو جاتی ہو اور ایسی چیز وہی ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اور ذات خداوندی جسم اور خواہش جسم سے پاک ہے اس لیے وہ اگر موجود ہے تو کسی مقام تک محدود نہیں ہو سکتی اور نہ اپنے وجود کے لیے مقام اور جگہ کی محتاج ہو سکتی ہے پس ذات خداوندی کی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر جگہ

حاضر ناظر ہے گو ہم نہیں جانتے کہ وہ کس طرح موجود ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ جس جگہ پر نفقات کا سلسلہ قائم ہے اسی جگہ خدا کی ذات بھی موجود ہونے ضرور ہے کہ دونوں ایک ہونگی کیونکہ ایک فضا میں دو موجود نہیں سما سکتے تو جواب یہ ہے کہ ایک فضا میں دو جسمانی وجود بیشک نہیں آسکتے لیکن ایسے دو وجودوں کا ایک فضا میں موجود ہونا جن میں سے ایک جسمانی اور دوسرا غیر جسمانی ہو محال نہیں مثلاً مادہ کے اندر جو عرض و طول رکھتا ہے قوت کو موجود مانا جاتا ہے جو جسم نہیں رکھتی اور ان کے اس طرح موجود ہونے کو دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور قوت تو پھر بھی نہایت لطیف ہے ایتھر جس سے کم لطیف ہر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی فضا میں موجود رہ سکتا ہے جہاں کوئی مادی جسم موجود ہو۔ پس خدا جو ہر طرح کے لازم جسمانی سے پاک و برتر ہے کائنات کے ساتھ موجود ہو تو بطریق اولیٰ دونوں کا متحد ہونا لازم نہ آئیگا ۔

باب (۱۰) دہم

خیر و شر اور تقدیر

خیر و شر کے متعلق مختلف راہیں شراذہ یا روح کی طرف سے ہیں شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے جس کی اصلیت علم ہے نیچر کی بعض برائیاں اور ان کی اہلیت۔ نیچر کی اور برائیاں۔ بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔ ضد سے ضد کی طرف آئینے میں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ عدم سے وجود میں آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال میں عدم کا اثر یعنی بدی نمایاں رہتی ہے۔ بدی پہلی جن کا پھل ہے یا بدی حقیر ہے۔ ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے۔ تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی۔ اسی سوال کا نہیں ہوا۔ کیوں کا جواب۔ ایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دینا نہیں جاسکتا۔ ایک اور موقع پر نہاں مذہب کیوں کا جواب ہو سکتا ہے۔ خیر و شر کی وجہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین ذرا دل نہیں ہوتا۔ سب کچھ شیت ربانی سے ہوتا ہے۔ خدا نے ایک اور بدو کو بناتے بنا کر جن۔ اسی میں حکمت ہے۔ خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت

لکھی ہے جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اُس کے خلاف ہمیں بہرہ رسکنا۔ خدا نے سوائے کو تو ہم پیدا کرنے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ خدا نے سرمایہ کو نیک اور بد دو نوعیوں کا باعث قرار دیا ہے۔ ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کے علم میں سب کچھ ہے۔ خدا نے انسان کو قدرت فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار کامل انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دو نوعی غلط فہمیوں کے پہلے خیال میں غلطی بہت ہے اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے۔ جبر و اختیار کی نسبت مزید غور۔ رحم اور غضب۔ خدا کا غصہ۔ رحم کی تعریف۔

الہامی نوشتہ میں سے مضمون پیدا اُس کو ثابت کرنا ایک جملہ مقررہ تھا اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ازل سے موجود ہونا اور کائنات کا اس کی قدرت کا مادہ سے وجود میں آنے کا یہی ایک مسئلہ ہے جس تک پہنچنے سے عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہے اس لیے جس مذہب میں تعلیم ہو وہی قابل ترجیح ہونا چاہیے۔ مگر یہاں چونکہ سوال ہوتا ہے کہ خدا کی کائنات کیسے ہے اور اس کی مخلوق میں ایسے آنے کیوں ہیں جن کو ہم بُرا خیال کرتے ہیں۔ ان دو سوالات کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خدا کو قابلِ فہمید بنانے کے لئے اپنے اپنے وقت کی استعداد کے موافق کنگرہ تپھر سے لیکر بریدہ انسانوں تک کسی کسی نہ کسی حد تک خدا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب نیکی اور بدی کی علت دریافت کرنے کے مختلف دعویٰ کئے گئے ہیں مگر نظامِ مسرت ہے کہ مذہب کی پہلی کوشش یعنی خدا کو قابلِ فہمید بنانے کی تجویز جو یقیناً انسانی آہیزشوں کا نتیجہ تھی نابود ہوتی جاتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ توحید کے ایک دل آویز ترانہ کے بعد جو چندہ مدی پہلے ایک خاص سمت سنو سنائی دیا تھا زمانہ نے ایک ایسا رخ بدلا ہے کہ نہ صرف دو تین خدا ماننے والوں میں بلکہ کروڑوں مبدعوں کی بھینٹ چڑھانے والوں میں غرض و نیل کے قریب تمام بڑے مذہبوں میں توحید کی جانب عام میلان ہو گیا ہے۔ اور اگرچہ ابھی جا بجا پہلی غلط کاریوں کے مختلف آثار باقی ہیں مگر ایسے فرقے بالعموم موجود ہیں جو توحید کا کسی کسی حد تک اعتراف کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق سب متفق نظر آتے ہیں کہ اگر عقل کو خدا کی ماہیت دریافت کرنا ایک اشتیاق ہے مگر عقل کی کنہ یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے اور انسان اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ اور اگرچہ

ایسے لوگ اپنی الہامی کتابوں سے توحید کا سہارا لے کر دعویٰ کرتے ہیں اور ضرور ہر ایک الہامی کتاب میں اپنے زمانہ کے موافق کسی نہ کسی پیرائہ میں توحید کی تعلیم ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ سے توحید کا مطلب سمجھنے کی توفیق جمی ہوئی ہے کہ کسی نے (فدا ابی دمی) انکی تفسیر کا غلط صاف اور واضح الفاظ میں بلند کیا۔ اور گمشدہ ابواب میں دیکھا جا چکا ہے کہ تمام مذہبی اہمالوں کا حقیقت توحید سے کس قدر تفاوت ہے اور اسی ان میں کیا نقص باقی ہیں جن کو دور کرنا چاہئے۔

غیر شر کے متعلق | اب ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب عالم اس دوسری کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو کر
مختلف تائیں | ہیں اور دنیا میں نیکی بدی موجود ہونے کا سبب کہاں تک دریافت ہو سکا ہے۔

شرادہ یا روح کی | اس بارہ میں ایک وہ احتمال ہے جس میں خدا کے ساتھ مادہ کو یا مادہ اور روح دونوں
طرف سے ہے۔ | کو قدیم مانا گیا ہے اور ایسا احتمال پیدا کرنے والے دنیا کی تمام برائیوں کو مادہ یا روح کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح روح اور مادہ غیر مخلوق اور قدیم ہیں اسی طرح ان کے خواص اور خواہشیں بھی قدیم ہیں اور اسی لیے ان سے نیک اور بد افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان پر نیک اور بد نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

شر غرض جو دوسے پیدا ہوتی ہے | اور ایک احتمال ہوتا بدھ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ لے

بدھ مذہب کی تمام شاخوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غم کی پیدائش اور شخص کی پیدائش بالکل ایک ہے غم حقیقت میں نتیجہ اس کوشش کا ہے جو کوئی فرد اپنے تئیں باقی موجودات سے جدا کرنا چاہے کھنجر کے لیے کرتا ہے۔ حالانکہ ترکیب و تحلیل کے عام قانون سے انسان اور فرشتے کوئی مستثنیٰ نہیں۔
تو توں کا وہ مجمع جو کسی موجود کو ترکیب ویتا ہے جلدی یا دیر میں منتشر ہو جائیگا اور اس انتشار میں توقف ڈالنے کی کوشش ہی وہ چیز ہے جس سے تمام غم کے غم اور ہر طرح کی تکالیف پیدا ہوتی ہیں جو بھی کوئی فرد باقی موجودات میں سے جدا ہوتا ہے یعنی پیدا ہوتا ہے (میں خدا وال اور مت اس پر

سے کتاب دیکھیں سسٹم آف دی ورلڈ۔ پروفیسر ڈی بیلی ریچ ڈیوڈ کا مضمون دربارہ مذہب بدھ۔

عمل کرنے لگے ہیں۔ غرض جہاں شخص ہے وہاں ضرور مدد ہوگی اور جہاں مدد ہے وہاں جہالت ہوگی اور جہاں جہالت ہے وہاں غلطی ہوگی اور جہاں غلطی ہے وہاں غم ہوگا۔ جو نبی کوئی فرد موجود ہونے لگتی ہے بیرونی دنیا اس پر اس کے چہ چو اس کے ہمت سے اڑا کرنے لگتی ہے اور اس سے جو اس کو تحریک ہوتی ہے اور اس تحریک کی محبت یا نفرت کے خیالات موجود ہوتے ہیں امدان آرزوؤں کو برکات کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس فرد کے لیے آرزوؤں کا پھر اکرنا ناممکن ہوتا ہے یعنی جس کو چاہتی ہے اس سے مل نہیں سکتی اور جس سے نفرت ہو اس سے بچ نہیں سکتی اور نیز قطع دہ اور بالاتر سے گریز نہیں کر سکتی اور یہ سب کچھ لازمی نتیجہ اس کوشش کا ہے جو اپنی جدا گانہ ہستی اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کی جاتی ہے۔

اس تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ سب تکلیفیں اور تمام برائیاں وجود خارجی کے سبب سے ہیں اور ان سے نجات بھی ہو سکتی ہے کہ وجود کی خواہش کو دور کیا جائے اور اس توجہ کی نسبت پر فیسر ڈیوڈ نکھتے ہیں کہ ان تمام کوششوں میں جو اس موضوع کے لیے کی گئی ہیں اگر یہ سب کی زیادہ مکمل نہیں تو سب کی زیادہ چپان ضرور ہے۔

ہری کی اصلیت عدم ہے | اس کے بعد وحدت شہود والوں کا خیال ہے جو ہدی کی وجہ ایک لطیفہ طرز اداس بیان کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

ہیچر کی بعض برائیاں اور | ہدی موجود ہونے کا سبب تلاش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ان کی اہلیت

ہدی کو جس کا ہونا میسر ہو خیال کیا جاتا ہے اور اس کی ہیچر کو دیکھا جائے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ہدی کی ہیچر میں داخل ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم کی طرف لچکانے کی کوشش کرتی ہے اگر نہ انسان کو مارتے یا ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کو عدم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی موت پر حاکم کرتا ہے یا اس کے مالی کوغبین کرتا ہے تو اگرچہ ظاہر میں وہ کسی چیز کو عدم کی طرف نہیں لے جاتا مگر ان چیزوں کو ان کی خواہش جبکہ سے ضرور عدم کرتا ہے۔ اور نیز اکثر حالات میں موت کو دور کرنا یا مال چرانا انسان کو عدم کی

طرف یہ جانے کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر روحانی یا جسمانی برائیاں انسان میں موجود ہیں ان میں سے کم و بیش کسی چیز یا کسی حالت کو معدوم کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر اپنے جہم کو چھپانے کے لیے مکر فریب کیا جاتا ہے تب بھی اس نتیجہ کو معدوم کرنا مقصود ہوتا ہے جس کا عاید ہونا نامناسب ہے اور اگر کسی کی طرف سے جھوٹی شہادت دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی اس شخص کے لئے دوسرے کے حق کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے اور علیٰ ہذا اگر جسم میں کوئی بُرائی یا عیب یا مرض موجود ہے تو وہی کسی ایسے عضو یا ایسے وصف کا معدوم ہونا ہے جو جسم کے لیے ضروری یا کم از کم نشان پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور یہی حال ان تمام برائیوں کا ہے جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں کہ سب ان کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسان میں تو یہ بھی بعض برائیاں ظاہر ہیں کسی چیز کو عدم کی طرف مائل ہوتی نظر نہیں آتیں مگر حیوانوں میں اتنا پر وہ بھی نہیں اور وہ بڑا بہت دوسرے کو معدوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مشر مصل کے یا الفاظ بالکل درست میں کئی حیوانات کا بہت بڑا حصہ دوسرے حیوانات کو کھا لیتے اور لگنے پر زندگی بسر کر سکتا ہے“ اور یہ بڑا حصہ بھی بڑے حیوانات میں پایا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات سے ترقی یافتہ ہیں اور جن میں سے اکثر انسان سے انوس ہو سکتے ہیں ورنہ چھوٹے درجے کے حیوانات بقول مشر موصوف کے ”یا لگنے والے ہیں یا نکل جانے والے“ اور نیز وہ ان ہزار ابراہیموں کا شکار ہیں جن کے سبب وہ اپنی حفاظت کے اسباب سے محروم ہو جاتے ہیں“

نیچر کی برائیاں | غرض یہ ہیں وہ برائیاں جن کے سبب کی تلاش ہے اور یہ ہے انکی نیچر کہ وہ سب عدم کی طرف لی جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر ابھی نیچر کی برائیاں شاکر کوئے میں کو تا ہی ہوئی ہے کیونکہ حیوانات سے نیچے کے درجن میں بھی بہت سے عیوب موجود ہیں مثلاً حیوانات کے نیچے نباتات ہیں اب اگر صوف نباتات ہی مار ڈالیں تو پیدا کرنے والا صرف چند ابتدائی کیرٹھون پتنگوں کو ہی پیدا کر سکتا جو نباتات پر بسر کر سکتے ہیں اور یہ جانوروں کا لاتعداد سلسلہ جن میں ایک کی زندگی بہت کچھ دوسرے جانما دون پر منحصر ہے مگر زندگی میں نہ آتا اور اگرچہ ظاہر میں بہت سے بڑے حیوانات بھی صرف نباتات پر گزار کر کوئے میں مگر علمی تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ نفس اور بدنی مساوات کے ذریعہ سے بلکہ پانی کے

ہر گھونٹ میں یہ جانور بشمار جاندار مخلوق کو محض کہتے ہیں۔ اس لیے صرف نباتات میں جو دولت ہے اسی کو موجود مان کر سوچندہ جنگوں کے اور رب جاندار محروم ہوتے۔ یہ تو نباتات کا وہ بڑا نقص ہے کہ وہ اپنی نیچر سے تمام جانداروں کو معدوم رکھنا چاہتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی دوسری باتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ جانداروں کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہیں اور بعض اوقات انکی تنہی سے بڑی بڑی تباہیاں وجود میں آتی ہیں۔

”اور ان سے اکثر معدنیات اور گیس وغیرہ عناصر کا درجہ ہے اور اگر صرف انہیں پر مدار ہوتا تو کیڑوں پتنگوں سمیت تمام جاندار مخلوق کا خاتمہ تھا اور صرف معدنیات کی وسعت کو دنیا محض نباتات کا جھل ہوتا اور جو زندگی کی برکت اب ہے وہ تختہ زمین پر نظر نہ آتی اور جس قدر گیس وغیرہ کے پھٹنے اور معدنیات کے تنہی کے جوش مارنے سے جانداروں کا اور نباتات کا نقصان ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔“

”اس سے آکر زمین اور اس سے آکر آفتاب کا درجہ اور ظاہر ہے کہ اگر زمین کا انحصار صرف انہی پر ہوتا تو مادہ نہایت ہی ابتدائی اور سادہ شکل میں رہتا اور یہ افواج اقسام کی شکلیں اور طرح طرح کی زیب و زینت عالم میں نظر نہ آتی اور اس نقص کے علاوہ ان کے دیگر نقصانوں کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کا اور سورج طوفان اور زمین کا ایک آتش نشان پہاڑ پتھر ڈی ریر میں وہ بدی ظاہر کرتا ہو جو کوئی انسان یا حیوان ہزار برس میں بھی نہیں کر سکتا۔“

”آفتاب کو پرے ہمارا تجربہ چل نہیں سکتا۔ لیکن اتنا قیاس ضرور ہو سکتا ہے کہ جو درجات ارض سے پہلے ہوں گے اگر صرف انہی پر مدار ہوتا تو مادہ اور بھی سادہ اور ابتدائی شکل میں رہتا اور عجیبانہ جو کچھ ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور طے ہوا ان درجات کے طوفان بھی جو ہونگے وہ آفتاب اور زمین کے طوفانوں سے زیادہ تباہی بخش چھوٹے۔“

”یہ سب محض اُن بُرائیوں کا جو پھر میں موجود ہیں اور شمار کرنے والوں نے محض انہی بُرائیوں کو گنلہ ہے جن میں ایک جاندار دوسرے جاندار کو مار دیتا ہے حالانکہ جیسا جاندار کو مارنا اسکی زندگی کا معدوم

کرنا ہے اسی طرح نبات کو کھانا یا جلانا بھی انکی اپنی ہستی کو معدوم کر لے رہا ہے اور اس لئے وہ نو بیڑے ہیں اور اسی طرح جسے معدوم رکھنا اور ہستی کی نعمت سے بہرہ یاب نہ ہونے دینا بھی اس سے زیادہ بُرا ہے اور اس سے کہ سیکو انکا زمین ہو سکتا البتہ بولنے میں اصطلاح کا فرق ہے۔ زندگی محم کرنے کے وقت کہا جاتا ہے کہ اس نے بُرا کیا اور زندگی سے محروم رکھنے کا خیال کرنے پر کہا جاتا ہے کہ اس کا نقص ہے اور وہ لون حالتوں کیلئے مشترک طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جاندار کو مار کر زندگی بسر کرنا بھی عیب ہے اور جانداروں کو پیدا کرنے کی قابلیت نہ رکھنا بھی عیب ہے۔ غرض خیر و شر کی ایک سہ اور اس لیے اعتراض کرنے والا کہ کتنا ہے کہ دنیا اول سے آخر تک برائیوں اور عیبوں کا مجسمہ ہے۔“

ہری مادہ کی ترقی سے دیر | مگر اس کے ساتھ اتنا اور بھی کہنا چاہئے کہ مادہ کی تمام شکلوں کو دیکھتے ہوئے درجہ کم ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر ابتدا کی طرف چلے جاؤ بُرائی اور عیب زیادہ ہوتے جائیں گے اور قدر

انجام کی طرف آؤ پھر کے درجہ میں کمی آتی جائیگی اور یہی یا فائدہ بڑھتا جائیگا۔ آفتاب اگر اکابر جاتا تو مادہ نہایت سا درجہ میں رہتا اور جاندار اور دیگر مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ مادہ کو کسی نہ کسی شکل میں رکھنا اسکا فائدہ ہے اور دیگر اعلیٰ اشکال کو پیدا نہ ہونے دینا نقص۔ مگر زمین پیدا ہونے پر نقص کم ہو گیا اور یہ پھر گویا کیونکہ اب مادہ کو اور بھی چند پہلے سے مکمل تر شکلوں میں آتیکا موقع ملا۔ علیہذا اجامات۔ نباتات اور ابتدائی حیوانات کے پیدا ہونے پر نقص کی کمی اور فائدہ کی زیادتی درجہ بدرجہ اونمایان ہوتی گئی کہ دنیا آبادی کے قریب تر ہو گئی اور پہلا سائق و دوق میدانِ ادا ان کے بعد بڑے حیوانات کے پیدا ہونے سے نقص میں اور بھی کمی ہو گئی کہ ان میں سے بعض مانوس ہو کر دوسری مخلوق کو خوراک کے علاوہ اور فائدہ بھی پہنچانے کے اور انہی کی وساطت سے مادہ نے آگے ترقی کی اور زیادہ لطیف شکلیں وجود میں آئیں۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو وہ اگر کسی قدر جانداروں کو مادہ سہے تو کچھ جانداروں کی پرورش بھی کر رہا ہے۔ اور نیز انہیں میں اگر مجموعہ رہ کر کلام دیتے تھے تو یہ اپنی خوشی سے بھی اپنے ہمجنسوں اور دیگر مخلوقات

کے کام کرنے لگا۔ اور نیز حیدران براہ رست معدوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انسان کچھ کوشش براہ رست معدوم کرنے کی کرتا ہے تو بعض کوششوں میں صرف غرت، میلان جیسے چڑھی قناعت کرتا ہے اور اس طرح پر بالکل معدوم کرنے سے اپنی تئیں کسی قدر دور رکھتا ہے۔ اور پھر اس نے تہذیب میں ترقی کی توجہ برائیاں وحشی انسان کرتے تھے ان میں سے اکثر کچھ بڑا گیا اور ہمدردی اور فائدہ رسانی میں بڑھتا گیا اور تہذیب انسانوں سے بڑھ کر جو انسان ہیں جو تہذیب کے ساتھ ایمان بھی رکھتے ہیں کیونکہ تہذیب انسان جب تک ایماندار نہ ہو صرف انہیں برائیوں سے گریز کرتا ہے جو اس زندگی میں نقصان پہنچائیں اور وہی ہمدردی کرتا ہے جو اس دنیا میں مفید ہو لیکن ایماندار انسان لوگوں کو ان برائیوں سے بھی بچاتا ہے جو آئندہ دنیست میں اثر کریں اور اس ہمدردی کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو اگلے جہان میں فائدہ دے چنانچہ وہ الی اور حیوانی نقصان ہی بچانے کے علاوہ دوسروں کو گناہ اور کفر کی ترغیب دینے سے بھی گریز کرتا ہے اور اچھی انہماکی ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ کب انسان ہیں اس لیے اختصار یا بے اختیاری سے جانداروں پر لبیک کرنے یا بیانات کو کھانسنے کے نقص سے بالکل پاک کوئی بھی نہیں۔“

معدوم ضد کیفیت آفرین غرض یہ ہے نقشہ اس نقص اور کمال یاد دہی اور نیکی کا جو موجودات عالم ترقی بندرج ہوتی ہے۔ میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ نسبت و وقت کرنے کی تصویر پر

عقل کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کی بھی شکل ہونی چاہئے یا کچھ اور۔ اور چونکہ معدوم اور وجود باہم ضد ہیں اس لئے معدوم کے موجود ہونے کے واسطے وہی شکل قرین قیاس ہوگی جو دنیا کی اور ضدوں کے انقلاب میں ہوتی ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کو جس کا اصلی رنگ سیاہ ہے جو صیقل کرنے سے اسیرا روشن کر سکتے ہیں کہ آئینہ کی طرح اس میں سے چہرہ نظر آئے اور بالکل سفید ہو جائے مگر اس کی شکل بھی ہوگی کہ ایک رنگ آلود ہے کہ جب صیقل کرنے لگیں تو پہلے اس کا رنگ دھڑکتا ہوا اور سطح کی صاف ہو جاتی ہے اس حالت میں اگر اندر میں پیدا ہو گیا ہے گرا یا ناقص کیا یا کچھ بھی دور نہیں ہوتی اور اگر کالا رنگ تو اس کے مقابل میں براہ تو لوہے کی اس حالت میں جزائی بہت بڑی حد تک جو ہر کوئی

اور رگڑا جلتے تو سیاہی دور ہوتی شروع ہوتی ہے مگر اس عمل کے ہر ایک درجہ میں نور پڑھتا جاتا ہے
لیکن سیاہی بھی کم سے کم تر ہوتی ہوئی ہر وقت موجود رہتی ہے حتیٰ کہ وہ آئینہ سیاہ چمک اٹھتا ہے
اس وقت اگر نور بجا نہ آئے تو سیاہی میں آسکتا تھا آگیا اور اگر اسے آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب
کی جھلک اس میں نظر آجائے گی مگر یہ بھی لوہا لڑا ہی ہے اور وہ آفتاب کے برابر نورانی نہیں ہو گیا
اور نیز جس قدر نور موجود ہے وہ ایسا کمزور ہے کہ آئینہ ذرا سی بے احتیاطی سے دور ہو سکتا ہے
اور لوہا سیاہ ہوتا ہوا چھڑنگ آلود حالت کو پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت ایک بات اور بھی یاد رکھنی
چاہئے کہ نور میں نور کا یہی آئینہ ہے درآنا اور کمال شکل میں پھر بھی موجود نہ ہونا اور بے احتیاطی
سے نور آدور ہونے لگنا نور آفتاب کے قصور سے نہیں بلکہ نور کا چونکہ اصل میں نور آفتاب کی باطل
ضد ہے اس لئے اسکی نیچر ہی ایسی ہے کہ نور کو محض اسی شکل سے حاصل کر سکتا ہے اور نور کی خوشامی
طرف صرف ”دیباچہ روشن“ کے اصول پر چمکتی ہے۔“

” اس نظیر کو دیکھنے کے بعد مضمون کی عظمت کے لحاظ سے ایک اور نظیر کا پیش کرنا بھی ضروری
نہ ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی جاہل علم حاصل کرنے لگتا ہے تو پہلے علم کے بے انتہا ذخیرہ
میں سے بہت غلطو سامان ہٹا کر سکتا ہے اور اس میں سے بھی کچھ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے
اس حالت میں اگر جمالت اگر برائی ہے تو وہ علم کے آغاز پر نہایت کثرت سے موجود ہوتی ہے۔ پھر رفتہ
رفتہ علم کا سرمایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور جمالت کا عیب کم ہوتا جاتا ہے۔ مگر ترقی کے ہر درجہ
میں جمالت کا بقیہ کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے حتیٰ کہ انسان کسی علم یا اسکی کسی شاخ میں ماہر اور صاحب الرائے
ہونیکا فخر حاصل کرتا ہے۔ مگر اس وقت بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اس علم کے متعلق اسکی دس روین صحیح
ہوتی ہیں تو ایک رائے غلط ہوتی ہے اور ایسا حال کسیکو حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی تکیا
بھی غلط نہ نکلے۔ بلکہ یہی ہوتا ہے کہ کبھی اس نے کسی مسئلہ میں صمم رائے قائم کی ہے تو دوسرے
وقت پر مدعا ایسا چکرایا ہے کہ اسی مسئلہ میں غلط خیال کا حامی بن گیا ہے اور علیٰ مذاق قدور
کمال حاصل کر لیتا ہے اگر اس کی بحث و تکرار نہ دیکھے تو وہ کمال نہ دیکھتا نہ الہیے لگتا ہے حتیٰ کہ

عالم ایک وقت میں بالکل کندہ ناتراش ہو سکتا ہے اور یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نور علم کا نقص نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ میں ہم کسی وجہ سے غلط دیکھتے ہیں اسی سلسلہ میں یہی نور علم جو کسی اور عالم میں جلوہ گر ہے اس سلسلہ کو نہایت صحت کے ساتھ دریافت کر لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور علم میں بیشک مسائل کی اصل حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت ہے اور یہ جو کچھ نقص نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ جہالت کی فطرت ہی علم سے اس قدر تناقض رکھتی ہے کہ وہ جس قدر دور تر ہو جاتی ہے بتدریج ہوتی ہے اور یہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اس کا بقیہ موجود رہتا ہے اور وہی جہالت ہے جو ابتدائی درجات میں پورے طور پر نمایاں ہے اور وہی جہالت ہے جو ہمارے وقت بھی مختلف شکلوں میں اپنی بقا کو ظاہر کرتی ہے اور علم کی برکت پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

عدم سے وجود میں آئینی رفتار اس کے علاوہ اور دیگر واقعات عالم میں ہیں قدر غور کیا جاوے معلوم بھی اس طرح تدبیر بھی ہے اور ہر حال ہوتا ہے کہ ہر ایک ضد کا دوسری ضد کی طرف جانا اسی ترتیب اور سی میں کام لاری میں ہی نمایاں ہوتی ہے نقص کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی کیفیت آفتاب وجود کی خللت عدم میں

ڈالنے کی ہونی چاہئے تھی اور یہی ہوتی کہ اس کی پہلی شعلے سے رنگ عدم دور ہوا اور مادہ کی ابتدا شکل وجود میں آئی اور اس کے بعد جس جس حد تک عکس پڑتا گیا اسی حد تک عدم کی غلطیت یعنی نقص اور عیب دور ہوتے گئے اور وجود کی کال سے کمال شکلیں بنتی گئیں حتیٰ کہ انسان اور کمال انسان میں اگر اس نابود ہونے وہ ہو و حاصل کی کہ آفتاب وجود کی شاعین اس کے اندر چکنے لگیں اور فضل اور معرفت کے نور سے جہانی اور روحانی جلوے ایسے ظاہر ہوئے کہ بعض حالات میں اس پر خود آفتاب وجود ہونے کا دھوکا ہوا جس طرح محلات کو سورج کے سامنے رکھنے سے اس کے اندر آفتاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کوتاہ بینوں نے ہی کو خود ذات خدا کا نام نہ سمجھ لیا ہے۔

وہ حقیقت میں عبودیت خدا کا نام نہ نہیں البتہ ایک طرح سے نور خدا کا مظہر ضرور ہے جس طرح نور خود آفتاب کا مظہر نہیں بلکہ اس کا مظہر ہے۔ اور یہ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ اور ہوا پہلے ایسا نورانی تھا اور بعد میں بھی بے احتیاطی سے پھر تاریک ہو جاتا ہے اور اور انسان پہلے ایسا

عارف و تقوا اور بعدین ذرہ ہی لغزش سے پھر کر باطن ہو سکتا ہے۔“

”پس یہاں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس معدوم کی ایسی وحشی قنار اور اس کے اندر نقصان کا اس قدر هجوم اس آفتاب وحدت کا نقص نہیں بلکہ یہ عدم ہے اس لیے اس کی بچہ جی تقاضی ہے کہ اسی صورت میں ترقی کرے اور اسی لیے ذات خداوندی کو بڑی کامیاب قرار دینے کی بجائے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض خیر کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ اس نصب موجودات کو اس عیب سے بری کیا جو سب سے بڑھ کر تعالیٰ عدم۔ اور بری بھی اس خوبی سے کیا کہ اب چلے بدی کرنے والے کیسی ہی بڑی کریں وہ موجودات کو موجود سے معدوم نہیں کر سکتے اور زیادہ سے زیادہ جو ان کا زور چل سکتا ہے وہ ایک چیز کی محض شکل کو بدل دیتا ہے۔“

”اور محض وجود یا مادہ کی محض مادہ شکل عطا کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ترقی کا ایسا سلسلہ معدوم کر دیا گیا ہے کہ جس چیز میں جس حد تک اس بڑی بدی یعنی عدم سے بعد ہوتا گیا اسی حد تک اس میں سے عدم کا میلان کم ہوتا گیا اور اسی حد تک وجود کی مکمل تر اشکال پیدا کرنے کی طاقت بڑھتی گئی۔ مثلاً میلان عدم کم ہونے اور وجود کی طاقت بڑھنے کا سلسلہ کامل انسان میں اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ اپنی طاقت کے موافق کشتی شخص اور کسی فرد کو نقصان پہنچانے کا اور اوٹھانے اور تمام عالم کو اپنے وجود سے فائدہ پہنچانے کے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو اس کے مناسب حال سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ ہلکتا عدم ہے اس لیے عیب سے بالکل پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا چنانچہ وہ بھی عدم کا بقیہ تھا جس کے سبب نباتات وغیرہ ابتدائی مخلوقات وجود کے بہت سے کمالات سے محروم تھیں اور یہ بھی عدم کا بقیہ ہے جس کے سبب انسان صبی اعلیٰ مخلوق ہے۔ کبھی ارض وغیرہ کی شکل میں اپنے اندر عدم کو ظاہر کرتا ہے اور کبھی شہوات وغیرہ کی شکل میں دوسرے کو عدم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس طرح وہ بھی جہالت کا بقیہ تھا جو علم کے ابتدائی درجہ میں بہت سے مسائل کو غفلت رکھتا تھا اور وہ بھی جہالت کا بقیہ ہے جو ایک عالم میں کبھی کبھی غلطی قائم کر دیا سبب ہوتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ عدم کا ظہور نباتات وغیرہ میں ابتدائی طور پر

علم کے آغاز میں بے ارادہ ہے اس لئے کہ ابی ارادہ کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جہالت کا
غریب علم کی غلط رائے میں اور عدم کا ظہور انسانی افعال میں ارادہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے
اس لئے کہ اس وقت ارادہ کی قابلیت بھی موجود ہے مگر جب باہر کی غلطی کو یقیناً جہالت کا نقص
کہہ سکتے ہیں نہ فوراً علم کا قصور۔ تو انسان کی بری کو بھی عدم کا نقص سمجھنا چاہئے نہ آفتاب جو
کا قصور ہے۔

برہم پہلی جہالت کا پہلا | غرض جہالت تک میری کیفیت ہے یہ وہ بڑی جہالت ہے جن جہالت کے موجود ہونے کی
بے یابری محسوس ہے | نسبت پیش کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ بعض کیطرت کو تسامح کو بھی برہم کی جہالت
قرار دیا گیا ہے اور بعض اس نقص کو یوں ہلکا کرتے ہیں کہ ازل سے ایذا تک موجودات عالم کی برہمت
شکلیں تجویز کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ موجودہ عالم ان شکلوں میں سے ایک مختصر شکل ہے
اور اس غیر محدود سلسلہ کے لحاظ سے اس کا زمانہ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں اس لئے اس حالت میں تکلیف
اور غریب کا ہونا چند ان قابل اقرار اہل نہیں۔

۱۰ بعض اہل علم نے وحدت شہر کے اشارات کو ترقیب دیا ہے سلیس اسکو اقتباس کا شکل میں لکھا گیا
مگر حیرت ہے کہ سترائے جی برون نے (کتاب یحیئیں مسٹر آف دی ولڈ) پچھو در بارہ تصوف) یہ لانا روم وغیرہ کی
شہادت کو برہم کو عدم قرار دیا ہے اور اسکو وحدت وجود کی طرف پیش کیا ہے حالانکہ برہم کو عدم کیطرت منسوب کرنا اور پھر اسکو
وحدت وجود کی طرف سے پیش کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ وحدت وجود کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک موجود مطلق ان تعینات میں
ظاہر ہوتا ہے یہی پانی موج اور عباب کی شکل میں ظہور کرتا ہے اس لئے جس طرح موج اور عباب کی حقیقت پانی ہی کی طرح تعینات
کی حقیقت وجود مطلق ہی میں پس لایا خیال کے برہم نیک اور بد و دو طرح کے افعال کی تحریک ہی ایک ان مطلق ہی جو ان تعینات
میں ظہور کرتی ہے اور اس بلے کی اور برہم کی دو ہی ذات کیطرت منسوب ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا
ہے وہ یہ کہ انکی نسبت اس ذات کیطرت ہی حالت میں ہو کہ وہ تعینات کو اختیار کرتے ہوئے ہیں برہم کو عدم کیطرت
منسوب کرنا وحدت شہر کے مسلک پر ہی چلنا ہو سکتا ہے جو نہ یا انکی حقیقت کو مست ہونا تو برہم اور عدم کو کائنات
کی اہمیت قرار دیتے ہیں۔

۱۱ یہ خیال بنو سید لوئی فیکس کی کتاب طریقت افکار سے اقتدا کیا ہے۔

لیکن خواہ تباہ یا غیر محدود سلسلہ صحیح ہو مگر حقیقت میں ان دونوں کو بدی کی وجہ گردانا صحیح نہیں
 کیونکہ تباہ جیسا کہ مانا جاتا ہے ایک صورت سزا اور انتقام کی ہے اس لیے اگر دنیا والوں کی بدی اور عیب
 انکی پہلی جوش کا پھل ہے تو ضرور یہ کہ پہلی جوش میں کوئی بدی ان سے سرزد ہوئی ہوگی جس کا ایسا نتیجہ
 پیدا ہوا اور اگر اس کو بھی اور پہلی جوش کا پھل سمجھا جائے تو بدی کو اس سے بھی آگے ماننا طریقہ کار اس
 طرح خواہ تباہ یا غیر محدود سلسلہ ماضی کی طرف کشا ہی دور تک چلا جائے بدی کا وجود پہلے رہیگا اور انتقام
 پیچھے۔ اس لیے تباہ بدی پیدا ہونیکا سبب نہیں بن سکتا اور اسی طرح خواہ موجودہ زمانہ کیسا ہی حق پرست اور
 حق پرست سمجھا جائے تاہم اس کے موجود ہونے سے اور اس کے اندر بدی اور عیب کے جوہر سے انکار نہیں
 ہو سکتا۔ اس لیے خواہ بدی تھوڑے سے عرصہ کے لیے موجود ہوئی مگر اس کا سبب کوئی ضرور ہوگا اور سوال
 ضرور پیدا ہوگا کہ دنیا میں بدی کیوں ہے؟

ان خیالات میں سوچیں کہ
 پس تباہ اور غیر محدود سلسلہ کو اس بارہ میں نامانی سمجھ کر وہی پہلی تیز
 بعض پر ترجیح ہے۔ صدیقین غور کے قابل باقی رہتی ہیں۔ ان میں سے مادہ یا مادہ اور روح کی وحدت
 کا مسئلہ اگر صحیح ہو اور اگر مادہ اور روح کے نیک اور بد خواص بھی قدیم ہوں تو بیشک اس وقت بدی کو
 خدا کی طرف منسوب کرنے کی بلکہ خود خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ جب مادہ اور روح کی وحدت
 قدیم ہو تو انہیں صفات کے سبب سے نیک و بد افعال صادر ہوتے ہیں تو مادہ اور افعال کا مادہ
 کے سوا اور کوئی کام باقی نہیں رہتا جس کے لیے خدا کو موجودات کے شیخ پر کرنے کی تکلیف دی جائے
 مگر کیا جاسکتا ہے کہ نہ صرف مادہ کو قدیم ماننا پسند ایش کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ مادہ اور خدا یعنی ایک
 سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا ممکن اور قرین عقل ہے۔

مہاتما بدھ کی طرف سے جو بدھ پیش کی گئی ہے اس میں اگرچہ پہلے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی
 فرد کا دنیا میں پیدا ہونا اور نعموں میں مبتلا ہونا حقیقت میں ایک ہی گویا وجود ہی بدی اور غم کا باعث
 ہے۔ مگر بعد میں جو اسکی تفصیل کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم و جوہر کے سبب سے نہیں بلکہ ان
 عدم کے سبب سے جو موجود ہونے کے بعد مرض۔ صنف۔ پیری وغیرہ مصائب کی شکل میں ظاہر

ہوتا ہے اور جس کا انجام موت پر ہوتا ہے اور روح میں اگر غم اور فکر ہوتا ہے تو یہی کہ مساویات مقدم
 نہ ہو جائے۔ مساویات کا کوئی حصہ متعلق نہ ہو جائے۔ مساویات اسبابِ نسبت یعنی مالِ منال معدوم نہ ہو جائے
 اور مساویات موت نہ آجائے۔ یا یہ کہ افسوس میصیبیتیں آگئیں اور وجود کی نعمت جیسی ہونی چاہئے تھی موجود
 نہیں رہی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ پیدائش اور غم ایک نہیں بلکہ پیدائش کی نفی یا نفی کا گمان اور غم ایک
 ہے اور جس چیز کا غم ہو اسی کو ہی کہنا چاہئے۔ اس لیے وجود بدی نہیں بلکہ وجود کی نفی یعنی عدم بدی
 ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا چونکہ عدم سے نکلی ہے اس لیے وجود کی ہر ایک شکل میں عدم کا طور رہتا ہے
 اور اسی لیے وجود کے ہر درجہ میں اس عدم کے سبب غم لاحق رہتا ہے۔ پس شاعرانہ استعارہ کے
 طور پر وجود کے ساتھ عدم کا طور اور عدم کے ساتھ غم کا وجود ہونے کے سبب وجود کو غم کا باعث کہا
 جائے تو اور بات ہر درجہ حقیقت میں غم کو اصل تعلق عدم سے ہو اور اس لیے ہر مہاتما بدھ کی طرف سے جو
 وہ بدی کی قرار دی گئی ہے اس کو کھول کر دیکھنے پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو اہلِ عدت شہود نے
 پیش کی ہے کہ عیب اور بدی کی نیچے سبب مساویات دنیا کی حقیقت بھی عدم ہے اس لیے دنیا میں ہی
 پائی جاتی ہے۔ اور اتفاقاتِ عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عقلِ انسانی کام کر سکتی ہے یہی
 ایک وجہ ہے جو بدی کے مسئلہ کو پورے نیچرل طرز سے حل کرتی ہے۔ چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان اپنا
 ادنیٰ کالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ عدم ہونے کے سبب اس کو کالِ وجود حاصل نہیں ہوا اور
 اگر کسی قوم میں مریض اور پاچہ زیادہ ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ قوم دیگر اقوام کی نسبت کمالِ وجود
 میں اور بھی کم ہے۔ اور اگر بچے جو انون کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہیں تو اس لیے کہ وہ جو انون کی نسبت
 نور وجود سے کم منور ہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرنا یا نقصان پہنچاتا ہے تو اسی لیے
 کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوعِ انسانی میں ہو سکتی ہے وہ ابھی اس حد تک نہیں پہنچا اور اسی طرح انسان
 سے کتر طبقات میں جو نقص اور عیب موجود ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی نیچے ہیں
 غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اہلیت یعنی عدم کا ہے اور نقصان جو ہو گیا کیا تو اس لیے کہ خیر
 پیدا ہو کر ترقی کرے۔

مسطح تو نیچر کو مطالعہ کرنے سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سلسلہ کائنات کو نمونہ بنا کر انسان ترقی نہیں کر سکتا مگر وحدت شہود نے جن انکھوں سے نیچر کو دیکھا ہے اُن کو اس باغ کے ہر پتہ پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ ہر درجہ ترقی میں اس کے مناسب مال عیب میں کمی اور کمال میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اس لیے انسان جو سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اور جو دنیا کی تمام خوبیوں کے ساتھ ارادہ - عقل اور نور و جہان سے بھی بہرہ ور ہے اسے سب سے زیادہ عیب کو چھوڑنے اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔

تدبیر ترقی کے سوا عقل کوئی غرض ایک ضد و دوسری ضد کی طرف آنے کی جو صورتیں وحدت اور صورت پیش نہیں کر سکتی شہود نے پیش کی ہیں اور عدم سے وجود کی طرف آنے میں جو ترقی تدبیر تمام نظام کائنات پر ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم سے وجود یا بدی سے نیکی اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی ۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتی مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ یہ آفتاب اور زمین جیسی سادہ اور ناقص شکلین نہ بنائی جاتیں کیونکہ اپنے طر فائون سے بہت نقصان پہنچاتی ہیں تو پھر ہمارے خیال میں کوئی صورت نہیں جس کی بنائے اور جو اتنا بغیر جرات اور نور کے اولین کسی جیسے قیام کے زندگی بسر کر سکیں ۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ بنائے اور حیوانات بھی نہ بنائے جلتے جو آفتاب اور زمین کے بغیر نہیں کر سکتے اور نیز ایک دوسرے کو بہت کچھ نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ایک اعلیٰ روحانی مخلوق پیدا کی جاتی جو تمام جسمانی ضرورتوں سے پاک ہوتی تو پھر ہم سمجھ نہیں سکتے کہ ایسی مخلوق روحانی ترقی کیونکر کر سکتی ۔ کیونکہ ترقی کے لیے ہماری عقل ہی تدبیر کر سکتی ہے کہ اپنی ضرورتوں کو ناجائز طور پر پورا کرنے سے پرہیز کریں اور دیگر مخلوقات کو ان کی ضرورتوں میں مدد دین اور جب تمام مخلوق ہی ضرورتوں سے پاک ہو تو نہ اپنے متین جائزہ ناجائز کے امتحان کا موقع آئیگا اور نہ دوسروں کو مدد دین کی ضرورت ہوگی ۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہی نہ ہوتا بلکہ محض ایسی مخلوق پیدا کی جاتی جس کو ترقی کی ضرورت نہ ہوتی یعنی وہ ہر طرح کے کمال سے کہ استہوا و سب نقصوں سے پاک اور بہتر ہوتی تو بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہئے کہ خدا

اپنی میری مخلوق پیدا کرنا اگر ہماری عقل اسکو بھی ناممکن سمجھتی ہے کہ خدا باطل اپنی جیسی مخلوق پیدا کرے کیونکہ جب وہ مخلوق ہے تو قدیم نہیں اور اس لیے ان کمالات کو جو ایک قدیم ذات کا خاصہ ہیں ضرور محروم ہے۔ غرض جہاں تنگ عقل کام کر سکتی ہے اسکا فیصلہ ہے کہ عدم سے وجود کی کمال شکلیں اسی طرح بتدریج اور رسمی رفتار سے پیدا ہو سکتی ہیں اور کمال کے انہی مختلف درجوں کے سبب مخلوق ترقی کی شاہراہ چل سکتی ہے۔ اور یہی ترقی وہ نعمت ہے جس کو تمام دنیا اور بالخصوص نفع انسانی کی سب سے بڑی آرزو اور انتہائی مقصد کہہ سکتے ہیں۔

ابھی سوال طعنیں ہوا | لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو ماننے کے باوجود اور اہل وحدت شہسود اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی کوششوں کو جو وہ بدی کی وجہ تلاش کرنے میں بجا لاتے ہیں قابل شک و گزاری تسلیم کرنے کے بعد اصلی سوال کو دیکھا جاتا ہے تو وہ یہ تھا کہ دنیا میں بدی کیوں ہے؟ اور اس سے پہلے مان لیا گیا ہے کہ دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے سوال کی حقیقت یہ ہوئی کہ خدا نے بدی کو کیوں ظاہر کیا اور اس کے جواب میں جب بدی کو مادہ کی صفت قرار دیکر اسکی اصلیت عدم ٹھہرا کر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہ تھا تو گویا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا بھی اس کے خلاف کر نہیں سکتا حالانکہ اسکو ثابت کرنا دشوار ہے کیونکہ بیشک ہم کسی چیز کی فطرت کو بدل نہیں سکتے اور اس لیے ہم اگر مادہ سے کوئی چیز بنائیں تو اس میں ضرور مادہ کی فطری صفات جلوہ گر ہونگی مگر یہ اسی لیے کہ ہماری قدرت محدود ہے اور ہم اپنی ضرورتوں کے لیے جو چیزیں کہ جو شکل ممکن ہو اسی پر قناعت کریں اور مادہ کی فطری صفات سے اگر کچھ نقصان بھی پہونچے تو اس پر صبر کریں اور اس کے برخلاف خدا کو غیر محدود اور سب ضرورتوں سے پاک مانا جاتا ہے اس لیے اس کے فعل کو جو فعل پر قیاس کرنا غلط ہے اور اس لیے خواہ مادہ قدیم سے موجود ہو مگر سوال باقی رہتا ہے کہ اگر خدا بدی کو ظاہر کرنا چاہتا تھا تو اس نے کیوں اسی صورت پیدا کی جس کو بدی جو مادہ کی سادہ شکل میں نمایاں نہ تھی مخلوق میں آئی۔ اور اسی طرح بیشک ہم ایک ضد کو دوسری ضد کی طرف بتدریج آتے دیکھتے ہیں اور بیشک ہماری عقل اس کے سوا کوئی صورت خیال میں نہیں لاسکتی مگر یہی اسی لیے کہ ہم چیز میں یہ عام ستون

ہے اور ہماری عقل اس دستور کے سوا جو پھر میں نظر آئے اور کوئی تدبیر ایجاد نہیں کر سکتی لیکن جب خدا غیر محدود قدرت اور علم رکھتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خواہ دنیا عدم سے وجود میں آئی ہو اگر وہ بدی کو نابود کرنا چاہتا تھا تو ایسا سلسلہ کیوں ہماری کیا جہیں کسی نہ کسی شکل سے اس کا غور رہتا ہو اور ان دونوں احتمالوں میں یہ کہنا کہ خدا کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا اسکی قوت کو محدود قرار دینا ہے اور بیشک مشرک کا قول صحیح ہے کہ اے

”خدا کی طرف محض نیکی کو سب کرنے والے بھی یقین ہے کہ اسکو تا مطلق نہیں جلتے اور ہمیں اس کی نیکی کو جاننے کے لیے ہر ممکن طاقت کو نادان بناتے ہیں اور شاید وہ یقین کرتے ہیں کہ خدا اگر چاہتا تو ان کے لیے ہر ایک کا ثناء و ذکر دیتا مگر کسی اور کو کوئی برافضان پہنچانے کے بغیر یا عام بھلائی کے کسی منہمک انسان مدعا کو فتح کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا خضر وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہر ایک کام کر سکتا ہو مگر یہ کام نہیں کر سکتا.....“

غرض دنیا کی پیدائش خواہ قدیم مادہ سے ہو یا عدم سے اگر لامحدود خدا کا تعلق اس کے ساتھ ہو تو کسی نہ کسی طور پر نیکی اور بدی دونوں کا خدا کی طرف سے ہونا ایسا سلسلہ ہے جسکی تردید نہیں ہو سکتی بلکہ اگر خدا یہاں تک بدی کو نمایاں کرنے پر رضا مند نہ ہوتا تو وہ کر سکتا تھا کہ یا دنیا کو کسی اور شکل سے پیدا کرے یا کم از کم اسکو وجود کی نعمت ہی نہ دے تا برائی کا ظور نہ ہو اور جب اس لامحدود خدا نے اسے پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ جو نیکی اور بدی اس پیدا کاش میں ظاہر ہونے کو ہے وہ اس پر رضا مند ہو اور اس نیکی اور بدی کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسی کے پیدا کرنے کا ظاہر ہوئی اور اسی کی جان ہے اور دوسری طرف جیسا کہ اہل حدیث شہود نے ثابت کیا بدی عدم ہے اور جس چیز میں جس قدر عدم کا ظور ہے اسی قدر بدی کی کثرت ہو اس لیے یہ بھی صحیح ہے کہ نیکی یعنی وجود خدا کی طرف سے ہے اور بدی یعنی عدم ہماری اپنی حقیقت میں داخل ہے چنانچہ انہی دونوں حیثیتوں کے موافق قرآن میں یہ آیت

وَلَا تَقْصِبْهُمْ حَسَنَةً يَقُولُ لَا هِلَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَا تَنْصِبْهُمْ سَيِّئَةً يَبْغُوا

اگر نہ کریں کھبلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ نہ ان کی طرف سے ہے اور کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اسکا

هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ الْوَقْلِ كُلِّ مَرْغَبٍ عِنْدَ اللَّهِ
فَمَا لَوْ كَلِمَةُ الْقَوْمِ لَا يَكُونُونَ يَفْعَلُونَ
حَدِيثًا مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ
اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ
وَلَا تَسْتَأْذِنُكَ لِمَنْ تَسْأَلُ وَتَقُولُ لِلَّهِ
شَيْئًا (مسند پھر ع ۱۱)

یہ تمہاری خواہش ہے۔ انہیں کہہ دو کہ جہلائی بڑائی منجبت
کی طرف سے ہے مگر ان کو کون کو کیا ہلکہ بیات سمجھنے کے
قریب ہی نہیں جھٹکتے (اور حقیقت کو دیکھو تو) نہ کو جہلائی بڑائی
ہے یہ خدا کی طرف سے اور جو بڑائی پہنچتی ہے یہ تمہاری اپنی
صلیت کی وجہ سے ہے اور نہ کو تو سمجھتے تھے اس کی بڑائی نہ کو جہلائی
پر تعجب کی گئی (اور یہ کہانی کو خدا سب باتوں پر حاضر ناظر ہے)

دیکھیں، کا جواب | اب یہ سوال کہ اس لامحدود خدا نے ایسا کیوں کیا اور بدی کے ظہور پر رضامند کیوں
ہو اس بارہ میں جہاں تک امر واقع کو ظاہر کرنے کا تعلق تھا وہ وحدت شہود نے پورا کر دیا ہے مگر اصل
کا جواب جو کہنا چاہئے وہ نہ انکی طرف سے پیش ہوا ہے اور نہ کوئی اور مذہب دیکھا ہے اور
مذہب کی جانب سے کیوں کا جواب نہ ملنے اور بدی کے ظہور کی غائت معلوم نہ ہونے پر یا مذہب کو
ناقص اور قابلِ نزک سمجھنا چاہئے یا یہ کہنا چاہئے کہ یہ حقیقت انسان کی سمجھ سے باہر ہے اس کو مذہب نے
کوئی ہدایت نہیں دی؟ اس غرض کے لیے دیکھنا چاہئے کیا العموم کیوں کا جواب نہ ملنے اور کسی واقعہ
کی علت معلوم نہ ہونے پر ہماری عقل کیا مسلک اختیار کیا کرتی ہے۔

واقعات عالم جنکی تحقیق و تلاش کی جاتی ہے مین قسم پر تقسیم ہو سکتے ہیں۔

(۱) کسی ایسی چیز کے صفات و افعال کی تحقیق کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت بھی ہمارے مشاہدہ اور
تجربہ سے باہر ہے اور اسکے وہ صفات اور افعال بھی تجربہ میں نہیں آسکتے۔

(۲) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تلاش کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت تجربہ سے باہر ہے مگر وہ صفات
و افعال تجربہ میں آسکتے ہیں۔

(۳) اسی چیز کی نسبت غور کیا جاتا ہے جس کی ماہیت بھی معلوم ہے اور اس کے افعال و صفات
کا بھی تجربہ ہے۔

ایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضروری تھا | ان میں سے پہلی قسم کی نسبت قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ایک احتمال قائم کیا جاتا

ہے اور پھر اس کے متعلق رکھیں، کے لفظ سے جہاں تک ممکن ہو سوال پیش کئے جاتے ہیں اب اگر تمام سوالوں کا جواب اس احتمال کے مناسب مل جائے تو احتمال کو حسب حیثیت ظن غالب یا یقین کا وجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب کبھی کسی ایک موقع پر بھی کیوں کے جواب میں کوئی ایسی ہوتی ہے تو اس احتمال کو غلط مان کر اور احتمال سبیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کے متعلق، کیوں، کو معیار گردان کر تحقیق و تفتیش شروع کی جاتی ہے غرض ایسے واقعات میں، کیوں، کا جواب نہ ملنے پر ضرور احتمال کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً آفتاب کی اہمیت تجربہ میں نہیں آسکتی اور اس کے ٹھوس یا خیالی یا بخاریہ یا کیمیا کی تجربہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ پہلا احتمال کیا گیا کہ وہ ٹھوس ہے اور پھر اس کی اس حرکت کو دیکھا گیا جو اپنے محور پر کرنا ہو تو معلوم ہوا کہ اس کے عین و میانی حصہ پر چکر زمین کے قیاس پر خط معتدل الزما کرنا چاہئے اس کی حرکت نسبت دوسرے حصوں کے تیز معلوم ہوئی اور سوال پیدا ہوا کہ اس خط کی حرکت تیز کیوں ہے اور چونکہ ٹھوس ہونے کی صورت میں تمام کرہ کو یکساں حرکت کرنی چاہئے تھی اس لئے اس کیوں کا جواب نہ ملنے پر اس احتمال کو غلط قرار دیا گیا اور آفتاب کو سیال فرض کیا گیا۔ اب سوال ہوا کہ آہیں سے حرارت ایسی عظیم الشان مقدار پر کیوں نکلتی ہے اور موجودہ سائنس نے جواب دیا کہ حرارت قوت کی کشش کو خارج کرنے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر سوال ہوا کہ اگر آفتاب سیال ہے تو اتنی حرارت خارج ہونے پر اس کی قوت ختم کیوں نہیں ہو گئی اور چونکہ اس احتمال کے مطابق اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے سیال ہونے کے احتمال کو بھی غلط قرار دیا گیا اور بخاری قسم کا ہم فرض کیا گیا کیونکہ اس صورت میں مذکورہ بالا کیوں کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حرارت نکلنے سے اس کی وجہ سے وہ نہایت لطیف پیسلے ہوئے بخار کی حالت سے سکڑتا جاتا ہے اور آئندہ کے لمحوں اور زیادہ کثیف ہوتا جائیگا اور اس طرح حرارت آہیں سے آئندہ بہت بڑھ کر حد تک صرف ہو سکتی ہے چنانچہ اب تک یہ احتمال علمی دنیا میں ظن غالب کا حکم رکھتا ہے۔ مگر حال کے انکشافات میں ریڈیئم ایک ایسی چیز دریافت ہوئی ہے جس کی حرارت بغیر طاقت کو خارج کرنے کے نکلتی ہے اور اس کی وجہ سے کچھ سوال پیدا ہونے لگے ہیں اور عجیب نہیں کہ کسی سوال پر اس احتمال کو بھی غلط ماننا پڑے اور آفتاب کی کوئی اور صورت تسلیم کی جائے۔

اسی طرح زمین اور آفتاب کا باہمی تعلق جو تجربہ سے بالاتر تھا جب اسکی نسبت تلاش شروع ہوئی تو پہلے زمین کو ساکن اور آفتاب کو اس کے گرد متحرک مانا گیا اور پھر سوال کیا گیا کہ ملت دن کیوں پیدا ہوتے ہیں اور راتیں کیوں بدلتی ہیں اور آفتاب کبھی سمت الہ اس کے قریب اور کبھی دور کیوں دکھائی دیتا ہے۔ ان سوالوں کا جواب اس احتمال کے مطابق لگایا اور آفتاب کی یا آسمانوں کی دو طرح کی حرکت ماننے سے یہ عقدے حل ہو گئے اس لیے اس احتمال پر یقین کر لیا گیا اور جب تک کوئی اور دیکھوں، کا سوال پیدا نہ ہوا اس خیال کو امر واقعی مانتے رہے کہ جب اور واقعات معلوم ہوئے تو پھر کیوں کی آواز پیدا ہوئی مثلاً تیرہویں صدی میں جب مقام یمن کے ٹیڑھے میندر سے جبرائیل ٹیٹک تجربوں کے لئے بنایا گیا تھا ایک بھاری پتھر نیچے کو بھید کا گیا تو جس مقام سے وہ زمین کی طرف آیا تھا ٹیٹک اس کے عمودی خط پر زمین کے اوپر نہ گر بلکہ کسی قدر مشرق کی جانب سے بہت کر گر اس پر سلال ہوا کہ پتھر عمودی خط پر نہ آیا۔ اور چونکہ زمین کے ساکن ہونے پر اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے اس سوال کے پیدا ہونے پر کم از کم زمین کی محوری حرکت کو ماننا پڑا اور اس پتھر جیسے سوال کو حل کیا گیا کہ ترم کے اجزاء جس قدر کہ مرکز سے دور ہوں اسی قدر ان اجزاء کی محوری حرکت تیز ہوتی ہے چنانچہ مینار بھی سطح زمین کی نسبت مرکز سے دور تھا اس لیے اس کے اوپر رکھا ہوا پتھر سطح زمین کی اجزاء سے تیز حرکت کر رہا تھا اور اسی جب وہ ان سے گرا تو اپنے اصلی عمود پر آیا جو سطح زمین کی اجزاء سے کسی قدر تاگے یعنی مشرق کی جانب تھا اور پھر جب معلوم ہوا کہ آفتاب مین سے برابر ہے اور نیز جب کشش ثقل کے قانون سے ثابت ہوا کہ چھوٹی چیز بڑی کے گرد حرکت کرتی ہے تو آفتاب کی حرکت کے متعلق کیوں کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح کے سوالوں سے پہلا احتمال بالکل غلط ثابت ہو کر زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا یقین کے قریب لانا گیا۔

ایک اور تجربہ یہ کہ زمین کا جواب غرض اس سے اور اسی قسم کی ہزاروں مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی دیا نہیں جاسکتا۔ چیز اور اسکی کوئی صفت تجربہ کی گرت سے باہر ہو تو اس کے متعلق کیوں کا اور کیا

سوال حل کرنا پڑتا ہے اور زمین کو فرضیہ مثال غلط ثابت ہوتا ہے کہ دوسری قسم یعنی ایسی چیز جسکی ثابت تجربہ سے باہر ہے لیکن اسکی صفت مشاہدہ میں آسکتی ہے ایسی صورت میں پہلی صورت کے برعکس کبھی کیوں

کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور صرف اس صفت کے تجربہ و شناخت کی باقی ہر شگلا شش نقل ایک
ایسی طاقت ہے جسکی ماہیت سمجھ سے باہر ہے ڈاکٹر لیچ آرٹل لکھتے ہیں کہ
”نیوٹن کا یہ عام قانون قدرت ایسا ثابت ہر کھٹک کی زندہ گنجائش نہیں لیکن کوئی نہیں سمجھتا
کہ وہ ہے کیا چیز۔“

اس لیے تجربہ کی مدد سے ہم یہ توفیق نہیں کر لیتے ہیں کہ دو جسموں کا درمیانی فاصلہ ایک چوتھائی کم ہو جانے
پر کیشش سولڈ گنا زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ فاصلہ کی کمی سے کیشش
کیون چرگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مادہ ایسی چیز ہے کہ اسکی ماہیت سیرم ذات نہیں ہیں اور مادہ ایک طرف اس کے اقسام
یعنی خاصہ کی ماہیت بھی دریافت نہیں ہوئی اس لیے تجربہ و شناخت توفیق نہیں ہے کہ سیکسٹ گسٹائڈ اور
ایسٹڈ گسٹائڈ کی آمیزش سے مختلف نمک پیدا ہوتے ہیں یا ہائیڈروجن اور کربن کے جوہر کے اختلاف و یونی ہوتا ہے
لیکن یہ سوال ناقابل حل ہے کہ کیا ہائیڈروجن کیوں ہے۔ اسی طرح شعلہ آفتاب کا زمین تک پہنچنا محمول اکھٹا
ہے اسلئے تجربہ و شناخت نہیں تو ہے کہ شعلہ آفتاب ایک سیکسٹڈ مین ایک لاکھ چھیاسی فریزیل قطع کرتی
ہے مگر یہ اسکی رفتار کیوں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں۔

ایک مدعویٰ پر خاصہ تک
ایسی بے شمار مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمول الماہیت انشیا کے ان
صفات چرچ کا تجربہ و توفیق کرنا پڑتا ہے مگر ایسا کیوں ہے اور اس کے
خلاف کوئی اور صورت کیوں نہ ہوئی اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتے ہی تیسری قسم اسمین جہان
تک کسی ماہیت کا علم ہے اسی حد تک کیوں کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مثلاً ہائیڈروجن اور کولڈ کی
ماہیت کسی قدر معلوم ہے اس لیے جب سوال ہو کہ کولڈ ہائیڈروجن بن جاتا ہے تو جواب دے کر سکتے
ہیں کہ ان دونوں کی ماہیت کا برز ہر مع کی قدر قوت کے۔ اس لحاظ قوت کو گھٹا بڑھا کر ایک کو
دوسرے میں بدل سکتے ہیں۔ غرض یہاں تک ماہیت معلوم تھی اور یہیں تک کیوں کا جواب
چل سکا۔ آگے کاربن کو جلانے میں اور کاربن کو ہائیڈروجن کی وجہ بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح شوقی کی

ماہیت ایک حد تک معلوم تھی کہ چند رنگوں سے کسے اس لیے جب سوال ہوا کہ چیزوں کے رنگ کیوں نظر آتے ہیں تو کہا گیا کہ جب روشنی کی لہری چیز پر پڑتی ہے تو اس کے رنگوں میں سے کچھ اسی چیز میں جذب ہو جاتے ہیں اور کچھ ٹکڑا کر واپس آنے میں پس جو رنگ اس طرح واپس آکر نظر تک پہنچتا ہے وہی اس چیز کا رنگ سمجھا جاتا ہے یہاں بھی کیوں کا جواب اسی حد تک اگر ٹھیکر گیا جس حد تک روشنی کی ماہیت معلوم تھی اور رنگوں سے آگے چونکہ ہمارا علم نہ گیا تھا اس لیے جواب میں بھی کچھ اور جملانی نہ دکھاسکے اور بعض رنگوں کے جذب ہونے اور بعض کے نہ ہونے کی پاسبیاء چیز میں تمام رنگوں کے جذب ہو جانے کی وجہ نہ بتا سکے کیونکہ رنگوں کی ماہیت معلوم نہیں۔

خیر و شر کی وجہ نہ معلوم کچھ ہے | اس تمام مضمون کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ خدا کی ذات اور خدا کی صفات یعنی علم قدرت ارادہ وغیرہ کی ماہیت نامعلوم تھی اور اس قدر تجربہ تھا کہ پیدا کرنے والی طاقت کوئی بھی تجویز سلق میں نیکی اور بدی دونوں موجود ہیں اس لیے جب نامعلوم ذات اور نامعلوم صفات کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو احتمال قائم کئے گئے اور ہر احتمال پر کیوں کا سوال پیش کیا گیا اور جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے احتمالوں کو غلط یا سچ ہوئے اس خیال تک پہنچے کہ ایک خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس نے اس کائنات کو نسبت سے ہست کیا ہے اور پہنچے دیکھا کہ اس احتمال پر جس قدر سوال ان صفات کی نسبت پیدا ہوئے جو تجربہ سے باہر تھیں ان کا جواب اس احتمال کے مطابق مل گیا پس جس طرح آفتاب کی جہانی حالت اور زمین اور آفتاب کے تعلق وغیرہ کی نسبت مختلف سولات کا جواب مل جانے پر ایک ایک احتمال کو ترجیح دی گئی ہے اسی طرح خدا کی نسبت اس آخری احتمال پر عقل کو تسکین ملی مگر جس طرح زمین اور روشنی وغیرہ کے پہلے رفتار کو پیش کش نقل کی مقدار ترقی وغیرہ ایسی صفات کے متعلق جن کا تجربہ ہو سکتا ہے کیوں کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور وجہ بتائی نہیں جاسکتی اسی طرح خدا کے طریق پیدائش کے متعلق جس میں نیکی اور بدی دونوں شامل ہیں اور روزمرہ انسان مشاہدہ کرتا ہے کیوں کا جواب دیا نہیں جاسکتا۔ اور جیسے

وہاں ہی جواب تھا کہ رفتار اور کشش کا یہی قانون دیکھا گیا ہے اسی طرح یہاں جواب ہو گا کہ بدش کا طریق ہی نظر آتا ہے اور جیسے وہاں جواب نہ ملنے سے زمین وغیرہ کی حرکت اور کشش ثقل کے وجود سے انکار کرنا جہالت ہو اسی طرح یہاں بدی کی وجہ نہ معلوم ہونے پر خدا کے وجود سے انکار کرنا نادانی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسے علوم و نبوی میں ہمارا بھی فرض ہے کہ تو انہیں قدرت کو قدرت کریں اور ان سے اپنی و نبوی اغراض میں فائدہ اٹھائیں اسی طرح یہاں ہی ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ نیکی اور بدی کے ظہور وغیرہ کے متعلق جو صدقہ تین ہوں انکا علم حاصل کریں اور ان سے روحانی اغراض میں مدد لیں اور پھر جس طرح وہاں پہلے مختلف قوانین قدرت کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور پھر ان سے کام لینے کے عملی طریقے دریافت کئے جاتے ہیں اور یوں سائنس اور سائنس سے صنعت پیدا ہوتی ہو اسی طرح یہاں نیکی اور بدی کے متعلق صدقہ تین کو سمجھا جاتا ہے اور پھر ان کے مطابق روحانی ترقیوں کے راستے تیار کئے جاتے ہیں اور یوں عقاید اور عقاید سے اعمال پیدا ہوتے ہیں اس لیے اقرا خدا کے بعد مذہب کا سب سے بڑا کام نیکی اور بدی کے متعلق قوانین کی تعلیم دینا ہے چنانچہ چند اصول صدقہ تین جن سے خدا کو موجود مانکر انکار نہیں ہو سکتا تفصیل ذیل میں

سبکچیت ربانی | اول خدا غیر محدود و ہر اسکی صفات غیر محدود ہیں اس لیے ضرور ہر کہ اس سے ہے بہت ہے

اس کا نہایت کے موجودہ قوانین اپنی مرضی سے مقرر کئے ہیں کیونکہ اگر مرضی سے نہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ وہ مجبور ہو اور غیر محدود قدرت نہ رکھتا ہو اور جب تو انہیں اس نے اپنی مرضی سے مقرر کئے ہیں تو ضرور ہے کہ اگر اوکی مرضی اسکے خلاف ہوتی تو کوئی اور طرح کے قوانین جاری ہوتے۔ اور اس کو نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں محض ہی چیزیں اور وہی اسباب ہوتے جو مخلوق کو فائدہ پہنچائیں اور نقصان پہنچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ پس تمام انسان بھی فائدہ پہنچانے والے ہیں اس سلسلہ کے متعلق جبکہ تقدیر کہ تو انہیں اس قدر استقامت ہو کہ غالباً اس کے تحت کم مضامین لکھیں جن میں کہ مختلف پہلوؤں میں کسی کسی کے متعلق مذکور نہ ہو اور غالباً قرآن میں بھی ایک سلسلہ ہے جسکو سب سے زیادہ دھڑکھڑاتا ہو حالانکہ ان بات عالم کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ میں جس قدر اس سلسلہ کی صحت معلوم ہوتی ہو شاید یہی کسی اور سلسلہ کی ہو۔

والے ہوتے اور حضرت کسی سے ظاہر نہ ہوتی جبکہ دوسرے لعظون میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سب تک اور ہدایت یافتہ ہوتے اور بدی اور بدی کی طرف جائید کا نشان نہ ہوتا۔ غرض لامحدود قدرت ماکر اس تمیز تک ضرور پہنچا پڑتا ہے اور یہی کامل مذہب کی تعلیم ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان کے بعدین دلائل کو دیکھنے کے بعد جبرگڑا اور لڑائی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور بعض یوں کہہ گئے اور بعض کا فرار اگر خدا چاہتا تو وہ دنگا نہ کرتے۔ لیکن خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر منتقل کر دیتا ہے تم نادانی کا خیال نہ کرو۔

کہہ دیکہ پوری محبت خدا کے پس چاہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جو زمین پر ہیں سب کسب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کر دو گے کہ وہ ایمان لائیں۔

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف زمین کے گرجن پر خدا کی حمد پڑھتے۔ اور ان کو وہی سیسہ پیدا کیا ہے۔

پس کیا یہاں غدار نہ تھے نہ سید نہیں بختے جس کو اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔

اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ لَبَدٍ مَا جَاءَهُمْ نَهْمٌ أَلْبِيْنَاتٍ وَلَكِنْ نَحْنُ كُنَّا فِيمَنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلْنَا وَلَكِنْ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

(بقرہ پارہ ۳۳ ع ۳۴)

فَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ وَلَكِنْ كُنَّا مِنَ الْغَايِلِينَ (انعام پارہ ۳ ع ۳۵)

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰكُمْ أَجْمَعِينَ (انعام پارہ ۳ ع ۳۶)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ فَكَفَىٰ لَكَ عَذَابُكَ يُكَفِّرُ عَنْ سَائِرِ الْعَالَمِينَ (يونس پارہ ۱۰ ع ۱۱)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَنْتَظِرُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ أَفْلَحَ تَحْمِ رَبِّكَ ۚ وَلَٰذَا لَكَ حُلُقُومٌ (نہ پارہ ۳ ع ۳۴)

أَفَلَمْ يَنبَأِ الْإِنْسَانُ أَن لَّوْ شَاءَ لَفَعَلْنَا اللَّهُ لَهَدَىٰ لِلنَّاسِ جَمِيعًا ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰ اللَّهُ لَهَدَىٰ لَكَ حُلُقُومًا وَاحِدَةً ۚ رِغْلًا ۚ

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ رِغْلًا ۚ

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَمْلَأَ كُلَّ نَفْسٍ هُدًى

(حجہ پارہ ۱۷ ع ۱)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

(شوری پارہ ۱۷ ع ۱)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے

اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ایک امت بنا دیتا۔

خدا نے نیک اور بد دونوں

رستے بنائے ہیں۔

وَوَعَدُكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ

پیدا کیا جاتا دنیا میں دونوں طریق مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ نیک رستہ

پر چلنے والا نیک نتائج تک پہنچتا ہے اور برائی کو اختیار کرنے والا بد انجام حاصل کرتا ہے ابراہیم

تعلیف اس خدا کی ہے جس نے آسمان و زمین

کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

وَهُوَ ذَا الَّذِي يَوْمُنَا يَكُونُ كَالْبُخَارِ

کافرا و بعض مومن۔

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

وَجَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ مِزَاجًا

هُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

مُخْتَارًا (تنبان پارہ ۱۷ ع ۱)

إِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ

وَمَا أَكْفُرًا (دوہر پارہ ۱۷ ع ۱)

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ

وَلِسَانًا

وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاكَ الصُّبُلَ

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّيْنَاهَا

وَأَلْهَمْنَاهَا فُجُورَهَا

وَتَقْوَاهَا (شمس پارہ ۱۷ ع ۱)

ہم نے اسے رستہ دکھایا ہے پس خواہ وہ شکر گزار

بنے یا ناشکر۔

کیا ہنسنے سکودہ نگہیں اور ایک زبان اور دو

لب نہیں دئے اور کیا اس کو دو رستے نہیں

دکھائے۔

قسم ہے روح کی اور اس کی جس نے اسے بنایا اور اس

میں جلالی اور برائی کا خیال ڈالا۔

یہی ہیں ہمت ہو سو حکم جس طرح اس کی قدرت غیر محدود ہے اسی طرح اس کی حکمت بھی غیر محدود ہے

اور انسان کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ اس طرح کے انتظام میں کیا کچھ حکمت اور بہتری ہے کہ انسان کو

اپنی حالت کے موافق اس قدر خیال کرنا ضرور ہے کہ جو فائدہ اس انتظام پر مرتب ہو وہ اور کسی نظام پر

جو انسانی عقل میں آسکے مرتب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر دنیا میں بالکل بدی نہ ہوتی تو بدی پر غالب نہ آتا اور بدی ہشون کو روک کر نیکی کی جانب رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اس لیے ایسی مخلوق نیکی پر کاربند ہوتی تو محض اسی وجہ سے کہ نیکی کے سوا اس کو کوئی فعل کر نیکا مرقع نہ ہوتا اور اس لیے ایسی مخلوق صلہ و انعام کی مستحق بھی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر نیکی اور بدی دونوں ہر تین گریہ کا نتیجہ برآ نہ ہو کرتا تو پھر بھی بدی اور نیکی میں کچھ تفاوت نہ ہوتا اور کامل عدل کے بالکل منافی ہوتا کہ نیک اور بد کو کیا انہدام دیا جائے پس یہی صورت سوزوں ہر کہ نیک اور بد دونوں راہ بنای جائیں اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال نتیجہ مرتب کیا جائے تاہم شخص اس امتحان میں جس قدر نمبر پا کر اسی کے موافق اعزاز حاصل کرے اور خدا جس شخص کو جس تہ کے لائق دیکھے وہی درجہ عطا کرے چنانچہ یہی سمجھایا گیا ہے:-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَكَمْ اَعْلَمُ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَآهَلُوْا اٰيَاتِہٖمْ وَكَمْ اَعْلَمُ الصّٰدِقِيْنَ
(آل عمران پارہ ۱۷ ع ۸۷)

اَوْ مِنْ كَانَ مَیْمَنًا فَكُفِّرْنَا وَاَوْجَعْنَا لَكَ
اَلَمْ نَكُنْ اَنْتُمْ سَبِيْحًا فِی النَّاسِ مَكْنً مَّشْكُوْہًا
فِی الظُّلُمٰتِ لَبِیْسٌ بِخَاصِرٍ مِّنْہَا
(انعام پارہ ۱۷ ع ۱۷)

لَیْسَ لَكَ مِنْ ہٰذَاكَ عَنْ یَّتٰی وَیَحْیٰی مِنْ
حَقِّ عَنْ یَّتٰی وَہَاوَ اِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ
(افعال پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْ یَّعُوْلُوْا اٰمَنًا
وَمَنْ لَا یَفْقَهُوْنَ دَوَابَّ فَتَنَّا الَّذِیْنَ

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ خدا
کے نزدیک نہ ثابت ہوا ہو گا کہ کون تم میں سے
کوشش کرنے والا ہے اور کون صبر کر رہا ہے۔

کیا وہ شخص جو مردہ ہوا ہے اسے زندہ کیا ہو اور
اس کو نور دیا ہے جس سے وہ لوگوں کے چہرے میں ماہ نکلا
اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہوا اس سے
نکل نہ سکا ہو۔

(یہ اس لیے ہوا ہے تاہم اس کو جو جہلاک ہوتا ہے۔
دلیل سے اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے دلیل سے)

کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف آسمان کے چھوٹے
دھڑکائیے کو ہی ایمان لاؤ۔ اور ان کو فتنہ میں ڈال دیا جائے

حالانکہ ہم نے فتنہ میں اللہ اور اس کے پیچھے لوگوں کو مٹا دیا
 سائنے ثابت ہو جا کہ لوگ بچا ہے اور کوں جھوٹا۔
 ہم نے آسمان زمین اور سب کو دیکھا مینا مخلوق کو جب ہم
 پیدا نہیں کیا۔ یہ کفار کا گمان ہے پس انہوں نے
 کہ وہ عذاب میں ڈالے جائیگے۔ کیا ہم ایمان لانے والوں
 اور نیک عمل کرنے والوں کو ملکہ میں فساد کرنے والوں
 کے برابر کر دیں اور کیا پہرہ پہننے والوں کو بدکاروں
 کے مساوی سمجھیں۔

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
 وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (مکتوبہ پانچواں)
 وَمَا خَلَقْتُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
 بَاطِلًا ذَلِكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا قَوْلٌ
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ أَمْ يَجْعَلُ
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَمَا
 الْفَاسِقِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَجْعَلُ
 الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص پانچواں ۳)

خدا نے ہر نیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔ نیک اور بد یا مفید اور مضر حالات کو موجود پانے کے بعد
 کی قابلیت رکھی ہے۔
 جہاں کہ ان دونوں کیفیتوں میں ترقی کی قابلیت بھی وہی ہے
 اور قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جس چیز کی طرف توجہ ہو اسکی مہارت نامعلوم طور پر بڑھتی جاتی ہے مثلاً
 اگر کوئی جاہل علم کی طرف توجہ کرے یا کوئی نادان کوئی ہنر سیکھنے لگتا ہے تو پہلے موجودہ حالت
 کو بدلنا ایک کوشش ہو جاتی ہے مگر توجہ اور شوق پیدا ہونے پر گویا اس کام کو اتار دیا گیا ہو
 وہ پہلی سی دشواری اور وقت کم محسوس ہونے لگتی ہے اور جب وہ ابتدائی سبق حاصل کرنے لگتا ہے
 تو اگرچہ اسکو نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوتا مگر دشواری کا پردہ اٹھنا شروع ہو جاتا ہے اور فن حاصل
 کرنے کی قابلیت زیادہ ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہر قدم پر وہ اپنے مدعا کے قریب آتا جاتا ہے۔
 اور اگر اسی طرح کوئی شخص کسی فن یا کام میں رات دن مشغول رہتا ہے اور کسی وقت اس مشغول کو نہیں
 چھوڑتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے اپنی اس حالت کو دست بردار ہونا ناممکن ہی دشوار ہے۔ لیکن
 جب کسی وجہ سے ایک دفعہ اس کام میں سستی آئے یا ایک لمحہ کے لئے غافل ہوا ہے تو یہ ایک
 لمحہ کی غفلت عادت کو چھوڑنے کی دشواری میں تخفیف کر دیتی ہے اور اگر اب کسی سخت ضرورت کے
 سبب اس نے تھوڑی سی غفلت کی تھی تو آئندہ اس کو کم ضرورت پڑنے پر زیادہ دیر تک بیکار رہنے

پر اہل ہونے کا ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو کیفیت ہو جاتی ہے کہ بغیر وقت بھی کام کو چھوڑنے لگتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت پر بالکل ناکارہ اور روانہ ہو جاتا ہے اور کیفیت صرف انسانوں پر مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنی حالت بدلنے پر اسی طرح اس انقلاب کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوتی جاتی ہے جیگر دشت کو باغبانی کے قاعدوں پر یا وحشی جانور کو تربیت کے اصول پر پرورش پانے کا موقع ملے تو جتنی قوت انقلاب کے پہلو درجوں میں صرف کرنی پڑتی ہے آئندہ اس کو کم قوت میں آدھ انقلاب ظاہر ہوئے لگتا ہے اور اُدھر پرورش کے قاعدوں میں تساہل کرنے سے بڑے آراستہ اور تربیت یافتہ جانور اپنی سحرانیت اور دشت کی طرف لوٹتے ہوئے پوری بیڈول اور زامبوار ہو جاتے ہیں۔ اب یہی حالت کو دیکھیں تو اس میں بھی یہی قانون نظر آتا ہے۔ ایک زندہ دوا دباؤ کو جو ہر وقت یہ کاری میں منہمک ہو خدا ترسی کی طرف آنا اور اپنی جسمانی لذتوں کو ناویدہ روحانی ترقی کے لئے چھوڑنا نہایت گراں معلوم ہوتا ہے اور اس کی یہی حالت کو دیکھو کہ کیسے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بلا سہارا ہو کہ پانی کرنے کی قابلیت رکھتی ہو۔ مگر جب ایک دفعہ کوئی طرح خدا کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی کر لیتا ہے تو آئندہ کیلئے اس کے دل کو نرم کرنا آسان ہو جاتا ہے اور پھر تھوڑی چھوٹی عبرتیں اس کے دل کو زیادہ سے زیادہ معرب کرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ ایک وقت پر اس کا دل اس قدر منور ہو سکتا ہے کہ کسی عبرت نصیحت کی ضرورت نہ رہے اور نہ صرف یہ کہ اس کا خود گمراہ ہونا محال ہو جائے بلکہ وہ دوسروں کے لئے بھی روشنی کا مینار بن سکتا ہے۔ اور اسی طرح زامہ شب زندہ دار اور عابد خدا پرست کو اپنی ناکارہ و شال سے ایک لمحہ غافل ہونا سوت سے بدتر معلوم ہوتا ہے لیکن کسی سبب سے ایک دم کیلئے عیش آرام کی طرف مائل ہونے سے تباہی سے بچانے والا نور کم ہونے لگتا ہے اور جو جہانی لذت ایک لمحہ حاصل کی ہے اس کا اشتیاق پہلے سے چند ہوتا ہے اور ادا نہ کرنے پر غریب پر اپنے فرائض میں کوتاہی ہونے سے اس میں افسوس ہوتا ہے اور اگر اسی طرف چلا پڑے تو آخر اس کا دل تباہی میں شب و سحر اور سنوٹی ہوئی گمراہی سے بڑھ جاتا ہے اور اس وقت وہ دل کھتا ہے کہ کھتا نہیں۔ آنکھ کھتا ہے مگر دیکھتا نہیں اور کان کھتا ہے مگر سننا نہیں گویا دل پر مہر ہو گئی ہے تاکہ پر پردہ نہ کر گیا ہے اور کارن میں ڈاٹ لگ گئے

ہیں۔ غرض عیسائے قانون قدرت ہر اور جو دنیا کا بنانے والا ہے اسی کی طرف سوجاری ہو رہا ہے
چنانچہ انہی صورتوں کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَمْذَرَ كُفْرُهُمْ
أَمْ لَمْ يُنذِرْكُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ حَكَمَ اللَّهُ
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
(بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

جو لوگ کافر ہیں خواہ تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان
نہ لاویں گے۔ خدا نے (انہی قانون کے خلاف) ان کی دل
اور قانون پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے
اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ كُفَرُوا فَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَرْصَدًا
(بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

ان کے دل میں مرض ہے پس خدا نے قانون
ترقی سے ان کے مرض کو بڑھا دیا۔

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ أَوْ تَمْلِكُنَّ مُسْتَهْزِئُونَ
اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِرِجَالِهِمْ وَيَعْلَمُ هُمْ فِي طُغْيَانٍ
يَعْمَهُونَ ۝ (بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

وہ کفار سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارا
سے ہنسی کرتے ہیں مگر فلاں کی ہنسی کا بلا دیتا ہے اور اس نے
قاعدہ باندھا ہے کہ ایک ہنسی کے بعد دوسری میں بڑھتا جائے گا کہ وہ

بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ
(بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

خدا ان کے کفر کے سبب ان کو رحمت سے محروم کر دیا ہے
اب وہ ایسے دوسرے گئے ہیں کہ ہر ایمان لائیں گے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝
(بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

اور اللہ ظالم کفر والوں کو ہدایت کیوں دینے لگا تھا۔

وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ (بقرہ پارہ ۷ ع ۷)
فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ
فَقَدْ لَسْتُمْ مَسْكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
(بقرہ پارہ ۷ ع ۷)

اور اللہ کفر کرنے والوں کو ہدایت کیوں دینے لگا تھا۔
پس جو شیطان کا کمانے والے اور پادشاہ کا اس نے
ایک مضبوطی کو پکڑ لیا جس کے ذریعہ وہ پکڑ چڑھا جائیگا

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ

خدا ان لوگوں کو کس قاعدے ہدایت دے جو خود ہی کفر ہی کی

وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ط (آل عمران پارہ ۷ ع ۱۷)
وَلَا تَحْزَنْ أَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا تَمَلِكُ لَهُمْ
السَّاعَةُ لَا قُوَّةَ لَهُمْ - إِنَّمَا نَحْنُ لَهُمْ لِيُذَادُوا
إِنَّمَا ط (آل عمران پارہ ۷ ع ۱۸)
وَالَّذِينَ كَفَرُوا اللَّهُ يَكْفُرُهُمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ
إِلَّا قَلِيلًا ر (نساء پارہ ۷ ع ۱۹)
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا
ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آذَوْا حُرًّا لَكُمْ
يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا إِلَهَ دِيَهُمْ
سَعِيدًا ر (نساء پارہ ۷ ع ۲۰)
بَلْ طَبِعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لِيَكْفُرَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ
إِلَّا قَلِيلًا ر (نساء پارہ ۷ ع ۲۱)
فِيمَا تَفْعِلُونَ مِمَّا قَدْ مَتَّعْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا
فُلُوكُمْ فِيهِمْ قَاسِيَةً ر (مائده پارہ ۷ ع ۲۲)
فَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَعْرَضُوا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ
الْقِيَامَةِ ر (مائده پارہ ۷ ع ۲۳)
وَلَوْ كُنَّا نُرْكَبُ أَلْيَهُمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمُوكَ
الْمُتَنِّفِينَ وَحَسَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ مِمَّا كَفَرُوا

طرف گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے ایمان داتے تھے
رسول کو حق جانتے تھے اور نشان دیکھ چکے تھے اور اللہ
ایسے ظالموں کو ہدایت کیوں دینے لگا -
کفار گمان نہ کریں کہ ان کو گناہ کرنے پر جو مہلت
ملتی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے اس مہلت کا تو ہنسنے یا اثر
رکھا ہو کہ وہ گناہ نگاری میں ترقی کریں -
خدا نے ان کو ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور
کر دیا ہے پس وہ کم ہی ایمان لائیں گے -
جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہوں - پھر ایمان لائیں
پھر کافر ہوں - پھر کفر میں ترقی کریں تو خدا ان کو
نہیں بخشتا اور نہ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت
کرتا ہے
خدا نے ان کے کفر کے سبب ان کو پھر لگا دی ہو
پس اب کم ہی ایمان لائیں گے
ان کے وعدہ توڑنے کے سبب سو سمجھیں ان کی رحمت
سے دور کیا ہو اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے -
جو ان کو نصیحت کی گئی ہو انہوں نے اسے بھلا دیا اور پہنچے
اس کے نتیجہ میں قیامت تک کیلئے ان میں عداوت
اور بغض کی آگ بھڑکا دی -
اور اگر ان پر شہادتوں کو لکھتے اور مٹا دیتے ان پر تہن
کو تھام دیتے ان کے سامنے سب چیزوں کو مہیا کر دیتے

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
(انعام پارہ ۱۷ ع ۱۷)

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ
كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ
(اعراف پارہ ۱۷ ع ۱۷)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَتَسْتَدْرِجُهُمْ
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ
كَدِيرٌ فَتِيرٌ ۝

(اعراف پارہ ۱۷ ع ۲۱)

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَآتَيْنَهُم مِّنْ لَّدُنْهِ
أَمْحَرَهُم لَوْلَا وَهُمْ مَعْزُومُونَ ۝
(انفال پارہ ۱۷ ع ۲۳)

وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهِ - (انفال پارہ ۱۷ ع ۲۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَقْوَى اللَّهِ
يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا (انفال پارہ ۱۷ ع ۲۵)
فَأَعْقِبْهُمْ يُقَاتِلُ فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَمُوتُوا
بِمَا كَفَرُوا وَاللَّهُ مَا وَعَدُوهَ وَيَمَا كَانُوا
يَكْذِبُونَ ۝ (توبہ پارہ ۱۷ ع ۱۴)

كَذَلِكَ خَفَّتْ كَلِمَاتُكَ عَلَى الَّذِينَ
فَسَقُوا أَنفُسَهُمْ فَيَا مَنُونُ (نفس پارہ ۱۷ ع ۱۴)

نبی بھی وہ ایمان نہ لاسے مگر شاذ و نادر (یا) لیکن اگر
خدا چاہے تو ویسے بھی سب مومن ہو سکتے ہیں۔

پس وہ ایمان نہ لائینگے اس لیے کہ انھوں نے پہلے
ہی تکذیب کی ہے ہم ہی طرح کفار کے دل پر مہر لگا
دیے تھیں۔

جو لوگ ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو آہستہ
آہستہ بڑی کی طرف لیجالتے ہیں اس طرح کہ ان کو معلوم
بھی نہیں اور ہم ان کو مہلت دیتے ہیں بیشک ہمارے
مخفی قانون مضبوط ہیں۔

اور اگر خدا ان میں جھلانی پاتا تو ان کو نیک بات
سننے کی توفیق دیتا اور اگر ویسے ہی ان کو سننے کی توفیق
دی جاتی تب بھی کچھ توجہ دے کرتے۔

اور یہ جان لو کہ خدا (کا قانون) انسان میں اور اس کے
دل میں داخل ہوتا ہے کہ برائی کے بعد نیک کی طرف متوجہ
اسے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈرو گے (پرہیز گاری کر گے)
تو وہ تکلفی و باطل کی تیز عنایت کرے گا۔

خلفے ان کے دل میں قیامت کے لیے نفاق ڈالتے
یہ نتیجہ اس لیے کہ انھوں نے خدا سے وعدہ نفاق کی
اور اس کا کہ انھوں نے ناراضی پر کربا باندھی۔

اسی طرح خدا کا کلام (اس کا قانون) ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے
جو فسق و فجور کرتے ہیں ان میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔

فَمَا كُنَّا كَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَذَلِكَ نَكْتُبُهُمْ عَلَى قُلُوبِ الْمُتَذَكِّرِينَ
(یونس پارہ ۷۵)

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ
لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ
(یونس پارہ ۷۵)

لَإِنَّ اللَّهَ كَانَ يُبَيِّنُ مَا لَمْ يَكُنْ يَفْقَهُوا
مَا بَأْسَافَهُمْ (رعد پارہ ۷۵)

بَلْ زَيْنٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصَدُّوا
عَنِ السَّبِيلِ (رعد پارہ ۷۵)

يَتَّبِعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الشَّاذِّ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ
اللَّهُ الظَّالِمِينَ (ابراہیم پارہ ۷۵)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
لَا يُهْدِيهِمْ اللَّهُ (نحل پارہ ۷۵)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
عَلَى الْآخِرَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَكَايِدُ الْعَاقِمِ
الظَّالِمِينَ وَأُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ
عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْعَاقِلُونَ (نحل پارہ ۷۵)

نحل پارہ ۷۵

پس وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اس لئے کہ پہلے انھوں نے
تکذیب کی ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنا والوں کے دل
پر مہر کر دیتے ہیں۔

جن کی نسبت خدا کا کلمہ (قانون) نافذ ہو چکا ہے وہ ایمان
نہ لائیں گے خواہ ان کو نشان دکھائے جائیں۔

خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود
اپنی حالت تبدیل نہ کریں۔

بلکہ جو لوگ کافر ہیں ان کے کردار میں کو ان کی نظروں
میں خوبصورت بنا دیا گیا ہو اور وہ راہِ حق سے ہٹا دیا گیا ہو
خدا ان کو گمراہ کر دیا ایمان نہ لائیں کی بات پر قائم رکھتا
ہو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور خدا ظلم
کرنا تو ان کو اور گمراہ کرنا ہے۔

جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے خدا ان کو
ہدایت بھی نہیں دیتا۔

یہ انجام بد اس لئے ہے کہ انھوں نے دنیوی رست
کو آخرت پر ترجیح دی اور قاعدہ یہ ہے کہ خدا ظلم
کرنا تو ان کو ترجیح میں ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ
میں جن کے دلوں پر اور کان اور آنکھ پر خدا نے
مہر کر دی ہے اور یہ غافل ہیں۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَعَلْنَا بَيْنَكَ
وَالَّذِينَ لَا يَدِينُونَ إِلَّا لِدِينِ
بِجَاهِ الْبَشَرِ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ
كَفَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي إِذْ أَنْعَمَ وَفَرَّادُ
(نہی اس میں پڑھا ع ۷)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَكَرَ آيَاتِ رَبِّهِ وَنَسِيَ
مَا قَدْ آتَىٰ يَدَ الْأَعْلَىٰ جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ
كَفَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي إِذْ أَنْعَمَ وَفَرَّادُ
وَلَنْ تَذَرَهُمْ إِلَى الْهَدَىٰ وَلَنْ يَهْتَدُوا
إِذَا الْبَدَأُ رُكْبًا بِأَعْلَى ع ۷
وَيَذَرُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى
(میرم پڑھا ع ۷)

أَلَمْ نَرَأَنَّكَ سَلَكَ نَارَ الْبُحْرَيْنِ لَا يَنْفَعُ
تَوَلَّوْهُمْ أَوْ أَفْلَا تَجْعَلُ عَلَيْهِمْ إِفْعَادًا لَهُمْ
عَدَا ۱ (میرم پڑھا ع ۷)
كَذَلِكَ سَلَكْنَا فِي قُلُوبِ الْبُحْرَيْنِ لَا يَنْفَعُ
يَدْعَىٰ يَرْوُ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ رُسُلًا ۷
إِنَّ الَّذِينَ لَا يَدِينُونَ إِلَّا لِدِينِ الْبَشَرِ
أَعْمَلًا لَهُمْ يَوْمَ يَعْمَهُونَ ۱ (نہ پڑھا ع ۷)

وَالَّذِينَ جَاهِلُوا فِينَا لَنَهْدِيَهُمْ صُبْحًا
وَأَنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْخُسُوفَيْنِ رُكْبًا بِأَعْلَى ع ۷

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں
کے مابین جو قیامت کو نہیں مانتے غمی پروردہ ڈال دیتے
ہیں اور ہم ان کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیتے ہیں
اور ان کے کان میں میل بھر دیتے ہیں۔

بشخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو خدا کے
نشان دکھائے گئے مگر اس نے ان اعمال کا کچھ خیال نہ کیا
جیسے ایسے لوگوں کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیا ہے
اور ان کے کان میں میل بھر دی ہے اور اگر تم کو ہدایت
کی طرف بلا دے گا تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔
اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت کو ترقی
دیتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم سب سے بہتر شیطانوں کو کفار پر
کہ وہ انکو بہکاتے ہیں پس تم ان کے لئے جلدی نہ کرو
ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں۔
ہم اس طرح بے ایمانی کو مجرموں کے دلوں میں ڈھال کے
جاتے ہیں یہ ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ دروازے بند کر دیں
یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں
میں خوب رت بناؤ تو یہی وہ گمراہ تھے جاتے ہیں۔
اور جو لوگ ہماری طرف اپنی کوشش کرتے ہیں ہم انکو پڑھتے
دکھاتے ہیں اور بیشک خدا انکو کاروں کے ساتھ ہے۔

لَقَدْ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَأُوا السُّؤَالَ أَنْ
كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ

(روم پارہ ۲۱ ع ۱)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ

(زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

حَقُّ إِذَا هَلَكَ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ
مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٍ الَّذِينَ يَجَادِلُونَ
فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كِبَرُ مَقْتًا
عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ
يُطْعِمُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُنْكَبِرٍ جِبَارًا

(یون پارہ ۱۲ ع ۲)

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَفِيهِ تَرْجِعُونَ
لَا يُؤْمِنُونَ فِي آدَانِهِمْ وَقَدْ هَمُّوا عَلَيْكُمْ
عَمَىٰ ۖ رَحِمَ سَجْدَةٍ پارہ ۱۲ ع ۳

وَمَنْ يُفْعَلْ حَسَنَةٌ نَّزِدْهَا زَيْدًا
(شوری پارہ ۲۱ ع ۱)

مَنْ يَنْتُزِعْ عَنْ ذِكْرِ الْحَمْدِ لَمْ يَنْتُزِعْ
عَمَّا لَهُ فَرِيكٌ ۖ (زخرف پارہ ۱۸ ع ۱)

إِنَّمَا يَتَخَدَّ إِلَهُهُ هَوًى وَأَصْلَهُ
اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَحَسَنَةً عَلَىٰ بَعْضِهِ وَقَلْبُهُ

پھر مدعی کہ نیا المان کا انجام یہ ہے جو اگر انہوں نے خدا کے
نشانوں کی تکذیب کی اور اس سے ہمت نہ اٹھائے گئے۔

خدا اس شخص کو ہدایت کی طرف نہیں لےتا جو جھوٹا اور
ناشکر ہو۔

حتیٰ کہ جب یہ صرف فوت ہو تو تھے کہا کہ خدا ان کے
بد کوئی چیز بھیجے گا۔ خدا اس طرح مسرت اور کی فرج
دلوں کو جو بغیر کسی دلیل کے خدا کے نشانوں کو مخالفت کرتے
ہیں مگر اگر کرتا ہے یہ خدا کے نزدیک اولیٰ اذکاروں کے نزدیک
نہایت ناخوشنودی کا باعث ہے۔ خدا اس طرح
رہتے رہتے ہمت شکنہ اور سرکش لوگوں کے دلوں پر ہتھ
کھاتا ہے

کہہ دے کہ یہ قرآن یا انذاروں کے لیے ہدایت اور عقاب
اور جہان میں لاتے ان کے دلوں میں گرائی ہے اور
قرآن ان کے لیے تابینائی کا سامان ہے۔

جو نیک عمل کرتا ہے ہم اس کی نیکی کو تیری دیتے ہیں۔

اور جو شخص مہربان خدا کے ذکر سے غفلت کرتا ہے ہم اس پر
ایک شیطان مقرر کرتے ہیں جو اس کو ہمراہ رہتا ہے۔

کیا تم دیکھتے ہو اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا
رکھا ہے اور باوجود جاننے کے خدا نے اسے مگرہ کیا ہے

وَجَعَلَ لَاصْبِرَ غَشَاوَةً فَفَجَّ يَهْدِيهِ
مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ط

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۵۷)

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَأَمَّا الَّذِينَ
تَقْوَاهُمْ ط

(محمدیہ طالع ۶)

فَمَنْ عَسَيْتُمْ أَنْ تَوَلَّيْكُمْ أَنْ تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ

الَّذِينَ لَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ فَأَصْحَابُهَا وَأَعْسَى

أَبْصَارُهُمْ ط

(محمدیہ طالع ۳)

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ط

(صف پارہ ۱۷ ع ۱)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطَغِبَ عَلَيْهِ
قُلُوبُهُمْ فَمَنْ يَهْدِيهِمْ يَفْضَحُونَ ط

(زافقون پارہ ۱۷ ع ۱)

وَمَنْ يُضِلِّهِمْ بِاللَّهِ يَهْدِ قُلُوبَهُ (تغابن پارہ ۱۷ ع ۱)

وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط... وَمَنْ يَتَّبِعِ

اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِ أَمِيرًا ط

(ملاق پارہ ۱۷ ع ۱)

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی
آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس عدل کے سوا اسے کون
ہدایت دے گا تم نصیحت نہیں کر پڑتے۔

اور جو ہدایت کی طرف آتے ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ
کرتا ہے اور انکو تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔

کیا انکو امید ہے کہ تم با اختیار ہو تو ملک میں فساد
پھیلانے کے اور قربت داروں سے بدسلوکی کر دے گے

یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا ہے

پس انکو بہرہ دیا ہے اور انکی آنکھوں کو دنیا بیاہر کر دیا

پس جب وہ گمراہ ہوئے تو خدا نے ان کے دلوں کو گمراہ

بھی گمراہ کر دیا اور (جو بھی) اگر لوگ حق و جور کریں اور

خدا اس پر ہدایت مرتب کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہ پنجام اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے

اس لیے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی پس کچھ نہیں سمجھتے۔

جو شخص خدا پر ایمان لا خدا اس کے دل میں ہدایت بخشتا

جو شخص خدا سے ڈرے خدا اس کے لیے رستہ نکالے گا

رستہ بناتا ہے اور اسکو یہی دینی دیتا ہے جس کا اسے

گمان بھی نہ ہو... اور جو شخص خدا سے ڈرنا ہے خدا

اس کے کام آسان کرتا ہے

پنجم جس طرح معلول کیلئے علت کا ہونا ضرور ہے اسی طرح علت

موجود ہونے پر اس کے معلول کا موجود ہونا بھی ضرور ہے اور ممکن نہیں کہ

برکعت کے لے باب جو بہرہ

اس کے خلاف نہیں ہو سکتا

علت معلوم ہے تمام شرائط اور لوازم کے پائی جائے اور اس پر اس کا نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اس لیے اگر کسی فعل کی طرف توجہ کریمانی تحریک مکمل طور پر موجود ہو تو ممکن نہیں کہ توجہ پائی نہ جائے اور اگر توجہ جیسی چاہئے موجود ہو اور توجہ کو رد کرنے والا کوئی سبب موجود ہو تو ممکن نہیں کہ وہ کام شروع نہ ہو اور پھر کام شروع ہونے پر ممکن نہیں کہ اسکی واقفیت پیدا ہو۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ اگر اپنی تمام ضرورتوں کے ساتھ جاری رہے تو ممکن نہیں کہ وہ فعل خجسام کو نہ پہنچے اور اگر وہ فعل ہر ایت ہو تو ممکن نہیں کہ اسکا نتیجہ ہدایت ہو۔ اور دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو علت و معلول کے اس سلسلہ کو توڑ سکے پس اس مہول کو گذشتہ اصول کے ساتھ ملا کر اور سلسلہ علت کو علل تک لیجا کر دیکھا جائے تو کتنا پڑتا ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قوانین اور اس کے جاری کئے ہوئے سلسلہ میں ہدایت کی طرف گمراہ ہے ممکن نہیں کہ کوئی اسکو گمراہ کرے اور جو انی خدائی قوانین اسسلسلہ کے اندر ضلالت میں ہو رہے ممکن نہیں کہ کوئی طاقت اسکو راہ راست پر لائے غرض خدا کی طرف سے جاری کی ہوئی ہدایت اور ضلالت ٹال ہے اس اصول کو علی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نیچر نے جو اسباب پیدا کئے ہوں انکے خلاف نہیں ہو سکتا اور مذہب نیچر کو خدا کا پیدا کردہ سمجھ کر اور خدا کی طرف کا خیال لوانے کو ضروری جانکر یوں کہتا ہے کہ خدا نے جو اسباب مہیا کئے ہوں ان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اگر خدا تم کو مدد دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر تم کو ناکام کرے تو اس کے بعد اور کون مدد دے سکتا ہے۔

جس پر خدا عنایت کرے تم اس کا مدد کار کیسے نہ پاؤ گے۔

کیا تم ہدایت دینا چاہتے ہو اس کو جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے تم اس کا مددگار کوئی نہ دیکھو گے۔

اِنَّ يٰمَعْشَرَ كُفٍّ اَللّٰهُ فَلَآ اَعْلٰی لَکُمْ وَاِنَّ یَحْذَرُکُمْ فَمَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْۢ بَعْدِہٖ (آل عمران پانچواں باب)

وَمَنْ یُّبْلِغِ اِلَیَّ اللّٰہِ فَلَکِنْ یَحْذَرُکُمْ فَصَبِّرُوْا (زبور پانچواں باب)

اَنْتُمْ یٰمُؤْمِنُوْنَ اَنْ تَهْتَدُوْا مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّضِلِلِ اللّٰہُ فَلَکِنْ یَحْذَرُکُمْ فَصَبِّرُوْا (مائتہ پارہ مائت و ست و ستون)

جو اس پر کوئی گمراہی مرتب ہو سکے اور اگر ضلالت ہے تو ممکن نہیں

مَنْ يَدِّ اللَّهُ فَنَسْتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ
اللَّهِ شَيْئًا (رائدہ پارہ ۷ ع ۱)

مَنْ يُضِلُّ اللَّهُ فَاَكْهَادِي لَهُ (اعراف پانچ)
وَاِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بِضَرْفٍ فَلَا تَشْفَ لَهُ
اِلَّا هُزْءًا وَاِنْ يُرِيدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا كَرَدَ لِفَضْلِهِ
(رب پانچ ع ۸)

وَلَا يَفْعَلُكُمْ لُحْيٰى اِنْ اَمَرْتُ اَنْ اَنْتَحِمَ
لَكُمْ اِنْ كَانَ اللَّهُ يَرِيدُ اَنْ يُغْوِيَكُمْ
(مجاد پانچ ع ۱۲)

وَإِذَا أَمَرَا اللَّهُ بِعَمَلٍ سَعَىٰ اَخْلَاصَ لَهُ
(روم پارہ ۱۳ ع ۱)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (سجده پانچ)
وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مُتَدِي وَمَنْ
يُضِلِلِ فَلَنْ يَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ
(نہج پانچ ع ۱۲)

وَمِنْ يَهْدِي اللَّهُ فَمَا لَهُ مُتَدِي وَمَنْ
يُضِلِلِ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّشِيدًا
(سجده پانچ ع ۱۲)

وَمَنْ يَهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ (سجده پانچ ع ۱)
وَمَنْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ قَدْرًا فَمَا لَهُ مُنْكَرٍ
(نور پارہ ۱۷ ع ۱)

جس کو خدا ناست میں ڈالنا چاہے تو تم نہ کہ مقابلہ کرنا
اس کے لئے کسی امر کا اختیار نہیں رکھتے۔

جبکہ خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہادی نہیں
اگر خدا تم کو کچھ رحمت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور
کرے والا نہیں اور اگر وہ بھلائی چاہے تو اس کے
فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اگر میں تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت کچھ
مفید نہ ہوگی اگر خدا تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

جب خدا کسی قوم کو کچھ رحمت پہنچانا چاہے تو اس کو
نہیں چھوکتی۔

جبکہ خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دین والا نہیں۔
جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور
جبکہ وہ گمراہ کرے اس کے لئے تم کوئی رفیق موا
خدا کے بناؤ گے۔

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے
اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لئے تم کوئی
دوست ہدایت دین والا نہ بناؤ گے۔

جبکہ خدا ذلت دے اس کو کوئی عزت دین والا نہیں
جس کے لئے خدا نے نور و دلالت کیا ہو اس کے
لئے کوئی نور نہیں۔

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْكُفْرَ وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَمَ
الدَّعَاءُ إِذَا دُكِرَ أَمْدُ بَرٍّ

(زلزلہ پڑھے)

مَنْ يَهْدِيهِ اللَّهُ يَفْضُلْ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ
نَاصِرِينَ روم پارہ ۱۷ ع ۱۷

وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعَمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ
(روم پارہ ۱۷ ع ۱۷)

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ
لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا يُسِيلُ لَهُ مِنْ بَعْدِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر پارہ ۱۷ ع ۱۷)

أَقَمْنَا فِي النَّارِ لَكُلِّ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ
تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ (زمر پارہ ۱۷ ع ۱۷)

وَكَيْفَ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ
عَنْ يَهْدِ اللَّهِ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ

(زمر پارہ ۱۷ ع ۱۷)

وَكَيْفَ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَهْدٍ
(شورے پارہ ۱۷ ع ۱۷)

تم مردوں میں جو فانیوں کو اپنی بات نہیں مانتے
اور بہرہ و نیکو جب وہ پٹھ بھیر کر مبارک ہوں پکار کی آواز نہیں
سنا سکتے۔

جس کو خدا نے گمراہ کیا ہے اس کو کون ہدایت دے گی ایسے
لوگوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال نہیں سکتے۔

جو رحمت کا دروازہ خدا نے لوگوں کے لیے کھولا ہے اسے
کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو بند کر دیا ہے اسے کوئی لے
سوا کھول نہیں سکتا اور خدا غالب ہر گت ہے۔

کیا جس پر عذاب کا خط کھینچ دیا گیا ہو اس کو کوئی بچا سکتا
کیا تم اس کو رہائی دے سکتے ہو جو لوگوں میں داخل ہو چکے۔

جبکہ خدا اگر اکرے اسے کوئی ہدایت دینا نہیں۔
... اور جس کو وہ ہدایت دے گا اسے کوئی گمراہ کرنا نہیں

اور جس کو خدا اگر اکرے اس کا کوئی دوست سوا خدا
کے نہیں ہو سکتا۔

خدا نے ساری باتیں تو تعبیر
کر رکھی ہیں سب ترادیا

غیبت یا نفرت پیدا ہوا اور غیبت یا نفرت میں توجہ کی حرکت شروع ہو مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے
کی طرت توجہ اسی لیے ہوتی ہے کہ اعضائے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بے چینی ظاہر

خدا نے ساری باتیں تو تعبیر
کر رکھی ہیں سب ترادیا

غیبت یا نفرت پیدا ہوا اور غیبت یا نفرت میں توجہ کی حرکت شروع ہو مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے
کی طرت توجہ اسی لیے ہوتی ہے کہ اعضائے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بے چینی ظاہر

کرتے ہیں اور باہر اس تکلیف کو دور کرنے کا سامان تہیا نظر آتا ہے۔ اسی طرح کسی فن کی طرف توجہ اسی لئے جرتی ہے کہ اس فن کے فائدے گرد و پیش نظر کرنے پر محسوس ہوتے ہیں اور اسکو حاصل کرنے سے اپنی بعض ضرورتیں تہیا نہیں ہو سکتیں غرض ہر ایک کام میں توجہ پیدا ہونیکا باعث اندرونی اور بیرونی حالات ہوتے ہیں اور اگر یہ نہ ہوں تو توجہ کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں۔ اور بخلاف حالات کے انسان کے فکر کسی ایسی سوسائٹی کا ہونا جس میں کسی خاص کام یا فن کا چرچا ہو اس کام کی طرف توجہ بہرہ کا بہت بڑا سبب ہے اور مذہب کو دیکھا جائے تو اسکی طرف توجہ کرنے کے لئے علاوہ نظری کشش کے بڑا باعث اکثر گرد و پیش کے خیالات اور سوسائٹی کا اثر ہوا کرتا ہے اس لئے جیسی قدرت کی طرف سے مختلف فنون اور کاروبار کے لئے ترکیب دینے والے اسباب کے علاوہ ترغیب و تنبیہ والی سوسائٹی کا یہ سبب جاری کیا گیا ہے اسی طرح پر مذہبی ترقی کے لیے عبرت انگیز واقعات عالم کے علاوہ مذہبی ہناؤں کو پیدا کرنے اور ان کی وساطت سے مذہبی سوسائٹیاں بنانے کا دستور قائم کیا گیا ہے اور چونکہ یہ سبب قرآن میں قدرت میں اس لیے صاحب قدرت کی طرف منسوب ہیں۔

خدا نے مشیہین پر احسان کیا کہ ان میں پیغمبر بھیجے۔

ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں اس ہدایت کے لئے کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

ہم خدا نہیں کیا کہ جسے جسے کلام یہ ہمیں

اور ہمیں ہدایت کیا ہم نے کوئی کائنات مگر اس وقت جبکہ ہمیں نصیحت کیلئے مقرر کیا ہوا ہے آجکلے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

اور تمہارا پروردگار انبیوتوں کو ہدایت نہیں کرتا مگر انہیں

لَقَدْ رَزَقَ اللَّهُ مَوْلًى ذِي قُوَّةٍ إِنَّهُ يَتَّبِعُهُ الْمَلائِكَةُ

وَرُؤُوسُ السُّورِ (آل عمران پارہ ۷ ع ۷۸)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ قَوْمٍ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ لِيُحَدِّثُوا إِلَىٰ

وَأَنذَرَهُمْ أَلْطَّاعُونَ (نحل پارہ ۷ ع ۷۸)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

رَبِّیْهِمْ (اسرا پارہ ۷ ع ۷۸)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

فِي أَمْنِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَلَكُنَا
مُحَلِّكِي الْقُرْآنِ إِلَّا زَاهِلِينَ ظَالِمِينَ ۝

(نقص پارتھو ع ۱)

اللَّهُ مَنَّكَ لَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا لَتُنكَاهَا
مَثَلًا نَفْسُ مَعْنَاهُ جُلُودَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ۝ (زمر پارتھو ع ۱)

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَخُذِ
الْحَدِيثَ مِنْ خِلْفَتِهِ وَمَنْ صَلَّى فَأَمَّا
يُضِلُّ عَلَيْهِ كَاهُ (زمر پارتھو ع ۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
بِإِيمَانٍ آخِذِينَ بِآيَاتِهِمْ وَمَا
الْتَنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۝

(طبر پارتھو ع ۱)

إِنْ مَرَدَدَكَ لَعَلَّكَ لِيَنْ شَاءَ
سَيُكْمُ أَنْ يَسْتَفِيدُوا (دست پارتھو ع ۱)

اُن کے صدر مقام میں کوئی بول بھیج چکا ہو گا تو ہمارا
نشان سنا اور ہم ہندوؤں کو نہیں تباہ کرتے جب تک
کہ وہ ظلم نہ کریں۔

خدا نے سب کو بھی باتیں یعنی ایک مربوط اور دوسرے
جاننے کے لائن کتاب اتاری ہے جس کو اُن لوگوں کے
رونگے ٹھکرتے ہیں جو اپنی پروردگار کو ڈرتے نہیں
ہتھ تم پر بھی کتاب اتاری ہے پس جو ہدایت پائے
اُس کا اپنا قایم رہتے اور جو گمراہ ہو اس کا اپنا بھی نقصان
ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائیں اور ان کی ذریت ایمان میں
آئی پروردگار سے تو ہم انکی ذریت کو بھی ثواب میں
اُن کے شریک کرتے ہیں اور باہمیہ انکے اپنے اجر
میں سے کچھ کم نہیں کرتے۔

یہ قرآن محض نصیحت ہے تمام جہانِ الون کیلئے یعنی اس
شخص کے لئے جو براہِ رست پر چلنا چاہے۔

خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد
دو فرقہ میں کا باعث گردانا ہے
ہم فہم جس طرح اندرونی اور بیرونی حالات علم و ہنر اور مذہب کی طرف
توجہ کر کے کام لیں اس طرح ہی حالات گرد و پیش کسی نیک کام
سے توجہ کو پھیرنے اور بدی کی طرف راغب کرنا بھی باعث ہوتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ایک ہی وقت
کی ظاہری لذت اور راحت بدی کی ترغیب دیتی ہے اور اس کے باوجود کو دیکھنا بدی سے روکنے کا
باعث ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک وقت کسی نیک یا چند اشخاص کی کوشش اور اثر سے کئی نیک
ارواح پا جاتی ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے اسکی طرف توجہ کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح نیک

سوائے بن باقی ہے تو کہیں کسی ایک یا چند اشخاص کی ترغیب و ترخیص سے یا صرف نمونہ پیش کرنے سے کوئی بدی ظہور پکڑتی ہے اور پھیلتی ہوئی قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور اٹھ نہ سلیں اُس سے متاثر ہو کر تباہ ہوتی ہیں۔ غرض یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک کی نیکی بہت کو فائدہ پہنچاتی ہے تو ایک کا گناہ ہزاروں کو تباہ کر تباہی اور جبر صاحب قدرت نے ایسے قانون جاری کئے ہیں ان کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا چارہ نہیں اور چونکہ سچے مذہب کی یہ شان ہونی چاہئے کہ سچے واقعات پر پردہ نہ ڈالے اسلئے جہاں رسولوں کو بھیجنے کا اور انکی جہتوں کی کھیلانے کا ذکر ہے اُن کے ساتھ اس قانون کا ذکر بھی کروایا گیا ہے کہ جس قوم پر تباہی آتی ہوتی ہے اُسکے عیش پسندانہ فرد بدی اور گناہ میں ہنمک ہو جاتے ہیں اور انکی دیکھا دیکھی تمام قوم تباہی کے بھنور میں گر جاتی ہے اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے اس لئے اسکو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے۔

ہم عذاب نہیں بھیجتے جب تک پیغمبروں کو بھیجیں اور جب ہم کسی کھڑوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے وقتندوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فس و فجو کر بن سرن و مذاجے مستحق ہو جاتے ہیں اور ہم انکو تباہ کر دیتے ہیں۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْلُغَ رَسُولُكُمْ
وَإِذَا أَمَرْنَا نَافَاً نَهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا
مُتَرَفِّعِينَ فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ
فَلَنُصْلِيَنَّ هَآئِلًا مِّنَآ

ہی اسرائیل پڑھو عطا

اور اسی طرح جب بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کر دی اور اس ایک کی برائی سے قوم پر تباہی آئی ہے تو حضرت موسیٰ کی زبان سے دعا کے موقع پر کہا گیا ہے۔

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَهْلِكُنَا إِنَّمَا
فَعَلْنَا لِنُعَذِّبَهُم بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ مُّكْذِبُونَ

اراعا پڑھو عطا

جب ان کو عذاب نے لیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی تباہ کر دیتا۔ ایک کیا تو مجھ کو تباہ کر لیتا اس نعل کے سبب جو ہمارے جملانے کی وجہ سے تیری طرف سے ایک آزمائش ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَالْقَوْمُ خَاصَّةٌ (انفال ۱۹)

اور اس غنیمت سے جو قوم میں ہو صرف ظالم کفریوں کو ہی
نہیں بچایا بلکہ انکی پیروی کرنے والوں کو بھی (بتلا ہو گئے)

ہدایت و ضلالت خدا کی ہر شے میں ایک اور بدی کا وجود اور ان میں سے ہر ایک کی جانب توجہ کیے
اس کا تعلق پذیر ہونا اور ترقی کی فستار جاری رہنے پر ایسے نقطہ تک پہنچ جانا کہ اسکا

بدلتا حال ہو جائے اور نیز توجہ پیدا ہونے کے لیے مختلف اندرونی اور بیرونی محرکوں کا موجود ہونا
ایسے واقعات میں جن کا انکار دنیا کو نظر بصیرت سے دیکھنے پر ممکن نہیں۔ اور اگر دنیا کو خدا نے پیدا کیا

تو اسکی طرف توجہ کر نیسے مضر نہیں۔ اور یہ ایک طرف جب دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو جس پہلو سے
دیکھا جائے نیکی اور بدی یا ہدایت اور ضلالت اسکی طرف دماغی ہڈی ہے مثلاً اگر وہ خدا کو پیدا کرتا

تو کدھانت اور ضلالت کا وجود بھی نہ ہوتا اور اگر پیدا کرتا مگر انسان کو جسم سے پاک اور محض روحانی شکل میں
رہنے دیتا تب بھی چونکہ بیان کے تمام نتائج جہانیت کو پیدا ہوتے ہیں اس لیے وہ روحین نہ ترقی

کر سکتیں اور نہ منزل۔ اور اگر جسم دیا جائے مگر حیوانوں کی طرح اسکی دماغی حرکت اور قوت ارادہ کو
نیچر کی نہایت سادہ ضروریات تک محدود رکھا جائے تب بھی جس طرح ایک شیر اور دوسرے شیر میں اور

ایک گھوڑے اور دوسرے گھوڑے میں ہدایت اور گمراہی کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں پہلے
ایک انسان اور دوسرے انسان میں کچھ تفاوت نہ ہوتا۔ اور اگر یہ کچھ دیا تھا تو ہشیا اگر دوش

میں یہ لذت نہ رکھی جاتی جس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔ یا ان کے باطن میں یہ بد نتائج مرتبہ ہوتے
جن سے جہت پر کار نیکی ترقی کرتی ہے مگر یہ صورت بھی نہیں۔ اب خواہ یہ دنیا کئی قدیم مثال سے مرکب

ہو اور خواہ ایک ہی ہستی اپنے تئیں ان نظروں میں جلوہ دے رہی ہو اور خواہ کسی قارون و قحط خدا
اس سلسلہ کو پیدا کیا ہو ہر طرح پیچھے کی طرف جلتے ہوئے اس ہستی پر ٹھینا پڑتا ہے جس نے اس

شیں کو سکون سے حرکت دی ہے۔ پس اگر وہ بے شعور ہستی ہے تو کہیں گے کہ یہ سب کچھ اسکا
قانون ہے اور اگر شعور کی صفت کو بھی متصف ہو تو کہنا ہو گا کہ ایسا نظام اس کا قانون ہی ہے اور

ارادہ بھی ہے۔ اور جب مانا جائے گا کہ اس نے اس سلسلہ کو اپنے ارادہ سے جاری کیا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا

کہ تمام آئندہ نتائج جو اس سلسلہ کیلئے لازمی ہیں اسکا ارادہ و ظاہر ہو تو عین وقتہ اندہ جس نتیجہ پر اس کے ارادہ سے نکلا کر کیا جائے اسی جگہ اسکو بے اختیار اور مجبور ماننا پڑیگا اور جب یہ حال ہو تو کہنا ہوگا کہ وہی جو جس نے اپنا ارادہ و نیکی اور بدی کو ظاہر کیا اور وہی ہے جس نے اپنا ارادہ سے انسان کو پیدا کیا اور وہی جو جس نے اپنا ارادہ سے انسان کو جسم اور حیوانی خواہشوں کو اور ارادہ اور عقل وغیرہ سے بہرہ ور کیا اور پھر وہی ہے جس نے اپنے ارادہ کو پیدا کیا اور توجہ کرنے کو آئندہ ترقی کا باعث قرار دیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے کے لیے واقعات گرد و پیش کو سبب قرار دیا اور دنیا کی لذتوں کو کشش کے لائق اور بد نتائج کو عبرت انگیز بنایا۔ قصہ مختصر وہی ہے جس نے بعض کو ہدایت دینے کے لیے اپنے ارادہ سے وہ سامان پیدا کیا جسکی طرف توجہ کرنے سے انکا دل نیکی کی ہوا کھانے کے لیے کنول کی طرح کھل جائے اور بعض کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے ارادہ سے وہ دشواریاں پیدا کیں جن میں مبتلا ہونے سے نیکی کی طرف آنا ایسا دشوار ہو جیسے سانپ کے سونخ میں ہات دینا۔ غرض وہی ہے جس نے جس کچا یا ہدایت دی اور جسکو چا اگمراہ کیا پس واقعات عالم کو دیکھ کر اور انکی پیدا ہونے ایک حکیم و قدر خدا کی طرف منسوب کر کے یہی صداقت جس پر یقین کرنا پڑتا ہے اور یہی ہے جسکی کمال مذہب نے علی الاعلان منادی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

(بقدرہ پارہ ۱ ص ۱۷۱)

وَاللّٰهُ يُرِي فِي مَوْلَاكَ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

(بقدرہ پارہ ۱ ص ۱۷۱)

يُرِي فِي الْحِكْمَةِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْفِكِ

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْفِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

(بقدرہ پارہ ۱ ص ۱۷۱)

قُلِ اللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكُ تُوَفِّرُ الْمَلِكُ

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت کرنا۔

اور اللہ اپنا مالک دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحبِ وسعت اور صاحبِ علم ہے۔

وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے اسے بہت بڑی بھلائی دیتی ہے۔

تم کہو کہ کیا اللہ اور اسے مالک کے مالک تو جسے چاہتا

مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
يَسِيرُ الْخَيْرُ مِنْكَ عَلَى الْبَلِ شَيْءٌ
تَقْرِئُكَ (آل عمران پارہ ۷ ع ۷)

اللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
آل عمران پارہ ۷ ع ۷

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَيَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ
يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
آل عمران پارہ ۷ ع ۷

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ
آل عمران پارہ ۷ ع ۷

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ (آل عمران پارہ ۷ ع ۷)
فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ
صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا (العام پارہ ۷ ع ۷)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ
(اعراف پارہ ۷ ع ۷)

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُفْضِلُ مَنْ يَشَاءُ وَهُدًى

ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا
ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا
ہے ذلت دیتا ہے بھلائی میرے ہی ہاتھ میں ہے
اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

خدا جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

تم کہو کہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے
دیتا ہے اور اسد صاحب رحمت اور صاحب علم ہے وہ جسے
چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اسد
بڑے فضل کا مالک ہے۔

اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا
ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے
عذاب دیتا ہے۔

تم کہو کہ حکم سب خدا ہی کا ہے۔
پس جبکہ خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اس کے دل کو ہلکا
کیونکہ کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے
دل کو تنگ اور بند کر دیتا ہے

اور انہوں نے کہا خدا کی تعریف کی جس نے سکھایا اس کے
لیے ہدایت دی تاکہ اگر خدا حکم دے دیتا تو ہم ہدایت
نہ پاسکتے۔

تم کہو کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے

إِلَيْهِ مِنْ أَنَابٍ (رعد پاره ۱۷ ع ۱۷)

يَحْوَ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنَبِّئُ (رعد پاره ۱۷ ع ۱۷)

وَمَا أَسْكَنَّا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا إِبْرَاهِيمَ (رعد پاره ۱۷ ع ۱۷)

لِيَبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلَّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ

وَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط

(ابراہیم پاره ۱۷ ع ۱۷)

مَنْ يَكْفُرْ أَكْفَرَكُمْ أَنْ يَتَّبِعَكُمْ (رعد پاره ۱۷ ع ۱۷)

يَتَّبِعُكُمْ (رعد پاره ۱۷ ع ۱۷)

يَعِزُّبَ مَنْ يَشَاءُ وَيُزِيلُ مَنْ يَشَاءُ

وَالِإِلَهِ تُقْلَبُونَ ط (عنکبوت پاره ۱۷ ع ۱۷)

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا

فَأَنَّ اللَّهَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ

يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ط

(زمر پاره ۱۷ ع ۱۷)

إِنَّ اللَّهَ يُسَمِّرُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِرٍ

مَنْ فِي الْقُبُورِ ط (زمر پاره ۱۷ ع ۱۷)

لَا يَحْكُمُ الشِّرْكَيْنِ مَا تَدْعُو لَهُمْ إِلَٰهًا اللَّهُ

يَجْتَنِي إِلَٰهِي مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَٰهِي

مَنْ يُنَاصِبُ ط (شوری پاره ۱۷ ع ۱۷)

وَإِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

خدا جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے

اور جو چاہتا ہے تمام ہندوؤں کی اپنی قوم کی زبان میں بھیجے ہیں

انہوں کی سانسے بیان کر سکیں اور پھر خدا جسے چاہتا ہے

گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ

غالب با حکمت ہے۔

تھکا پورہ رو دکا رنگ خوب جانتا ہے پس اگر وہ چاہے

تم پر رحمت کرے یا چاہے نکو خدا ہے۔

وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحمت کرتا ہے

جس پر چاہے۔ اور تم سب کی طرف لوٹنے جاؤ گے

کیا وہ شخص جس کی نظر دین میں نہ سکے اعمال کو نہایت

دیکھتی ہے اور وہ انکو اچھا چاہتا ہے (اسکے باوجود نہایت

دین میں تمیز کر سکتا ہے؟) مگر بات یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا

ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

پس تم کو کچھ حیرت میں لگانے خدا انکو اعمال کو آف ہے

خدا جسے چاہے نیک بات سناتا ہے اور تم پر کچھ

مردم جیسے غافلوں کو نہیں غما سکتے۔

جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو مشرکین کیلئے وہ بہت

انکو اور ہے اسباب کی طرف بلاتا ہے جس پر چاہتا ہے

جو اس کی طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

اور بیشک فضل خدا کے انتہ میں ہے اور وہ دیتا ہے

جسے چاہے اور اسے بڑے فضل کا مالک ہے۔

یہ خدا کا فضل ہے نہ دیتا ہے جسے چاہے اور وہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

اسی طرح (یعنی ممکنہ لاکھ کی طرح) خدا جسے چاہتا ہو مگر وہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور خدا کے لشکر و کواکب سے کوئی نہیں جانتا۔

بیشک ہماری طرف سے ہدایت۔ اور ہمارے ہی

اختیار میں ہے آخرت اور دنیا

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (صدید پڑھو ع ۱)

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جہ پڑھو ع ۱)

كَذَلِكَ يُعْضِلُ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

مَنْ يَشَاءُ وَمَا يُعْذِرُكَ مِنْ ذَلِكَ

لَا شَيْءٌ (مژ پڑھو ع ۱)

إِنْ عَلِمْتَ لَلْهُدَىٰ هِيَ لَنَا الْآخِرَةُ

وَأَكْثَرُ دَلِيلٍ (پارہ ۲ ع ۱)

خدا کے علم میں سب کچھ ہے | **نہم** ایک کلاک بنانے والا جس کے پیر و ن کو جو ٹکر پیشین گوئی کر سکتا

ہے کہ سوئیاں فلاں وقت پر فلاں جگہ ہونگی اور فلاں وقت پر اس قدر آواز نکلیگی اور آگاہ

اس کام کا پورا ماہر ہو تو ایسی پیشین گوئی درست نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک کسان جو کاشتکاری کے

کام میں ہر شیا پر اپنی زمین میں دانہ ڈال کر پتا لگاتا ہے کہ فلاں وقت تک سر و سیدگی پیدا ہوگی اور فلاں

وقت پھل لائیگی اور جو روئیدگی کے اسباب اس کے خیال میں ہیں اگر وہ مہیا زمین تو اس کا تخمینہ غلط

نہیں ہوتا۔ علیٰ نذا علم نباتات کا ماہر ایک طویل العمر و زنت کی نسبت اور طبقات الارض کا ماہر ایک

پہاڑی چٹان کی نسبت تیار خروان کی مصلحت اور قوم کی نسبت ہیئت ان کوٹ و خسوف

اور زلزلہ اسرار و ن اور شہا بون کی نسبت اسلئے کہ وہ ان تمام امور کے سلسلہ اسباب و نتائج کو جانتا

ہے آئندہ کے لیے بہت بڑے عرصہ تک کے حالات بیان کر سکتا ہے اور اگر اس کا علم صحیح ہو تو

واقعات آئندہ میں غلطی نہیں نکلتی۔ پس جس جہتی نے اس تمام سلسلہ کائنات کو اپنے علم اور ارادہ کے

شرع کیا ہے اور خدا اس کے ضوابط اور قوانین مقرر کئے ہیں ضرور ہے کہ کلاک بنانے والے اور

کوٹ و خسوف کا حساب لگانے والے کی طرح اس کو بھی کائنات کی زندہ کار کا ایک درجہ اور موجودات

کا ہر ایک ذرہ بخوبی معلوم ہے اور جو چیز پیدا ہونے کو اور جو واقعہ پیش آئے گا وہ سب اس کی لوح علم پر

منقوش ہے اور جب گھڑی ساز اور حیثیت دان کی پیشین گوئی من و عن صیغ ہو سکتی ہے حالانکہ انہوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا بلکہ آفرینش قدرت کے چند قوانین کا پیر و فی علم حاصل کیا ہے جو سب مالک الملک نے تمام سلسلہ کو نیت و عزت کیا ہے اس کے علم کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہے پس یہی تعلیم مذہب

کی طرف سے ہونی چاہئے اور ایسا ہی فرمایا گیا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّهُ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ رَاقِبُوا ذَلِكُمْ إِنَّمَا سَأَلَ

قُلُوبَ الَّذِينَ يُحِبُّونَ لِيَأْمُرَهُمْ أَنْ يَكْتُبَ اللَّهُ لَهُمْ مَا هُوَ مُوَكَّلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

(توبہ پارہ ۱۷ ع ۷)

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتَذَكَّرُ مِنْ شَيْءٍ أَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَرٌّ مُنْذِرًا

وَلَا نَذِيرًا وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَطَعْنُوا عَنْ عَمَلِهِ

شَقَائِلَ ذَلِكُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

(یونس پارہ ۱۷ ع ۷)

وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (یونس پارہ ۱۷ ع ۷)

إِنَّ إِلَهَكُمْ هُوَ يَعْلَمُ مَنْ صَلَّى عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَهْدَىٰ مِنْ أَهْدَىٰ (نجم پارہ ۱۷ ع ۷)

مَا أَصَابَ مِنْ مَّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

اور جان لو کہ خدا جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرو

تم کو کہہ کر دی لیکن جو تمہارے بے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مال ہے اور اللہ پر ہر دوسرے کو نیا لکھ کر ہر دوسرے کو نیا چاہئے۔

اور تم جس حالت میں ہو اور قرآن میں جس معاملہ کی نسبت پر مدد ہے ہو اور جو کچھ عمل کر رہے ہو ہم اس سے

آگاہ ہوتے ہیں جب تم وہ عمل کر رہے ہو اور تمہارے پروردگار سے کوئی ذرہ زمین کا اور نہ آسمان کا غنی

نہیں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ہے جو روشن کتاب میں نہ ہو

اور وہ ان کے ٹھیکہ کی جگہ اور چھوڑنے کی جگہ جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں ہو جو وہ ہے۔

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو کسے سزا دے گا اور کسے عفو دے گا جس نے ہدایت پائی

جو مصیبت زمین پر آتی ہو یا تمہارے اوپر آتی ہے وہ سب دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے روشن کتاب میں درج

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (حدید پندرہ ع ۲۱) اور ایسا کام خدا کے لیے آسان ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ يَجِدْ لَهُ مَلًّا وَلِلَّهِ كُلُّ شَيْءٍ عَدِيدٌ (تغابن پارہ شش ع ۱۱) جو مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے آتی ہو اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خدا سے انسان کو قوت نصیب عطا کی ہے اور وہ اس پرستی اختیار کرنے میں کامیاب ہوتا ہے ان امور کو دیکھنے کے بموجب اس نوع کے اور خاص دیکھے جاتے ہیں تو انسان اور دیگر تمام مخلوقات میں ایک میں فرق نظر آتا ہے۔ پھر کچھ

مجموعی کی حالت میں حوادث کے اثر پر درشت کرتا ہے۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے درجہ کے سوا حق کچھ حرکتیں کرتے و کمائی دیتے ہیں مگر ان کے تمام افعال ایک خاص دائرہ میں محدود ہیں اور ایک نوع کے تمام افراد اپنے افعال میں تنوع نظر آتے ہیں اگر شیر و زردہ ہے تو ایک دو نہیں بلکہ تمام اسی صفت پر متصف ہیں اور کھائے سکینی اور فائدہ رسانی کی صفت کتنی ہے تو یہ بھی سبھی میں پائی جاتی ہے مگر ان سب کے برخلاف انسان کی افراد اپنے افعال میں ایک دوسرے سے ہزاروں طرح کے اختلاف رکھتے ہیں اسلئے شیر کی ورنہ گی اور کھائے کی سکینی کو انکی فطرت کا تقاضا کر سکتے ہیں مگر انسان کچھ مختلف افعال کو انکی فطرت کی گمانب فرسٹین کر سکتے بلکہ اپنا پڑتا ہے کہ یہ سب انکی قوت فیصلہ و مبادیہ ہوتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ دیگر تمام مخلوقات کے افعال انکی فطرت میں داخل ہیں اور انسان کی فطرت میں جو اسے افعال کے قوت فیصلہ کو داخل کیا گیا ہے جس کو کام میں لا کر وہ جہاں کہتا رہتا ہے انتخاب کرتا ہے بیشک انسان سڑائی اور صحبت کا اثر قبول کر لے گا اور غریب و خیر نص سے آمادہ ہو جائے گا اور کچھ دفعہ تو جو کچھ نے پر عادت کی درخیز اسکو زیادہ سے زیادہ جھڑتی چلی جاتی ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اس میں پہلے اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے اور ایک رستہ کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے پس یہی قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت جو انکی فطرت میں داخل ہے خدا کی وہ امانت ہے جو آسمان و زمین

کے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی اور صرف انسان کے حصہ میں آئی ہے اور یہی قوت فیصلہ ہے جس کے سبب وہ اپنے افعال کا فاعل سمجھا جاتا ہے اور جس سے اس کے افعال کے نیک و بد نتائج خود اسکی طرف منسوب ہوتے ہیں جبکہ دیگر مخلوقات کے افعال انکی فطرت کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں

اِنَّكَ صَدَقْتَ اَكْمَانَهُ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ
ہم نے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑوں کے آگے
وَلِلْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَ ثِقَارَ اَشْفَقْتَ
پیش کیا مگر انہوں نے اسکو اٹھانے سے انکار کیا اور
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ رَاوَيْدَ بِاَعْيُنِهِ
اس دوسرے مگر انسان نے اسکو اٹھا لیا

انسان جمیع محض ہے پس اگر وہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ہم نے ہدایت و ضلالت کی طرف
اور نہ نجات کامل جانیداری قوت کو پیدا کیا اور ہدایت و ضلالت کی طرف لیجانے والا سامان مہیا
کیا اور انسان کو عادت اور سیالیٹی کی زنجیریں میں جکڑا مگر چونکہ اس سامان کے ساتھ یہ قوت فیصلہ بھی موجود
ہے اور انسان کی ذات میں دونوں طرف جانے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اسلئے اسکو پھر اجیسات کی طرح کا
مجبور ماننا بھی انصافی ہرگی اور چونکہ اسکو نیکی کی طرف جملے کے لیے دیا جاتا ہے اسکو تکلیف والا ایطاق
کرنا بھی غلط ہوگا اور دوسری طرف انسان کو کامل یا اختیار قرار دینا اور ہر امر میں پورا اثر اور قرار دینا بھی ان
تمام قوانین قدرت کو چیلنج کرنا ہے جو اسے چاروں طرف سے محیط ہیں مغرض جبر یا اختیار کے مابین
حالت ہی وہ صداقت ہے جو واقعات عالم کی شہادت اور فطری ذہب کی تعلیم سے قابل یقین ثابت
ہوتی ہے چنانچہ واقعات گردش کی وجہ سے اور اس لیے کہ دنیا کے تمام سلسلہ کو خدا کی مخلوق تسلیم
کیا گیا ہے ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف سے مانا جاتا ہے اور چونکہ انسان میں قوت فیصلہ اور انتخاب
کی عادت مرکوز ہے جو کام یہ اپنے ارادہ اور کوشش سے کرے اس کے متعلق خود اسکی فطرت کی
طرف منسوب کیا جاتا ہے اور چونکہ ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے حیلے سے انحراف
نیک افعال کی تکلیف سے صاف رکھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم کو نیکی سے تہ پڑا لیا اگر
خدا ہدایت دیتا تو ہم پارسا بن جاتے چونکہ وہ اس وقت اپنی اندرونی قوت فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور
باوجود سبب بالاتر ہونے کے انکو تین تہ جیسا مجبور سمجھتے ہیں اس لیے ان کے خیال کو محض گناہ بدقول

بے دنیا و کما گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیشک اگر خدا چاہتا تو سب کے لیے ایک سین رستہ بنا دیتا اور سب کو بہت پر رکھتا مگر اس نے دوسرے بنا کر اور انسان کو عقل دیکر اپنی محبت پوری کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَمَلُنَا مِن شَيْءٍ ۚ
كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّى ذُكِرُوا
بِآيَاتِنَا أَفَلْ يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُعَذِّبُهُمُ
لَكَ إِنَّ تَشَاءُونَ إِلَّا الظَّنُّ وَإَن آنْتُمْ إِلَّا
تَخْصِمُونَ مَعْلُومٌ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ
فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰ كُلَّ جَبَلٍ

(انعام پارہ ۱۵)

جو لوگ شرک کرتے ہیں کہ میں نے گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آبا و اجداد شرک نہ کرتے اور اپنی طرف سے بعض اشیا کو حرام نہ ٹھہراتے ان سے پہلو گزرتا ہوں نے بھی بری کر نیلے اور ایسے ہی بدلے میں ٹھہرتے تھے کہ انہیں عذاب کا نہ کچھ دیا تم کو کہ کہہ سکتا کہ بھلا کھنے کیلئے تمہارے پاس کوئی ایسا بھی ہے جو ہمارے سامنے پیش کر کو تمہیں گمان ہے کچھ چیزیں تھیں جو ہمارے عقل کی باتیں کہتی تھیں کہ وہ کہہ کر خدا کی محبت کا لہر جس نے ہر ایک ضلالت کو رستہ بنا دیا اور اگر وہ چاہتا تو ہم کبے ہدایت دے سکتا تھا

مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے بزرگ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ایسا ہی پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا کہ بھلائی برائی سمجھانے کے سوا پیغمبرین کا اور کیا فوض ہو

خدا کی طرف تو ہم کو راہ کو راہ اس کو اس سے پیشتر کہ تمہارے خدا کے اس وقت تک کوئی مدد نہ دیگا۔ اور جو اچھی باتیں خدا کی طرف سے تمہارے قریبی تھیں ان کی پیروی کو ہم سے پیشتر نہ لگنا ہم تمہارے عذاب سے اور کوئی بھی نہ ہو اور ایسے حق نے دو کوئی شخص کہہ کہ انہوں نے اپنے خدا کے حقوق میں بہت کوتاہی کی اور میں اس کو نہی سمجھتا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ
مِنْ شَيْءٍ ۚ عَنِ الْآبَاءِ وَإِلَّا حَمَلْنَا مِن دُونِهِ
مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ أَصْحَابُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا لِبِلَالِ الْيَمِينِ رَضِيَ لَهُمْ
وَأَنبِئُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْمِعُوا اللَّهَ مِن قَوْلِ
أَنبِيَائِهِمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرِفُونَ وَأَمَّا
أَحْسَنُ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ مِّن قَبْلِ
أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ
أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فُوتَنِي
فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ

أَوْ تَقُولُ لَكُنْ اللَّهُ هَذَا نَبِيٌّ لَكُنْتَ مِنَ
الْمُتَّقِينَ ط (زمر پارہ ۲۴ ع ۱)

رہا کہے کہ افسوس اگر خدا مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی
پارہوتا۔

اور نیز چونکہ انسان کی فطرت میں ایک طرف بڑی کی قابلیت ہے تو دوسری طرف نیک کام کرنے کی
قابلیت بھی اسی فطرت ہی میں روایت ہے اس لئے نیک اعمال کا حکم دینے کے موقع پر کہا گیا ہے کہ خدا
ایسے علم نہیں دیتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہوں اور اس کی فطرت میں اسی قابلیت نہ ہو چنانچہ فرمایا ہے
لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَشَعْبًا لَهَا فَالْكَتَبُ
وَعَلَيْهَا مَا الْكَتَبُ

خدا تکلیف نہیں دیتا انسان کو کہ اس کی طاقت سے باہر ہو
جو کچھ وہ کتاب اس کا فائدہ بھی اسی کو ملے گا اور نقصان
بھی اسی کو

(بقرہ پارہ ۳ ع ۲۵)

وَلَا يَكْفِيكَ نَفْسًا إِلَّا وَشَعْبًا وَكَذَلِكَ الْكِتَابُ
يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ط
(مومن پارہ ۱ ع ۱۲)

ہر کسی بشر کو تکلیف نہیں دیتے اس کی طاقت سے باہر
اور ہر پاس ایک کتاب ہے جو حق کہتی ہے اور ان
پر ظلم نہ ہوگا

اور اس وجہ سے کہ انسان کی فطرت میں انتخاب و پسند کی قابلیت و رویت ہے اس کے سامنے نیکے بد
ترک و پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اب چاہو بدی کی طرف جاؤ اور چاہو نیکی اختیار کرو۔ مگر جو کچھ کرو گے
اس کا نتیجہ ضرور ملے گا اور خدا اس کی سے خوشنود ہوگا اور بدی سے ناراض۔ چنانچہ ارشاد ہے

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ ط (کہف پارہ ۱ ع ۱)
إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ
أَسَاءْتُمْ فَلَكُمْ

کہہ دیجئے کہ حق ہے تمہاری پروردگار کی طرف پس جو چاہے
ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے
اگر تم نیک اعمال بجالاؤ گے تو اپنے لیے اور اگر بدکاری کرو گے
تو اپنے لیے

إِنْ يَكْفُرْ أَفَإِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ بِكُمُ الْكُفْرُ
يَكْفُرُ لَكُمْ وَلَئِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ
لَكُمْ كَأَنْتُمْ قَارِعَةٌ ذُرٌّ مَخْرُجٌ (مکہ پارہ ۲ ع ۱)

اگر تم کفر کرو تو خدا کو تمہاری کچھ پروا نہیں اور تم کفر کو پسند
نہیں کرتا اور اگر شکر کرو تو تمہارے اس فعل کو پسند کرے گا اور تمہاری
مٹھانیوں کو دوسرے کا جو بھی نہیں اٹھاتا

جو بھلائی کرے اسے تو اپنے لیے اور جو بُرائی کرے اسے سزا
مرد ہے اور تیرا یہ دردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں
نصیحت پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رہے
اختیار کرے۔

مَنْ عَمِلْ سَلًا خَلَفَ فِيهِ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَمَنْ يَكُ يَفْلِكْ يَلْعَبْ لِلْعَبِيدِ رَحْمَةً عَلَيْهِ
إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ كَقَوْلِكَ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَهًا
كَرِيمًا سَبِّحْ لَهُ (مزل پتہ ۲۹ ع ۱)

مگر چونکہ انسان میں نیکی کر نیکیا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ ایسے ارادہ کے لیے سامان خدا نے اپنا ارادہ
پیدا کر چھوڑا ہے اسلئے اکثر موعظوں پر جہاں فرمایا گیا ہے کہ ”پاؤ تو او دھر آؤ“ وہاں ساتھ ہی میں میں جانتے
خا ہر کرنے کیلئے قرار دیا گیا ہے کہ ایسا ارادہ بھی خدا ہی کے ارادہ کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ہے

ہاں نصیحت پس جو چاہے نصیحت لے اور نہیں
نصیحت لینے مگر بھی کہ خدا چاہے۔
بیشک نصیحت پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف سے
اختیار کرے اور نہیں چاہے مگر جبکہ خدا چاہے بیشک
خدا با علم و با حکمت ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ وَمَنْ
يَذْكُرْ فَلَا تَنْشَأُ اللَّهُ (مزل پتہ ۲۹ ع ۲)
إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَهًا
سَبِّحْ لَهُ مَا تَشَاءُونَ الْإِلَاحُ يَشَاءُ اللَّهُ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (مزل پتہ ۲۹ ع ۳)
إِنَّ هَذَا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
أَن تَقْتَتِلَ فِئَتٌ مِّنكُمْ وَأُخْرَىٰ قَدْ قَاتَلُوا
اللَّهُ مَرْسَبَ الْعَالَمِينَ (مزل پتہ ۲۹ ع ۴)

یہ صف نصیحت ہے تمام اہل عالم کے لئے یعنی اس کے لئے
جو تم میں سے راہ راست پر آنا چاہے اور تم نہیں چاہتے
مگر جبکہ خدا چاہے جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

انسان کے جبر و اختیار کا مسئلہ ہمیشہ سے اہل مذہب اور اہل عقل کے نزدیک
مکرر آ رہا ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور افراد نے اس بارہ
میں بہت مختلف رائے قائم کی ہیں مگر ہم نے دیکھا کہ جو دینیان دوجہ اسلام نے
اختیار کیا ہے حالات گرد و پیش اور انسان کی اندرونی ساخت کو دیکھتے ہوئے

انسان کو مختار کامل اور مجبور
سمجھنا اور نون خیال غلط ہیں مگر
پہلے خیال میں غلطی بہت ہو اور
خیال میں نقصان زیادہ ہے

یہی قرین عقل ہے اور اس کے خلاف جو لوگ انسان کو مختار کامل مانتے ہیں وہ صحبت طاوت موت اور
حوادث وغیرہ کے قوانین کو جو انسان کے خیالات اور حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں

اور دوسری طرف جو لوگ اسے پتھر جیسا سمجھتے ہیں وہ انسان کی اندرونی قوت سے جو اسکے لیے مایہ ناز اور باعث شرافت ہے انکار کرتے ہیں یہ دونوں طرح کی غلطیاں اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی ہیں لیکن ہمہ گیر ان میں بھی کچھ تفاوت ہے۔

خود اپنی حالت کا غلط اندازہ کرنا اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطی انسان سے اکثر سرزد ہوتی ہے اس میں کسی کام کی یا کسی شے کی قابلیت نہیں ہوتی مگر وہ خود رائی سے پہنچنے میں قابل سمجھتا ہے اور اس حالت کو محروم ہونے کا الزام دوسروں پر رکھتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے اور اسی طرح اکثر کسی کام کو بجا لانے کے قابل ہوتا ہے اور صرف آرام طلبی یا کسالت سے اس کام کی محنت برداشت نہیں کرتا مگر سمجھتا ہے کہ مجھ میں اس کام کی مہارت ہی نہیں۔ اور جس طرح اپنی مہارت کی نسبت ایسا دھوکا ہوتا ہے اکثر دوسروں کی قابلیت یا ناقابلیت کی نسبت بھی دھوکا ہوتا ہے اور ایسے واقعات عموماً دیکھنے میں آتے ہیں پس یہی طرح کا دھوکا مجبوراً محض سمجھنے والوں کو بھی پیش آیا ہے کہ وہ اپنی اندرونی قوت فیصلہ اور غور و تدبر کی قدر قیمت نہیں پہنچاتے اور حالانکہ وہ اپنے روزمرہ کے کاروبار میں اس قوت کی وساطت سے بہت ہی بیرونی مزاحمتوں پر غالب آکر اپنے لیے مفید راستے نکالتے ہیں اور کوشش کرنے پر آتے ہیں تو سوسائٹی اور عادات کی زنجیروں کو بڑی حد تک توڑ دیتے ہیں مگر بالعموم اس قوت کو کام میں نہیں لاتے اور نہ لانے کی سمجھ لیتے ہیں کہ لائیں سکتے۔ غرض یہ دھوکا اگرچہ بڑا دھوکا ہے مگر انسان کو اکثر پیش آتا ہے۔

اور اسکے برخلاف اگر وہ پیش کے حالات کو نہ دیکھنا اور ان کے نتائج کو خیال میں نہ لانا اگرچہ کم عجیب معلوم ہوتا ہے مگر عموماً عقل انسانی باہر کی چیزوں کو دیکھنے کی زیادہ مشاق ہے چنانچہ جس قدر حقیقی بیرونی شے کے علم میں ہوتی ہے انسان کے قوائے نفسانی اور روانی انحال و حرکات کی تحقیق میں نہیں ہرکتی۔ اس لیے کسی ذمے میں ایک خاص خیال کا کسی قوم میں عام ہونا یا کسی شخص کی لکڑی پر اسے میں شائع ہونا یا بچپن سے کسی خاص شکل میں تربیت پانا یا عادت ہو جانے کے سبب کسی کام کو چھوڑنے کی دشواری یا کسی کام کی تکمیل کا موقع ملنے سے پہلے موت یا کسی حادثہ کا پیش آنا۔ یہ اور ایسے

ہی کیا ان سے بھی مخفی اسباب جزائسانی خیالات پر بہت بڑا اثر کرتے ہیں ان سب کو بالکل غفلت سے
 ہٹا کر اور باوجود ان کے انسان کو سخت اور کامل اور ناقص تسلیم کرنا ایسی غلطی ہے جو بالعموم عقلی رفتار کو
 دیکھتے ہوئے ناقابل معافی ہے اس لئے مجبوراً محض سمجھنے کی غلطی کو
 کی غلطی سے کمتر کرنا چاہئے ۔

اس کے بعد جب ان دونوں طرح کی غلطیوں کا عملی نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
 کو مختار کامل سمجھنے والے جہان تک انسان کی اپنی کوشش کا تعلق ہے اور بے کامیاب اور ہوشیار رہتے
 ہیں اور جو موقع ان کے فائدے اور بہبود کا ہو اسے جانے نہیں دیتے مگر بالائی طاقتوں کے دیراثر
 ہونے کے سبب جو تو جہاں قوانین کے موجود اور قائلہ لعل کی طرف رہتی چاہیے اس سے بالکل ہٹ کر
 ہیں یعنی مذہبی روح اور انسان کا سب سے پاک اور شریف جذبہ ان میں پیدا نہیں ہونے پاتا۔ حالانکہ کوشش
 علامہ ان روحانی نواید کے جن کا تعلق انسان کی آئندہ زندگی سے ہے اس دنیا میں بھی بہت
 بڑی حد تک حسن اخلاق اور نیک سلوک کی ہوتی ہے اور نیز جمعیہ کو عمل کرنے والے جانتے ہیں اپنی کوشش
 کو خیر کرنے کے بعد خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی مدد کا امیدوار رہنا جس کو کوکل کہتے ہیں محض کوشش
 کی نسبت بہت کچھ مفید اور تیر بہد ہوتا ہے دوسری طرف اپنے تئیں مجبور محض سمجھنے سے اگرچہ
 خدا کی طرف توجہ ہو سکتی ہے مگر عملی دنیا میں اس خیال سے ان تمام قباحتوں کا پیدا ہونا لازمی ہے
 جو کوشش کو ترک کر نیک نتیجہ ہیں۔ غرض نتیجہ کے دوسرے آزادی اور اختیار کے حامی مذہب سے
 تماشنا اور ذہنی کاروبار میں خود غرض اور سید رو ہو جاتے ہیں تو مجبور محض سمجھنے والے دینی اور
 دنیوی دونوں دائروں میں جو کچھ عمل پر موقوف ہے اس سے محروم اور وماندہ جاتے ہیں اور ان کے
 برخلاف خدا کی طرف توجہ کرنے سے روحانیت کو ترقی دینے میں اور دنیوی کاروبار میں اپنی اپنی
 دیگر ذہنی نوع کی اغراض کو جس جہ پر کار کرنے میں پوری کامیابی انہیں لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے
 جو جب خدا اختیار کے علمین رستہ اختیار کر کے دنیا کی طرح آسمان سے پانی لین اور زمین کو سیراب کوین
 یعنی خدا پر توکل ہی رکھیں اور صرف توکل پر نہ رہیں۔ بلکہ جہاں تک اپنی کوشش کا وسیع سامان

پوری قوت سے کام بھی کریں ۔

جبر و تیار کی نسبت جبر و غور

آزادی کی ہوا کھانے والے چونکہ آسمان و زمین کی تمام طاقتوں

سے آنکھیں بند کیئے ہوئے ہیں اسلئے انکی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں البتہ جو

لوگ مجبوری کا رونا روتے ہیں وہ اگرچہ زبان سے اپنے تئیں پتھر کہتے ہیں مگر حقیقت میں گرد و پیش

کو دیکھنے کے عادی ہیں بلکہ اسی تحقیق میں زیادہ ہنس مٹے کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل

ہوئے ہیں اسلئے انکی اس غور و تامل کی عادت کو دیکھ کر ان سے کچھ اور بھی عرض کرنے کی جرات

ہوتی ہے یعنی کہ واقعات گرد و پیش سے انسان کو مجبور یا بخیر بھی اس خیال کو یہاں تک جو لان کرنا

کو کوشش کو بیوقوفانہ جادو اور مذہبی احکام کے اس بڑے حصہ کو جو کوشش کی تاکید پر مشتمل غلط

اور خلاف واقعہ کہنا جائے خود واقعات کی شہادت سے غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ انسان اور انسانی افعال

اور انسانی افعال کے اسباب خود انسان کے پیدا کردہ ہیں بلکہ اس زنجیر کی کرطیان یکے بعد دیگرے ہیں

و آسمان کی پیدائش بلکہ اس سے پہلے پر تک چلی جاتی ہیں مگر ان علتوں کی شکل یکے بعد دیگرے بدلتی آتی

ہے اور ہر ایک شکل پر جدا گانہ حکم مرتب ہیں مثلاً بنا کے بادل کا ایجاد پالتے ہوئے کر کے کی شکل میں ظاہر

ہو تا اور اس گڑھے سے چند ٹکڑوں کا جدا ہو کر کر کے گرد چکر کھانے لگتا (اگر صحیح ہے تو یہ) ایسا طباب

و نتائج کا مجموعہ ہے جن میں مجبوری اپنی کامل شکل میں جلوہ گر تھی۔ مگر اسکے بعد جب زمین سے نباتات کا

ظہور ہوا اور ان کے رگ و ریشہ نے زمین کی تہ اور فضا کی بلندی میں سسپانی غذا کو چوسنا شروع کیا تو

اس فعل میں جو آئندہ سلسلہ ترقی کیلئے علت تھا مجبوری کا ظہور کے بعد کم اور وہ سے مشابہ حرکت کچھ

کچھ نمایاں ہوئے لگی۔ آگے چل کر حیوانات پیدا ہوئے تو اگرچہ اپنی بقا و ذات اور بقا و نوع کے افعال میں

و بھی مجبور تھے مگر ان کے کاروبار میں مجبوری اور بھی پوشیدہ ہو گئی اور مادی حرکت پہلے کی نسبت

نمایاں تر ہوئے لگی اسکے بعد انسان کا ظہور ہوا تو اگرچہ اسکی بھی تمام کوششیں گرد و پیش کے حالات سے

و طبیعت میں اور اس وجہ سے مجبور کننا بڑی حد تک ویرت ہو گا مگر اسکی فطرت میں مجبوری کو ایسا

پوشیدہ کر دیا گیا ہے کہ اکثر عقلا کو اس پر بخیر کامل ہونیکا و صو کا ہوا اور واقع میں یہی عجیب مخلوق

ہے کہ ایک طرف اپنی فطرت کے رو سے حالات کو پیش کی تقلید پر مجبور ہے تو دوسری طرف فطرت ہی کے اقتضا سے وہ جس کام کو شروع کرتا ہے یہیں اپنی حسب استعداد غور و فکر کرنے پر اور اس غور و فکر سے کسی ایک تجویز کو نیک اور مناسب قرار دینے پر اور اختیار کی شکل میں اس کے موافق کوشش کو نہ پہنچا مجبور ہے غرض مجبوری اس سلسلہ کائنات میں نفعی ہوتی ہوئی انسان میں ایسی شکل سے جلوہ گہوار ہوئی ہے کہ وہی اسکا امام اور غرضی ہو گئی ہے۔ اور جو کوشش نباتات میں کمتر اور حیوانات میں بیش از بیش ظاہر ہوتی آتی ہے انسان میں ایسی نمایاں ہوئی ہے کہ اگرچہ بہت سے گذشتہ سلسلہ کائنات میں ہے مگر انسان کے تمام فعال کے لیے وہی علت قرار پائی ہے پس خواہ ہم مجبوری کے خیال کو کیسا ہی پیچ و تاب کھائیں مگر اس مجبوری نے ہمارا ہی کوشش کی تحریک پیدا کر دی ہے اسی مجبوری کا اثر ہے کہ اس کوشش کو بھی جھپوٹ نہیں سکتے۔ بلکہ جس طرح نباتات کا فرض ہے کہ اپنے رگ و ریشہ کی حرکت سے غذا کو جذب کریں اور کر دیں اور حیوان طرح حیوانات کا فرض ہے کہ اپنی مختلف امادی حرکتوں سے اپنی ضروریات ہم پہنچائیں۔ اور پہنچا رہے ہیں اسی طرح انسان کا فرض ہے کہ اپنے اختیار پیدا شدہ تحریک کے کام لے اور بے اختیار پیدا شدہ عقل سے غور و فکر کرے اور بے اختیار پیدا شدہ غور و فکر سے ایک تجویز کا اختیار کرے اور اس مجبوری سے جواب اختیار ہو گئی ہے یا اس اختیار سے جو پہلے مجبوری تھا کام لیکر اس کام کے نتیجہ پر پہنچے اور جس طرح نباتات یا حیوانات اگر اپنی امامہ ماحولیت کو کام میں نہ لائیں تو یقیناً اپنی زلیست و محروم ہو جائیں گے اسی طرح انسان جو بین الملکیت نے ان سے زیادہ اختیار اور امامہ کو ظاہر کیا ہے اگر کوشش کو ترک کرے تو ضرور اسکے شرک سے محروم ہو گیا۔ اور جس طرح زمین کی ایک گاڑی کو کاٹا دینے سے پہلے کی گاڑی ان کے ہوجاتی ہیں اسی طرح کوشش کو چھوٹنے سے جو سلسلہ ملکیت کی ایک گاڑی ہے اگے کے تمام نتائج جو اس پر منحصر ہیں پیدا ہو سکیں گے۔ غرض کوشش فاضل ہے اس لیے کہ قیعدہ واقعات کا نظام مبرا ہی پر ہے اور نہ فاضل کہ کہ ہم اسکو چھوڑ دیتے ہیں اسلئے کہ یہ پہلے واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔

غرض اسلئے کہ اگر سلسلہ ملکیت کے سبب انسان کو مجبور بنا جائے تو اسکے اعمال پر نہایت مبرا بنی ہے و حقیقت میں وہی پہلا اسلئے ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کیوں ہے اور سلسلہ ملکیت کیوں جاری کیا

گیا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ قتل انسانی اس کا کوئی جھنڈے کے قابل نہیں اور صرف یہی دیکھ سکتی ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔ نباتات کو مجبورین کو مضر لگیں کو قذیب کرنے سے اور ناموافق اجزاء سے زمین کو چرسے سے ضرور نقصان اٹھاتی ہیں۔ حیوانات کو مجبورین کو پرانی سے خشکی پر یا گری خشکی سے پانی میں کو مضر و تکلیف پانے میں۔ اسی طرح انسان کو مجبور ہو کر غور و فکر کو کام میں نہ لانے سے اور کشش کو ترک کرنے سے ضرور خیر یا زہر بھگتیگا۔ اور جب کیفیت برای العین دیکھی جاتی ہے اور کوئی شخص اپنے کاروبار میں اس ہانے سے کشش کو ترک بھی نہیں کرتا تو صرف مذہب کے بارہ میں غور و فکر اور کشش کو قبول سمجھا اور اس سے دوست برقرار نہ پایا مجبوری کے بہانہ سے غلط عقاید پر روحانی تباہی اور جہالت کا نتیجہ مرتب ہونے کا انکار کرنا کیونکر ممکن ہے؟

رحم اور غضب | انسانی اور بدی کا وجود جس سے انسانی جبر و استیاء کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مختلف پہلوؤں سے عقلائے عالم کے زیر غور رہا ہے بعض نے بدی کو بیان تک اہتمام دیا ہے کہ اس کے موجود ہونے کے سبب پیدا کر نیوالے کو تمام صفات حسنہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ شر مل لکھتے ہیں کہ ”لوگ متبنی طاعت نیچر کی خوبیاں تلاش کرنے میں صرف کرتے ہیں اگر اس سے دلوں میں تباہی

تلاش کرنے میں صرف کریں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ نیچر کا تمام مذاذیت رسانی اور تباہی پر ہے پس اگر یہ نظام کسی شیطان کا کیا ہوا نہیں تو کسی غیر محدود اور فیاض جنت کا بھی نہیں معلوم ہوتا۔“

اور بعض جو خدا کے قائل ہیں انہوں نے دنیا میں بدی کا وجود پا کر اس کو خدا کی طرف منسوب کرنے میں تامل کیا ہے اور اس لیے ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ واقعات عالم یا دلائل عقلی سے خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا یہ فیسیروں میں جیسے لکھتے ہیں :

”وہ بڑے بڑے مفسرین میں نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور ہر ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے کہ وہ سب اس وجہ سے ہو گئے ہیں کہ کتب خانوں میں انکی بجائے خاک بھری جوار و زہر ہے اس تفسیر خیال کی وجہ سے یہی ہے کہ جو روئیں نے ایسے خدا کو مانا ہے جو وہاں ہے حکم و دلائل ثابت کوئی نہیں

۴۔ ایسے مفسر وہ تھے : ۱۔ ورنہ ان وقت کے بعض ایسے ہی تھے کہ

آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کی سی ہر گروہ خدا نہیں جس نے اس دنیا کو اپنا جلالِ ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا۔
 ان میں سے پہلے فریق نے دنیا کے حالات کو جیسے کچھ دیکھا سجدہ میں آئے مین منہ پر کے موجد کی طرف منسوب کیا ہے مگر
 اس کو خدا نہیں مانا اور دوسرے فریق نے کسی کو خدا مانا ہے مگر مناظر قدرت کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ
 دنیا کو دیکھ کر کہ وہی ایک ذریعہ عقلی تسکین کے لیے موزوں ہے یہ دونوں خیالِ دل میں جگہ نہیں لے سکتے
 دنیا میں اگر بُرائی ہے تو اسکے ساتھ بھلائی بھی ضرور ہے اور اگر اس کو کسی صاحبِ ارادہ ہستی نے پیدا
 کیا ہے تو یہاں کے جلالِ ظاہر کو نبیو الے حالات اسکے سوا اور کس نے پیدا کر دیئے اور جب وہی
 ایک خالق ہے تو جلال کے ساتھ جلال کو اس کی طرف منسوب کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے پس اگر کوئی
 مذہب نیچرل کہلانیکہ مستحق ہے تو وہی جسمین خدا کا کلام خدا کے فعل سے جو ہمارے پیشِ نظر مختلف
 تہوار خدا کا فعل جو ہمارے پیشِ نظر ہے وہ یہی ہے کہ اُس نے مختلف انواع و اجناس کو پیدا کیا ہے
 غذا کے لئے آفتاب و ماہِ تاب - بخار اور ہوا - مٹی اور پانی غرض تمام اجرامِ علوی و سفلی کو مصروف
 کار کیا ہے اور جس طرح ہمارے زمین تمام صنائع اور سوداگر خود بخود اُن اشیاء کو مہیا کرتے ہیں جو ہمارے
 کو مطلوب ہیں اسی طرح زمین و آسمان کی تمام موجودات خود بخود اُن افعال و حرکات میں ہر وقت منہمک
 ہیں جو جاندار اور غیر جاندار مخلوق کی بقا و تولید کے نتیجہ ہوں اور اسی طرح ہر چیز کی ساخت میں ان
 تمام مراتب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اُس کو سکے اپنے کمال تک پہنچائیں اور آفات گرد و پیش سے
 محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوں - اور پھر ہر چیز کے حسبِ حال توہین اور حیوانی و روحانی ترقی کو اندرونی
 تحریکیں اور بیرونی عبرتیں اور ترغیبیں غرض ہر طرح کا سامان ایسی کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ علمِ ہدایت
 سے لیکر طلب اور سائنس کا لوجی تک تمام علوم اس سامان کی مبدوط نہرست ہو اور پھر بھی بہت کچھ ہے
 جو درج نہیں ہو سکا -

یہ تو حال کا ذکر تھا اب دوسری طرف جلال کو دیکھا جائے تو کمینِ دانش نشان پہاڑِ اہم لادے
 کو نکال کر دو در و در تک روئید گی اور جاندار کی کے نشانات کو تباہ کرتا ہوا اگڑا رہا اور عبادتِ نبی
 آہو یوں کو ایک دم میں دیران اور خاک کا قوہ بنا دیتا ہے اور اس وقت شر ریاض مادے کی آفتاب

آواز دین۔ درختوں اور کافون سے بلند ہوتے ہوئے شعلے انسانوں اور حیوانوں کی چنگ پکار۔ بچوں کا ماتلنگ اور عورتوں کا مردوں سے جدا ہوا کر دونا ان سب کو ہمان پیدا ہوتا ہے جس کو زیادہ مصیبت کا خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ میں دریا کا طوفان کیسا کمین و عیش میں بسر کرنے والی مخلوق کو تباہ کرتا ہوا اسی طرح کا خوفناک منظر پیش کرتا ہے کہ میں آتش زدگی کہ میں زلزلہ کہ میں ہوا کہ میں تھل تھلنا بیت جوش اور تیزی سے مخلوقات کو تباہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں انسان اور حیوان کی اپنی اندرونی قوتیں جوش میں قتل و غارت کا میدان گرم کرتی ہیں۔ اور خون کی ندیاں بہا دیتی ہیں۔ یہ تمام مناظر اس جبار و قہار کے قہر و غضب کا نمونہ ہیں۔

مگر پھر دیکھا جائے تو تباہی کیسی بڑی ہو تمام موجودہ مخلوقات کو تباہ نہیں کرتی چھت گرتی ہر گلابی الشی ہے یا ریل ٹکراتی ہے یہ چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں چور چور ہو جاتی ہیں مگر جاندار بہت زخمی ہوتے ہیں اور کم مرتے ہیں۔ تھل زلزلہ اور دبا میں جانداروں کا نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت سے بچ رہتے ہیں۔ طوفان اور آتش فشاں میں جانداروں کا بہت نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ کچھ بچا جاتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد دیکھا جاتا ہے تو وہی تباہی اور بربادی کا منظر پھر بہار اور رونق کی لہر میں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ غرض نسل کو منقطع اور کسی نوع کو بالکل نابود کر دینا ارادہ شاد و نادر ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ طبقات الارض کے ماہرون نے بہت سے متحجرہ اقسام نکال کر ثابت کیا ہے کہ بعض جانداروں کی نوع منقرض ہوتی ہے بالکل نابود کر دی گئی ہے مگر بیشمار زندہ انواع کے مقابلہ میں انکی تعداد بیچ کے برابر ہے۔

یک کیفیت تو ان مناظر کی ہے جو عموماً ذی ارادہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہیں مگر کیفیتیں ذی ارادہ مخلوق خود اپنے انحال سے پیدا کرتی ہے ان میں بھی یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے حفظ صحت کے قاعدوں پر عمل کرنے سے جسمانی حالت میں اور اخلاقی اور مذہبی جذبوں کو کام میں لانے عجیب جانی اور روحانی مددوں حالتوں میں کمال اور ترقی کا راستہ کھل جاتا ہے تو ان قواعد کو تو فیضی نقص اور تنہا کی مصیبت دنیاویہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جس طرح کسی بچے کو علم و ہنر کی طرف راغب پاکر اس کے

کے مہربان باپ کی طرف سے ہر طرح کا علم و ہنر حاصل کر لیا۔ سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی رہے اسی طرح نیکی کی جانب متوجہ ہونے پر نیچر کی طرف سے بہت سی صورتیں نیکی کو بجالانے کی اور بہت سی تدبیریں نیکی کو شلنگ کرنے کی نمود و خور دیکھنے لگتی ہیں۔ اس وقت وہ شخص قدرت کے ہنر نظر میں کچھ کچھ نصیحت اور عبرت کا سامان مہیا پا تا ہے حالانکہ نیکی سے بے پروا بڑے بڑے دل ہلا عیولے حالات کو دیکھ کر اپنے دل پر کوئی اثر نہیں پاتے۔ اور دوسری طرف جس طرح لڑکے کی بے ادبی اور بد قماشی سے نا اہل ہو کر ایک جاہل و سر پرست اہل راحت اور سرت کے سامان کو کم کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت پر اس سے سر دکار نہ رکھنے کا اشتہار دیتا ہے اسی طرح بدی کی طرف متوجہ ہونے سے قدرت اس کے دل سے نور اور روحانیت کو معدوم کرنے لگتی ہے اور بد عادت کی نیچر میں جکڑتے ہوئے اس کو اس حالت تک پہنچا دیتی ہے کہ جن واقعات سے نیکی ل لوگ کانپ اٹھتے ہیں ان کو دیکھنے میں بلکہ ان کو بجالانے میں اس کو حط حاصل ہوتا ہے اور نیز اس کو اپنے بد عیوب و کوہرا کرنے کے ایسے طریقے سوچنے لگتے ہیں جو پارسا لوگوں کے خیال میں بھی نہیں آ سکتے مگر نیکی اور بدی میں ترقی کی قابلیت ہونی چاہیے اور جب اچھی ابتدائی کوششوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفاوت ضرور ہے نیکی کرنے پر انسان کو ایک سرت حاصل ہوتی ہے اور وہ دلی آواز جس کو کاشنس نامیہ کہتے ہیں نیکی پر خواہ وہ اس کی عادت کے کیسے ہی خلاف ہو شائبش کہتی ہے مگر بدی کے ابتدائی مرحلوں میں اس کے برخلاف وہی دلی آواز سجایا شائبش کہنے کے ضرر و ملامت کرتی ہے اور اس طرح پر جراثیم ترقی کا نیکی کے ابتدائی مرحلوں میں پیدا ہوتا ہے بدی کے ابتدائی مرحلوں میں اس قدر اثر نہیں ہوتا اور جہالت اور تاریکی جو آتی چلے گئے کہ یہ رویہ میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تفاوت جس طرح افراد کی نیکی اور بدی میں دیکھا جاتا ہے تو ہم کی نیکی اور بدی میں بھی موجود ہے۔ کسی ترقی یافتہ اور نیک قوم میں جب ایک یا چند اشخاص بہ چلن پیدا ہو جاتے ہیں تو اگرچہ ان کی بدی میں قابلیت ہے کہ ترقی پا کر تمام میں سرایت کر جائے مگر جب تک وہ چند اشخاص میں محدود رہے ان کے دل ضرور اس حالت پر ملامت کرتے ہیں اور

جو زور ترقی کا بعد میں پیدا ہوتا ہے اس کی نسبت اس وقت کمتر ہوتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جب کسی غیر مہذب قوم میں پاک اور نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں تو ان کے دل باوجود تنہا ہونے کے اور باوجود مزاہمتوں کے کمزور آفرین کتنے ہیں اور اس لیے نیک خیال نسبت بدی کے زیادہ زور سے عمل کرتا ہے۔

غرض ان تمام حالات کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں رحمت و آرام اولیٰ قبا و افزائش کے سامان اور نیکی کی طرف توجہ پیدا ہونے پر اس کے سامان اور سر انجام کا مہیا اور کس ہوتے جانا دنیا کے موجد کی عنایت پر حالات کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا میں رنج اور تکلیف اور تنہائی اور ربیادی کے نمونے اور بدی پیدا ہونے پر اس کی درخیزدن کا سخت سہ سخت تر ہوتے جانا اس کے غضب کی صفت ظاہر کرتا ہے اور پھر دونوں کا موازنہ یعنی بڑی بڑی نیامیوں کے وقت بقا نوع کا اہتمام رہنا اور اُدھر نیکی پرست اور بدی پر ملامت کا ضرب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کے رحم کی صفت غضب کی صفت پر غالب ہے۔ چنانچہ نیچر کی انہی صفات کو اسلام خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (بقبرہ پارہ ۷ ع ۱۳)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَرِيفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (بقبرہ پارہ ۷ ع ۱۴)

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (امد پارہ ۷ ع ۱۵)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلْقًا مِّن مِّن دَمِكُمْ بَعْضُكُم مِّن دَمِ بَعْضٍ وَهُوَ الَّذِي

اور خدا سے ڈرو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

بعض لوگ اپنے تئیں خدا کی رضا مندی تلاش کرنے پر لگا دیتے ہیں اور اسدایہ مبتدو پر مہربان ہے۔

جان لو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے

وہی ذات ہے جس نے تم کو زمین پر اپنا بانی بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی

لَيْسَ لَكُمْ فِيهَا آتَا الْعَذَابِ سَبَكٌ مِّنْهُ
الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ

رانبم پاره عطا

إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ (اعراف پاره عطا)

وَلَا تَبْتَغِ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
وَإِنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْكَالِيمُ (مجموع پاره عطا)

(رد عیار مطلع عطا)

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ
الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (مومن پاره عطا)

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّذُو عَقَابٍ
الْحَمْدُ لِلَّهِ (مومن پاره عطا)

(رحم جہ پاره عطا)

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ إِنَّهُ هُوَ
يُجِيدُ كَوْنَهُ الْغَفُورُ الْوَدُودُ الْعَزِيزُ

الْحَمِيدُ قَالُوا لَمَّا يَأْتِيهِ

(سج پاره عطا)

نارنگوان نعمتوں کے بارہ بین جو تگدوی میں آئے
بیشک تمہارا خدا سزا بھی جلدی دیتا ہے اور بخشنی والا
اور مہربان بھی ہے۔

بیشک تمہارا پروردگار عذاب بھی جلدی دیتا ہے
اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

اور بیشک تیرا رب لوگوں پر بخشش کرنے والا ہے جبکہ
وہ اپنے ان پر حکم کرے اور بیشک تیرے پروردگار

کا عذاب سخت ہے

میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں
اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے

گناہ کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب
والا اور صاحبِ قوت۔

بیشک تیرا پروردگار مغفرت کا مالک ہے اور
سخت عذاب والا ہے

تیرے پروردگار کی گرفت سخت ہے۔ وہ ابتدا و پید
کرنا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان

ہے صاحبِ عرش اور بزرگ ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے
اسے پورا کر دیتا ہے

اور صفتِ رحم کا صفتِ غضب پر غالب ہونے کا یون ذکر ہے

اگر وہ تیری تکذیب کرے تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار رحمت
کھتا ہے اور اس کا عذاب مجرموں کو نہیں ملتا۔

فَإِنَّكَ لَذُو فَضْلٍ لِّكَ تُدْرِكُهُمُ سَاعَةٌ
وَلَا يَرُدُّونَ اسْرَ الْعِزِّ لِيَوْمِئِذٍ (انعام پاره عطا)

عَذَابِيْ اُصِيْبُ بِهِ مَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ عَفْسَاكَ لَهَا الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
وَيُوَفُّوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا
يُوقِنُوْنَ ط (اعراف پارہ ۱۹)
اَرَبَّكَ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا
(مومن پارہ ۷۱)

میں غدا ب دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں اور میری
رحمت ہر شے پر عام ہے پس میں رحمت نظر کرتا ہوں
ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ پیکر
ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں
اے ہمارے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر شے
پر وسیع ہے۔

مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا لَسَبْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَعْطَوْْنَ عَنْ كَثِيْرٍ ط (مومن پارہ ۷۱)

جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کسبِ نجات
ہے اور وہ بہت سی باتوں کو ممان کر دیتا ہے۔

خدا کا غصہ | مسٹر فریڈرک ہینکس اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا غصہ وغیرہ انسانی
خواہشوں سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراضوں کا طوفان اسلام پر اڑ رہا ہے ان میں
یہ اعتراض سب سے زیادہ جلی حزون میں لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرتا ہے
والوں کے اپنے دل کا خستہ سہی گرا ایسے لوگ بتائیں کہ انش فشانہ اور زلزلہ وغیرہ کی بدینہ ک
بتا ہیان بادی کی طرف ادنیٰ نوجہ سے آئندہ اس دخت کا مسلسل پھسلتے پھرتے جانا اور زمین کا
رشتہ نئی ایذا رسانی اور زلزلہ کی تدبیریں ایجاد کرنے کے قابل ہوتے جانا جو نیچر کے ہر ورق پر لکھا ہوا
سب کو نظر آتا ہے اگر نیچر کے بنائے کی ایجاد نہیں تو ان غضبناک منظروں کا خالق اور کس کو مانا جاوے
بیشک جن لوگوں نے دنیا کی صرف خوبیوں کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے انہوں نے اچھا
کیا اگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اورات کی تاریکی سے آشنائی نہیں آتے سو یا ہوا اور طرات
کو غفلت میں گزارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف
کامل کہہ سکتے ہیں اور کیا اس کا علم اس خدا کی طرف سونا جا سکتا ہے جس نے رات اور دن دونوں کو
پیدا کیا ہے

خدا کا غصہ | مسٹر فریڈرک ہینکس اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا غصہ وغیرہ انسانی
خواہشوں سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراضوں کا طوفان اسلام پر اڑ رہا ہے ان میں
یہ اعتراض سب سے زیادہ جلی حزون میں لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرتا ہے
والوں کے اپنے دل کا خستہ سہی گرا ایسے لوگ بتائیں کہ انش فشانہ اور زلزلہ وغیرہ کی بدینہ ک
بتا ہیان بادی کی طرف ادنیٰ نوجہ سے آئندہ اس دخت کا مسلسل پھسلتے پھرتے جانا اور زمین کا
رشتہ نئی ایذا رسانی اور زلزلہ کی تدبیریں ایجاد کرنے کے قابل ہوتے جانا جو نیچر کے ہر ورق پر لکھا ہوا
سب کو نظر آتا ہے اگر نیچر کے بنائے کی ایجاد نہیں تو ان غضبناک منظروں کا خالق اور کس کو مانا جاوے
بیشک جن لوگوں نے دنیا کی صرف خوبیوں کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے انہوں نے اچھا
کیا اگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اورات کی تاریکی سے آشنائی نہیں آتے سو یا ہوا اور طرات
کو غفلت میں گزارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف
کامل کہہ سکتے ہیں اور کیا اس کا علم اس خدا کی طرف سونا جا سکتا ہے جس نے رات اور دن دونوں کو
پیدا کیا ہے

رحم کی تعریف | حقیقت یہ ہے کہ رحم کی تعریف میں غلطی کی گئی ہے اور اس کا مفہوم ایسا عام

کر لیا گیا ہے کہ اذیت اور تکلیف کو اس سے متناقض سمجھا جاتا ہے اور پھر خدا کو ایسا جیم مانکر جب دنیا کی تکلیف کو دیکھا جاتا ہے تو ان کو ایسے جیم کی جانب منسوب کرنے میں تامل ہوتا ہے حالانکہ اگر جیم اسی کو کہا جائے کسی طرح کی تکلیف وہی اور ایذا رسانی کو گوارا نہ کرے تو پھر جس فعل پر کوئی بُرا نتیجہ مرتب ہوا جس جرم پر سزا کا ہونا لازمی ہو چونکہ یہ سب کچھ اذیت اور تکلیف ہے اسلئے ایسے حکم فرض ہوگا کہ ان نتائج کو مرتب ہونے سے روکے اور اگر کوئی شخص ایسا جیم ہو تو ضرور ہے کہ وہ عادل نہ ہو اور مجرموں کو سزا نہ دے اور انکی مہربانی کے بھر دسدہ پر بکا روہ غضب ڈھائیں کہ نیکبختوں اور مظلوموں کے لئے وہی رحم جسکو کمال رحم کہا جاتا ہے بڑے بڑے ظلم سے بھی بدتر ہو۔ اور جب اس کمال رحم کا ایسا نتیجہ لازمی ہے تو ضرور ہے کہ رحم کی یہ تعریف صحیح نہ ہوگی بلکہ اسکا مفہوم ایسا ہونا چاہئے جسوہل سے منافات نہ رکھے۔ گراں چونکہ خود خبیث رکے رحم اور عدل کا فیصلہ کرنا ہے اس لئے خود خبیث کے افعال کو نظیر میں پیش نہیں کر سکتے اور خبیث کے سوا کوئی سرمایہ موجود نہیں۔ پھر کیا کیا جائے؟ مگر نہیں اس وقت فیصلہ کرنے والا حکم عقل ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ خود عقل کا طرز عمل ایسا رہا کہ کیا ہے؟ کسی استقامت کے بہت سی پرچے ممکن کے سامنے رکھے ہیں اور وہ جواب کو سوال سے منطبق کر کے نمبر دیتا ہے۔ اب اگر کسی غلط جواب پر وہ پورے نمبر دے تو بیشک اس امیدوار کا بھلا ہوا جائیگا۔ مگر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص ان لوگوں کے برابر ہو جائیگا جنہوں نے صحیح جواب لکھا ہے بلکہ اس کے نمبر ان کی میزان بعض ایسے طلباء سے بڑھ جائیگی جنہوں نے قریباً درست لکھا ہے اور مناسب نمبر پائے ہیں۔ یہ سب پاس ہو گئے اچھا ہوا۔ مگر جو اثر پاس ہونے پر مرتب ہوتا ہے اور جو مخالف یا کاروبار کے لئے انتخاب زیادہ نمبروں پر منحصر ہے اس میں بعض صحیح جواب دینے والے ناکام رہیں گے اور غلط کھنے والا جس پر رحم کیا گیا ہے وہ منصب لیا جائیگا جو اور دن کا حق تھا بلکہ بعض ایسے کاروبار میں جو سچی قابلیت پر منحصر ہیں غلط کھنے والا اپنے پورے نمبروں کے سبب ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہو جائیگا۔ ناکامی اسلئے لگائی کہ نا واجب طور پر پاس ہونے کی خوشی خاک میں لجا لیگی۔ غرض ممکن کا وہ فعل جو رحم کی شکل میں ظاہر ہوا تھا ثابت ہوگا کہ صحیح جواب لکھنے والوں پر اور خود غلط کھنے والے پر غلبہ ہے

اچھا یون نہ ہی۔ یہ کیا جائے کہ غلط جواب دینے والے کو پورے نمبر اور صحیح جواب لکھنے والے کو ایک سو سے
دو گنے دیدئے جائیں اور جن نسبت ہو ایک کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اس نسبت کو سب طلبہ کے
نمبر بڑھا دیئے جائیں اور دو کی جگہ چار دیئے جائیں تو چار کی جگہ آٹھ اور اسی طرح آخر تک چلے جائیں
تو کیا اثر ہوگا؟ کہ رعایت رعایت نہ رہے گی بلکہ کل نمبر سو سمجھنے کی بجائے دوسو قرار پائیں گے اور اس پر ہونے
کیلئے فیصدی مقدار دیکھنے پر غلط لکھنے والا وہی بیکٹ مینی دو دو گوشہ جانیگا یعنی ناکام۔ اچھا
تو کیا ایسے شخص کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہیں؟ ہے اور وہ یہ کہ اسکے غلط جواب کو نہایت
وقت فطر سے دیکھا جائے اور غلطی کیسی ہی بڑی ہو اس پر غور سے تلاش کیا جائے کہ کوئی ذرا طور
صحت کسی جگہ موجود ہے یا نہیں اور پھر جہاں ذرا بھی صحت کا نشان ملے اسکے مناسب حال
کوئی نمبر یا نمبر کی کوئی کسر دیدی جائے۔ پس یہ غور و تامل کی تکلیف جو مجتہد برداشت کر لیا وہ رحم
ہے جو عدل سے ہرگز منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک ہی فعل ہے جو اس لحاظ سے کہ اور دن پر
ظلم نہ ہو جائے عدل ہو اور اس خیال سے کہ مجرم اپنے جرم کی سزا ضرور پائے غضب ہو اور اس وجہ
سے کہ مجرم اپنے جرم سے زیادہ سزا نہ پائے رحم ہے اور یہی وہ عمل ہے جو ہم نیچر کے ہر کام میں محسوس
کرتے ہیں۔ پلیگ کے ایام میں جس شخص نے فاسد مادہ کا بہت بڑا حصہ لیا ہے ایسا مبتلا ہوتا ہے
کہ علاج کی ہمت نہیں دیتا اور فوراً مر جاتا ہے۔ دوسرا اس سے کمتر حصہ لیتا ہے وہ چار دن اور
دنیا کی ہوا اکھا لیتا ہے کوئی اس کو کم ہوتا ہے چند روز تڑپ کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ کوئی معمولی سا اثر قبول
کرنی والا اعضا شکنی وغیرہ کو چلتے پھرتے برداشت کر کے تندرست ہو جاتا ہے بعض اس سے بھی کم تاثر ہو جاتا ہے
بالکل اور کوئی اثر محسوس نہیں کرتے اسی طرح آگ لگتی ہے جو چیز چمکین آجاتی ہے خاک سیاہ جاتی ہے
اور پھر رہنے والی کا بالائی حصہ جل جاتا ہے۔ اس سے پرے سیاہ دماغ ہی پڑ جاتا ہے کسی کو جلن
کسی کو حرارت کسی کو روڈنی کا حصہ ملتا ہے اور بہت دور والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی
غرض نیچر فیصل کا نتیجہ ایسا جفا دیتی ہے کہ مستبب سبب کی مقدار کو ترقی بھر کم زیادہ
نہیں ہونے پانا۔ پس یہی اسکا عدل ہو اور یہی اسکا رحم ہے اور یہی جواب ہے ڈاکٹر پنسر کے اس

اعتراف کا کہ۔ ۴

”غیر محدود عدل کامل سزا کیوں کر دے سکتا ہے جبکہ غیر محدود رحم گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔“
یعنی یہ کہ گناہ کو معاف کرونا نہ رحم ہے۔ نہ غیر محدود ہے۔ بلکہ ظلم ہے اور رحم ہے کہ سزا گناہ کی مقدار
ذریعہ بھر زیادہ نہ ہو۔ غرض جو طرز عمل عقل بتاتی ہے اور جو فعل خود نیچر کا نظر آتا ہے اسی کی تعلیم قرآن بھی
دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاَسْحَابُ لَهْمٌ رَّبُّهُمْ اَنَّى لَا اُصْبِحُ
عَلَى سَائِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ
(آل عمران پارہ ۲)

فدا نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی
کا رکن کا کام نہ کروں نہ میں چلنے دوں گناہ خواہ وہ مرد
ہو یا عورت ہو۔

وَنَصَّعُ الْمَآزِينَ اَلْقِسْطَ لِكُلِّ الْقِيَامَةِ
فَلَا تَطْلُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَاهَا وَكُفْرَانًا
حَاسِبِينَ (انبیاء پارہ ۲)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا میزان ورکھیں گے
پس کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رانی
کے واسطے برابر بھی ہو تو ہم اسے نکال لائیں گے اور
ہم حساب کے لیے کافی ہیں۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ
(زلزال پارہ ۲)

پس جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا۔ اسکا اجر پائیگا اور جو
ذرہ برابر بدی کرے گا اسکی سزا پائیگا۔

۴ کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۸۸۔

۵ گناہ کیوں کہ معاف ہو سکتا ہے اہل صورت باب آئندہ میں ملاحظہ ہو

باب یازدهم

توبہ۔ استغفار۔ دعا۔ شفاعت غمیرہ

حرکت باوگشت۔ گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ۔ حقوق العباد و حقوق العباد۔ ایمان اور گناہ کفر و نیک کی اجتماع۔ اصولی اور معادین اسباب۔ عذاب و ثواب کے حصول اور معادین اسباب۔ ایمان اور نیک۔ استغفار۔ آرزو سے رحمت۔ مجتہد صلحاء۔ دعا۔ شفاعت۔ ترغیب کا فائدہ۔ معیت کا فائدہ۔ محبت کا فائدہ۔ دعا کا فائدہ۔ کبھی شفاعت کے خیال سے غور پیدا ہوتا ہے۔ کبھی شفاعت سے کوشش کا میدان ہوتا ہے۔

حرکت باوگشت | نیکی اور بدی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ طول ہو گیا ہے مگر ابھی اند کے بیش تکفیم ہو کر اوسبیلہ کا مضمون ہے۔ نیکی اور بدی دنیا کا مجموعہ ہے اور دنیا کے قوانین اس کثرت سے اور باہر گر ایسے پیوستہ اور پیچیدہ ہیں کہ ایک قانون کے عمل میں جو تفاوت دوسرے قوانین کے اختلاط سے پیدا ہو جاتا ہے اسکو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے مثلاً کہنے دیکھا کہ نیچر ہر ایک فعل کا بدلا اسکے تناسب کے لحاظ سے ضرور دیتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر ایک فعل کو ایک دفعہ کرنے سے دوسری بار اسکو بجالانا آسان ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ضعف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قانون قدرت ہو کہ ایک طرف تو ترقی کرنے کے اتنا دین کسی وجہ سے حرکت باوگشت شروع ہوتی ہے اور جو وصف پیدا ہوا تھا اس کی جگہ انکی ضد طور پر کرنے لگتی ہے مثلاً آفتاب کی حرارت اور مناسب آب و ہوا سے بھرت پھلنے پھیرنے لگتا ہے۔ پھر زمین اور فضا میں کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے درخت کی ترقی رک جاتی ہے مگر اگر خشکی اور بوسیدگی کی جانب ترقی کرنے لگتا ہے کبھی خشکی اور بوسیدگی میں ترقی کرتا ہو اسکی سبب کو پھر ترقی تازہ ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا انسان کسی علم و ہنر میں ترقی کرتا ہو اسکو اسباب میں مبتلا ہوتا ہے کہ علم و ہنر کو چھوڑ کر بحالت کی طرف جاتا ہو انظر آتے ہے یا جہاں میں ترقی کرتا ہو

کسی ترغیب سے متاثر ہو کر تہذیب و دانش کی طرف عموماً دگرتا ہے۔ ان حالات میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر پہلے انقلاب ہے اور پھر ہے نہیں بلکہ جو خوبی یا بُرائی پہلی رفتار میں پیدا ہوئی تھی اسکی وجہ سے دوسری رفتار پر ضرور اثر پڑا اور ایسی چیز یا ایسے شخص کی ترقی ان کے برابر نہ ہوگی جو پہلے سو ہیئتہ ناک ایک سے پرچلے ہیں مگر تاہم نتیجہ بالکل بدل جائیگا اور اس انقلاب سے نور کی جگہ ظلمت یا ظلمت کی جگہ نور پیدا ہوگا اور نیز کہی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رفتار کو بدسلنے والا اثر بڑی قوت سے ظاہر ہوا ہے اور اس نے پہلے اثر کو بالکل نابود کر دیا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ درخت مرجھا گئے ہیں اور کھیتی سیکھ چلی ہے اور لوگ ناامید ہو گئے ہیں مگر قدرت کی کوئی ایسی ہوا چلی ہے کہ یاس امید سے بدل گئی اور درختوں نے چند روز میں وہی نشوونما پائی جو معمولی حالت کی پوری فصل میں پال سکتے تھے یا پورے نشوونما کے بعد کسی سخت حادثے نے ایسا جلادیا کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ اور اسی طرح انسان کی وحشت اور تہذیب کا انقلاب بھی کبھی اس زور سے ہوتا ہے کہ آدمی برسوں کا کام و فون جین کر لیتا ہے اور دوسرا اثر قوی ہونے کے سبب پہلے اثر کو نابود کر دیتا ہے۔ غرض یہ انقلاب کا قانون اور قوی کے ضعیف پر غالب آئیکافانون بھی نیچر میں ہر جگہ نمایاں ہے چنانچہ یہی صورت نیکی بدی میں بھی نظر آتی ہے اور بدکار تائب اور نیکو کار مردہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دوسرا اثر بہت قوی ہونے کی صورت میں ترقی محولی حالت سے دیا وہ بھی ہو جاتی ہے۔ قرآن میں بدی کی نسبت ارشاد ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَخْضَرُ زُخْرًا
وَأَذْيَتِ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا
أَنَّا هَا أَهْلُهَا أَمْزَنَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا
حَصِيدًا كَأَنَّ لَوَّاعِقًا مَّا لَاحِظِينَ كَذَلِكَ
فَفَصَّلَ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ط
ریس پڑھ (۵)

حتیٰ کہ جب زمین آراہت ہو جاتی ہے اور اپنی زینت پر
آ جاتی ہے اور اس کے مالک گمان کرتے ہیں کہ
اب اس کے مفاد پر ہمارا قبضہ ہے تو ہمارے حکم رات
کو بادلوں کو پہنچتا ہے پس ہم اس کو سرکھا نکال دیتے
ہیں گویا کہی تھی ہی نہیں۔ ہم غور کر رہے ہوں گے
لئے ان نشانات کی تفصیل کرتے ہیں

تیار ہو نیکے بعد اس کے پھلن پر باقی جس پر لگ گیا

كَأَنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ يُعْرِضُونَ عَنْهَا
فَأَعْيَتْنَا آيَاتِهِمْ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ

مَا أَتَقَىٰ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا
وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا
(کسف پاره ۸)

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَتَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
فَلَيْتَ اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ (بقراءت پاره ۸)
وَمَنْ يَرْكَبْ مِثْلَهُم مِّنْ دُونِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ
كَافِرٌ كَافٍ وَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (بقراءت پاره ۸)
بَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَابْعَدُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ حُجُورًا كَافُورًا
كُفَرُوا لَكِنْ تُسَبِّلُ تَوْبَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّالِحُونَ
(آل عمران پاره ۸)

اور نیکی کی نسبت فرمایا ہے۔

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي
الْأَمْوَاتَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحُجْرُ الْمَكِيِّ
وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پاره ۸)
وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا
قَطَرُوا لِيُخْشِرَ رَحْمَتُهُ وَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
(شوری پاره ۸)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران پاره ۸)
فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ
يَتُوبُ عَلَيْهِ (مائدہ پاره ۸)

اور جو توبہ کیا ہے اسے یاد کر رہا ہے اور وہ سر کھل
گری ہوئی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں میں
اپنے خدا سے شرک نہ کرتا اور اپنی کوشش کو قطعی سمجھتا
جو شخص خدا کی دی ہوئی نعمت کو بدلے تو خدا سخت
غضب دینے والا ہے

جو اپنے مذہب کو پھرے اور کفر کی حالت میں رہا
تو اس کے اعمال باطل ہو گئے

جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں اور پھر کفر میں توبہ
کریں انکی توبہ قبول نہ ہوگی اور وہ گمراہ ہیں۔

خدا کے رحمت کے نشانات کو دیکھو کہ وہ زمین کو کیونکر
مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے یہی مردوں کو
زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وہی ذات ہے جو بارش برساتی ہے اس حال میں کہ
لوگ ناسید ہر جگہ ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کو
پھیلاتی ہے اور وہ مالک قابیل محمد ہے

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور نیکو کار رہ جائیں تو اللہ
بخشنے والا اور مہربان ہے۔

جو شخص اپنے اوپر ظلم کرے کہ بعد توبہ کرے اور اپنی حالت
درست کرے تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

وَالَّذِينَ عَلِمُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ
بَعْدِهَا وَآمَنُوا أَنْ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَعَفُوهُمْ سَجْدًا (اعراف پارہ ۱۹)
كُلَّ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَسْتَخْرِجُوا مِنْهُمْ
مَا قَدْ سَلَفَ وَأَنْ يَحْمِلُوا إِثْمَ الَّذِينَ
سَبَقُوا لَهُمْ سَبْعًا (انفال پارہ ۹)
وَمَنْ تَابَ تَبَّ خَيْرٌ لِمَنْ تَابَ يَنْتَوِي بِلِلَّهِ
مَتَابًا (زمر پارہ ۱۹)
إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حَسَسًا بَدَلًا
كَافِيًا عَفُوًّا سَجْدًا (نمل پارہ ۱۹)
فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَغَسَّ
أَنْ يَكُنْ مِنَ الْفَالِحِينَ (قصص پارہ ۲۰)
وَهُوَ الَّذِي يُفَصِّلُ الْفِتْنَةَ لَكُمْ عِيَادَةً وَكَعَفُوًّا
عَنِ السَّيِّئَاتِ وَكَعَفُوًّا مَا قَدْ فَعَلْتُمْ (شورى پارہ ۲۰)

اور جو لوگ بد عمل کرتے ہیں پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں اور
ایمان لاتے ہیں تو خدا بخشنے والا ہے اور
مہربان ہے۔

تم کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ باز دین گے تو ان کے
گناہ تمام معاف کیے جائیں گے اور پھر کفر کی طرف عود
کر سکیں گے تو پہلو ان کے ساتھ ہوا ہے وہی ہو گا
جو توبہ کرے اور نیک عمل بجالائے وہ خدا کی طرف
آتے ہیں۔

مگر جو ظلم کرے پھر اپنی بری کو نیک کاری سے بدل دے
تو میں بخشنے والا ہوں مہربان ہوں
لیکن جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے
تو امید ہے کہ وہ مستکاروں میں ہو گا

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے
اور گناہ معاف کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے مگر اول توبہ
اور توبہ کی وجہ سے

بھلائی اور برائی کی جانب نہایت کثرت سے ہو رہے ہیں اور جن سے نتائج میں مشرق مغرب کا فرق چھٹاتا
ہے ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دوسرے کسی فعل کے گناہ یا ثواب ہونے اور آئینہ زندہ گی میں برائی
نتیجہ دینے کی حقیقت یہ ہے کہ جہیز کو اپنے ہم جنس اور ہم مثل کی طرف میلان ہوتا ہے اور اجنس کو گریز
اہل علم قدرتی طور پر اہل علم کی طرف اور جاہل قدرتی طور پر جاہل کی طرف میلان رکھتا ہے اور جو ہم ذاتوں
ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ قاعدہ نہ صرف انسان میں ہے بلکہ حیوانات اور نباتات اور ان سے بڑھ کر

دنیا کی ہر ایک چیز کو اپنے مثال کی محبت و قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور غیر محسوس کے اختلاط سے
ضعف اور تنزل۔ اس مثالیت کے قانون کو تسلیم کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً ہمتی قتل کرنیوالا
مقتول کو ان فائدوں سے محروم کرتا ہے جو راستی کے رو سے اس کا حق تھا اور خود وہ فائدہ حاصل کرتا
ہے جو راستی کے رو سے اس کا حق نہیں غرض وہ اس فعل سے اپنے دل میں رنجی اور صداقت
سے نفرت اور بعد پیدا کرتا ہے اور اسی بعد اور نفرت کے سبب خدا سے جو نامحدود صداقت اور حق
ہے دور ہوتا ہے اور اسکے برخلاف جو شخص کسی قاتل کے حملے کو منع کرنے کی غرض سے حرکت کرتا ہے
اور اس مدافعت میں قتل کے سوا چارہ نہیں دیکھتا وہ نہ خود ایسا مفاد حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے
کو ایسے مفاد سے محروم کرتا ہے جس کا راستی کے رو سے استحقاق نہ ہوتا اس لیے اس کے اس فعل سے
صداقت سے اور خیریت سے خدا سے دور نہیں کیا بلکہ اس خیال سے کہ جائز مفاد کو بحال
رکھنے کی کوشش ہر چیز کی فطرت میں داخل اور انسان کا خاص حق ہے یہی کوشش صداقت اور
حقانیت کو کسی قدر قریب کر نیوالی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جو شخص قاتل کو سزا دیتا ہے تو اگرچہ اسکے
اس فعل سے مقتول کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس فعل کو جو فرض واجب سمجھا جاتا ہے
تو اسلئے کہ وہ مقتول کے سوا باقی تمام دنیا کے امن و آسائش کو بحال رکھنے کے لئے جو راستی کے
رو سے ان کا حق ہے تدبیر کرتا ہے اسلئے اس صورت میں اس کا فعل محض صداقت کی محبت
پر مبنی ہے اور اس لئے وہ اس فعل سے صداقت اور خیریت سے خدا سے دور ہونا اس کا غلاب۔ اور صداقت سے محبت
کرنا کار ثواب ہے اور خدا کا قرب اسکی جزا۔

غرض ہر فعل سے جس قسم کا ضعف پیدا ہوتا ہے انسان میں آئینہ اسی وصف کی طرف میلان
کھینے کی قابلیت ہر جاتی ہے اور اسکے خلاف وصف ہی بعد۔ اب فرض کرو کہ کوئی قاتل اپنی فعل سے
نامور اہم شہید ہوتا ہے اور آئینہ کے لیے پھل سے اس فعل سے محترم رہتی کا عہد کرتا ہے اور فرض
کر لیں عہد کو نام آخر پر ابھی کرتا ہے تو اب اس کا کیا اثر ہوگا ایک تو یہی کہ اس کے ہاتھ سے دیگر

مخلوقات میں ہیں۔ یہ تو دعویٰ مفادہا۔ باقی ربی صداقت کی محبت جو اخروی خیر ہے جو
بھی اس عہد سے اور عہد کو تا دم مرگ پورا کرنے سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اب رہا وہ تاویک
دفع جو اس کے دل پر قتل کرنے کے وقت صداقت کی نفرت کی پیدا ہوا تھا مگر جو خدمت اوپر پانی
کا سونان اس کے دل کو چھیل رہا ہے اور جو صداقت کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی تمنا اس کو
بے چین کئے دیتی ہے اس عمل سے نفرت کے سیاہ دماغ کو دور کر نکال دیتی اثر ظاہر ہوگا جو ایک نیک لہر
لوہے کو صیقل کرنے سے ہوتا ہے یعنی اگر قتل کرنے کے وقت صداقت سے ایک درجہ نفرت تھی
تو اس کی جگہ پیشانی محبت کو چار درجے بڑھا دیگی غرض قتل کرنے کو جس قدر دل کی سختی سے تعلق
ہے پیشانی اور توبہ اس کا پورا تدارک ہے۔

حقوق العباد اور حقوق العباد | اگر اس مثال میں ایک کو تا ہی ضرور ہے وہ یہ کہ گناہ کو گناہ کرنے والے
اور اس شخص سے جو گناہ کیا ہے غرض وہ دونوں سے تعلق ہو جو گناہ کیا ہے اس تعلق سے گناہ دو قسم بنتا ہے
ایک وہ جس کا تعلق کسی انسان سے نہیں بلکہ محض غفلت خداوندی سے ہے مثلاً خدا کا انکار کرنا یا عبادت
انکرنا اور اس کو حق امد کہتے ہیں اور دوسری قسم میں وہ گناہ ہیں جن کو ذات خداوندی سے بھی تعلق
ہے اور اس کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی مثلاً چوری کرنا یا کسی جاندار کو ناحق ستانا۔ انکو
حقوق العباد کہتے ہیں پس جو گناہ حقوق العباد کی قسم سے ہیں ان میں صداقت سے نفرت
بھی ہوتی ہے جس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے اور کسی مخلوق کو اذیت بھی پہنچتی ہے اس لئے
توبہ اوپر پانی سے صداقت کی نفرت کا اثر تو بیک دور ہو سکتا ہے مگر جو اذیت کسی مخلوق کو پہنچ
چکی اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسے افعال میں توبہ بغیر توبت کچھ ہے مگر پورے طور پر گناہ
کی معافی اور شخص کے معاف کر دینے پر منحصر ہے جس کو اذیت پہنچی ہے۔ اور معاف کرنے کی دو ہی صورتیں
ہیں۔ یا تو بدلے لے لیا جائے اور بدل کا اعتبار نکال کر کینہ دور کر دیا جائے یا عالیٰ معافی سے بغیر بدلے
لیئے معاف کر دیا جائے اس لئے قرآن میں حقوق العباد کے لئے بھی دو تدارک بتائے گئے ہیں اور
چونکہ بدلہ لینے سے بدل کو خود ہی سکون ہو جاتا ہے اور بالکل معاف کر دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے

اور برے اثر برداشت کرتے ہیں اور نباتات کی طرح تینوں طرح کے انجام پر پہنچتے ہیں۔

اصولی اسباب اور معاون اسباب | اب ان چیزوں کے مختلف انجاموں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب میں سے بعض اصولی اسباب میں جن کے بغیر نیک یا برا اثر پیدا نہیں سکتا اور بعض ان اصولی اسباب کو مدد دیکر ترقی کو زیادہ کرنے والے ہیں گویا ان کے بغیر بھی کوئی حالت قائم رہ سکتی ہو۔ مثلاً غذاروشنی اور ہوائیات اور حیوانات کی پرورش کے اصولی اسباب ہیں اور باغبانی اور پرورش کے علاوہ اصول ان کے مددگار ہیں۔ اور اسی طرح زہریلی غذا سخت حرارت یا رطوبت وغیرہ بربادی کے اصولی اسباب ہیں اور اصول پرورش کی کوتاہی وغیرہ بربادی کیلئے معاون اسباب ہیں۔ اور اگرچہ ان سب اسباب کا اثر افرام پر اور افرام کی ہر ایک فرد پر ایک دوسرے سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک زہریت کے اصولی اسباب موجود ہیں تباہی کے معاون اسباب نیست کو ناقص ضرور کر دیتے ہیں مگر بالکل برباد نہیں کر سکتے اور اس لئے اس حالت میں زہریت کی ترقی شروع نہ ہوتی ہے اور کچھ نہ کچھ غمرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر تباہی کے اصولی اسباب موجود ہیں تو زہریت کے مددگاروں کی کوشش اپنی طاقت کے موافق تباہی میں تافیر ضرور پیدا کر دیتی ہے مگر انجام بیشک عدم پر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اگر پہلے زہریت کے اصولی اسباب موجود ہوں اور بعد میں بربادی کے اصولی اسباب پیدا ہو جائیں یا اسکے برعکس پہلے بربادی کے اصولی اسباب موجود ہوں اور بعد میں زہریت کا اصولی سامان ہوتا ہوگا تو اس حال میں بھی قوی ضعیف پر غالب اگر نتائج میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر درخت روشنی اور ہوا میں لگا یا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ خوراک بھی بہم پہنچائی جاتی ہے تو چونکہ یہ زہریت کے اصولی اسباب ہیں اس لئے اگر ان کے ساتھ باغبانی قاعدوں کا بھی لحاظ رکھا جائے جو زہریت کے معاون اسباب ہیں تو اس وقت میں زہریت پوری ترقی کر لے گا اور اگر تربیت میں کوتاہی کی گئی ہے تو اس وقت تباہی کے معاون اسباب موجود ہونے کے سبب درخت کی ترقی کامل نہ ہوگی مگر تاہم اسکی نشوونما جاری رہے گی اور کسی حد تک بارہم ضرور ہوگا اور اگر بعد میں زہریلی غذا یا سخت حرارت پہنچ گئی ہے تو اس وقت چونکہ تباہی

کے اصولی اسباب پیدا ہو گئے ہیں اس لئے دُختِ سرکہ کرنا ہو جائیگا۔

عذاب و ثواب کے اصولی | اب مختلف نیک اور بد اعمال کو دیکھا جائے تو جو قاعدہ نباتات اور حیوانات کے پرورش یا بربادی کے مختلف اسباب میں ثابت ہوتا ہو

یہاں بھی ضرور ہے کہ وہی قاعدہ جاری ہوگا اور ضرور ہے کہ نیک اور بد نتیجہ یعنی عذاب و ثواب کے لیے بعض اصولی اسباب ہوں اور بعض اُن کے معاون۔ اور چونکہ ثواب صداقت اور حشرِ ثمرہ صداقت ہے قریب ہونے کو اور عذاب اس سے بعید ہونے کو کہتے ہیں اس لیے ثواب کا اصولی سبب صداقت اور حشرِ ثمرہ صداقت کی محبت ہو اور عذاب کا اصولی سبب صداقت اور حشرِ ثمرہ صداقت کی نفرت۔ اور چونکہ قتل سرِ قہ وغیرہ عیوب سے صداقت کی نفرت ثابت ہوتی ہے اور ہمدردی اور ایثار وغیرہ سے صداقت کی محبت اسلئے یہ افعال اصولی اسباب کے معاون ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کی بنیادِ عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور عمل کو جزیرہ نہ بھی کہو گار اور ترقی کو طرہ لانے والا مانا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنی عبودیت اور اسکی خدائی کا پختہ اعتقاد رکھتا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے بڑی صداقت سے محبت رکھتا ہے اور قانونِ مملکت کے رُوسے ثواب کے اصولی سبب کو بہرہ یاب ہو اسلئے اگر نقصِ بشریت سے بعض گناہوں کا ارتکاب کرنا ہو تو بعض بڑے سے گناہوں کا بھی ارتکاب کرنا ہو گا کیونکہ گناہ جتنا ہے اور نقص کا اعتراف کرنا ہو تو اگرچہ ان گناہوں کا سبب ایک اپنے اپنے وجہ کے موافق خدا سے بعد ہوگا مگر اصولی سبب موجود ہونیکے سبب اسکی طرف ترقی جاری ہوگی خواہ کیسی ہی جیسی رفتار سے ہو۔ اور یہ جی کے معاون اسباب اگرچہ اپنے اندر کے ملحق اثر دکھائیے مگر آخر میں نیکی کا اصولی سبب غالب آئیگا اور انجامِ نجات اور وصال پر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص خدا سے انکار کرتا ہے یا خدا کو مانتا ہے مگر اس طرح کہ کسی شخص کو خدا سمجھ لیا ہے یا کسی اور غلط اعتقاد سے کسی ناقص خدا کو مان رہا ہے تو پہلی صورت میں مکمل صداقت سے بالکل نفرت ہو اور دوسری صورت میں جس سے محبت کرتا ہے وہ صداقت نہیں اس لیے

اس وقت بدی کا اصولی سبب یعنی صداقت سے نفرت اور بدی کی محبت سمین موجود ہے۔ اب اگر وہ ایسا را اور بدوی وغیرہ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہے جن سے صداقت کی محبت ظاہر ہوتی ہے تب بھی بیشک نیکی کے معاون اسباب اسکی اس رفتار میں جو خدا سے دور ہو نیکی طرف ہے بہت کچھ رکاوٹ پیدا کریں گے اور ایسا شخص ان لوگوں کے برابر بدہو گا جو انکار خدا کے ساتھ بدکاری ہیں مگر کچھ بھی نفرت اور بعد کا اصولی سبب موجود ہونے کے سبب قانون مائلت کے رو سے اسکی رفتار جاری دوری ہی کی جانب ہونگی اور رکاوٹیں مغلوب ہوتی جائیں گی۔

غرض یہ ان حالات میں اصولی اسباب کا اپنے خلاف معاون اسباب سے متنازع ہونا اور اپنی ترقی میں ان کو تبدیل کرنا جو کر تے ہوئے اپنے مائل کی طرف ڈھکنا نیچر کے فعل و اثرات ہوتا ہے اور اسکے خلاف ممکن نہیں کہ مہولی سبب جو وصف کھتا ہے اسی کے مائل کی طرف حرکت نہ کرے اور صداقت کی صحت میں غلطی کی طرف اور غلطی کی صورت میں صداقت کی طرف آئے اور اس چیز کو مٹنے والا جو حقیقت میں خدا نہیں خدا کی جانب ترقی کو یہاں سے خدا کو مٹنے والے کی رفتار کے خلاف ہو۔ چنانچہ یہی اسلام کا مکمل اور قرآن کا ارشاد ہے۔

جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور مجھ ماننے کے جرم پر تائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم کہ ان افعال کو انکی گریہ امین کا کفارہ بنائیں گے اور ان کو نبی میں داخل کریں گے جس کے نیچے ہمیں جاری ہیں۔ جن باتوں سے تم کو روکا جائے اگر تم ان میں سے بڑی برائیوں میں سے بڑی کر دو تم تمہارے چھوٹے قصور معاف کر دیں گے اور تمہارے جگہ و نزل کریں گے۔

اس میں کا وزن حق ہے جس کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ رہیں گے جن میں اور جس کا پلہ بھاری ہوگا انہوں نے

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا
وَقَاتَلُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقَاتَلُوا
عَنْهُمْ سَبْعًا لَّهُمْ كَذَلِكَ هُوَ جَنَاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِي
عَنْهُمْ سَبْعًا لَّهُمْ كَذَلِكَ هُوَ جَنَاتٍ
(نہ پلہ ع)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِي
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِي
وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِي
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِي

قَاوِمِيكَ الَّذِينَ خَيْرٌ أَنَّهُمْ بِمَا كَانُوا
بِأَيَاتِنَا يَظُنُّونَ ۝ (اعوان پانچواں ع ۱)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلَهُمْ الْآخِرَةُ حَسْبُهُ
أَعْمَالُهُمْ دَمَكٌ مَجْزُونٌ ۝ (اعوان پانچواں ع ۱)

وَأَخْرَجْتَ أَصْحَابَ قَادِشٍ مِنْهُمْ حَقْلًا مَعْلَمًا
صَلَحًا وَآخِرُ سَيِّئَاتِهِمْ عَسَى اللَّهُ أَنْ
يُتُوبَ عَلَيْهِمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(توبہ پانچواں ع ۱۳)

مَنْ كَانَ يُؤَيِّدُ الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ لَا يَرْجُوا
عَذَابَ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ لَا يُخْشَوْنَ
أُولَئِكَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْفِتْنَةِ
وَاللَّهُ سَاطِعُ أَلْوَانِهِ ۝ (مہربان پانچواں ع ۱)

وَأَقِيمِ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَارْزُقِ الْمَافِيقَ
الَّذِينَ لَكَ بِالنِّسَابِ يُدْهِبُكَ السَّيِّئَاتِ
(مہربان پانچواں ع ۱)

وَالَّذِينَ هُمْ بِالصَّدَقَاتِ وَصَدَقَ بِهِ أُولَئِكَ
هُمُ الْمُفْسِدُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ
فَلَا تَجْعَلْ لِحُكْمِكَ مِنَ اللَّهِ عَدُوًّا
(زمر پانچواں ع ۱)

اپنے نہیں خسارہ میں ڈالا سکتے کہ وہ ہمارے خلاف
سے ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔

جن لوگوں نے ہمارے نجات کو جھٹلایا اور آخرت
کا انکار کیا ان کے اعمال ضائع ہوئے۔ جو عمل وہ
کرتے ہیں کیا ان کے خلاف بدلا دیا جائے۔

اور بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ عمل نیک اور کچھ
بد دو کو کلاما ہے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے
ہیں امید ہے کہ خدا ان کے گناہ معاف کر دے خدا
بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

جو شخص صرف زنیوی زسیت اور اسی کی رحمت
چاہتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال کا بدلا دینا
میں ہی مدیتے ہیں اور ان کے بدلے میں کی نہیں
کی جاتی بلکہ ان کیلئے سوا عفو کے کو کچھ نہیں ہے اور کچھ
نہیں ہے جو ان کیلئے بدلا دینا اور ان کے اعمال کا بدلہ دینا
دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے کچھ حصوں
نہیں ہے اور ان کیلئے نیکیاں برائیوں کو دور کرتی
ہیں۔

جو غیر ہستی کلاما اور جس شخص نے اسکی تصدیق کی یہی
وہ بھی ہیں ان کے لیجان کے خلاف کہاں ہے
حمد کا میں۔ یہ بھی جنہوں کا بدلا دینا اور خدا کا
وہ بلیاں معاف کرے جو ان کی ہیں۔

لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْاُنْفُسِ خَالِدِينَ فِيهَا
وَلِيَكْفُر عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (فتح پڑھو ع ۱)
كَانَ يُحْيِي مِنَ الْمَوْتِ وَيَعْلَمُ مَخْلُوقَاتِ كُلِّ شَيْءٍ
سَيِّئَاتِهِ (تعاہن پڑھو ع ۱)
فَاَمَّا مَنْ كُفَّتْ عَنْ رِزْقِهِ فَهُوَ فِي حِلْجَةٍ
اَلْخَبِيَةِ وَلَوْ كَانَتْ حَقَّتْ مِنْ رِزْقِهِ
فَاَمَّا هَٰؤُلَاءِ (قارع پڑھو ع ۱)

تمام مومن مردوں اور عورتوں کو نعمت میں داخل کرے
جس کے نیچے بہنیں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں
اور ان کے بد اعمال کو معاف کرے۔
جو خدا کو مانے اور نیک عمل کرے اس کے بد اعمال اُسے
معاف کر دے جائیگے۔

جس کا بدلہ جاری ہے وہ اچھی حالت میں دھکا اور
جس کا بدلہ لگا ہے اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ایمان اور نیکی | اصولی اور معاون اسباب کو دیکھتے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی
سبب اپنے خلاف معاون اسباب کو مغلوب کر دیتا ہے وہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب
موجود ہونے پر اسی قسم کے معاون خواہ کیسے ہی کمزور ہوں بہت بڑا اثر کرتے ہیں۔ بارانی زبردست
سخت لمساگ اور حرارت کے زمانے میں جب تک اسکی جڑیں مضبوط ہیں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جائے
سے بعض اوقات ایسی پہلہ ہاتی ہے کہ گونہری مین کے برابر نہ ہو اگر امید سے بڑھ کر اور معمول سے بہت
زیادہ مفاہوتی ہے۔ علیٰ ہذا نادار اور بھوکے جائزہ کو مبتلاک ششہ تیات استوار ہے سوکھی غذا
اور روکھا کھڑا مل جلے سو اسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ گوشاہی الوان نعمت کے برابر نہ ہو اگر پھر
بھی یقینی موت یقینی حیات سے بدل جاتی ہے۔ اور سبب یہی ہے کہ اصولی سبب موجود تھا اس لیے
تھوڑی سی امداد نے بہت سا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی عبودیت کا سچا اقرار کرنے والا اور خدا
کو خدا ماننے والا سیاہ کاری اور بد اطواری سے کیا ہی طاقت کے قریب ہو لیکن جب تک یہ
اقرار مل میں اسخ ہے خدا کی محبت کا فدا سا ظہر بھی اسکی ترقی کے لیے بہت کچھ مفید ہوگا مثلاً
استغفار | ۱۔ کوئی شخص افعال بد میں مبتلا ہے۔ انکو چھوڑنا چاہتا ہے مگر عادت سولا چاہے
کبھی سب یا چند گناہوں کو ترک کر نہ سکا عہد بھی کرتا ہے لیکن بعد میں کوئی فوری لذت یا فائدہ

پیش اگر ایسا مجبور کرتا ہے کہ پھر عہد کو توڑ کر نئی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس حالت میں چھوٹا
کہتا ہے اور کوشش میں ناکام ہو کر سمجھتا ہے کہ افسوس میں ہلاک ہوا۔ اور اگر خدا کی رحمت نہ ہو
تو اس سپیہ کار یوں کے سبب میری کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال اسکی روح کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور
وہ اس غریب کی طرح جو سمندر کی بے انتہا لہروں میں پڑا ہوا دوسرے جہاز کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا
ہے۔ رحمت اور مغفرت کا خیال آنے پر دعا کے ہاتھ اس بے نیاز کے اٹھتا ہے اور نہایت بقراری
اور عاجزی سے اس کے فضل و کرم کو شفیق بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یا الہی کوئی چیز نہیں جس کے سبب
نجات کی آرزو کروں۔ گنہگار ہوں نافرمان ہوں مگر تیرا بندہ ہوں اور تیری رحمت کے سوا
کوئی پناہ نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کے خیالات آنے پر اگرچہ وہ توبہ نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ
توبہ کروں گا اور کل توڑ دوں گا مگر پھر بھی بُرائی کے بُرا ہونے کا یقین دل میں راسخ ہوتا ہے اور
اس بُرائی کے سبب اپنے تئیں بُرا سمجھنے سے نہ ہمت اور پشیمانی ہوتی ہے اور یہ نہ ہمت اس ننگ دل
کو دور کرتی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے دل کو لاحق ہوئی تھی۔ اور اس طرح چرہ صداقت کے قریب
آتا ہوا جب خیال کرتا ہے کہ خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں اور یہ اختیار ہو کر دعا کرتا ہے
تو اس خیال اور اس فعل سے اسکی محبت اور شوق میں اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ غرض قلب کی حالت
اگرچہ پارسائی اور تقویٰ کے برابر نہیں مگر اس سے کثیر اور اگرچہ توبہ کے برابر نہیں مگر توبہ سے دوسرے
درجہ پر گناہ نگاری کے داغ کو دور کرنے اور نجات کی منزل قریب کرنے میں بہت کچھ مفید ہوتی ہے۔
اور وہی رحمت اور اگر کوئی شخص اپنی مغفرت کیلئے دعا بھی نہ کرتا ہو لیکن دل میں گناہ کی قدر
محسوس کرتا ہو اور جاننا ہو کہ میں ایسا بندہ ہوں کہ خدا کی رحمت کے سوا ہرگز بخشش کا امیدوار نہیں ہو سکتا
تو اسکی اس خیال سے بھی چونکہ دل میں وہ سختی نہیں رہتی جو سیہ بست اور ناپیشیمان کے دل میں
ہوتی ہے اور نیز خدا کی رحمت کے خیال سے محبت کا عنصر قوت پاتا ہے اس لیے ایسا شخص بھی دیگر
بندگان کی نسبت بہت فائدے میں ہے اور اس کے گناہ معاف ہونے کا احتمال قوی ہے۔
مگر یہ سمجھنا اس لیے مفید ہو گا کہ محبت کا اصول اور اقرار خدا کا عنصر موجود ہے اور اگر کسی

میں یہ غصہ موجود نہ ہو تو چونکہ یہ اسباب محض معاون ہیں اس لئے چند ان مفید نہ ہونگے اور اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا تو اس کا بدی پریشان ہونا بعد کی تیز رفتاری میں سستی ضرور پیدا کر دے گا مگر بعد کو قریب ہو نہ بدلیگا۔ چنانچہ اسی لئے گناہوں کے سبب جس قدر بعد خدا کی ذات سے ہوتا ہے اسکا اثر دور کرنے میں اسلام نے دعا اور پشیمانی وغیرہ نیکی کے معاون اسباب کو بڑی حد تک مفید قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اقرار خدا کے غصہ کو ضروری ٹھرایا ہے۔ اور جہاں خدا کی رحمت سے گناہ صاف ہونے کا ذکر ہے وہاں خدا کی طرف جھکنے اور عبودیت کا اقرار کرنا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جہاں خدا کے اقرار میں کوتاہی ہو وہاں ان اسباب سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاغْتَفَرُوا ۚ وَالَّذِينَ لَا يُغْفَرُ لَهُمْ لَأَنَّهُمْ لَا اتَّقَوْا وَلَا تَعْلَمُونَ مَا فَعَلُوا ۖ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفِرٍ ۚ هَلْ مِنْ رَبِّهِمْ كِتَابٌ يَكْتُمُونَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَكْثَمُ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ
(آل عمران پانچواں آیت)

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ لَا يَخَفُ ۖ يَسْتَغْفِرُ اللَّهُ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ
(سورہ بقرہ چھٹا آیت)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ

ایسے لوگ جو کسی شخص اور کے مرتکب ہوں یا اپنی اور پر ظلم کریں خدا کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا معاف کرنے والا اور کرنے والا تو ایسے لوگوں کا بدلہ خدا کی طرف سے بخشش سے عداوت بہت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہوں اور وہ ہمیں ہمیشہ رہیں اور ایسا عمل کرنے والوں کا یہ بدلہ بہت اچھا ہے۔

اور جو شخص بدی کیسے یا اپنے آپ کو ظلم کرے پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ خدا کو بخشنے والا دھرم والا پائیگا۔

بیشک خدا شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جو شخص خدا سے شرک کرے

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (نہایت سے)
 قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِيْنَ دَعَا اِلٰى دِيْنِهِ فَاَعْلَوْ اَنْفُسَكُمْ لَا
 تَقْتُلُوْا مَنْ رَحِمَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ الَّذِيْ يَشَاءُ
 جَعَلْنَا اِنَّهٗ كَانَ الْغَفُوْرَ الرَّحِيْمَ وَاَنْتُمْ جَا
 اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلَمُوْا اَلَمْ يَنْزِلْ اَنْ تَلْبِسَكُمْ
 الْعِلٰبَ ثُمَّ لَا تَنْصُرُوْنَ (مربادہ نکال دے)
 فَالَّذِيْنَ كَفَرَ فَاذْهَبْ عَنْهُ اَعْمٰءَ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ
 ضَلٰلٍ ط (میں پکڑا دے ع ۵)

وہ بہت بڑی گمراہی میں ہے

کہ وہ اس میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر
 نبیوں کی سچ خدا کی رحمت سے ناپائیدار ہو۔ خدا اب
 گناہ معاف کر دے گا جو خدا و مہربان ہے اور جس کو
 خدا کی طرف اور اس کے آگے سر جھکاؤ پیشہ اس کے
 کچھ پر غلبہ آئے اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے۔
 انہوں نے کہہ دیا کہ دعا کرو مگر کفار کی دعا رانگیاں بن جائیں
 کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتی

محبت صلیحا ۲۔ یا مثلاً کوئی گناہ گار نیک اور پارسا لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے تئیں
 ان سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے تو چونکہ اس محبت کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ نیک اعمال کے پابند
 ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور اپنے تئیں ذلیل سمجھتے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ ان جیسے نیک
 اعمال بجا نہیں لانا اور خدا کا قرب حاصل نہیں کرنا اس لئے حقیقت میں وہ خدا ہی کی محبت ہے جو
 اسے خدا شناسوں کی طرف کھینچتی ہے اور نہایت اوشیانی ہی ہے جو اس کو اپنے تئیں ان سے
 حقیر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس اگرچہ وہ گناہ گار ہے اور قرب ربانی اور نور معرفت سے بہرہ و نہین
 مگر اس کی شہابی اندرونی تار کی کو دور کرنے میں ضرور مدد دیگی اور خدا شناسوں کی محبت اس کی توجہ
 کو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور بڑھا دے گی۔ چنانچہ یہی بزرگان دین کی عظمت اور محبت کا احساس ہے
 جس کو شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی وساطت سے
 گناہ گاروں کے گناہ معاف ہوں گے۔ مگر چونکہ یہ بھی اسباب معاون ہیں سے جو اس لئے پہلے خدا کا
 اقرار اور ایمان کا عنصر موجود ہو نہ ضرور ہے اور جو شخص اس نعمت و بہرہ و نہین اس کو نیکیوں کی
 محبت ووری کی رفتار کو زور است کر دینے سے دوبارہ مفید نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کوئی شخص
 صرف اہل اہل سے محبت رکھتا ہو مگر کوئی نیک عمل بجا نہ لانا ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ اس کی دل میں

خدا کی محبت جس سے اہل اللہ کی محبت کا ظور ہوا بہت ہی کم ہے درجہ کچھ نہ کچھ نیک ہی بخیر ظور پذیر ہوتی اس لئے اس صورت میں یہ معاون سبب نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے اور اس لئے اس کا اثر ہوگا مگر بہت کم۔ اور معتد بہ فائدہ اسی صورت میں ہوگا حایب اصولی سبب یعنی ایمان کے ساتھ ایسی محبت کے علاوہ کچھ نیک اغفال اور بھی ہوں۔ چنانچہ اسی لیے قرآن میں جہاں شفاعت کا ذکر کیا ہے وہاں ایک تو یہ فرمایا گیا ہے کہ حقیقت میں شفیع خدا کے سوا اور کوئی نہیں جس سے جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں اس نکتہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگوں کی محبت جو گناہ کو دور کرنے کے لئے مفید ہے تو اسی لئے کہ اس کی تہ میں خدا کی محبت سرگوزد ہوتی ہے پس فی الواقع گناہ کو دور کرنے کا ذریعہ خدا کی محبت ہے اور اس لئے گناہ گاروں کا شفیع اس وقت بھی اسی کو کہنا چاہئے۔ اور دوسرے فرمایا گیا ہے کہ شفاعت انہی لوگوں کی ہوگی جن سے خدا راضی ہو اور جو اس کے احکام کے ایک حد تک پابند ہیں۔ اور جو یہ وصف نہ رکھتے ہوں ان کے لئے کوئی شفیع نہیں۔ چنانچہ امرا و اہل کی نسبت ارشاد ہے :

اِنَّ كَلِمَةَ رَبِّكَ تَرْجُو
لَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ

لَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ
وَلَنْ يَسْأَلَكَ عَنْ دِينِكَ

ان کے لیے خدا کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہیں۔
تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہیں کیا تم خیال نہیں کرتے کہ وہ کہ شفاعت سب خدا کے لئے ہے۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ
قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا
أَمَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا فَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اور امرا کی نسبت فرمایا ہے۔
مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمْ
اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
لَا يَمْلِكُ كُنُوتُ الشَّفَاعَةِ إِلَّا لِلَّذِينَ احْتَمَدُوا
عَنْ أَكْثَرِ النَّاسِ عَمْدًا
لَا يَمْلِكُ كُنُوتُ الشَّفَاعَةِ إِلَّا لِلَّذِينَ احْتَمَدُوا

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمْ
اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
لَا يَمْلِكُ كُنُوتُ الشَّفَاعَةِ إِلَّا لِلَّذِينَ احْتَمَدُوا
عَنْ أَكْثَرِ النَّاسِ عَمْدًا
لَا يَمْلِكُ كُنُوتُ الشَّفَاعَةِ إِلَّا لِلَّذِينَ احْتَمَدُوا

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
 اللَّهُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طہ پارہ ۱ ع ۷)
 وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ
 مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (انبیاء پارہ ۱ ع ۷)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنِ أَذِنَ
 لَهُ (سبا پارہ ۲ ع ۳)
 مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَیْمٍ وَلَا يَشْفَعُ بَطَّاعٌ
 (مومن پارہ ۱ ع ۷)

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ الشَّعَا
 لَا مِنْ شَيْءٍ يَاجِئُ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (زمر پارہ ۱ ع ۷)

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَكِنْ نَكُ
 نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا تَخَوِّصُ مَعَ الْخَاصِّ
 وَكُنَّا نَكْتُبُ بِعَوْنِ الَّذِينَ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينُ
 فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَاعِينَ (مثر پارہ ۲ ع ۲)

اس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر جس کے لیے خدا
 نے اجازت دی اور جس کی بات کو پسند کیا
 وہ نیک بندے شفاعت نہ کر سکیں مگر اسی شخص کی
 جس سے خدا راضی ہے اور وہ نیک بندہ خدا کے خوف
 سے ڈرتے ہیں

اور نہیں مفید ہوگی شفاعت مگر اس شخص کی جس
 کی نسبت خدا نے اجازت دی
 ظالموں کے لیے کوئی سہارا اور لائق قبولیت
 شفع نہیں ہے۔

خدا کے سوا جن لوگوں سے یہ التجا کرتے ہیں وہ
 شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر اس شخص کے
 لیے جس نے حق کو قبول کیا ہے اور وہ سب یہ بتا
 انھوں نے کہا کہ ہم نمازی نہیں تھے ہم غریبوں کو
 کھانا نہیں دیتے تھے اور ہم انکار کرنا والوں کے ساتھ
 شریک ہو جاتے تھے اور ہم نوزح کو غلط سمجھتے
 تھے کہ کہو ہوت آگئی۔ پس ایسے لوگوں کی شفاعت
 کرنا والوں کی شفاعت مفید نہ ہوگی۔

وَعَادَہ [نی زمانہ مذہب کی نسبت غور و فکر کرنا] والوں میں سے بعض دعا اور شفاعت کے اثر سے انکار
 کرتے ہیں اور سب یہ ہے کہ احکام نہ رہی کہ سمجھنے میں کوتاہی ہوئی ہے پہلی سمجھنے والوں نے خدا کو نبوی
 بادشاہوں کے نمونہ کا ایک بادشاہ فرض کیا تھا جو بعض اعمال سے خوش ہوتا ہے اور بجا لسنے والوں
 کو ہر طرح نفع م اور عطیے مختلف ہے بیسی و نبوی بادشاہ تعریف اور دل لگی سے خوش ہوتے ہیں۔ اور

شاعرون یا نقالوں کو خلعت و جاگیر بخشے ہیں اور جو بعض اعمال سنار ہیں ہوتا ہے اور ایسے مجبوروں کو اسی طرح عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے جیسے وزیر بادشاہ بے ادبی اور گستاخی پر قید یا پھانسی کی سزا دیتے ہیں۔ اسی طرح دعا اور شفاعت کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ جس طرح بادشاہ بعض اوقات کسی کی اپنی منت خوشامد سے یا کسی مصاحب کی سفارش سے ایسا انعام دیتے ہیں جن کا وہ مستحق نہیں ہوتا اسی طرح خدا بھی دعا مانگنے سے اور بزرگوں کی سفارش سے بندوں کی آرزو میں پوری کر دیتا ہے۔

چونکہ ایسا اعتقاد قرین عقل نہ تھا اس لیے بعض ان باتوں کو سن کر ایسے گھبرائے کہ حقیقت معلوم کرنے کی تکلیف گوارا کرنے کے بغیر مذہب سے روگردان ہو گئے اور بعض نے حقیقت کا پتہ لگایا اور سمجھے کہ جزا و سزا خلعت و جاگیر کی طرح اعمال سے عدا گانہ کوئی چیز نہیں بلکہ خود اعمال کی دوسری شکل اور ان کا ایک لازمی نتیجہ ہے اور وہ دونوں کے علون کی جس شکل کو نیک سمجھا جاتا ہے ان سے کرنے والے کے دل میں نرمی اور صفائی اور جس شکل کو بد سمجھا جاتا ہے اس کا اثر کباب کریمیا لون کے دل میں سختی اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر جس طرح آئینہ صاف ہونے کی وجہ سے نور آفتاب سے چمک اٹھتا ہے اسی طرح نور ہونے کے سبب کسی طرح کی شعاع کو ظاہر ہونے میں نہیں دیتا اور جس طرح آئینہ اور لوہے کے مابین صفائی کے مختلف درجوں کے مطابق آفتاب کی شعاعیں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح کامل اتقا اور پارسائی سے دل ایسا صاف ہوتا ہے کہ نور ربانی اس پر پورے طور سے منعکس ہوتا ہے اور بالکل سیہ کار اور بد باطن کا دل ایسا کدورت مچھلتا ہے کہ اس پر نور ربانی کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوتا اور ان دونوں حدوں کے مابین پارسائی اور سیہ کاری کے مختلف درجوں میں نور ربانی کے مختلف طور پر ہوتے ہیں اب جو نیچے اوردہ اثر نور کے منعکس ہونے اور نہ ہونے یا کم اور زیادہ ہونے پر مرتب ہوتا ہے وہی اعمال کی سزا اور جزا ہے۔

غرض سزا اور جزا کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ بیشک معقول اور قابل تسلیم ہے

لیکن کوتاہی یہ ہوئی کہ اس خیال کو اور آگے نہ بڑایا گیا اور نہ دیکھا کہ دعا اور شفاعت کا اصول
اصول کے مطابق کہاں تک حل ہو سکتا ہے حالانکہ اس اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ
دنیا میں قاعلی اثر ذات خداوندی کی طرف سے ہو اور دوسری چیزوں کو جس قدر تعلق اثر پیدا کرنے
سے ہے وہ محض انفعالی ہے یعنی ہشیا، اپنے اندر کسی اثر کی قابلیت پیدا کرتی ہیں اور جس قدر
قابلیت پیدا کرتی ہیں مبدی فیاض کی طرف سے اسی قدر اثر کا فیضان ہوتا ہے اور یہ قاعدہ نیک و بد
افعال اور نور و تاریکی کے انعکاس تک ہی محدود نہیں بلکہ حد تک ذکر ہو چکا ہے مسئلہ پیدائش کے
مطابق دنیا کی چرپینہ کا فاعل اور خالق وہی قادر و مختار ہے اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کی توفیق
کے قاعلی اثر سے ہوتا ہے مگر اس نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ بعض چیزیں بعض چیزوں
کے بعد وجود میں آتی ہیں اور ان میں سے جب کسی خاص چیز یا حالت کے بعد دوسری خاص
چیز یا حالت ضرور پیدا ہوتی ہے تو پہلی کو علت اور دوسری کو معلول کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں
علت کا پیدا ہونا اس قابلیت انفعالی کا پیدا ہونا ہے جس کے بعد مبدی فیاض کا فاعلانہ اثر
معلول کو پیدا کرتا ہے۔

اب اس علت و معلول یا انفعالی فاعلیت کے اثر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علت
و معلول کے بعض سلسلے انسانی و فعل و تدبیر کے بغیر خود بخود اثر کرتے ہیں اور بعض میں دخل و تدبیر کا بھی
اثر ہوتا ہے اور یہ دونو قدرت ہی کے قانون ہیں چنانچہ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ زمین میں تخم
وٹلنے کے بعد آفتاب کی حرارت وغیرہ اسباب سے ایک خاص مدت میں درخت باغ ہوتا ہے اور
یہ بھی قانون قدرت ہے کہ مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے سے درخت وقت سے پہلے پھلنے پھونکنے
لگتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انڈیا اور کیرلا کے پھول کے نیچے ایک مقررہ میعاد میں بچہ
نکلتا ہے اس لیے بھی قانون قدرت ہے کہ انسانی و فعل و تصرف کی طرح زیادہ حرارت پیدا ہونے
پر میا و سب سے پہلے جانور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کو آگ میں ڈالو تو جلے
اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ آتش شیشہ کو آفتاب اور کسی چیز کے مابین حائل کر کے اس چیز کو جلایا

چاہے ان سب صورتوں میں جو حرارت جسم شہ حرارت یعنی آفتاب کی طرف سے عمل کر رہی تھی
 میں کوئی نخل نہیں لیکن پھر بھی نتیجہ میں تقدم و تاخر ہو گیا ہے تو اس لئے کہ ایک صورت میں قابلیت
 محض فطری طور پر پیدا ہوئی تھی اور دوسری صورت میں مصنوعی طریقے سے بھی کچھ مدد گئی۔
 اب انسانی صورتوں کے اور دھلکے تعلق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
 کسی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اس کا سر انجام چاہتا ہے۔ اس کے اسباب اور علل کی طرف نظر کرتے ہوئے
 بعض اوقات ان اسباب کو اپنے احاطہ قدرت سے باہر پاتا ہے اور اگر کبھی اس کی قدرت میں ہونے
 بھی ہیں تو ان کو مہیا کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے کہ بات دہاتے ہوئے ڈرتا ہے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ
 تدبیر کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا مشکل ہو جائیگا اور یہ سب باتیں نہ ہوں اور کام نہایت آسان ہو
 تب بھی ایسے ناگہانی حادثوں کا احتمال باقی رہتا ہے جن کے پیش آنے پر سامنے رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ
 سے اٹھا لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے غرض اپنے گرو پیش مزاحمتوں کی یہ کثرت اور اپنی قوت استقلال
 کی یہ ناپائندگی اور ادھر اپنی ضرورت کا احساس دیکھ کر گھبراتا ہے اور جب اپنی تئیں نہایت لاچار
 پاتا ہے تو نہایت بے قراری سے اس سبب الاسباب کی طرف رجوع کرتا ہے اور دل و جان کو اس کے
 خیال میں لگا کر اور اس کو اپنا حاجت روا اور تمام گرو پیش کا حاکم جان کر اور اپنی درماندگی اور
 اس کی قدرت کا کامل تصور کر کے اس سے دعا کرتا ہے تو اس وقت شیشہ دل کے نور ربانی سے
 مقابل ہونیکے سبب میں مبداء فیاض کے فیضان کی قابلیت اسی طرح پیدا ہو جاتی ہے جس طرح
 آتش شیشہ کو حائل کرنے سے یا مصنوعی طور پر پودے یا انڈے کو حرارت پہنچانے سے۔ چنانچہ
 جو خلق واضطرار پہلے اپنی درماندگی اور گرو پیش کی مزاحمتوں کے خیال سے دھلکے گھیرے ہوئے
 تھا وہ خدا کو اپنا مددگار و ناصر سمجھنے سے دور ہو جاتا ہے اور اس طرح پر جو کام اسکے خود کرنے کے لئے
 اس کو اور زیادہ اطمینان اور قوت سے پورا کرتا ہے اور جو اسباب اس کی جسمانی قوت سے باہر ہیں ان پر
 روح اور نور ربانی کا تعاقب اثر کرتا ہے اور خدا کا فاعل اثر جو پہلے صرف بیرونی تدبیر و ن کی وساطت
 سے عمل کرتا تھا اب ایک اور شفاف واسطہ پیدا ہونے پر اور زیادہ عمل کرنے لگتا ہے۔ غرض وہ یہی

قانون قدرت تھا کہ ظاہری اسباب کے مہیا ہونے پر ذمہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرے اور یہ بھی قانون قدرت کہ ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی واسطہ پیدا ہونے پر ضرورتیں زیادہ عمدگی سے سرانجام پائیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں مبداء فیاض کمیلر کسی کوئی نخل نہیں اور توجہ میں جو تفاوت ہو رہا ہے وہ قابلیت کی کمی زیادتی کے سبب سے ہے۔

اب اگر اعتراض ہو کہ اکثر دعا کی مانتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ اکثر دوا کی جاتی ہے اور صحت نہیں ہوتی تو وجہ یہ کہ دنیا میں بے انتہا توازن قدرت اپنی قوت اور ضعف کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ دوا کا اثر بھی ایک قانون ہے جو صحت پیدا کرتا ہے اور دوا غیر واقعات گرد پیش بھی قانون ہیں جو صحت کے خلاف اثر کر رہے ہیں۔ اور جس وقت ہم کہتے ہیں کہ دوا نے اثر نہیں کیا اس وقت حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اثر ضرور کیا اور اگر وہ نہ ہوتی تو مرض کی صورت کچھ اور ہوتی۔ مگر اس کا اثر نمایاں نہیں ہوا اس لئے کہ دیگر مخالف اسباب اس کثرت سے تھے کہ دوا کے اثر کے بعد بھی انکی بہت سی مقدار موجود رہی یا بعض اوقات دوا ان شرط اور لوازم کے ساتھ نہیں دی جاتی جو اثر کے لیے ضرور ہیں اور اس لیے اس وقت کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس وقت دوا کا اثر نہیں ہوا اس وقت بھی خدا ہی کے مقدر کئے ہوئے بہت سے توازن خلاف اثر کر رہے تھے اور اس لیے نور بانی کی جس قدر روح کو مقابل کرنے کی طرف آئی تھی اس نے اثر کیا مگر اس کے بعد بھی وہ لہریں جو پہلے دوسری سمت میں اثر پیدا کر چکی تھیں انکی قوت کی بڑی مقدار موجود رہا اور اس نے دوا کے اثر کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ یا بعض اوقات اس شخص کو دشواری میں کوتاہی ہو جاتی ہے جو دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے کے وقت ضروری ہے اور اس لیے دوا کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

یہ نود دعا کا تعلق تمام ضروریات کے ساتھ تھا اور اس میں خدا کی طرف متوجہ ہونے کی تمام ضروریات کے حالات پر اثر پڑتا ہے۔ باری اپنی قدرت سے باہر نہیں کیونکہ اگر ان چیزوں پر ہمارا قابو نہیں تو اس وقت اس وقت دل میں اٹھ رہا ہے وہ تمام اشیاء پر تصرف ہے۔ پس ایسی دعا کا فائدہ پہلی سی

صورت میں ہو سکتا ہے کہ شبکی کا اصول یعنی ایمان ہمارے دل میں راسخ ہو ورنہ جو شخص خدا کا قائل نہیں وہ اسکی طرف توجہ بھی نہیں کر سکتا اور جس نے ایسی چیز کو خدا مان لیا ہے جو واقعہ میں خدا نہیں وہ اگرچہ اپنے مانے ہوئے خدا کی طرف توجہ کر لیا مگر وہ خدا تمام عالم پر تصرف نہیں سلو ایسی توجہ کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ رہی وہ دعا جو ہم خاص اپنے گناہوں کی معافی کے لیے کرتے ہیں اور اس میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا علاوہ اُس نور کے جو ہم اپنے شیشہ دل کو ذات ربانی سے مقابلہ کئے جاہل کرتے ہیں دل میں گناہوں پر بندہاں اور پشیمانی بھی ہوتی ہے اسلئے یہ حاجت دعا سے بطریق اولیٰ پوری ہوگی اور بدی کی سختی دور ہو کر خدا کی محبت ترقی کرے گی۔

غرض دعا کا مسئلہ اسی اصول پر حل ہوتا ہے جس پر جزا و سزا کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اس لئے دونوں مسئلہ صحیح اور قابل تسکین ہیں اور اسی لیے اسلام کا حکم ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور نہایت عاجزی سے مانگو وہ تمہاری تکلیف دور کر لیا اور اگر اس کے سوا کسی اور سوا مانگو گے تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ ارشاد ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاَوْفِرْ لَهُمْ
اُجِبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا فَلْيَسْتَجِبُوا
لِي رُلُوْا مِنْ مِّنْ مِّنْ لَّعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ
(بقرہ پلٹہ ع ۲۷)

اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ
لَا يَسِيْبُ الْمُتَّقِيْنَ (اعراف پلٹہ ع ۲۰)
اِنَّ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مَنِيْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادًا
اَمَّا اَلَهُمْ فَاَدْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِبُوْا لَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (انعام پلٹہ ع ۲۷)

فَاِذَا دَعَا الَّذِيْنَ رَعٰهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ

اور جب میری نسبت میرے بندے پوچھیں تو کہہ دو
کہ میں قریب ہوں اور جو کوئی مجھے پکارے میں
اسکی دعا قبول کرتا ہوں پس چاہئے کہ وہ مجھے
مناہیں اور مجھے پر ایمان لائیں تا وہ فلاح پائیں +
اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔
وہ مدد سے بڑے جتنوں کو پسند نہیں کرتا +

خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے
ہیں پس اگر تم مجھے ہونو ان کو پکارو اور وہ تمہاری
دعا قبول کریں +

کہہ دو کہ خدا کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو ان کو پکارو

فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

تَحْوِيلًا (یعنی اس پر عار نہ)

أَمَّنْ يَحْيِي الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَكَشِفَ
الشَّرَّ عَنْ آلِهِ ۚ اللَّهُ قَلِيلٌ لَّ مَا تَدْكُرُونَ

(زل پڑے عار نہ)

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ

كَرِهَ الْكَافِرُونَ (مومن پڑے عار نہ)

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي

سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۚ

(مومن پڑے عار نہ)

هَلْ أَتَىٰ لَكَ آلَ اللَّهِ إِلَّا هُوَ ۖ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ

لَهُ الدِّينَ ۚ كَلِمَ تَقُولُونَ الْعَالَمِينَ ۚ

(مومن پڑے عار نہ)

وہ تمہاری تکلیف کو دور کر نہ کیا یا اس میں تخفیف کرنے

کا اختیار نہیں رکھتے۔

بیقرار جب پکارتا ہے تو اس کی دعا کو قبول

کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے کیا

خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو

خالص خدا پر ایمان لا کر اس سے دعا کرو۔ خواہ کفار

نالوا سمجھیں

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں

قبول کروں گا۔ مگر جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے

ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

وہ زندہ ہے اور معبود اسکے سوا کوئی نہیں تم تجھیں

اس پر ایمان لا کر دعا کرو۔ ہر قسم کی تعریف خدا کے

لیئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

شفاعت

اب شفاعت کے مسئلہ کو دیکھا جائے تو اس کی منفرد شکل یعنی یہ کہ نیک بندے

خدا سے کہہ کر گنہگاروں کے گناہ بخشوا لیں گے بالکل انہی معنوں میں جو ان لفظوں سے ظاہر

میں سمجھے جاتے ہیں یعنی یہ کہ گنہگار کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو اور محض سفارش سے انکو

نیکیوں کا درجہ عطا کیے قابل تسکین نہیں کیونکہ اس صورت میں بدن کا جو اس نے کی ہے

کوئی بدلہ نہیں ملتا اور نیکی جو اس نے کی نہیں اس کا عوض دیدیا جاتا ہے جس کی کوئی وجہ نہیں

اور چونکہ یہ واقعہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہاں کا عینی تجربہ نہ ہو سکتا ہے اس لئے حدیث کہ

پہلے کہ شہد باب میں غور کیا گیا ہے ایسے واقعات میں کیوں ان کا جواب ملنے اور وجہ معلوم

ہونے کے بغیر تسکین نہیں ہوتی اور اسی لیے ایسا مایہ نابلہب کی طرف سہو پیش بھی نہیں
ہو سکتا اس کے خلاف جبر لوگ اپنے مختلف معبودوں کو اپنا شریعہ ٹھیلے تھے ان کے خیال
کی تردید کی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ قیامت کو ہرگز سنی و سفارش کام نہ دیگی اور
بے وجہ کوئی انعام نہ ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَأُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْكُمْ عَلَيْكُمْ
نَسِيئَةً اَوْ كَفُورًا مِّمَّا عَمَلْتُمْ وَلَا تَنْفَعُكُمْ
شَفَاعَةُ بَنِيكُمْ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْضَلُونَ ۝
(بقبرہ پارہ ۱۵ ع ۱۵)

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمِنْ
وَلَا حُكْمَ لَهُ وَلَا شَفَاعَةً ۝
(بقبرہ پارہ ۱۵ ع ۱۵)

لَهُمَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهِمَا مَا كَسَبَتْ ۝
(بقبرہ پارہ ۱۵ ع ۱۵)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ يَلْعَمِ
اللَّهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ
الصَّادِقِيْنَ ۝ (آل عمران پارہ ۱۵ ع ۱۵)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى ۝ (انعام پارہ ۱۵ ع ۱۵)
(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۵) (فاطر پارہ ۱۵ ع ۱۵)
لِيَمْلِكَ مَنْ هَلَاكَ عَنْ بَيْتِهِ وَيُخَيِّبِ
مَنْ يَّخَيُّ عَنْ بَيْتِهِ ۝ (انفال پارہ ۱۵ ع ۱۵)
وَلْيُعَذِّبْ مَنْ يَدُوِّنَ اللّٰهَ مَا لَا يُخْضِرُّهُمْ

ایسے دن سے ڈر جس میں کوئی شخص دوسرے
شخص کے عوض میں پکڑا جائے نہ کرے گا اور جس
دن کوئی تارا نہ دیکھا جائے گا نہ کوئی شفقت
مغفید نہ ہوگی اور انکی روت کی جاہلیگی
نیک بنواس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں
نہ تو اس کی خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفقت
کام دیگی ۝

انسان کو مغفید یا مضر وہی ہے جو وہ خود کسب کرے
کیا تم سمجھتے ہو کہ بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ
خدا کو معلوم نہ رہا ہو گا کہ تم میں سے کس نے کوشش
کی ہے اور کون سب ہے۔

کوئی اٹھائے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔
تاجر ہلاک ہو وہ بھی کیونکہ سب سے ہلاک ہو اور
جو رستگار ہو وہ بھی کیونکہ سب سے رستگار ہو
وہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں ایسے معبودوں کی

جو نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ فائدہ۔ اور وہ
کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہماری شفاعت کے
کیا تم خدا کو سکھاتے ہو ایسی بات جس کا زمین آسمان
میں کہیں وجود نہیں
آج ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آج
ظلم نہ ہوگا۔

شخص پسند ہے اسی چیز کا جو اس نے کب کی۔

ترغیب کا فائدہ | مگر کیا نیکی بخوتوں سے اور ان کی نیکی سے دوسرے دن کو کچھ بھی فائدہ نہیں
پہنچتا؟ نہیں یہ کہنا بھی مشکل ہے کسی قوم میں بعض افراد تہذیب اور نیک خیال ہیں اور
باقی سب وحشی اور نامہنجر۔ تو اگر وحشی لوگ اہل تہذیب کی ترغیب یا ان کی مثال سے مستنبط
ہو کر اپنے اطوار کو بدل لیں تو ضرور اسی نتیجہ میں حصہ دار ہو جائیں گے جو اہل تہذیب کے
افعال پر مرتب ہے۔ مگر ان کو اپنی حالت بدلنے کی توفیق کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ
دوسرے دن کی ترغیب اور ایسا نمونہ موجود تھا۔ پس یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو نیکی بخوتوں کے
وجود سے دوسرے دن کو پہنچا۔ یہ ضرور ہے کہ پہنچا اسی لیے کہ بدکاروں نے ان کی ترغیب اور
نمونے کی طرف توجہ کی اس لئے یہ فائدہ ایسا نہیں جس میں بدکاروں کے اپنی عمل کو کچھ بھی
داخل نہ ہو۔

مسبت کا فائدہ | اسی طرح کسی ملک میں بعض لوگ حفظ صحت کے قواعد کی مطلق پروا نہیں
کرتے اور نہایت غلیظ زندگی بسر کرتے ہیں مگر ان کے سامنے ہی بعض لوگ اپنی تمیز اور اپنے
مکانوں کو اور کو چون کو نہایت صاف و شستہ رکھتے ہیں۔ اب اگر میلیارہ منے والے ان کو
دیکھ کر اپنی حالت نہ بدل لیں مگر ایسے وحشی بھی نہ ہوں کہ صاف رہنما والوں کے دشمن ہو جائیں اور
ان کو اپنی طرح گندارہنہ چوبہ کرین تو اس صورت میں اگر ان میں واسطیت کر گئی تو اس میں

وہ شدت نہ ہوگی جو تمام آبادی کے گندہ ہونے کی صورت میں ہوتی غرض اس وقت بھی میلہ
 سننے والوں کو اپنے مہذب جمہوریتوں کے وجود سے فائدہ پہنچا کر بالکل بے وجہ یہاں بھی
 نہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی عمل نہیں کیا مگر اتنا تو کیا کہ اپنی گندہ حالت
 کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کی اور دوسروں کی صفائی میں باج نہیں ہوئیں اس لئے
 جس قدر ان کے اس فعل کا اثر ہو سکتا تھا اسی قدر فائدہ بھی حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ ذرا اپنے فعل میں
 ترقی کرتے اور اپنی غلاظت کو بھی کم کرنے لگتے تو اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ اب نیکی اور بدی
 کو دیکھا جائے تو وہ ان بھی ہی قاعدہ جاری ہے کہ نیکیوں کی ترغیب اور غمہوں سے جو نیک بچاتے
 ہیں وہ ویسے ہی فائدہ بھی حاصل کرتے ہیں اور جو اُنکی تقلید نہیں کرتے لیکن ان کے نیک
 افعال میں اہم یہ نہیں ہونے انکی سوسائٹی کی سیہ کاری اور سنگدلی میں وہ ترقی نہیں ہوتی
 جو تمام آبادی کے بدکار ہونے کی صورت میں ہوتی اور اس لئے جو کچھ اس کا نتیجہ ہوگا وہ بھی شدت
 میں آخر الزمرہ کے نتیجے سے کتر ہوگا۔ چنانچہ مذکورہ عنوان کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ سَمٌ

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(انفال پانچواں آیت)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ

عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَأَعْطَيْنَاهُمْ كُلَّ فِرْقَةٍ مِمَّا كَانَتْ

رَهِينَ ۖ فَتُحْصَىٰ

(طہ پانچواں آیت)

خدا ان کو عذاب نہیں دیگا تم جہنم کے درمیان
 موجود ہو اور خدا ان کو عذاب نہیں دیگا جب کہ
 وہ جہنم میں داخل ہوں۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیروں نے
 ایمان لیا انکا اتباع کیا تو ہم ان کے پیروں کو ان کے
 ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں جو کچھ کم نہ کر نیکی ہر شخص
 پانچویں اس عمل کا جو اس نے کب کیا۔

محبت کا فائدہ اب ایک اور قسم فرض کی جائے جو نیکوں اور بدکاروں پر شامل ہے اور
 بدکاروں کو کاروں کی تقلید نہیں کرتے مگر ان کی نیکی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں اس
 وقت اگر نیکو کاروں کی نیکی جسامتی قسم کی ہے مثلاً صفائی اور قوا عدالت کی پابندی تو اس صورت

میں بیشک ان سو محبت کرنے والوں کو بیشک انکی تقلید سے خود کوئی عملی ترقی نہ کریں کچھ فائدہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ نیکی روحانی قسم کی ہے تو چونکہ اس کا تعلق محض دل سے ہوا اور ایسی نیکی کو نیکی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سہول میں صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت ترقی کرتی ہے اس واسطے ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھنا اور انکی نیکی کو قابل تحسین سمجھنا خواہ اسکی تقلید نہ ہو خود ایک قلبی عمل ہے جس میں نیک سو محبت ہے جس سو نیکی کی محبت ثابت ہوتی ہے اور نیکی کی محبت ہر جس سے خدا کی محبت ثابت ہوتی ہے اور خدا کی محبت اس کے وصال کا ذینہ ہے اسلئے ایسے لوگوں کو نیکوں کے وجود سے نہایت بڑا فائدہ پہنچا اور جس طرح ایک آئینہ کو دھوپ میں رکھنے سے دیکھنے والے کو آئینہ دکھائی نہیں دیتا بلکہ خود آفتاب جلوہ گر نظر آتا ہے اور پھر اس آئینہ سے اور چیزوں تک جو سایہ میں ہوں آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے اسی طرح یہاں جو لوگ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہیں اور افعال حسنہ سے اپنے دل کو آئینہ سان صاف رکھتے ہیں جلوہ ربانی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتے ہیں اور پھر جو لوگ اعمال بد کی طرف متوجہ ہونے کے سبب گویا آفتاب وحدت سے براہ رہت مقابل نہیں ہیں اگر اپنے دل میں نیکوں کی محبت رکھتے ہیں تو فوراً ربانی نیکوں کی وساطت سے منکس ہو کر انکو منور کر سکتا ہے لیکن آئینہ کی وساطت سے جو نور منکس ہوتا ہے وہ اگر کسی سیاہ چیز پر پڑے تو اسکی کوئی شعاع نمایان نہیں ہوتی اور دوسری قسم کی چیزوں پر انکی اپنی صفائی اور تاریکی کی نسبت سے نور کا جلوہ مختلف ہوتا ہے اور اگر وہ چیز بھی آئینہ ہو تو فوراً آفتاب پہلے آئینہ کی وساطت سے اس آئینہ میں ہی پوری فوت ہو نظر آتا ہے اسی طرح نیکوں کی محبت سے جو خدا کا نور گنہ کاروں پر جلوہ گر کیا اسکا جلوہ بھی انکی اپنی صفائی اور کدورت کی نسبت سے مختلف ہوگا اور اگر کسی کا دل بالکل سیاہ ہو تو اسکو اس نور سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔ غرض یہ بھی ایک فائدہ ہے جو ملحد کے وجود سے گنہ کاروں کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ فوراً ایمان سے منور ہوں۔ اور اس کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتُوبْ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَأُولَٰئِكَ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ مِنَ اللَّهِ وَلِذَٰلِكَ أَمَرْنَا
فَإِنْ حَرَّبَ اللَّهُ هُمَا الْغُلَبُونَ ط

(مائدہ پانچواں)

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ فَمَا عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَالنَّبِيِّ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هٰٓؤُلَآءَ فَمَا يَفْعَلُ
الضَّالِّينَ ۚ فَآلَا تَأْتِيهِمْ آيَاتُ اللَّهِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ
بِئْسَ تَجَازَىٰ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هٰٓؤُلَآءَ فَمَا يَفْعَلُ
الضَّالِّينَ ۚ فَآلَا تَأْتِيهِمْ آيَاتُ اللَّهِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

(مائدہ پانچواں)

اور جو شخص خدا سے اسکے رسول کو اور اہل ایمان سے
محبت رکھے (وہ خدا کے گروہ میں شامل ہے) اور
خدا کا گروہ غلبہ پائے گا۔

اور ہم کہیں نہ ایمان لائیں خدا پر اور اس ہدایت پر جو
ہمارے پاس آئی ہے حالانکہ ہم آرتہ و کھتوہیں کہ خدا
ہم کو کلام قوم کے ساتھ شامل کہو پس خدا نے ان کے
اس قول پر انکو بدلا دیا اور بہشت میں داخل کیسہیں
نہیں جاری ہیں اور انکو کارون کا اخیر ہی پہنچا،

غرض انکو کارون کی وجہ سے بدرون کو فائدہ پہنچنے کی تیریش کلین ایسی ہیں جن سے واقعہ عالم
کو دیکھنے پر انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگرچہ ان سب صورتوں میں خود گنہ گاروں کی طرف سے
کسی نہ کسی شکل میں کوئی عمل ہوتا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جو مفسدان صورتوں میں حاصل
ہوا ہے اس میں انکو کار ایک فریبہ وارد وسط ضرور ہیں اور جو نوران کے واسطے سے گنہ گار تک
پہنچا ہے اس کا فیضان حقیقت میں خدا کی طرف سے ہے پس اس صورت میں ایکس لائنس کین
الکماستعی کا قاء راہ اور انسان کا اجر اسکے اپنے عمل پر منحصر ہوتا بھی صحیح ہے کہ گنہ گار نے
تقلید یا محبت وغیرہ کچھ نہ کچھ عمل کیا ہے اور لائنس فعون الکلمین ان تقضی کا استغنا اور شفاعت
کو مانگا اسکو خدا کی رضامندی پر منحصر رکھنا بھی صحیح ہے اسلئے کہ گنہ گار کے اس عمل سے رضامند ہو کر
خدا نے عیب کی نیکی کا اثر اس تک پہنچانے کا قانون جاری کیا ہے اور اللہ الشفاعة جعجا
سے پہلی جرحہ فیضان کا پتہ دینا بھی درست ہے اسلئے کہ فیض جو کچھ پہنچا ہے حقیقت میں خدا کی
طرف سے ہے۔ اسلئے شفاعت سے قطعاً انکار کرنا اور صلحا کے جو د کو بدکاروں کے جن میں بالکل مریو
سمجھنا پیچیدہ انہار توحشیم پر مبنی کرنا ہے۔

دعا کا فائدہ مگر ابھی اس بارہ میں کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے۔ نیچر کے برعکس توحشیم جدا جدا

ایک دوسرے کیساتھ مل کر عمل کر رہے ہیں اور مختلف شکلوں سے اثر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ سیم، سخن کا کارڈیون کو کیسے چنا ایک قانون کا عمل ہے مگر جب ٹرین کسی پہاڑی نشیب میں اتر رہی ہو تو اس قانون کے ساتھ کشش ثقل کا قانون اور مل جاتا ہے اور اثر زیادہ ہو جاتا ہے اسی طرح کمکواروں کی ترغیب یا انکی محبت سے جو فائدہ گنہ گاروں کو پہنچتا ہے اگر اس کے ساتھ کمکواروں کی دعا بھی شامل ہو تو دعا کا قانون پہلے تو انہیں کے ساتھ ملکر اثر کو اور دو بالاکر دیکھا کیونکہ دعائیں انسان کو خدا کی طرف اسی ہی براہ رست توجہ ہوتی ہے جسے ہی آئینہ کو قوس آفتاب سے متوازی رکھنے پر اور پھر مذہبی تعلیم میں تکیہ ہے کہ انسان کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ اعمال کے دائرہ میں جس قدر سعی اپنی حالت کو درست کرنے کیلئے کرتا ہے اسی قدر دوسروں کو راہ راست دکھانے اور ان کی حالت درست کرنے کے لئے ہونی چاہئے اور خدا کی طرف توجہ کرنے کے وقت جہاں اپنی منہ پڑے اور نجات کی التجا کرتا ہے وہاں اپنے گنہ گار بھائیوں کو بھی فراموش نہ کرے اور ان کے لئے بھی اسی خشم و غضب سے بارگاہ ربانی میں تمجی ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ اعمال کے دائرہ میں کمکوار کی کوشش رائیگان نہیں جاتی اور ان کی ترغیب و تحریص سے اکثر مذہبگان خدا کو فائدہ پہنچتا ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اسکا خدا کی طرف توجہ کمکیا وقت جو سب سے زیادہ پاکیزہ وقت ہے دوسروں کے حق میں بالکل رائیگان جائیگا اور جب اس نے اپنے آئینہ دل میں نور ربانی کو منعکس کرنے کے وقت اپنے عاجز بھائیوں کی یاد سے اس نور کو انکی طرف مائل کیا ہے اس وقت اسکی شعاعیں قانون قدرت کو توڑتی ہوئی تضامین ضائع ہو جائیں گی اور گنہ گار کی حالت پر کچھ اثر نہ کرے گی نہیں بلکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جس وقت انسان کسی اپنی ضرورت کے لئے خود دعا کرتا ہے اس وقت اسکی ایک توجہ خدا کی طرف ہے تو دوسری اپنے مطلب کی طرف اس لیے اس وقت وہ ایسا آئینہ ہے جو قوس آفتاب کے متوازی رکھا نہیں گیا بلکہ اسکا ایک پہلو آفتاب کی جانب ہے اور دوسرا پہلو کسی اور چیز کی طرف جسکی وجہ سے ضرور ہے کہ آفتاب کی شعائیں پوری قوت سے عمل نہ کریں۔ لیکن جب کوئی نیک بندہ کسی اور شخص کیلئے بغیر اپنی ذاتی غرض کے دعا کرتا ہے اس وقت اسکی توجہ جس دوسری چیز کی طرف ہے

وہ محض نیکی اور فائدہ رسانی ہے اسلئے اس وقت آئینہ قلب ایک پہلو سے خدا کی جانب ہو تو دوسرے پہلو سے ایسی روشنی کی جانب جو خود بھی نور ربانی کو جذب کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور اس لئے اس وقت ان شعا عین کا اثر زیادہ قوی ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ بناب سالتاب نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسئلہ دعا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہی زبان سے دعا مانگو جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ حاضرین نے عرض کی کہ ایسی بات کس کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اپنی زبان سے غیر کی زبان سے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا اسلئے جو دعا دوسرا شخص کسی کے لئے کر لگا وہ اس کے حق میں بگینا زبان سے ہوگی (صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک غیر کی دعا غرض نفسانی سر پاک اور جینہ بند ہوگی اسلئے اسکی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں۔

کبھی شفاعت کے خیال سے | البتہ شفاعت کی اس صورت میں یہ اعتراض قوی معلوم ہو گا کہ انسان غور پیدا کرتا ہے۔ کی اپنی ہی کے بغیر سکون فائدہ پہنچا اور بیشک غیر کی دعا سے جو فائدہ پہنچنے کی امید ہے ہمیں انسان کا اپنا فعل نظر نہیں آتا۔ مگر آہ! نفسی حرکتیں اور ان کے آثار چڑھاؤ ہو تے ہی ایسے غمی ہیں کہ بعض اوقات خود اپنے تئیں معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دل کیا عمل کر رہا ہے۔ اور یہ صرف قدرت ربانی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر ذرہ کی حرکت سے واقف ہے اور کسی حرکت کو رائیگاں نہیں جانے دیتی۔ چنانچہ اس وقت بھی جہاں سکون کاروں کو اوقات خاص میں اپنے گنہگار بھائیوں کو یاد رکھنے کا حکم ہے وہاں گنہگاروں کو بھی علم ہے کہ ہماری بہبود کے لئے ایسا حکم دیا گیا ہے۔ اچھا تو اس وقت ان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے بعض تو سمجھتے ہیں کہ کمزور و زنگین سے توسل ہے اور انکی برکت ہمارے لئے کافی ہے چنانچہ اس خیال سے تکبر اور غرور ان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ عاجزی اور عبودیت کا خیال جو خدا کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے دل سے منفق و مروجاتا ہے اور وہ نہایت ولیری سے فسق و فوجوزین منہمک ہو جاتے ہیں اسلئے ایسے لوگ اس برکت اور دعائے مغفرت کے مستحق نہیں رہتے بلکہ وہ اس سیاہ تختہ کی مانند ہوتے ہیں جو آئینہ کی سامنے رکھا ہے اور آفتاب کی شعلیں آئینہ میں سے

گزر کر دیاں کچھ روشنی پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ سیاہ کاری کے ساتھ یہ غرور اور خود ستائی ملک و عذاب
المصاعف ہر جا تا ہے گویا سیاہ تختہ کو بجائے روشن کرنے کے حرارت نے اور جلایا چنانچہ اسلام نے
قلب کی یہی حرکت اور اس کے بد نتیجہ سے زور کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور یہود و نصاریٰ جو مغربین
کی شفاعت اور کفارہ کے خیال سے اپنے تئیں بالکل ناجی یا عذاب کے کم متحمل سمجھتے تھے انہی
خیال کی تخلیق طے ہے اور بتایا ہے کہ کوشش کو گناہوں میں صرف کر کے شفاعت و کفارہ سے
کچھ فائدہ ہوگا اور اسی طرح جناب سالت آب کے اہل میت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ نبی کا توسل محل
کرنے کے بعد اگر گناہوں میں انہماک ہوگا تو عذاب دو گنا دیا جائیگا۔ ارشاد ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم کو صرف چند روز کیلئے عذاب ہوگا۔
کہہ دو کہ کیا تم نے خدا سے عہد لیا ہے یا خدا کی قسم سے
بات کہتی ہو جو جانتے نہیں۔

یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں ہم کو صرف چند روز عذاب
ہوگا اور ان کے اس اقرار نے انہیں مغرور
کر دیا ہے

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی اولاد
اور اس کے عزیز ہیں۔ کہہ دو کہ تمہارے گناہوں کی

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ
الْعَذَابِ قُلْ أَنْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَمْدُ أَنْتُمْ قُلُوبُ
عَمَلِكُمْ مَا لَا تَعْلَمُونَ (ہود پورہ ۷۸)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا
كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْعَذَابِ وَغَرَّهُمْ فِي ذَنبِهِمْ مَا كَانُوا
يَعْلَمُونَ ط (آل عمران پورہ ۷۸)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ
وَحِبَابُهُمْ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ فَعَلَّمَ غِيبُتَهُمْ بِكُفْرِهِمْ كَثُورًا

(مائدہ پورہ ۷۸) ستر کیوں ملتی ہے

اسے نبی کی عورتوں یا غم میں جو بڑے گناہ کریں گے
عذاب دو گنا دیا جائیگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ سُبُلَ الْيَهُودِ
وَالنَّصَارَى الَّذِينَ هُمْ عَدُوُّكُمْ قُلُوبُكُمْ لَا تَعْلَمُونَ
مَتَى يَأْتِيهِمْ عَذَابُ اللَّهِ فَسَوْفَ يُعَذِّبُهُمْ بِكُفْرِهِمْ كَثُورًا

کبھی شفاعت کی کوشش
کا میلان ہوتا ہے۔

اس لئے اس وقت بزرگوں کے توسل کو بھی بے سود کہا گیا ہے اور اگر انسان
قلب شفاعت کے خیال سے ہمیشہ یہی حرکت کیا کرتا تو ہمیشہ شفاعت کا اثر لانا ہرگز ہونے کے

سب سے بیسودانا جانا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا ایسا ہی خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ ہماری نجات اور نیکو کاری کے آرزو مند ہیں اپنی سیکاری اور بد اطواری سے شرمندہ ہوتے ہیں اور جہاں تک ان کے اپنا مکان میں ہونا ہے اپنے تئیں بزرگوں کی دعا کا حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کہی کسی وجہ سے بدی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں یا عادت وغیرہ سے عاجز ہو کر کوئی چارہ کا نہیں دیکھتے تو خدا کی رحمت کے ملنے ہی ہوتے ہیں اور اس نور کی آرزو کرنے میں جو غلوب مصطفیٰ کی وساطت سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا ہے اس لئے انکی عاجزی رحمت کی تمنا اور بزرگوں کی محبت سے کچھ ملکر ان کے دل کو خدا کی طرف متوجہ ہونے میں مدد دیتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جبکہ بزرگوں کی دعا ان کے ملی خیالات کے ساتھ ملکر گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں اور بھی مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر ایک ثواب ان کے نیک اعمال سے کوشش اور محبت کا ملتا ہے تو دوسرا ثواب بزرگوں کی دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ غرض اس وقت انکا اپنا دل بھی کسی قدر صاف ہوتا ہے اور اسی لیے نور آفتاب آئینہ کی وساطت سے انکو منور کر سکتا ہے۔ اور اب اگرچہ یہ خدا پہنچا بزرگوں کی دعا سے مگر انسان کی اپنی حرکت کا اس میں بھی دخل ہے اس لئے شفاعت کی قسم پر بھی وہ اعتراف نہیں ہو سکتا کہ انسان کے اپنی فعل کو دخل نہیں۔ اور جب پہلی قسم کی حرکت پر شفاعت وغیرہ کے اثر سے ایسے کر دیا گیا تھا اگر اس دوسری قسم کی حرکت پر اس کے فائدے کی امید ملائی جاتی۔ چنانچہ اسی لئے اہل بیت نبوت کو جہاں بدی پر دلیر ہونے کے وقت دُگنے عذاب کی دھمکی دی گئی تھی وہاں ساتھ ہی فرما دیا گیا ہے کہ اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی کوشش کرو گی تو ثواب بھی اور دن سے دُگنا پاؤ گی۔ ارشاد ہے

وَمَنْ يَفْعَلْ مَعِيَ مَعْنًا لِّلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاَتَمَّ صَلَاتِهَا اَجْرَهَا مَوْتَانِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا (احزاب ۳۱ تا ۳۳ ع ۳۴)

اور جو تم میں سے خدا اور رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل بجالائے ہم اس کو دُگنا اجر دیں گے اور اس کے لئے عمدہ روزی تیار کریں گے۔

غرض دعا اور بزرگوں کی دعائیں شفاعت و دونوں ایک حد تک مفید ہیں اور وہ حد یہ ہے

جبکہ انسان کا اپنا دل بھی اودھ کو بڑھنے کی کوشش کرتا ہوا واجب اودھ سے ایسی کوشش مطلق نہ ہو بلکہ فتنہ اس کے خلاف ہو تو دعا بھی کچھ مفید نہ ہوگی۔ اسی لیے اسلام میں ایمانداروں کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم ہے اور جہاں یہ نور موجود نہیں وہاں کے لیے فرما دیا گیا ہے کہ لاکھ دعا کرو کچھ نہ ہو گا خیانت ارشاد ہے۔

یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم اپنے ہر مہینوں کیلئے نرم ہو کر ہو اور اگر تم بدخلق اور سخت دل بنو تو وہ تمہاری پاؤں سے منتشر ہو جاتے ہیں وہی لغزشوں کو درگزر کرو اور ان کی معافی کیلئے دعا کرو اور ان سے مشورہ لیا کرو۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرو تو خدا پر بھروسہ کرو وہ ہمہ گیر کریمہ والوں کو پسند کرتا ہے۔

انکے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ان کے لئے ستر نہ ہو گا مانگو گے جب بھی خدا انکو ہر گز معاف نہ کرے گا کیونکہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔

اے ہمارے پروردگار قیامت کے دن محمد کو بخش سے میرے والدین کو بخش دے اور مسلمانوں کو بخش دے اور جان لو کہ لائق عبادت صرف خدا ہے اور اپنے گناہوں کے لیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے خدا سے معافی مانگو

اور جو لوگ ان سے پیچھے آتے ہیں کہتے ہیں اسے پروردگار ہم کو بخش اور ہمارے بھائیوں کو

نَسِئَا حَتَّىٰ مَنَّ اللَّهُ لَهُمْ وَلَٰكُنْتَ قَاطِعًا عَنِ الْغَلْبِ لَا تُفْضِلُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْتَفِ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝

(آل عمران پارہ ۱۷ ص ۷۱)

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۚ

(نور پارہ ۱ ص ۷۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلِذِينَ ظَلَمُوا فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ

(محمد پارہ ۱ ص ۷۱)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ

سَبِّحُوا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ
رَحِيمٌ (حشر پارہ ۵۷ ع ۱)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ
اللَّهِ لَوَدَّ اُمَرَاؤُهُمْ وَمُرَاتِبُهُمْ يَصُدُّوهُمْ
مُسْتَكْبِرُونَ ۖ وَسَيُجَنَّبُ عَنْهُمُ الَّذِينَ كَانُوا
يَتَّبِعُوهُمْ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ كَمَا كَانُوا
يَكْفُرُوا ۖ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْعِبَادَةِ لَأُولَٰئِكَ يَكُونُ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ (نور محمدی ص ۱۷۷)

بخش جرایان میں ہم سے پیشرو ہیں اور ہمارے
میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ نہ رہے۔ اے
پیارے خدا! تو رتوں و رحیم ہے

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے
لئے معافی مانگیں گے تو سر پھیرتے ہیں اور تکبر سے
روگردان ہوتے ہیں پس خواہ تم اُن کے لئے معافی مانگو
یا نہ مانگو خدا انہیں ہرگز بخشتیگا کیونکہ فحش کا نتیجہ
ہدایت خدا کا قانون نہیں۔

باب دوازدم

جزا و سزا کا دوام

ترقی دائمی قانون ہے۔ اچھے عزم اور پیسے عزم۔ نتائج کی صورت میں ہی بیان کا اثر پیل
نہیں کرتا۔ عالم برزخ۔ روحانی صفات۔ غور و فکر روح کی صفت نہیں۔ بدھ اور عیسٰی کی مثال کمال
نہیں پہنچنے کی سبیل۔ خدا کی قدرت و بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ترقی دائمی قانون ہے | دنیا میں نیکی اور بدی کا وجود اور انکی بدنتائج اور نیکی نتائج کی ترقی دیکھنے کے بعد
اور یہ دیکھنے کے بعد کہ جس قسم کی ترقی کے اصولی اسباب موجود ہیں وہ اپنے خلاف قسم کے معلول اسباب
پر تڑپ برپا آجاتی ہے اور انجام ہی حالت پر ہوتا ہے جس کے اصولی اسباب موجود ہیں
یہ سوال ہوتا ہے کہ ایمان اصولی اسباب کے نتائج ہی ہمیشہ برین گے یا کسی حد پر جا کر ختم ہو جاتے؟
یہ سوال نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکی اور بدی کو نواہن کے زمانہ قیام

کو دیکھنا چاہئے اور چونکہ نیکی اور بدی کا روحانی اثر خدا کا قرب یا اس سے دور ہونا ہے اسلئے ذات
خداوندی کا بھی اس سوال سے تعلق ہے۔ اور دنیا میں بظاہر چہیز ایک وقت پر پیدا ہوتی
ہے کچھ عرصہ برہمتی پھرتی ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاتی ہے اور نہ صرف افراد کی ایسی حالت
نظر آتی ہے بلکہ اقراء اور نیز تمام دنیا کو بھی علمی نظر سفر طے کرتی ہوئی اور اپنی حالت کو بدلتی ہوئی کہانی
دیتی ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک وقت پر پیدا ہوا ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاوے گا
پس اگر واقعہ میں یہی کیفیت ہو تو جب نیکی اور بدی کو مزید اگلے ہی زمین گے تو ان کے افعال اور
افعال کے نتائج کیا رہیں گے۔ مگر نہیں۔ جو کیفیت علمی نظر نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا
نہیں ہوتی بلکہ اجزاء متفرق ہو کر کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتے ہیں اور اضر نیکی اور بدی کے
نتائج کی دوسری مدینے خدا جس کو مذہبی جذبہ موجود مانا ہے اور عقل بھی اسکو ماننے کے سوا چارہ
نہیں دیکھتی وہ بھی اگر موجود ہے تو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہوگا۔ کیونکہ اس کا زمانے کے لحاظ سے
صفات کے لحاظ سے ذات کے لحاظ سے غرض کسی طرح بھی محدود ہونا خدا کا خدا نہ رہنا ہر
اچھا ثواب چونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود ہے اسلئے اس کا قرب حاصل ہونے کے کسی درجہ پر نہیں
کہہ سکتے کہ قریب ہونے والا اس سے بالکل چسپیدہ ہو گیا اور آئندہ کوئی درجہ قرب کا باقی نہیں
اور اسی طرح اس سے دور ہونے کی بھی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ غرض خدا اگر موجود ہے تو
یقین ہے کہ اس کے لحاظ سے قرب اور بعد کی کوئی حد نہیں۔ رائی نیکی اور بدی کو نیا لون کا پنا
وجود سوا کرنے کے لئے بھی یہ موجود رہتے ہیں تو پھر جو لوگ قرب خدا کے اصولی اسباب سے بہرہ
میں اور اس طرف ترقی کر رہے ہیں وہ ابلا بابتانگ ترقی کرتے جائینگے اور انکا سفر کسی نقطہ پر ختم ہوگا
اور آدھ جو لوگ خدا سے دور ہونے کے اصولی اسباب رکھتے ہیں ان کے منتزل کی ہی کوئی حد
نہ ہوگی اور ہمیشہ تک دور سے دور تر ہوتے جائیں گے اور یوں نیکی کا نتیجہ نیکی اور بدی کا نتیجہ بد
یعنی دنیا کے دونو عنصر اپنی رفتار میں غیر محدود ہونگے۔ غرض اگر دنیا میں یہ دونو چیزیں موجود
ہیں اور اگر یہ ان ترقی کا قانون جاری ہے اور اگر ترقی کے سنی ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں

وقت کا زیادہ ہو جانا ہے تو پھر دنیا کے لئے نیک یا بد کوئی سا ایک نتیجہ ناسنیں جاسکتا اور کہنا پڑتا ہے کہ ان دونوں چیزوں کے اپنے اپنے دو ہی طرح کے نتیجے بھی ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے ایک سے پہلے پڑا ہے اس کا ہمیشہ وہی ہو گا جو باقی قریں قیاس ہے اور اسکے خلاف نیچر پرگزشتہات نہیں دیتی کہ ان میں سے ایک رستہ پر چلتے چلتے دفعۃً گاڑی ٹک جائیگی اور جو نتیجہ اس پر مرتب ہو نا ہے اسکی بجائے خود بخود دوسری قسم کا نتیجہ مرتب ہو کر سب کا انجام ایک جیسا ہو جائیگا۔

اپنی مزم اور۔
پلیسے مزم۔
مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دل میں مذہبی جذبہ پیدا ہونے کے بعد پھر کو مطالعہ کرنے کی تکلیف کم گوارا کی جاتی ہے اور اگر اس وقت دل میں دنیا کی کسی مصیبت کا خیال ہے تو اور زیادہ غور و فکر کرنے کے بغیر مصیبت ہی کو دنیا کا اہل سمجھ کر سب کا انجام بد فرض کر لیا جاتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اس وقت کوئی خوش گوارہ منظر پیش نظر ہے تب بھی ایک طرف کارروائی سے سب باتوں کا انجام نیک سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح پتھلائے عالم کے اس سیکڑ میں دو فرقے ہو گئے ہیں جن کو اپنی مسٹ اور پلیس مسٹ کہتے ہیں یعنی ایک سمجھتا ہے کہ سب کا انجام نیک ہے اور دوسرا خیال کرتا ہے کہ سب چیزیں بد نتیجہ پر پہنچیں گی۔ ان میں سے دوسرا

خیال نہایت ناگوار ہے اور عموماً ایسے لوگوں کی طرف ہم پیش ہوتا ہے جو اپنے تئیں مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہیں۔ اور پہلا خیال عموماً مذہب کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور بیشک دل میں تنہا ہرگز نیک اور بداد گنہ گار اور پارہ سب آئندہ دائمی راحت اور مسرت میں بسر کریں۔ مگر وہ۔ ای بسا آرزو کا خاک شدہ نیچر کا قانون ہماری تمنائوں کے ماتحت نہیں۔ کون نہیں چاہتا کہ دنیا میں غربت و فداکت کا نشان نہ ہو۔ کون نہیں چاہتا کہ مرض و تکلیفیں نابود ہو جائیں اور کون نہیں چاہتا کہ عزیزوں کی جدائی اور موت کا دھڑکنا منظر دکھائی نہ دے مگر کیا ہماری ایسی کوئی بھی تمنائیں آتی ہے اور کیا ہماری تمنائیں موت کی ان مصیبتوں میں سے کسی ایک کو ہی نابود کیا ہے اور یہی اسی لئے کہ نیچر کا مشین ہماری آرزو کے خلاف چل رہی ہے پس اسی طرح آئندہ کی عام راحت و مسرت کی آرزو بھی اگر منشا ئے قدرت کے خلاف ہو تو ہماری طاقت نہیں کہ اسکو روک سکیں۔ اسلئے اگرچہ دعا ہے کہ یہ آرزو برآئے

اور قدرت آئندہ ہمارے کھنڈے پر چلے مگر افسوس کہ جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے اس سے نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بدی کرتا ہے تو بد عادت ضرور پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے باز آئے تو دوسری بدی کرنے پر عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح کرتے کرتے ہی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عادت کے زور کی کچھ حد نہیں رہتی اور یہ صرف خیالی جہلان نہیں بلکہ دنیا میں ایسے نمونے بیشمار موجود ہیں اور اصولی بدی انکار خدا کو مانا جائے یا بد اخلاقی کو دو نوع طرح کے کامل نمونے ہر زمانے میں نظر آتے ہیں پس جو شخص اسی حالت میں مرا ہے۔ اگر وہ فحشا نہیں ہوتا تو اسکی آئندہ حالت کیا ہوگی؟ اور کیا ایسا شخص آخرت میں نیک نتیجہ حاصل کرے گا اور کیا قدرت کا قانون ٹوٹ جائیگا اور بدی سے بجائے بدی کو ترقی ہونے کے اٹمی نیکی پیدا ہو جائیگی؟ اور اوصاف جو شخص نیکی کرتا ہے تو اس فعل کے جاری رہنے پر کہ اسکی مثالیں ہی بکثرت موجود ہیں یہی شکل پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کا انجام بد ہونا قانون قدرت کے خلاف نظر آتا ہے اس لئے اچھی مزہ اور پیسے من مرد و نو خیال غلط ثابت ہوتے ہیں +

مگر اس وقت بعض لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا کہاں
 لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایسے شخصوں کو آئندہ پھر دنیا میں
 بھیجا جائیگا اور دوبارہ جی اور بدی کا موقع دیا جائیگا۔ مگر کھچھی کیا ہوا۔ اگر کوئی دوسری زندگی
 ہے تو وہ اسی زندگی کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اگر اسکو پہلی زندگی کا نتیجہ نہ مانا جائے بلکہ کہا جائے کہ روح
 کو پہلے خیالات سے بالکل پاک کر کے دوبارہ نئے سرے سے جدوجہد کرنیکے لئے بھیجا جاتا
 ہے تو لازم آئیگا کہ یہاں کی نیکی اور بدی دونوں کا نتیجہ بیچ ہے اور جس کام کو یہاں نہایت مضبوطی
 کے ساتھ جاری رکھنے اور ترقی دینے کا قاعدہ جاری کیا گیا ہے مرنے پر اس کام کو بالکل نابود
 کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد دونوں کو پھر تازہ دم وہی بے نتیجہ کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے پس
 اس وجہ سے جب دوسری زندگی کو پہلی زندگی کا نتیجہ ماننے کے سوا چارہ نہیں تو نتیجہ کی جو رفتار

سناؤ کی صورت میں بھی
 بیان کا اثر بدل نہیں سکتا

یہاں ہے وہی دوسری زندگی میں ماننی پڑیگی اور جب یہاں بدی کا نتیجہ بدی ہے تو دوسری زندگی میں وہ شخص اور بھی بدتر ہو کر پیدا ہوگا اور خواہ اس طرح کی کروڑوں زندگیاں مانی جائیں جب بھی جو بد و خست ہوگا اسی کا پھل آئیگا۔ غرض پہلی زندگی کو بدی میں گزارنے کے بعد دوسری زندگی میں نیک اور پارسا بن جانا وہی قانون قدرت کا ٹوٹ جانا ہے یعنی ناممکن

عالم برزخ | مگر ابھی اس مسئلہ کا ایک پہلو اور قابل غور ہے کیونکہ تنازع کو مان کر مرنے کے بعد کچھ عرصہ روح کا جسم سے خالی رہنا مانا جاتا ہے چنانچہ بعض نے اس دنیائی حصہ کو جس کو عالم برزخ کہنا چاہئے اپنی آرزو برانے کا موقع تصور کیا ہے جیسا کہ مسرانی بسنت فرماتی ہیں کہ۔
”عالم برزخ میں روح اپنی خواہشوں اور غلوں پر غور کرتی ہے اور ان کے نفع و نقصان کو دیکھ کر تحریر حاصل کرتی ہے اور اس طرح بہت سی جہڑوں کے تجربوں سے کشش پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ نیکی بڑھتی جاتی ہے۔“

روحانی صفت | یہ دعویٰ بہت دل خوش کن ہے کاش ایسا ہی ہوتا ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقل کے پاس اس دعویٰ کا ثبوت کہاں تک موجود ہے اور مرنے کے بعد جو روح میں غور و فکر کی طاقت مانی جاتی ہے وہ کہاں تک فریق قیاس ہے۔ بیان جو ہنسنے انسان کو دیکھا تو بشیک اس میں غور و فکر کی طاقت موجود پائی۔ پس شاید یہ روح ہی کی صفت ہو اور جسم چھوڑنے کے بعد بھی بحال رہتی ہو اور شاید کیمت تک عقلا سے زمانہ عقل کو روح کی ہی صفت مانتے رہیں لیکن روح تو وہ چیز ہے جس پر جوانی اور بڑھاپا نہیں آتا اور ہمیشہ یکساں رہتی ہے اس لئے جو صفت خاص اسکی ہوگی وہ بھی ہمیشہ یکساں رہنی چاہئے حالانکہ غور و فکر کی طاقت کا یکساں رہنا ایک طرف اسکو ہم پیدا ہوتے جوان و پیر ہوتے اور مرتے دیکھتے ہیں ان کے پیٹ میں یہ طاقت ہوتی ہی نہیں بچہ میں بڑھنے لگتی ہے۔ جوان میں مکمل ہوتی ہے۔ بڑھاپا آتے ہی اس پر بھی آفت آنے لگتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات انسان زندہ ہوتا ہے یعنی روح اس میں موجود ہوتی ہے مگر عقل و شعور کے لحاظ سے ایک بت معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف بڑھاپے میں بلکہ بعض

جسمانی آفتون سے خود جوانی میں یہ صفت نابود ہو جاتی ہے۔

اور ہم جنوں میں ٹھہرتے ہیں جب تک چاہتے

ہیں پھر ہم نگو چھپن کی حالت میں پیدا کرتے ہیں

پھر عمر دیتے ہیں تا تم اپنی قوت تک پہنچو اور تم میں

سے بعض کو موت آ جاتی ہے اور بعض نہایت ذلیل

عمر تک پہنچتے ہیں کہ عقل و شعور کے بغیر کل علم پر چاہتے

خدا وہ ہے جس نے نگو کمزوری سے پیدا کیا

پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد

کمزوری اور بڑھایا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا

ہے کیونکہ وہ علیم و قادر ہے۔

وَقَدْ فِي الْأَحْجَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

لَكُمْ خَيْرٌ مِّمَّا تَحْكُمُونَ وَلَا تَسْتَعْجِلْهُ الشَّدَائِدُ

وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَتَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى الْأَرْذَلِ

الْعَمَلِ لِكَيْ لَا يَكْفُرَ مِنْ بَعْدِ عِلْمِهِ شَيْئًا

(حج پڑھو ع ۷)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ

قُوَّةٍ ضَعْفًا وَتَسْوِيَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (روم پڑھو ع ۷)

غرض جب جسمانی قوت و ضعف کے ساتھ عقل بھی قوی یا کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات

وہ نابو رہی ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت جسم کی ہے نہ روح کی اور اسکے برخلاف

خواہش ایسا وصف ہے جو چھپن سے لیکر بڑھاپے تک بلکہ مرتے دم تک یکساں قوت کیساتھ

موجود رہتا ہے اور خواہ جسم کی کچھ بھی حالت ہو اور خواہ خواہش کی شکلیں بدلتی رہیں مگر

زندگی میں ایسا وقت کہیں نہیں آتا کہ کسی قسم کی خواہش موجود نہ ہو اس لئے اگر روح کی صفت کوئی

مانی جاسکتی ہے تو وہ خواہش ہے اور اسی لئے ڈاکٹر ڈائسن نے روح کا ثبوت خواہش کے

وجود سے دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

۱۵ امام غزالی روح ثبوت روح کے عقلی دلائل کو پرکھنے کے وقت جزو ثبوت عقل کے وجود کو دیا جاتا ہے

اور کو اسے وجہ سے ضعیف کہتے ہیں کہ عقل زوال پذیر ہے اس لئے یقیناً بنین ہو سکتا کہ وہ روح

کی صفت ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب تہافتہ الفلاسفہ بحث ثبوت روح۔

۱۶ کتاب ایلینڈ آف میٹافزکس حصہ دوم باب پنجم۔

”ہم ہندی یونانی اور موجودہ فلسفہ میں یہ ایک عام غلطی دیکھتے ہیں کہ وہ روح کو ذی عقل مسمیٰ مانتے ہیں حالانکہ اسکے برخلاف روحانی زندگی کے تمام واقعات بے خطا ثابت دیتے ہیں کہ انسان کا مرکز دل میں تلاش کرنا چاہئے نہ دماغ میں اور خواہش میں تلاش کرنا چاہئے نہ علم میں۔ اور بالخصوص واقعات ذیل اس دعویٰ کے نشانہ ہیں

۱۔ ذہن نام جسمانی آلات کی طرح بچپن میں طبع سے لگتا ہے اور انہی کے ساتھ بڑھاپے میں گھٹتا جاتا ہے۔

۲۔ ذہن کچھ عرصہ کے لئے نیند میں اپنی چستی کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ خواہش یعنی بے شعور خواہش دل کی طرح تھکنہ نہیں جانتی۔

۳۔ تمام جسمانی آلات کی طرح ذہن بھی خواہش کا ایک اہستہ اور ہمیشہ فرمان بردار خادم کے طور پر کام کرتا ہے اور ہر حال میں بالادست حاکم خواہش ہے۔ یہ ایک ایسی صداقت جو شاید مستند لالی طور پر ایسی ثابت نہ ہو مگر علیٰ دنیا میں ہر نگہ نمایاں ہے۔

۴۔ حیوانی درجات کو دیکھو تو ان میں ذہن کم سے کم تر ہوتا جاتا ہے حالانکہ خواہش بیکار نہ رہتا ثابت کرینگے ہر نگاہ جسے کہ چھوٹے سے چوٹے حیوان میں بھی اسی زور سے موجود ہے۔

۵۔ جب انسان کی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کے لئے جو قہر سے پرے تک پھیلنا ہوتا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا طور ہے۔“

۱۰۔ ڈاکٹر مریون اس ویل سے اور نیز آگے خواہش کو جادات تک لیجا کر وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتا ہے مگر اس سے جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی اصلیت ایک ہے مگر یہ کہ خدا اور کائنات حقیقت میں ایک ہیں اور کوئی اور ہستی ان کائنات سے ممتاز اور اسکو پیدا کرنے والی نہیں یہ دعویٰ اس دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ ان معجزہ پر اب ہم کتاب ”اخلاقی اغفال پر یہی قانون جاری ہے“ کا ماحیہ ملاحظہ ہو۔

یہاں تک روحانی صفات کی نسبت عام واقعات سے استدلال کیا جاسکتا تھا اب
 ان واقعات کو دیکھا جائے جو اکثر اوقات امراض وغیرہ کے سبب سے یا مصنوعی طور پر عزم
 کے عمل میں جسم اور جسمانی طاقتوں کے معطل ہونے پر پیش آتے ہیں تو اس وقت اگرچہ روح
 جسم سے جدا نہیں ہوتی اور نہ اسکا تصرف بالکل منقطع ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت بھی جسم سے
 بہت سے کام لیتی نظر آتی ہے مگر چونکہ دماغی طاقتوں کو بڑی حد تک معطل کر دیا جاتا ہے اس
 لئے دیکھا جاتا ہے کہ روح سے غور و فکر کرنے کی قوت بہت کچھ مفقود ہوجاتی ہے۔ اگر اس وقت
 غیب بینی اور جسم پر تصرف کرنے کی یا اور ایسی ہی بہت سی طاقتیں موجود ہوتی ہیں چنانچہ
 سٹر پیڈین ایسے واقعات کی بنا پر یقین کرتے ہیں مگر انسان کی روح میں جزئیات کو دیکھ کر
 ان سے کوئی کلی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت نہیں ہے البتہ کوئی کلیتہ ساعدہ معلوم ہونے پر
 یا خیال دلو اسے جانے پر اسکو جزئیات پر منطبق کر سکتی ہے مثلاً اگر سمرزم کی حالت میں عمل
 کو یقین دلوایا جائے کہ وہ کتا ہے تو اسکی روح میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ اپنے کتا ہونے کی
 نسبت غور کرے اور اپنے حالات کو دیکھ کر نتیجہ نکالے کہ میں ان حالات و اوصاف کے
 باوجود کتا نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے برخلاف چونکہ کتا ہونیکا خیال دلوایا گیا ہے وہ اپنی حالت
 پر اسکو منطبق کرنے کی کوشش کر لگا کئے کی طرح ہوسکتے اور چار بانٹھ پاؤں سے چابو لگایا
 اور اگر اس کو کہا جائے کہ تو تب میں مبتلا ہے تو وہ اپنی حالت پر غور کر کے اس سے انکار
 نہیں کر سکتا بلکہ فوراً یقین کر لینگا اور اس یقین کا ایسا اثر ہوگا کہ واقع میں جسم گرم ہو جائیگا مگر
 تیز ہو جائیگی اور پھر تندرستی کا خیال دلوانے پر فی الفور عصب الامتین دور ہو جائیں گی
 غور و فکر کی صفت نہیں | غرض زندگی کی عام حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ غور و فکر کی قوت
 انسان کی جسمانی صفت ہے اور اسکی روحانی صفت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف خواہش ہے
 اور سمرزم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح میں کچھ قوت ہو بھی تو وہ کلیات کو جزئیات
 پر منطبق کرنے کی ہے اور استدلال کا دوسرا عمل یعنی جزئیات سے کوئی کلی نتیجہ نکالنا اسکے

اسکاتین نہیں اور نیز یہ کہ وہ قوت خیالیہ سے متاثر ہونے کی بہت بڑی قابلیت رکھتی ہے اور سرورم کی حالت میں چونکہ روح کا تعلق جسم سے بالکل منقطع نہیں ہوا اس لیے اس وقت کلیات کو جو بیانات پیشین کرنے کی قابلیت جو اس میں پائی جاتی ہے اسکی نسبت ہی یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی خاص اپنی صفت ہے بلکہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھی کسی قدر جسمانی تعلق کے قائم رہنے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اس کو روح کی اپنی صفت جب کہہ سکتے کہ روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع ہو نیکی بعد ایسا متعجب نہ ہو سکتا۔

عرض ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں جبکہ روح کو جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے گزشتہ حالات پر غور کرتی ہوگی اور یہ نتیجہ نکال سکتی ہوگی کہ آئندہ زندگی میں ایسے حالات سے اجتناب کرنا چاہئیے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خواہش کی صفت روح میں دائمی ہے جس خواہش میں اس نے اپنی تمام جسمانی عمر گزاری ہے اسی خواہش میں مبتلا رہتی ہوگی اور نیز چونکہ وہ قوت خیال سے بہت متاثر ہوتی ہے اس لئے جس خیال نے تمام عمر اس پر قبضہ رکھا ہے وہی اس وقت بھی اس پر متصرف رہتا ہوگا۔ پس مسٹر ایچی بسینٹ اور ان کے ہم خیالوں کا عالم برزخ کی امید پر جتنا محض خیال خام ہے اور پھر کی شہادت اس کے خلاف ہے اور خود مسٹر ایچی بسینٹ کے کلام میں اس بارہ میں بہت تذبذب پایا جاتا ہے چنانچہ وہ اسی تحریر میں ایک اور موقع پر لکھتی ہیں کہ

”جو بڑے خیالات میں گرفتار رہنے والا جب مرتا ہے تو اپنے خیالات کی وجہ سے پھر مٹی

زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ صرف زمین پر آتا ہے بلکہ ان خیالات کو اور بھی سختی کے ساتھ بجا

لاتا ہے کیونکہ حالت برزخ میں وہ خیالات کو محض رہتے ہیں مگر نچتے ہوئے رہتے ہیں۔“

اور زمین پر اگر پہلے سے زیادہ زور ظاہر کرتے ہیں ”(ایک موقع پر لکھتی ہیں) دیو لچنک

یعنی عالم برزخ ایک ایسی حالت ہے جو زمینی زندگی کے تجربوں سے بالکل متناسب ہوتی ہے اور اس عالم کا

کمال ان خیالات کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے جو حیات حسی میں حاصل کی گئی ہیں۔ اور

یہی خیالات وہاں جا کر روح کی طاقت اور اسکی ذات کا ایک حصہ ہو جاتے ہیں۔ پس خواہ روح کو جسم چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ علیحدہ رہنا پڑے اور خواہ وہ دوبارہ سہ بارہ دنیا میں آمد و رفت رکھے جو وصف اور عادت اس نے اس زندگی میں کسب کی ہے ترقی اسی کی ہوگی اور وہ وصف اگر بدی ہے تو کبھی آئندہ اس سے نیکی پیدا ہو جائے گی کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں اور اس کیلئے اگر ہماری موجودہ زندگی ہماری گذشتہ زندگی کی زندگیوں کا نتیجہ مانا جائے جیسا کہ اہل تناسخ کا خیال ہے تب بھی یہ بار بار چکر ہماری گذشتہ آسوخہ کو دہرانے کے سوا کسی مصروف کا نہیں اور ہماری حالت درست کرنے کے لیے مضید نہیں ہو سکتا۔

بڑھ اوسخ کی مثال | یوں کہنے کو سوامی دیکانند جی کہتے ہیں کہ بڑھ اوسرخ جیسے مہاتما جکی نیکی نے دنیا کے بڑے حصہ سے پریش کر دئی ہے۔ لاکھوں نون کے تجربوں سے ایسی بنے ہوئے گویا یہ تناسخ کا فائدہ ہے اور اسی طرح سب نیک بن جائیں گے لیکن اگر یہ فائدہ تناسخ کا سمجھا جائے تو جن انسانوں کی ترغیب و تحریک یا مثال سے تمام شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ بد رسمیں رائج ہو گئی ہیں ان کا ایسا عالمگیر اثر اور یکیش اور قوت بھی لاکھوں نون کے تجربہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔ اس لیے اگر تناسخ کو مان کر مسیح اور بدھ کا معبود و خلاق ہونا اس تھیوری پر مطلق ہوتا ہے تو شراب اور قمار کے معبودوں کی معجز نما کامیابی ہی تناسخ ہی کے باعث مانتی پڑے گی اور اسلئے تناسخ کی وجہ سے البتہ نون کا یکساں نیک نتیجہ پر پہنچنے کا خیال صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے اگر مسیح و بدھ جیسی قومی طبیعت تناسخ کے سبب سے پیدا ہوئی ہے تو چونکہ تناسخ جیسی اروج کے لئے مانا جاتا ہے اس لئے چاہئے تھا کہ ایک مسیح اور بدھ ہی ایسی نہ ہوتے بلکہ سبھی اس طرح ترقی کرتے جاتے اور جو نون کی جس قدر تعداد میں مسیح اور بدھ ایسے بن گئے ہیں اسی قدر تعداد میں اور لوگ بھی اسی قوت اور اثر کے مالک بن جاتے۔ اور نیز اگر بدھ مسیح اور بدھ میں بہت بڑی قوت مافی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا کے

بڑے حصہ نے ان کے آگے سجدہ کیا ہے لیکن پھر بھی ابھی اور ترقی کی گنجائش ہے اور دنیا میں ایسی ہی بڑی تعداد ان کو نہ ماننے والوں کی ہی موجود ہے اور ادھر مسیح اور بڑے کے بعد زمانہ ہی بہت بڑا لگد بچکا ہے اس لئے اگر اس وقت تک کی آمد و رفت نے مسیح اور بڑے بنائے تھے تو ان کے بعد اس وقت تک کی آمد و رفت کو جو تجربہ زیادہ ہوا ہو گا اس سے لازم تھا کہ اب کے لوگ مسیح اور بڑے سے بھی زیادہ اثر اور قوت پیدا کر لیتے اور اگر ان سے بعض لوگوں کو انکار بھی ہے تو اس وقت کے رشی اور مہارشی تمام جہان سے سیوا لیتے حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہیں اور ایسی قوت کے لوگ بہت کم اور خال خال ہی نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور بڑے بننے کا راستہ نسخ کے چکر میں نہیں بلکہ اُن کی طبیعتیں ہی فطرۃً ایسی قوی واقع ہوئی تھیں جس سے ہر زمانے میں فوجوں کی فوجیں ان کے نام پر قربان ہوتی ہیں۔ اور جب اس امر کو ماننے سے چارہ نہیں کہ انسانی طبیعتیں باہم مختلف ہیں اور بعض روحیں فطرۃً قوی ہوتی ہیں تو بعض نیک یا بد شخص کے عالمگیر اثر اور انکی تعلیم کی اشاعت کا باعث انکی فطری قوت ہوگی نہ نتائج کا پتہ۔

کمال تک پہنچنے کی سہیل | اور پھر اور زیادہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قوی طبیعتوں کو اگر اپنی عجیب تعلیم اور دلکش ایجاد کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کے مستحق ہیں لیکن امتیاز سب کا سب انہی کی ذات سے مخصوص نہیں بلکہ عام نوع انسانی کے مختلف الانواع ترقیاتی اس امتیاز تک پہنچانے میں بہت بڑی معاون ہوئی ہیں اور جس طرح ہم مختلف علوم و فنون کی ترقی میں کہہ سکتے ہیں کہ انکی اعلیٰ دریافتیں اور باریک مشوگیاں ان وقت کے شخص کے دماغ میں پیدا نہیں ہوئیں جب کو کسی فن کا توحید یا نام کہا جاتا ہے بلکہ نہایت قدیم زمانے سے نہایت سادہ شکل میں ایسے فنون کی بنیاد پڑ کر بڑھتی ہوئی اس حالت کو پھر پختہ چکی تھی جس کے بعد کسی قوی الذہن اور عقیل شخص کو اس میں ایجاد و اختراع کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً علم سب کے عمدہ اور سہل فائدے بنانے والے کو جو عذرت ہیں گویہ ایسی ایجاد نہیں جس کا پہلے وجود ہی نہ ہو بلکہ کسی

سچ کہا ہے کہ ابتدائے آفرینش انسانی میں جس کسی شخص نے متجمل کے دس سید تو کرنا اپنے
 دونوں بچوں میں برابر بانٹنے کیلئے ایک ادھر اور ایک ادھر رکھتے ہوئے پانچ پانچ کی دو ڈھیر بنا
 بنا دی ہو گی وہ علم حساب کا پہلا موجد ہے۔ اس کے بعد کسی نے پانچ اور دس کا نام مقرر
 کر دیا ہو گا جسے اس سلسلہ کا دوسرا نام کنا چاہئے۔ اس کے بعد کسی نے پندرہ مقرر کر دیا ہو گا
 کہ دس چہیزوں کو پانچ پانچ کی دو ڈھیروں میں رکھا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں اور
 پھر اس قسم کے گردن کو دس بیچ کرتے ہوئے شمار و اعداد کا علم اس حد تک پہنچ گیا ہو گا جس کے
 بعد کسی ذہین کیلئے اس علم کو بطور ایک فن کے مرتب کرنا اور پہلے قاعدوں کو آسان بنانا
 یا نئے قاعدے ایجاد کرنا سہل ہوا۔ اب اس شخص کی نسبت بتکنہ کی ضرورت نہیں کہ اس نے
 بہت سی جہتوں میں پھرنے کے سبب ایسا فن ایجاد کیا بلکہ ضرور کہنا چاہئے کہ اس نے
 اپنے سو پہلے انسانوں کے علم اور ان کے تجربوں سے جن کا علم اسے اسی موجودہ زندگی میں
 ہوا اپنی قوت طبع سے و سبق سیکھا جس کا نتیجہ فن حساب کی ترتیب ہے۔ اسی طرح ابتدائے
 آفرینش سے اپنا نعم غلط کرنے کے لیے دل بہلانے کی چیزیں اور فعل تلاش کرتے کرتے
 اور بہت سی ابتدائی اور آسان اصولوں کو دریافت کرتے کرتے ایسا وقت آیا تھا جبکہ
 کسی ذہین کو شراب اور قمار جیسی مسرت اور بے غرضی کی اسلئے تدبیریں سوچیں اور اسی طرح
 روحانی عالم کی سیر کرنے والے جن کو پیغمبر یا رشی کہتے ہیں انکے معرفت کے تجربوں کی حقیقت
 خواہ کچھ ہو اس میں شک نہیں کہ اس آگ کی چنگاری بھی ابتداء ہی سے دلوں کو گریہا رہی تھی
 اور قدیم ہی سے پاکیزہ اور مقدس ارواح کو اپنی اس استعداد کے موافق نورانہ کی
 شعاعیں روشنی بخش رہی تھیں چنانچہ جس طرح دنیا کے اور علوم و فنون بتدریج ترقی کرتے ہوئے
 اس حد تک پہنچے ہیں کہ ان کے روشن اور واضح قوانین مرتب ہو کر عامہ خلایق کی تسلیم
 کے قابل ہوئے اسی طرح معرفت کے تجربے اور مصالح ربانی کے قاعدے بھی قلوب مصفا
 پر وقتاً فوقتاً القا ہوتے ہوئے یہ وقت آیا کہ بعض انسانوں کی اس قسم کی تعلیم نے دنیا کے بڑے

ہو۔ اس لئے شہادت کو دیکھتے ہوئے پیسے مسٹ ہونا اور سب کا انجام برا سمجھنا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم نیکی سے سبب اس کے بیوہ ورنیکے میزا رہ جائیں یا اچھی مسٹ ہونا اور سب بانوں کو منہج غیر سمجھنا جس کا نتیجہ ہو کہ ہم بدی سے سبب اس کے مضرت ہونے کے پرہیز نہ کریں دونوں اصول غلط ہیں۔ ضرور بد کا انجام ہمیشہ بد ہے اور نیک کا انجام ہمیشہ نیک اور اس لئے جب تک ہم میں عقل و شعور ہے بدی اور نیکی میں امتیاز کرنے اور بدی کو چھوڑنے اور نیکی اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں آگے جو خدا کو منظور ہے وہ ہو گا۔ غرض یہی وہ نتیجہ ہے جسکو عقل تسلیم کر سکتی ہے اور یہی تسلیم ہونی چاہئے اس مذہب کی جانب سے جو عقلا کو اپنی طرف بلائے اور اپنی خوبی کے لیے عقل کو معیار کر دینے کا دعوے کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ
مُهِينٌ ط

(الف، پارہ ۱۷ ع ۱)

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فِی الْمَنَارِ لَمْ يَخْشَوْا فِیهِمْ شَيْئًا
خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آسَاءُ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ط

یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو شخص خدا اور رسول کی اطاعت کرے اسے وہ جنت میں داخل کر لیتا جس کے نیچے نہرین جاری ہیں وہ ہمیں ہمیشہ ہمیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص خدا و رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی حدوں کو توڑے اسے آگ میں داخل کر لیتا ہمیں ہمیشہ ہمیں لیتا اور اسکی جنت بخش عذاب ہو گا۔

لیکن جو بخت ہیں وہ آگ میں ہمیں گے جو جوش و خروش کرتی ہے ہمیں ہمیں گے جب تک آسمان زمین و مگر جو خدا چاہے۔ تیرا بوجہ چاہے کہ سکتا ہے اور جو بخت ہیں جنت میں ہمیں رہے جب تک آسمان زمین ہے مگر جو خدا چاہے وہ گار چاہے یہ علیحدہ غیر منقطع ہے

اسبیزوم

قیامت

جوانی نہیں وہ ابدی بھی نہیں اسکی تحقیق ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آتی ہے۔ منجھو جانے پر ترقی کی سبیل شکون کی عمر کی قوت و صنعت پر منحصر ہے۔ شخص قایم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔ تمام فوجی اجسام بعینہ زندہ نہیں ہونگے۔ حیوانات جزا و سزا پائینگے۔ ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر۔ ترقی کر دیا لوں نے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ مگر اصرار صحت کا فائدہ۔ اصلاح حکومت کا فائدہ۔ سہولت نقل و حرکت کا فائدہ و مسائل نامہ و پیام کا فائدہ۔ راحت و مسرت کی آرزو برآئے کا ہی کوئی موقع ہونا چاہئے۔ راحت و غم مکمل کیونکہ ہوگا۔ آئندہ ترقی کے وسائل۔ فورس اور رازہ جی کے مختلف مظاہر۔ سائنس کے سمات و سائنس لالی رفتار و سبب تک جاسکتی ہے۔ ترقی کے مختلف درجات میں فورس اور رازہ جی کی شکل بدلتی جاتی ہے۔ آئندہ انقلاب میں ترقی اور بھی اسلے ہونی چاہئے۔ آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی۔ آئندہ ترقی کے لئے جو سامان ہونا چاہئے وہ اسی عالم میں تیار کر دیا گیا ہے۔ آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی۔ روح صرف جسم میں بہر ترقی کر سکتی ہے۔ ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہیں۔ آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت حشر کے متعلق اسلامی تعلیمات انجمنانی تربیت سے انجمنانی خصائل بدل نہیں سکتے۔

جوانی نہیں وہ ابدی بھی نہیں اسکی تحقیق۔
دنیا کے نیک اور بد نتائج کو ہمیشہ کے لئے جاری رہنے کے قابل نامک
سوال ہوتا ہے کہ آیا دنیا کی حالت کو دیکھ کر کوئی احتمال ہو سکتا ہے

کہ بیان کے عمل کر نیوالے ہمیشہ تک قائم رہیں گے اور اپنی جزا و سزا بھگتیں گے۔ یا جیسا کہ عام طور پر میٹریٹ یعنی مادہ پرستوں کا خیال ہے۔ یہ تمام متظام ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اور یہاں کے اشخاص موت کے ساتھ اپنی ہمتی کو کھو بیٹھتے ہیں

ہستی خدا کے بارہ میں جو احتمالات قائم کئے گئے تھو ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھو کہ

ایک انزلی اور ابدی ہستی نے اس عالم کو اپنی قوت علم سے نہایت سزہست کیا ہے مطلب یہ کہ یہ عالم قدیم اور انزلی نہیں ہے پس اسکی نسبت ایک عام قانون قدرت ناما جاتا ہے کہ جب قدیم اور انزلی نہیں تو دائمی اور ابدی بھی نہ ہوگا۔ اس اصول کو مانکر تو کہنا پڑتا ہے کہ نہایت سے نہایت ہونیوالے ایک من ضرورتاً ہوجائینگے اور اس لیے انکی نیکی اور بدی اور اسکا انجام بھی چند روزہ کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور بیشک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جزائی نہیں وہ ابدی بھی نہیں ہو سکتا لیکن اسکا مطلب سمجھو زمین کسی قدر تساہل ہوتا ہے۔ جو چیز انزلی نہیں اور چونکہ معدوم تھی اسلئے وہ اپنے وجود میں ضرور غیر کی محتاج ہے جو اسے نعمت وجود سے بہرہ ور کرے اور جب اسکا وجود عارضی ہے اور اسکی اپنی ذات وجود اور عدم دونو کو برداشت کر سکتی ہے تو اس کا وجود جس طرح حاصل کسی اور کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح قائم بھی کسی اور ہی کی وجہ سے رہ سکیگا۔ اسلئے یہ کنہا درست ہے کہ جس طرح خود وہ چیز ازل سے موجود ہونے کے قابل نہ تھی اسی طرح وہ خود اپنی ذات سے ابتداء تک موجود رہنے کے بھی قابل نہیں۔ لیکن یہ کہ جس دوسری تھی نے اسے موجود کیا ہے وہ بھی اسکو جب تک چاہے موجود رکھنے کے قابل نہیں ہے پس دوسری ہستی لینے پیدا کر نیوالے کی قوت اور ارادہ پر منحصر ہے۔

اگر کسی کمزور ہستی نے اپنی قوت تنجید سے کوئی وجود پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ مخلوق عرصہ تک اس خیال کو قائم رکھ سکیگی اور اس لئے اسکی مخلوق ضرور ایک عرصے میں فنا اور نابود ہوجائے گی۔ چنانچہ جن خیالات کو انسان وجود کا جامہ پہنا تا ہے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس کی قوت اور ضعف کے موافق ایک دو لمحہ سے لیکر سال دو سال دس سال تک قائم رہتے ہیں اور آخر کار نابود ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ انسان اگر چاہے جب بھی اپنے خیال کو ایک طرف تھوڑی ہی دیر کے لئے لٹا سکتا ہے لیکن جس ہستی کو دنیا کا خالق ناما جاتا ہے اور دنیا کو جسکی قوت علم خیال کی محسوس تصویر ناگیا ہے اسکی قوت و قدرت کے آگے انسانی قوت خیالیہ کی کوئی ہستی ہی نہیں اسکی قدرت۔ اس کا علم اور تمام صفات غیر محدود ہیں اس لیے اگر اس نے اپنی قوت علم سے

دنیا کو پیدا کیا ہے اور اگر وہ اسکو کچھ عرصہ تک قائم رکھنا چاہتا ہے تو اسکی غیر محدودیت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ وہ انسان کی طرح اپنے علم کی ایک صورت قائم رکھنے سے تھک نہیں سکتا اور چونکہ وہ خود ابدی ہے اس لیے اگر ابد تک وہ اس صورت کو قائم رکھنا چاہے تو اسکی قوت سے کچھ بعید نہیں۔ ہاں اگر وہ خود فنا کرنا چاہے تو پھر اس ہستی میں بسبب حادث ہونے کے یہ طاقت نہیں کہ اسکی مشیت کا مقابلہ کرے اور اسکی مرضی کے خلاف قائم رہ سکے۔ غرض جو ازل نہیں وہ ابدی ہی نہیں، اس قاعدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی چیز اپنی ذاتی قوت سے ازل میں موجود نہیں ہو سکتی اور اپنی ذاتی قوت سے ابد تک قائم نہیں رہ سکتی یعنی وہ اپنے وجود کے لئے بالکل غیب کی محتاج ہے لیکن ایسی چیز کبھی دوسری ہستی کے اثر سے بھی ابد تک نہیں رہ سکتی۔ یہ کہنا غلط ہے بلکہ اگر دوسری ہستی ابدی ہے اور اگر اسکی قدرت غیر محدود تو ایسی چیز اس ہستی کی مدد سے جتن تک وہ ہستی چاہے قائم ہو سکتی ہے۔

ہر انقلاب پر ترقی ہوئی آئی ہے۔ مگر اس سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ یہاں میز و الوں کا ہمیشہ تک ہنمان ہے۔ اور ممکن ہونے سے چونکہ لازم نہیں آتا کہ پرن گے ہی ضرور اس لئے

عالم آخرت کا احتمال قائم کر نیچے بیٹے ابھی اور سامان کی ضرورت ہو اور دیکھنا چاہیے کہ آیا دنیا میں کوئی نشان آئندہ ہستی کا بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے دنیا کی ابتدا اور اسکی ترقی کی فستار کو دیکھنا چاہئے جس کا آج تک تجربہ ہوا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا سب کی سب ہزاروں طرح کے انقلاب اور تغیرات کا ہدف ہے اور دیکھنے والے سمندر و پہاڑوں اور خود زمین آفتاب اور دیگر سیاروں کو بھی انقلاب بردہ کرتے ہوئے اور ہر لحظہ ایک حالت سے دوسری حالت میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں چنانچہ اس قسم کے تجربوں سے اور عالمانہ اصول کے موافق استدلالوں سے دنیا کی پیدائش کے متعلق تہتیک جو خیال سب سے زیادہ قرن قیاس اور صحیح مانا جاتا ہے وہ نیندیلیں تھیوری یعنی بخار کے بادل سے شروع ہونیکا مسئلہ ہے جس کے رُوسے دنیا لطافت سے

کائنات کی طرف آتے ہوئے ایک دن جم کر یوں کا تو وہ بن جائیگی اور اُس دن سائنس کے نزدیک گویا دنیا اور دنیا کے کاروبار اور ان کے نتائج سب کا خاتمہ ہے مگر جس وقت یہ زمین و آسمان کا مادہ بخار کی شکل میں ایسا پھیلا ہوا تھا کہ آج کے دن کا ایک گرین کا ذرہ اُس وقت ہیمل ہاٹز کے خیال کے مطابق کئی بلین کمب میلون میں پھیلا ہوا خیال کیا جاتا ہے اُس وقت اگر کوئی سائنس دان موجود ہوتا اور اپنے علم سے قیاس لگاتا کہ ایک دن پھیلا ہوا بخار سمٹ کر ہس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یعنی آفتاب اور سیارے بخا جائیں گے تو وہ بخار کی اس حالت کو جس کو ہمیشہ سے دیکھنے کا عادی تھا دنیا کی اصلی حالت سمجھتا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو دنیا کا خاتمہ خیال کرتا حالانکہ بعد کے تجربوں سے ثابت ہوا کہ وہ حالت محض ابتدائی تھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا اسی عالم کی ترقی کا زینہ ہے۔ اسی طرح جس وقت زمین کیس کی حالت سے سیال شکل میں تبدیل ہونی شروع ہوئی ہوگی اُس وقت کوئی ذی عقل انسان موجود ہوتا تو وہ بھی ضرور خیال کرتا کہ قیامت آگئی اور لطافت جو پہلے سے موجود تھی پانی بنا کر مہاوی گئی۔ مگر حقیقت میں وہ بھی ترقی کا ایک درجہ تھا۔ اور اسی طرح سیال سے منجمد ہونے کے وقت کوئی ہوتا تو روانگی کے بعد سکون کو بیکار ہو جانا سمجھتا اور علیٰ ہذا نباتات اور حیوانات کے پیدا ہونے پر اگر کوئی غور کرے تو یہ ہوتا تو مادہ کے فاسد ہو جانے اور اُس میں پھوڑے پھنسیان لٹکنے اور کیڑے چل جانیکا خیال کرتا۔ غرض ہر ایک بڑے انقلاب کے وقت جو ہوتا آیا ہے حالت موجودہ کے بدل جانے کی وجہ سے خیال کرنے والا دنیا کا خاتمہ سمجھ سکتا تھا مگر اب ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے عمدہ حالت ہی وہ ہے جو اب پیدا ہوئی ہے اور دنیا کو پیدا کرنے سے غرض ہی یہ تھی کہ یہ دسترخوان آہستہ کرنے کے بعد حضرت انسان کی دعوت کی جائے۔ اچھا تو اگر کوئی غور کرنے والے اس وقت غور کرنے وہ ہر ایک انقلاب کو خاتمہ سمجھ لینے میں مہذب بھی ہوتا کہ وہ ایک ہی حالت کا خیال کرتے اور اس میں تغیر ہوتا دیکھتے۔ مگر ہم جو اتنے انقلابوں کے بعد اور ہر ایک انقلاب

پر حیرت انگیز ترقی دیکھنے کے بعد منہ ہوجانے کو خاتمہ سمجھتے ہیں تو کیا ہم بھی مجبور ہیں؟ بیشک ہم سمجھ نہیں سکتے کہ منہ ہوجانے پر یہ عالم کس طرح ترقی کر لیا لیکن جس نے گیس کو سیال یا منجمد ہونے دیکھا ہو گا وہ بھی اُس وقت نہ سمجھ سکا ہو گا کہ اب کیا ہو گا۔ اور ہنسنے والے جو ان حالات کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں وہ بھی برف بن جانے پر مجبور ترقی ہونے والی ہے اسکو وہی شخص سمجھ سکیگا جو اس حالت کو دیکھ گیا لیکن پھر بھی نہایت ظلم ہو گا اگر ہم اتنے انقلابوں کا علم رکھنے اور ان کے اندر ترقی کا رستہ صاف ہوتے دیکھنے کے بعد اتنا بھی نہ سمجھیں کہ جس طرح ان وقتوں میں پہلی حالت کے بعد دوسری حالت اور بھی طرہ پر طرہ کر آ رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو کچھ تھا محض تہسب تھی اور پیدائش کی حقیقت اب ظاہر ہوئی ہے اسی طرح اس حالت کے بعد دوسری حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی جس کے سامنے یہ آب وادی اور رونق ایک کھیل سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی اور ثابت ہو گا کہ حقیقی زندگی ابھی حاصل ہوئی ہے۔

یہ دنیا کی زندگی ادھو لعب سے زیادہ نہیں
اور بیشک اگلی دنیا ہی حقیقی زندگی ہے۔
کاش لوگ یہ سمجھ جائیں

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ
وَأَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّمَنْ أَحْيَا
لَهُمْ كَمَا أُيِّتَ لُمُونًا ۚ (سُورَةُ الْاٰنْكَارِ ۱۵)

اس میں شک نہیں کہ نبیوں نے یہی ساری عالمانہ دماغ کا استدلال ہے اور تجربہ کی بات نہیں لیکن اگر یہ مسئلہ غلط ہو اور دنیا کی پیدائش اور اسکی آئندہ حالت کسی اور شکل پر موقوف ہو تو اس میں شبہ نہیں کہ دنیا ہمیشہ سے ایک حالت پر قائم نہیں اور ہزاروں طرح کے انقلاب برداشت کر رہی ہے اور برداشت کرتی جاؤ گی۔ اس لیے انقلاب کی شکل خواہ کچھ ہو۔ ہمارا اس وقت کا استدلال صرف اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انقلابوں سے جب خاتمہ نہ ہوا بلکہ ترقی جوتی گئی تو آئندہ انقلابوں سے کام کیوں بند ہو جائیگا۔ اور اس وقت تک چونکہ انقلابوں کی یہی شکل مانی گئی ہے اس لیے استدلال کو الفاظ میں لانے کے لیے حال کی

سلسلہ سکون کا ہی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

منجھ ہو جانے پر ترقی کی سبیل

ہے ان میں حرارت اور روشنی کسی نہ کسی سرشت سے نکلتی رہی ہے اور اسی سبب سو مینا میں ترقی جوتی آئی ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر اودھر سے حرارت وغیرہ کا آئبند ہو جائے تو ترقی بھی ایک لمخت بند ہو جائیگی۔ اور سائنس جس وقت پر اس نظام کا بکھر جانا مانتی ہے وہ وہی وقت ہے کہ تمام فضا منجھ ہو جائیگی اور حرارت اور روشنی کا کوئی سرشتہ موجود نہ رہے گا اس لیے اس وقت ترقی کا کوئی اور نظور انا بے وجہ ہے مگر اس اعتراض کا وزن دیکھنے کے لیے ہمیں پہر اسی سلسلہ کو دیکھنا چاہیے جس میں پہلے غور کیا ہے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ زمین بخار کے بادل سے الگ ہو کر گیس کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ اس وقت حرارت خود اسکے اندر موجود تھی اور اسکے ذرات کو باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور پھر رفتہ رفتہ حرارت کم ہو گئی یا کم ہو گئی اور اس کا اثر جاتا رہا۔ مگر اس حرارت کے ذائل یعنی اور زمین کے منجھ ہو جانے پر ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی بلکہ جو حرارت اور روشنی وغیرہ آفتاب سے نکل رہی تھی اب آئندہ اسکی وساطت سے ترقی کی ایسی اعلیٰ شکلیں نمایاں ہونیں کہ زمین کی اندرونی حرارت سے ممکن نہ تھیں۔ اب فرض کرو کہ ایک دن یہ ہمارا آفتاب بھی سرد ہو جائیگا اور زمین کی طرح اس میں بھی حرارت کا وجود نہ رہے گا۔ لیکن اگر اس آفتاب سے پرے کوئی آفتاب ہو جس کے گرد یہ آفتاب اسی طرح حرکت کرتا ہو جس طرح اس آفتاب کے گرد زمین تو ضرور ہے کہ جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بھی ترقی دی تھی اسی طرح اس آفتاب کے سرد ہو جانے پر دوسرے آفتاب کی شعاع اس نظام کو اب سے زیادہ آباد کرے گی اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کرہ یا ایک نظام شمسی کے منجھ ہو جانے سے اگر اس سے اوپر کوئی اور آفتاب موجود ہو تو ترقی ترک نہیں سکتی۔ اس شرط نتیجہ کو مان کر ہمیں کوئی شک نہیں اس کے ساتھ اس نتیجہ کو ملاؤ جو تمام عالم پر نظر کرنے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ازل سے اب تک رہنے والا آفتاب وحدت ہو جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اور جس کے نور نے ناموجود کو موجود اور نامحسوس کو محسوس بنایا ہے تو ان دونوں مقدمات کو ملائے سے ثابت ہوگا کہ خواہ یہی ایک آفتاب ہو اور خواہ اس کے وپر اور آفتابوں کا ایک سلسلہ ہو ان سب کے منجمد ہو جانے پر اگر پہلی حسرت یعنی آفتاب وحدت موجود ہے اور اگر وہ اپنی قدرت میں لا ذوال ہے تو اسکی شاعون سے اس منجمد قضایا پر وہی اثر ہوگا جو زمین کے منجمد ہو جانے پر آفتاب کی شاعون سے ہوا۔ اور جس طرح اس آفتاب وحدت کے وہ آثار ہماری نظر سے مخفی ہیں جو بخار کے بادل سے پہلے ہوئے ہونگے حالانکہ مادہ کے انقلابی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہیں کہ پہلے بھی ہزاروں انقلاب ہوئے ہونگے اسی طرح اس آفتاب کا وہ اثر بھی ہو کہ محسوس نہیں ہو سکتا جو انجماد کے بعد ظاہر ہوگا اگر اسی مادہ کی انقلابی حالت سے اس کا بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔

غرض ان انقلابوں کو دیکھ کر حیثیت ہم سمجھتے ہیں کہ تمام مادی نظام تباہ ہو جائیگا اور تمام آفتاب اور سیارے منجمد اور بے نور ہو کر زمین و آسمان اور ان کی درمیانی موجودات کی حالت دیگر گون ہو جائیگی وہی وقت ہو جسکو **نفخ اول** کہتے ہیں اور پھر جب اس کے بعد یہ خراب آباد براہ راست زور بانی کا جلوہ گاہ ٹپیکا اور کسی اور طرح کی ترقی میں مصروف ہوگا اس زمانے کو **نفخ ثانی** کہتے ہیں اور بالا جمال ان دونوں انقلابوں کا نام **قیامت** ہے

يَوْمَ تَبْدِلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ
السَّمَوَاتِ وَتَبْدِلُ اللَّهُ أَوَّاحِدُ الْقَهَّارِ
(ابراہیم پانچواں)

ان لوگوں نے جیسا چاہئے خدا کو بھانا نہیں حالانکہ قیامت کے دن زمین سب کو تغیر میں ہوگی اور آسمان پٹے ہوئے کے مانند میں ہوں ذات پاک بلند

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّى قَدِمَ وَالْأَرْضُ
جَمِيعًا قِصَصُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتِ
مَطْوِيَّاتٍ يَبِيْنُهُ وَتُسَبَّحُنَا وَتَعَالَى

عَمَّا يُشِيرُ كَيْفَ تَدْعُوْنِي فِي الصُّلُوِّ وَفِي حَقِّ
مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
أَلَمْ يَشَأْ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ فِيهِ آخَرَ
فَإِذَا هُمْ هِيَ أَكْثَرُ مِنْ
أَكْثَرِ مَنْ يَكْفُرُ بِهَا وَفَرَحَ الْكَتَابُ
رَحِيًّا بِالتَّائِبِينَ وَاللَّهُ سَلِيمٌ
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ط
(زمر پارہ ۲۹ ع ۷)

وَإِذَا ابْرَأَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
أَيُّنَ الْمَغْنَمُ كَلَّا لَا وَدَّعَ إِلَى رَبِّكَ
يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ

(زمر پارہ ۲۹ ع ۷)

وَإِذَا النُّجُومُ طَسَعَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ
وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّدَتْ وَإِذَا الرَّسُلُ اقْتَتَبَتْ
لَا يَبْقَى يَوْمَئِذٍ لَكَ لِيَوْمٍ الْفَصْلُ ط
(مرسلات پارہ ۹۱ ع ۷)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ
وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّدَتْ عَلِمَتْ
نَفْسٌ مِمَّا حَصُرَتْ ط (کوثر پارہ ۷ ع ۷)

ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور نہ گناہ چھوٹا کرنا
جائیں گے پس جو آسمان و زمین پر مین مرا جائیں گے
باستثناء ان کے جن کو خدا چاہا ہے۔ پر دوبارہ
پھولنا جائیں گے تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے
اور حیران مین گئے اور زمین خدا کے نور سے روشن ہوگی
اور کتاب بھی جائیں گی اور انبیا اور گواہوں کو لایا جائیں گے
اور لوگوں میں حق فیصلہ کیا جائیں گے اور ان ظالم ہو گئے

جب کہ نظر نہ چھوٹا جائیں گے اور چاند نے نور ہو جائیگا
اور سورج اور چاند جمع کر دئے جائیں گے۔ اس میں
انسان کہیں گے اب ٹھکانا کہاں ہے بیشک
کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور اس دن صرف ذات
خداوندی پر قیام کا مار ہوگا۔

پس جبکہ ستارے نے نور ہو جائیں گے اور فضا خالی
ہو جائیگی اور پہاڑاں بو دو ہو جائیں گے اور جبکہ پہاڑاں
کو جمع کیا جائیں گے انکو کیسے بڑے دن میں شہادت
دینی ہوگی۔ فیصلہ کے دن میں

جب کہ آفتاب بے نور ہو جائیں گے اور جبکہ ستارے
گرا دئے جائیں گے اور جبکہ پہاڑاں بو دو کر دئے جائیں گے
..... اسوقت جان لیگا ہر شخص جو نے پس کیا ہے

شکلوں کی عذر کی توت نصف پر پھر ہے | تسلیم کر نیکی بعد کہ آئندہ انقلاب میں یہ مخلوق نئی شکل میں

پیدا ہوگی اور ترقی کرگئی معین طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس وقت مخلوق کے وجود میں آنے
 یا قائم رہنے کا قانون کیا ہوگا البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ یہاں مادہ کی مقدار اور جس قدر
 حرارت اور نور مادہ کو عطا کیا گیا ہے وہ سب کچھ محدود ہے اور مادہ اگرچہ اپنی حالت پر قائم
 ہے مگر حرارت اور نور وغیرہ کا ذخیرہ صرف ہوتا جاتا ہے چنانچہ جس قدر ذخیرہ زمین میں ودیعت
 تھا وہ ذخیرہ صرف ہو چکا ہو اور اب جو کچھ آفتاب سے مل رہا ہے اسکی مقدار بھی خواہ کیسی ہی عظیم
 اٹھان ہو مگر بے پایاں نہیں اور ایک دن ختم ہونے کو ہے اور پھر اسکے صرف ہونے کی
 یہی شکل ہے کہ ایک خاص سمت سے خواص مقدار میں حرارت موصول ہوتی ہے اور جس چیز
 پر اس کا اثر پہنچتا ہے اسکی ایک طرف کو ایک خاص حد تک گرماتا ہے اور دوسری طرف پہنچتے
 پہنچتے اور بھی کمزور ہو جاتا ہے اور اگرچہ سیاروں کو دوری حرکت دینے سے ہر طرف حرارت
 پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے مگر دائمی اثر اس صورت میں بھی پیدا نہیں ہوا اور اسی لئے
 سال کے مختلف موسموں میں اور رات دن کے مختلف حصوں میں حرارت اور نور کا اثر
 مختلف ہوتا ہے اور جو مخلوق اس اثر سے پیدا ہوتی ہے وہ ایک مختصر عرصہ سے زیادہ قائم
 نہیں رہ سکتی چنانچہ نباتات کا اکثر حصہ موسم کی ایک خاص حالت میں پیدا ہوتا ہے اور جب
 تک وہ حالت قائم رہتی ہے بڑھتا چھوٹتا ہے اور اس حالت کے ختم ہوجانے پر نابود ہو جاتا ہے
 اس سے زیادہ مکمل شکل کے درخت اگرچہ بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں لیکن چونکہ محدود حرارت
 نے چرپنہ کے اندر محدود قوت پیدا کی ہے اسلئے ان درختوں کے گرد و پیش کی غذا اور نور کا
 اور اسکی اندرونی اجزاء کی قوت سب محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مادہ ان درختوں میں صرف
 کیا گیا ہے اگر محدود قائم رہتا ہے اور کبھی فنا نہیں ہوتا مگر اسی محدود حرارت اور محدود قوت
 کے سبب درختوں کی شکل ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ اور یہی کیفیت حیوانات اور انسان
 کی ہے کہ مادہ کی تشکیل بھی ایک محدود عرصہ میں فنا ہو جاتی ہیں کیونکہ جو قوت ان کے اندر
 اور باہر کام کر رہی ہے وہ محدود ہے۔

گواس قوت کے محدود جزو نیک سب کیا ہے ؟ اگرچہ کیا معلوم ہو گا لیکن دیکھنا تو چاہئے
 کہ یہاں کچھ اثر آفتاب کے نور سے ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ماہتاب کے نور سے۔ اور دیکھا
 جاتا ہے کہ ماہتاب کے نور سے جو اثر ظاہر ہوتے ہیں انکا زمانہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ مدو جزو
 ہوتا ہے پھل پھول کی پیداوار ہو تو اور جسم کے اندر خون کا جوش اور بعض امراض کا چاندنی
 اور مادہ صبری راتوں میں آثار پڑھاؤ ہو تو غرض جس قدر اثر چاند کی گردش سے پیدا ہوتے ہیں
 چند روز میں بدل جاتے ہیں اور اس کے برخلاف آفتاب کے اثر سے زمین جس قدر تغیر ہوتا
 ہوتے ہیں ان میں سے بعض تو بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں اور بعض مثلاً مسمون کا تغیر
 اور زراعت کی پیداوار یہی کم از کم ہینڈون کی عمر پائے ہیں اور اسکی وجہ اگرچہ تو یہی ماہتاب
 میں جو اثر ہے وہ اسکی اپنی ذات کو پیدا نہیں ہوتا بلکہ آفتاب ہی کا نور ہے جو ماہتاب کی
 وساطت سے عمل کرتا ہے اور یہی ایک واسطہ حامل ہو جائے گا سب سے کہ وہ اثر کہ نور ہو گیا ہے
 اور اس کے خلاف آفتاب کا اثر خود اسکی ذات کی طرف منسوب ہو اور یہ واسطہ ہو گیا ہے نہایت دیر پا
 ہوتا ہے اب اگر یہ آفتاب ہی اپنی ذات سے منور نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور جسم ہے جو جس سے
 اسکو نور پہنچ رہا ہے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ آفتاب کے اثر کی محدودیت بھی اسی سبب سے ہے کہ
 اسکا نور خود اسکی ذات کو پیدا نہیں ہوتا اور واسطہ حامل ہونے کے سبب اس کے اثر سے جو
 مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص عرصہ میں فنا ہو جاتی ہے اور نیز یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر آفتاب
 کے سر ہو جانے پر اس سے اوپر کے آفتاب کا نور بے واسطہ آنے لگے تو اسکی مخلوق اس سے
 زیادہ دیر پا ہو اور یہی نتیجہ اس وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے کہ زمین جب گیس یا سیال تھی اور
 حرارت خود اس کے اندر موجود تھی تو اسکی اجزا انہایت سرعت سے شکلیں بدلتی رہتی تھیں جیسا کہ
 اب بھی پانی اور بخار کے ذرات میں فوری تغیرات دیکھے جاتے ہیں لیکن جب اسکے منجمد ہونے
 پر آفتاب کی طرف سے حرارت آنے لگی تو شکلیں بھی نسبتاً پائدار ہوئے لیکن اب جو یہ آفتاب بھی
 منجمد ہو جائیگا تو دوسرے آفتاب کے اثر سے اسوقت کی شکلیں ضرور اور پائدار ہونی چاہئیں

اور اسکے ساتھ جب یہ مانا جائے کہ ایک آفتاب وحدت موجود ہے جو اپنی وقت سے منور ہے اور اسی کا نور ہے جو واسطہ درو واسطہ تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور نیز وہ نور غیر محدود ہے اور نیز غیر مادی ہو سیکے سبب اس کے فیضان کے لئے کسی خاص سمت اور خاص وقت کی بھی ضرورت نہیں تو ہر دور یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تمام درمیان وسائل ختم ہو جائیں گے اور اس نور کی شعاعیں براہ راست اور ہر طرف سے عالم کو منور کر دینگی تو خواہ اس عالم کے پیدا ہونے کی کوئی شکل ہو اور اسکے قیام کے واسطے کسی قسم کے قوانین جاری ہوں یہ ضرور ہوگا کہ اس وقت جو چیز پیدا ہوگی اسکی عمر محدود نہ ہو بلکہ جب تک اس نور کی شعاعیں کام کر رہی یعنی ابد الابد تک وہ مخلوقات بھی قائم و دائم رہے۔

تشفیق قائم ہوگی وہ | ابھی تک اتنا ذکر ہوا ہے کہ اس عالم کے تو وہ برف یا کسی اور شکل میں جائے اور روح کا وجود۔ اور آبادی کے تباہ ہو جانے پر خاص نور وحدت کے اثر سے پیدائش

کا سلسلہ جاری ہونے کو ہے۔ لیکن اب سؤل ہے کہ جب یہاں کی مخلوق تباہ ہو گئی اور اسکی اجزا مادہ کے دیگر اجزاء سے لگنیں تو یہاں کی مخلوق کا تشخص بھی قائم نہ رہے۔ اسلئے خواہ اسی مادہ سے اور اعلیٰ شکلیں پیدا کی جائیں بعینہ وہ مخلوق پیدا نہ ہوگی جس نے اس دنیا کو آباد کیا تھا۔ بلکہ وہ اور مخلوق ہوگی۔ اور اس لیے ابھی تک ثابت نہیں ہوا کہ یہاں کی مخلوق دوبارہ زندہ ہو کر جزا و سزا برداشت کرے گی۔ اور بیشک اگر محض جسمانیات کو دیکھا جائے تو ایک چیز کے ٹوٹ جانے پر اسکا تشخص بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہ انھی اجزاء سے اور شکل بنائی جائے وہ پہلی چیز پیدا نہیں ہوتی چہ جائیکہ تمام عالم درہم و برہم ہو جائے اور پھر دوبارہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہو تو جس طرح بیان ہوتا ہے وہ ان ہی مادہ کی بعض اجزاء زمین اور فضا میں صرف ہونگے بعض اجزاء دیگر سامان پیدا کریں گی اور بعض سے کچھ اعلیٰ شکلیں پیدا ہونگی اسلئے اسوقت بعینہ یہاں کی اعلیٰ شکلوں کی اجزا کا وہاں کی اعلیٰ شکلوں میں صرف ہونا بھی دشوار ہے اور اس لیے محض جسمانیات کے لحاظ سے اس عالم میں یہاں کے تشخصات کا

قائم رہنا ممکن معلوم نہیں ہوتا اور اگر دنیا محض جسمانیات کا ہی مجموعہ ہو تو کچھ شک نہیں کہ اس صورت میں یہاں کے اعمال اور انکی جزا و سزا سب کچھ اسی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور آئندہ خواہ کچھ ہوتا رہے یہاں والوں کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہی ایک عجیب بات ہے کہ سائنس و نیامین جسم و جسمانیات کے علاوہ اور کسی چیز کو پہچانتی نہیں اور اس کے برخلاف مذہب میں اگرچہ بیشمار اختلاف موجود ہیں اور بہت ہی مذاہب کسی نہ کسی امر میں سائنس سے اتفاق رکھتے ہیں اور جن مسائل کو مذہب کے مطابق نہیں پاتے ان پر اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھتے مگر یہی ایک مسئلہ ہے جس پر باوجود سائنس کی شہادت کے مذہب کے تمام مذاہب کو اصرار ہے اور وہ سب جسمانیات کے علاوہ یہاں کے جانداروں میں ایک اور غیر جسمانی جو ہر لطیف یعنی روح کو موجود مانتے ہیں اور موت کے بعد اس کے قائم رہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اگر اختلاف ہے تو اس قدر کہ بعض مذاہب ارواح کو جسم کی پیدائش سے پہلے موجود مانتے ہیں یا قدیم جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ارواح کا پہلے سے موجود ہونا ممکن نہیں بلکہ وہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جاندار کا نطفہ زندگی حاصل کر نیکی لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض روح کا وجود سائنس اور مذہب کا قدیمی اختلاف ہے اور ثبوت دیکھا جائے تو جس کو ثبوت کہنا چاہئے کسی طرف بھی نہیں رہے۔ قرآن اور نشانات سوائی یہ صورت ہو کہ روح کے نہ موجود ہونے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔

مسٹر جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں:-

سائنس میں دوام روح کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ صرف ایک سلبی شہادت ہو یعنی یہ کہ دوام روح کے لئے کوئی ثبوت نہیں ملا لیکن یہ سلبی شہادت بھی ایسی مضبوط نہیں۔ مثلاً جاوہری کے بارہ میں یہ واقعہ کہ اُس کے موجود ہونے کا قطعی ثبوت موجود نہیں، ”ایسا ہی نیتو خیر ہے جیسے اُس کے ناموجود ہونے کا کوئی ایجابی ثبوت نیتو خیر ہوتا۔ کیونکہ اگر جاوہری موجود ہوتا تو اسے زمین پر ہوتا اور اگر زمین پر ہوتا تو یقیناً اس کے وجود کی شہادت بھی مل سکتی لیکن موت کے بعد روح کے قائم رہنے یا نہ رہنے کے بارہ میں بھی استدلال پیش نہیں ہو سکتا کیونکہ جس طرح

کی شہادت جادو کے وجود کو غلط ثابت کرتی ہے اسی طرز سے اس قدر تو ثابت ہو سکتا ہو کہ روح موت کے بعد نہ اس کرہ پر رہتی ہے اور نہ نظر آتی ہے اور نہ انسانوں کے کاروبار میں دخل دیتی ہے بلکہ اس امر کا یقیناً کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کسی اور عالم میں بھی موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی مستحکم خیال ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ اس کرہ سے ہمیشہ کیلئے چل جاتی ہے۔

باقی رہا اس کے موجود ہونے کا یا بعد از موت قائم رہنے کا قرینہ سورہ بیشک موجود ہے اور وہ یہ کہ جو صفات جسم اور جسمانی ساخت کو پیدا ہون ان کے لئے ضرور ہے کہ جسمانی ساخت کی قوت سے قوی ہون اور اس کے کمزور ہونے پر کمزور ہو جائیں اور اس طرح فکر و خیال اور دیگر دماغی اور اعصابی قوتیں ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے جسم کی قوت و ضعف کو ان میں تغیر ہو جاتا ہے لیکن انسان میں جسمانی وسائل کے بغیر شاید کوئی کچھ پیدا نہ ہو سکا ہو کہ اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور وزنی چیزوں کو حرکت دینے کی یا چند اور قوتیں ایسی ثابت ہوتی ہیں جن کا ظہور جسمانی قوت و ضعف کے مناسب حال نہیں ہوتا بلکہ وہ عموماً ایسے وقت میں ظہور کرتی ہیں جبکہ جسمانی تعلقات بیماری سے یا مصنوعی طور پر بدوش کرنے سے کم ہو جائیں اور اکثر ایسی قوتوں کا ظہور موت کے وقت ہوتا ہے جبکہ جسمانی تخت قریب بنو ال ہوتی ہے چنانچہ پروفیسر ولیم جیمس اپنے رسالہ ہیٹھین اعمارٹلٹی اور سٹرمارس اپنی مبسوط کتاب ہیڈو میں پوسٹنٹلٹی میں انہی مناظرہ کے بنا پر وجود روح اور دوام روح کو اغلب ثابت کرتے ہیں۔

اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عدم روح کیلئے کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اور دوام روح کے لئے اگرچہ منطقی ثبوت نہ ہو مگر غالب گمان پیدا کر نیوالے قرائن موجود ہیں اور تمام مذاہب اسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ مذہبی تحقیق کے متعلق ہر انسانی فرض کا بھی خیال لینا چاہئے جو پہلو ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کے اصولی دعویٰ تجربہ کی گرفت سے باہر ہیں اور اس لئے ان کی نسبت یہ اسید ہی نہ رکھنی چاہئے کہ وہ سب کے سب منطقی حسی دلائل سے پرے طور پر ثابت

ہوسکیں گے بلکہ ان کے بارہ میں دیکھنے والیکو یہی دیکھنا چاہئے کہ تمام مذاہب کے اختلافی مسائل میں کونسا عقیدہ قرین قیاس اور ممکن الوقوع ہے اور کس عقیدہ کو عقل یقیناً ناممکن کہتی ہے چنانچہ اس نظر سے دیکھنے پر چونکہ روح کے وجود کے لیے قرآن مجید میں اور مذاہب کا اس بارہ میں اختلاف بھی نہیں اس لیے دیگر اخلاقی مسائل کی تحقیق کے وقت عقل کو روح کی نسبت گمان غالب پیدا ہونا کافی ہے اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان میں روح نہیں ہے تو بیشک حشر و نشر اور جزا و سزا کا بھی خورشہ نہیں۔ اور اس صورت میں بُرائی کرنے والا اگر یہاں کے ملکی اور تمدنی قوانین کی زد میں نہ آئے تو شوق سے لطف اٹھائے آئندہ کوئی پرچھنے والا نہیں لیکن اگر قسمتی سے ہمارے اندر کوئی چیز مرنیکے بعد قائم رہنے والی موجود ہے اور قرآن کہتے ہیں کہ ہے تو پھر چاہے ہمارے جسمانی اجزا مادہ کے دیگر اجزا کے ساتھ مل جائیں ہمیں بُرائی کے بد اثر سے بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ جب مادہ موجود ہے اور آئندہ انقلاب میں اور تمدنی کر لیا تو روح ہی موجود ہے اور وہ ان اور اعلیٰ شکل میں جلوہ گر ہوگی اور اس لیے مادہ کی جو اعلیٰ شکلیں وہاں پیدا ہوں گی وہی روح کا مسکن قرار پائیں گی اور اس طرح خواہ مادی اجزا وہی ہوں یا کوئی اور ہمارا شخص برقرار رہیگا اور جس قسم کی توفیق کا استحقاق لیکر گئے ہیں اس کے نتائج برداشت کرنے پر یونگے اور جس قدرت نے یہاں ابتداء مادہ اور روح کو پیدا کیا ہوا اور باہم ملا یا ہے وہ آئندہ جبکہ مادہ اور روح دونوں موجود ہوں گے اور اپنی اپنی قابلیت کے لحاظ سے بعض روحیں بعض شکلوں کے ساتھ پیوستہ ہونے کی صلاحیت رکھیں گی اس قدرت کو پہلے شخصیات قائم رکھنے اور بھی آسان ہونگے چنانچہ ارشاد ہے:-

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ

(بنی اسرائیل پارہ ۱۷ ص ۱۷۷)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ خدا جس نے آسمان و زمین
کو پیدا کیا ہے وہی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر

ہے۔

فِيهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ
تَارَةً أُخْرَى ۚ (طہ پارہ ۱۷ ع ۷۷)
كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَجَعَلْنَا
عَلَيْكَ الْآثَانَ فَاتَّخِذِ الْآثَانَ أَصْلَ لَدُنَّا ۚ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۷۷)
وَهُوَ الَّذِي يُبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ
ذُو الْعَرْشِ ۚ (روم پارہ ۱۷ ع ۷۷)
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَخْلُقَ وَشٰٓءًا مِّثْلٰهُۚ بَلٰى وَهُوَ
الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۚ (رہن پارہ ۱۷ ع ۷۷)
اَفَتَعْجَبْنَ اِذَا خُلِقَ الْاَوَّلُ مِثْلُ هٰذَاۚ لَيْسَ
مِنْ خَلْقٍ حَدِيْدٌ ۚ (ق پارہ ۱۷ ع ۷۷)
يَوْمَ تَشْفُقُ الْاَكْحٰنُ عَنْهُمْ سِرَاعًاۚ ذٰلِكَ
حَشَرٌ عَلٰٓى نَآئِيْدٍ ۚ (ق پارہ ۱۷ ع ۷۷)
لَا تَحْزَنْ فَاِنَّ بَآئِلَةَ الْاَلْوَانِ وَهِيَ الْاَخْضَرُ
يَسْتَبِقُوْنَ ۚ (سج پارہ ۱۷ ع ۷۷)
وَنُنَشِّئُكُمْ فِيْهَا اَلَا تَعْلَمُوْنَ ۚ (واقعه پارہ ۱۷ ع ۷۷)

ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف واپس لے
جاتے ہیں اور دوبارہ اسی زمین سے نکالیں گے۔
جس طرح ہم نے پہلی پیدا کیا دوبارہ ہی پیدا کیجیے یہ
ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسی کو نواہی میں
دہی پہلے پیدا کرتا ہے اور دہی دوبارہ پیدا کرے گا
اور یہ کام اسکو اور بھی آسان ہے۔
کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ویسی ہی
مخلوق پیدا کرنے پر تیرا و نہین۔ ان وہ پیدا
کر نیوالا ہے اور علم والا ہے
کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھکے ہیں۔ مگر یہ لوگ
دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت شکوک میں گرفتار ہیں۔
جس دن زمین بھٹ جائیگی اور یہ لوگ جلدی جلدی
پیدا ہو جائیں گے ایسا حشر ہمارے لیے آسان ہے۔
ہم نے تم میں موت کا سلسلہ جاری کیا ہی اور ہم
اس سے عاجز نہین ہیں کہ تم کو تم جیسی شکوک میں
بدلین اور تم کو ایسے عالم میں پیدا کریں جس کو تم نہین
جانتے۔

تمام زمینی اجسام بعد میں
زندہ نہین ہونگے

بعض اہل علم کی طرف ہونڈ مٹی کی شکل میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان
میں روح نہین اور یہی اجزائے مادی قیامت کو دوبارہ زندہ ہونگی
اس خیال پر جو اعتراض ہوتا ہے کہ اجزا پر آگندہ ہونے کے بعد تمیز نہین رہتین اور دیگر اجزا کے
ساتھ مل جاتی ہیں۔ واقع میں کوئی واقع اعتراض نہین۔ کیونکہ اگرچہ ظاہر میں پر آگندہ ہونے کے

بعد اجزا میں کوئی تمیز نہیں رہتی مگر واقعہ میں وہ اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے تمیز ہیں۔ ہم بیان بعض نباتات یا معدنیات کے اجزا کو جلا دیتے ہیں اور شے کر لیتے ہیں اور اس حالت میں ایک چیز کی اجزا دوسری چیز کی اجزا سے تمیز نہیں رہیں لیکن پھر بھی ہر چیز کی اجزا میں وہ تاثیر ہوتی ہے جو دوسری چیز کی اجزا میں نہیں ہوتی اور یہ اسلئے جڑا ہے کہ وہ اجزا کچھ عرصہ خاص نبات یا خاص وحاش کی شکل میں رہ چکی ہیں۔ اسی طرح جو اجزا خاص مدت تک کسی انسان کے جسم میں رہ چکی ہیں اور لپچے اور بوتے بنج و رحمت اور مسرت و غم کے اثر برداشت کر چکی ہیں وہ بھی موقع میں عام اجزا اور دیگر انسانوں کی اجزا سے تمیز نہیں اور وہ خدا جس نے ان اجزا کو پیدا کیا ہے اور خاص خاص اجزا کو خاص خاص حالات میں رکھا ہے اس کو یہ اجزا آزمائش نہیں ہو سکتیں اور اگر ہم خدا کو مانتے ہیں تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پھر انہی اجزا کو کوئی شکل میں پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اور اگر اسکی مشیت ہوگی تو انسان بعینہ اپنی انہی اجزا کے ساتھ پیدا ہو سکیں گے چنانچہ فرمایا ہے

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اسکی بڑیوں کو جمع ذکر کیلئے؟ ہاں ہم قادیان کی انگلیوں کے پور تک بنا دیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْ لَّنْ يَجْعَلَ لَكُمۡ سُلٰكًا
يَكُنِ الْفَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ بَيْنَهُنَّ
(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱)

مگر باوجود اس کے ہم جو آئندہ جو ان میں جزا و سنرا کو بعینہ دنیوی اجزا کے زندہ ہونے پر منحصر نہیں سمجھتے اور جیسا کہ گذشتہ آیات نراستی اور اس طرح کے اور بہت سے مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ ہم ان کی نند اجسام پیدا کرینگے ہی کو قرین عقل سمجھتے ہیں تو اس لئے کہ یہاں جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں اکثر اجزا کا ایک سے زیادہ انسانوں میں داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ اول تو مرتبہ نیک بعد عمر ما جسمانی اجزا یہیں کے کاروبار میں صرف ہوتے رہتے ہیں اور آئندہ آنے والے انسان یہیں کی اجزا سے خوراک لیتے ہیں اور دوسرے ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھاتا ہے ہے اور اس وقت چاہے خود کھا اسکی اجزا سے اصلہ میں شمار نہ ہو مگر اس خوراک سے علاوہ اور کاموں

کے لطف بھی تیار ہو گا اور اس لطف سے کوئی اور انسان بھینکا تو اب اس انسان میں وہی اجزا ہیں جو خوراک بننے والے انسان میں تھیں اور ان اجزا کو آئندہ جہان میں انسانی شکل دیکھا دے تو ایک انسان بھینکا حالانکہ یہاں ان سے کئی بعد دیکھے دو انسان پیدا ہوئے تھے اور اگر جزا و سنرا کیلئے انہی اجزا کا وجود ضرور ہو تو لازم آئیگا کہ ایک نے حشر و لشکر کو پروا نہ کیا اور دوسرا نہ بھلائی میں پکڑا گیا نہ برائی میں۔ اس لئے حقیقت میں تشخص اسی طرح پر قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی چیز یہاں سے وہاں تک برابر موجود رہے خواہ جسمانی اجزا اسکی مشیت کے موافق بعض میں وہی رہیں اور بعض میں اور۔ آخر یہاں بھی تو انسان کے جسم میں پہریم خوراک کی شکل میں بہت سی اجزا در آتے ہیں اور بہت سی خارج ہوتے بہترین حشے کہ بوڑھے جسم کے کسی جزو کو بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بچپن سے اب تک قائم ہے مگر اس اختیار سے انسان کے تشخص میں فرق نہیں آتا اور باوجود اجزا بدل جانے کے بڑھاپے میں وہی انسان تکلیف اٹھاتا ہے جس نے بچپن میں یہ اعتدالی کی تھی اور وہی سنرا پالتا ہے جس نے قصور کیا تھا۔

حیوانات جزا و سنرا پائینگے | یہ ثابت ہوا کہ اگر روح موجود ہے تو جس طرح یہاں اعلیٰ شکلوں میں پیدا ہوتی ہے وہاں بھی اعلیٰ تر شکلوں میں جلوہ گر ہوگی اور یہاں سے جو قابلیت لیکر گئی ہے اس میں ترقی کریگی۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ روح حیوان میں بھی پائی جاتی ہے اور جو قرآن روح کو ثابت کرتے ہیں وہ اگرچہ اس قوت سے حیوان میں موجود نہیں مگر تاہم کچھ نہ کچھ ہیں اس لئے ہونا چاہیے کہ یہ روح بھی وہاں اپنے مناسب حال شکلوں میں ظہور کرے اور انسان کی طرح حیوانات بھی پیدا ہوں اور وہ بھی جزا و سنرا برداشت کریں اور نہ صرف یہی بلکہ جو چیزیں محض مادہ و مٹی میں مثلاً نباتات ضرور ہے کہ مادہ کی کچھ اجزا اس قسم کی ترقی یافتہ شکلیں ہی اختیار کریں بیشک یہ سب کچھ ہوگا اور مادہ کی کوئی قابلیت ضائع نہ جائیگی لیکن جزا و سنرا کے مسئلہ میں ابھی غور کرنا باقی ہے۔

یہاں جو مادہ سابقہ انقلابوں میں گیس سیال اور سیال سے منجمد ہوا تھا وہ جب
 آئندہ انقلاب میں نبات اور حیوان بنا تو اگرچہ اس نے ترقی کی مگر اسی قدر کہ بے نظام سیال نظام
 اور بے جان سے جاندار ہو گیا اور اس سے زیادہ ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ اگرچہ ہر کم
 نہایت قدیم زمانے کا علم نہیں اور اگرچہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے شاید درخت اور حیوان کی ایک
 نوع بہت سا زمانہ گزرنے کے بعد اپنی صورت شکل اور حالات و خصائص میں ترقی کر کے دوسری
 نوع بن گئی ہوگی اور یہ بھی ایک انقلاب ہو گا جو انکی حالت میں واقع ہوا۔ لیکن ایک ہی نوع ہو
 اور کچھ عرصے میں اپنے حالات میں ترقی کر جائے و درختوں اور حیوانوں میں اس کا کوئی ثبوت
 نہیں اور ان سب کے برخلاف انسان ایسی مخلوق ہے کہ باوجود ایک ہی نوع انسانی
 میں شمار ہونے کے افراد اور نسل اقوام چار سال بھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتے اور
 ان کی رفتار خواہ بہتری کی جانب ہو یا بدتری کی طرف ان کے افراد سالوں کی ایک دہائی میں
 اور تو میں ایک سیکڑہ میں ایسی بدل جاتی ہیں کہ اکثر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ اور
 اسکی وجہ یہی ہے کہ درخت اور حیوان کے تمام افعال انکی طبیعت کے اقتضائے سرزد ہونے
 ہیں اور انتخاب اور فیصلہ کی طاقت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ درخت اگر اپنے ریشوں اور
 مساموں کے ذریعہ سے غذا کو جذب کر لے تو اقتضائے طبیعت سے اور حیوان اگر خوراک ہوتا
 کرے اور نسل طربا نے کے لئے حرکت کرتا ہے تو اپنی فطرت کے حکم سے۔ اور اگر شیر مگر حیوانوں
 کو مار کر خوراک بہم پہنچاتا ہے یا ہرن گھاس کی سبز کھیلوں کو توڑتا ہے تو یہ سب بڑا اختیاری
 کی حرکتیں ہیں اور ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہیں۔ مگر ان کے برخلاف انسان خواہ اپنی تقاضا
 طبیعت سے کیسا ہی لاچار اور بے اختیار مانا جائے مگر اسکے اندر جو انتخاب اور فیصلہ کی
 طاقت رکھی گئی ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور ایک
 فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی سے دو انسانوں کے افعال بھی
 باہم یکساں نہیں ہوتے اور جب وہ ایک دفعہ کسی ایک تصور کو قائم کر لیتا ہے اور اسکے رو سے

ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر خست یا کرتا ہے تو اس کے اس تصور اور عمل کا اثر آئندہ تصور اور عمل پر پڑتا ہے اور دو دفعہ ایک ہی تصور قائم کرنے اور یکساں عمل کرنے کے بعد تیسری دفعہ جب اپنی انتخاب اور فیصلہ کی مشق کرتا ہے تو پہلا تصور اور عمل اور بھی زور سے اثر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یوں اس کے تنزل اور ترقی کی بنیاد پڑتی ہے ساور پھر اس کے یہ تصور ت اور اعمال ہی ہوتے ہیں جن سے اسکی نیک یا بد حالت پیدا ہوتی ہے اور تصورات اور اعمال کی ترقی سے اس حالت میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہی سنا و جزا ہے جس کا سلسلہ اسی جہان سے شروع ہو جاتا ہے

اچھا تو جب آئندہ پیدائش میں یہ سب موجود ہونگے تو چونکہ نباتات اور حیوانات میں کم اور کم شخصی ترقی کا کوئی نشان نہیں اسلئے کہنا چاہئے کہ جیسے یہاں والوں نے ہستی ترقی کی ہے کہ سیال سے منجمد اور منجمد سے نباتات یا حیوان بن گئے اسی طرح وہاں کی پیدائش بھی کوئی ترقی کی صورت ہوگی مگر جس طرح یہاں کی ترقی یا قفہ حالت یکساں رہی ہے وہاں بھی ترقی یافتہ حالت بھی یکساں رہیگی اور اسلئے کہ انہیں جاسکتا کہ وہاں پیدا ہونا ان کے اعمال کی سزا و جزا ہے لیکن انسان جس طرح یہاں پیدائش کی ترقی کے بعد اپنے تصورات اور اعمال سے اپنی حالت میں بھی ترقی کرتا ہے اسی طرح وہاں بھی ترقی یافتہ شکل میں پیدا ہونے کے بعد وہاں کی حالت میں ترقی کرے گا اور اس لئے اسکی پیدائش پر جزا و سزا کا سلسلہ جو یہاں سے شروع ہو گیا ہے وہاں بھی جاری رہے گا۔ غرض یہ کہ خواہ حیوانات میں بھی روح ہو مگر ترقی کی قابلیت انکی روح اور انسان کی روح میں امتیاز پیدا کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقت یکساں نہیں اور اس لیے جزا و سزا کی گرفت سے باہر ہیں۔

ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر | انسانی جزا و سزا کے متعلق ابھی بہت سا غور کرنا باقی ہے اور انجیل ایک یہ کہ اگرچہ انسان نے اس دنیا میں ایسی ترقی کر لی ہے کہ افریقہ کے وحشی اور یورپ کے مہذب میں وہی فرق ہے جو انسان اور حیوان میں ہونا چاہئے اور اگر اس طریق معاشرت کو

دیکھا جائے جو آجکل مہیا ہو گیا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔ لوازم صحبت کا اہتمام۔ دماغی اور جسمانی ترقی کی ترقی صعوبات نقل و حرکت کی کمی۔ وسائل نامہ و پیام کی آسانی۔ انتظام حکومت کی اصلاح ضعیفوں اور زیر دستوں کی مساوات۔ اپاجون اور ناداروں کی دستگیری۔ سامان تفریح کی تیاری غرض تمام وہ اسباب جو نوع انسانی کی راحت و مسرت کو بڑھائے اور تکلیف و رنج کو کم کرنے کے لیے مہیا انکو دریافت و ایجاد کرنے اور اشاعت دینے میں وہ عرق ریزی اور دماغ سوزی کی گئی ہے اور اس خوبی سے سب امور کو معراج کمال تک پہنچایا گیا ہے کہ ہم جیسوں کے نقطہ خیال سے ترقی کرنے والوں کی تمام حرکات اعجاز و خرق عادات سے کم نہیں ہیں۔ لیکن اگر اس تمام دروس کے نتیجہ کو دیکھا جائے اور غور کیا جائے کہ اس کوشش سے جو انسان کا مدعا اور مد نظر تھا آیا وہ بھی حاصل ہو سکا ہے یا نہیں تو افسوس ہو کہ کتنا پڑتا ہے کہ واقعات کی شہادت آرزو کے خلاف ہے۔ راحت و مسرت کی جستجو ہے مگر آہ! بڑی سے بڑی ترقی کرنا والوں کو بھی اس کا نشان نہیں ملا اور رنج و تکلیف سے نفرت ہو کر لاکھ جتن کئے اسی سے مخلصی نہ ہوئی اور آخر میں میزان دیکھی تو رنج و راحت کے متعلق وحشی اور مہذب میں کوئی بڑا تفاوت نظر نہ آیا۔ ترقی کرنا والوں نے سمجھا تھا کہ صنعت و حرفت اور عقل و شعور میں ترقی کرنے سے اور مال و دولت یا سامان عیش جمع کرنے سے بھیکری اور اطمینان نصیب ہوگا۔ مگر سب کچھ ہوا اور نہ ہوا تو بھیکری اور اطمینان۔ اور آدھرا سامان ترقی سے محروم اور تہذیب و تربیت سے عاری مخلوق کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس قدر اطمینان و تربیت کبھی مہذبوں کو حاصل ہوتا ہے اس قدر حصہ گاہ گاہ یہ غیر مہذب اور وحشی ہی لے لیتے ہیں۔ بیشک مہذب لوگ فرصت کے وقت باغوں میں ٹہکتے ہوئے۔ کلبوں اور تھیٹروں میں مہی مذاق کرتے ہوئے ہال اور ڈور کی مجلسوں میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی مسرت اور اطمینان کی حالت میں ہیں مگر جو وحشی تمام دن جنگلوں میں بھیر بکریاں چراتے یا جنگل کا ساگ پات اور گھاس پھوس پیٹتے ہیں

ہیں اور اپنے ننگے جسموں پر گرمیوں کی دھوپ اور جاڑوں کی ٹھہر دہشت کرتے ہیں وہ بھی شام کے وقت جب فہرے بجانے اور وحیاء گیت گانے میں مصروف ہوتے ہیں تو مہذبوں کے بال اور تھیںٹھوں سے کم لطف نہیں اٹھاتے۔ اور دھڑ دھڑ سیوں کی بے سامان زندگی اور آدابیت سوکھا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی سخت محنت اور پیراس پر دردمنون ظالم و ستم انکی یکسیوی بے بسی ان سب حالتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سخت بیخ و فکر کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ اپنی سرفراہ اور راحت بخش عمارتوں میں آرام کر سکیں اور گدلیوں پر بیٹھے ہوئے اپنے اپنے کارخانوں کا حساب کتاب پر تال رہے ہیں دیکھنے میں نہایت آرام سے بیٹھے ہوئے اور ایک نازک سی بچہ کی قلم کو محض دو انگلیوں سے ہلاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ہجوم و انکار کے جس بوجھ کے نیچے وہ دیے ہوئے ہیں اُس کا اندازہ انکا دل ہی کر سکتا ہو زبان سے وہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس لحاظ سے ترقی کو اور بھی تنزل کرنا چاہئے کہ بقدر رتبہ اچھلت میں ترقی ہوتی جاتی ہے ہی قدر ہجوم و انکار اور دوسرے بڑھتا جاتا ہے۔ اگر کوئی بٹھے سودا گریں اور ادانہوں نے ہر ملک میں کوٹھیاں کھول رکھی ہیں ہر کارخانہ میں حصے خرید رہے ہیں ان کے لئے خوشی اور مسرت کا سبب ہے اور بیشک ناماد اور جاہل اس مسرت سے محروم ہے۔ مگر کہیں کسی ملک میں لڑائی ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کا بھاؤ کرنے لگے کسی کارخانہ میں آگ لگ جائے کہیں کوئی ریل ٹکڑا سے غرض دنیا میں کوئی بڑا حادثہ گذرے ان کو اپنا دنیا والہ نکلنے کا اندیشہ ہو جائیگا اور رات کی فیند اور دن کی بھوک جاتی رہے گی بلکہ کسی وقت ایسا غم پیدا ہوتا ہے کہ جس سے وہ خود کشی کر لیں۔ اگر وہ خوشی تھی تو یہ غم بھی ایسا ہے جس سے تنزل والوں کو واسطہ نہیں پڑتا۔ اگر کوئی بڑے صنایع میں بہت سرمایہ دار کارآمد آلات کے موجب ہیں اور اپنی ایجا کو پٹینٹ کروا کر نہاروں کا فائدہ لے رہے ہیں تو یہ انکی بے نظیر مسرت ہے لیکن اس ہر وقت کے غور و خوض کے علاوہ جو ان کے دماغ کو اندر ہی اندر کہاٹے جاتا ہے اگر کسی نے ان کے ایجا کو وہ اند میں کوئی اور ذرا سا بڑھ کر اسکی سودمندی کو زیادہ

کر دیا تو اس سے انکی تجارت کو جو نقصان پہونچے گا اس کا غم بھی اپنی آپ ہی نظیر ہوگا۔ اور
یہی اور سب انسانی ترقیوں کی کیفیت ہے کہ جس میں جس قدر راحت اور سرت زیادہ ہوتی ہے
اسی قدر تکلیف اور رنج بھی ترقی کرتا ہے اور جس طرح کم حیثیت اشخاص اپنے سے بالاتر افراد کو
دیکھ کر ان کے علوجاہ کا رشک کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی یہی منزلت حاصل ہو۔
ویسے ہی عالی رتبہ لوگ کم تعلق افراد کو دیکھ کر ان کے اطمینان اور بفیکری کا رشک کرتے ہیں
اور چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی یہی سکون نصیب ہو۔ اور جیسے ایک گدا سے ملحق پوش قلم
و سنجاب پہننے والے امیر کو دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے ویسے ہی عالیشان بادشاہ ایک
در ویش مہینو کو دیکھ کر اسکی بفیکری کی میٹھی نیند سونے پریش عیش کرتا ہے۔ اور علی ہذا کسی
بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے سے جو سرت ہوتی ہے دوسری شکل میں اسی درجہ کی خوشی
ایک بھوکے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی غیب انداز سے کو ایک پیسہ
کھویا جانے سے جو رنج ہوتا ہے دوسری شکل میں اسی طرح کا غم ایک بادشاہ کو اسکا صوبہ ہانی
ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔

ترقی کرنے والوں نے | اب کہا جائیگا کہ ترقی کا مطلب زمین کی ترقی کرنے والے خود حوت
دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا | و سرت حاصل کریں۔ بلکہ ترقی کے معنی چرپائی کی اصل حقیقت اور حالت
کو دریافت کرنا اور اس حقیقت اور حالت کے لحاظ سے جو فرائض ہر ایک کے متعلق درپا
ہوں ان پر عمل کرنا اور اس کوشش میں کوشش کو نیوالوں کو تکلیف ہو یا راحت اسکو بخوشی
بردشت کرنا ہے مگر ترقی کی تعریف کو اس طرح بردلنے سے کیا مطلب نکلا؟ یہی کہ خود ترقی
کرنے والوں کی راحت اور سرت نہ ہی مگر حقیقت اور فرائض کو معین کرنے سے آخری مدعا
ہوگا تو یہی کہ عوام الناس راحت و سرت پائیں۔ اچھا تو اب اسی حیثیت سے ترقی کا انجام
دیکھنا چاہئے۔

تدبیر حوت کا فائدہ | بیشک تدبیر حوت اور ازالہ امرض کے متعلق بہت کچھ ترقی ہوئی ہے

دو مہینے میں تو ان کو خوش گو اور قلیل المقدار اور سیح الاثر بنانے میں کوئی دقیقہ فرگذاشت نہیں کیا جاتا۔ آلات میں تو انکی خوبی اور صفائی کی پہلے نظیر نہ تھی۔ اسکے متعلق تعلیم کا سامان اور معالجہ کے لئے مکانات اور اسباب غرض جہر پینا اس عہدگی سے ہمیا کی جاتی تھی کہ گذشتہ زمانہ کی ایسی تدبیروں کو زمانہ حال کی ترقی سے کوئی نسبت نہیں اور بیشک ان کوششوں سے بلکہ کو بہت کچھ فائدہ پہنچا مگر ذرا خیال ہے کہ طبیعتیں ہی اب ایسی بے چین ہو گئی ہیں کہ جہاں گذشتہ زمانے میں بہت سی پیچیدہ مرضوں کو بھی ”اوہ“ کہ کر ٹال دیا جاتا تھا اور مریض نہایت بے پروائی سے چلتے پھرتے اس تکلیف کو گذار دیا کرتا تھا اور روزانہ کاروبار یا فرائض منصبی کو معطل چھوڑنے کی نوبت جہی آتی تھی کہ مریض چارپائی سے اٹھ نہ سکے وہاں اب ایک پھانس لگ جانے پر اور گرمی دانے نکل آنے پر ڈاکٹروں کو فیس دیکر گھر پر بلایا جاتا ہے اور مرض منجیسی سے رخصت حاصل کی جاتی ہے۔ غرض جسم کو خواہ کیسی ہی کم تکلیف ہو مگر دل و دماغ پر وہی رنج و اندوہ کا بار پڑتا ہے جو پہلے شاید مسل وقوع پر ہی پڑتا ہو۔ اور یہ خیالی جولانہ نہیں بلکہ ہسپتالوں کے رجسٹرون کو دیکھا جائے اور جو میلا وہاں روزانہ لگتا ہے اسکے انبوہ کا خیال کیا جائے اور ڈاکٹری دوکانوں جیسے قدر دوکانوں کی بکری ہوتی ہے اس پر غور کیا جائے اور پیراس کا مقابلہ پڑانے اطباء کی طلب اور عطاروں کی دوکانوں سے کیا جائے تو درود نقد و ادون میں نمایاں فرق نظر آئے گا پس کیا تہذیب کے ساتھ پیچیدہ امراض ہی دیا وہ ہونے لگے ہیں؟ اگر یہ ہے تو اور بھی قباحت ہوئی۔ مگر نہیں حقیقت یہی ہے کہ آجکل پھانس اور گرمی دانے بھی پیچیدہ ماہرین میں شامل ہو گئے ہیں اور ان پر ہی وہی مال و لبا کیا جاتا ہے جو پہلے اسمال کبیدی اور تپ محرقہ سے مخصوص تھا

یہ بلا تو خود علاج کی سہولت سے پیدا ہوئی ہے اب اسکے ساتھ دوسری ترقیوں کو ملا کر دیکھا جائے تو مرض صحت کے متعلق اور بھی قباحت نظر آتی ہے پہلے وسائل نقل و حرکت بہت

کم تھے اور سفر کرنا دشوار تھا اب ان میں آسانی ہو گئی تو آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور صحت و مرض پر اس کا یہ اثر ہوا کہ کم بختی سے کہیں متعدی مرض پیدا ہو پھر لاکھ قریطینے اور روک ٹوک کی جگہ اس کا اثر کالے کوسوں پہنچتا ہے اور انسانوں کے ساتھ مرض بھی پیل اور میٹرن میں سوار ہو کر افریقہ سے ایشیا اور ایشیا سے امریکا جاسر نکالتا ہے حالانکہ پہلے جب قافلے لٹتے تھے تو ایسے مرض کا ایک ہی ملک کے تمام شہروں میں پہنچنا بھی دشوار تھا۔

اصلاح حکومت کا فائدہ | اسی طرح تو انین حکمرانی کی اصلاح کرنے والوں کو بہت سی جہوش و سے جو پہلے بقاعدہ حکومتوں میں بڑاشت کرنے پڑتے تھے نجات مل گئی۔ مگر یہ ذرہ معاملات کی چھان بین اور بہر معاملہ میں واجب و نا واجب کی تمیز اور ہر ایک کے متعلق جزا و سزا کا استحقاق غرض ان باتوں کی تفصیل نے پبلک کا احساس ہی ایسا تیز کر دیا ہے کہ جہاں پہلے بڑے بڑے نقصانوں کو صبر کی تدبیر سے دبا دیا جاتا تھا اب ذرا سی بات پر مقتدا ہائی کورٹ تک پہنچتے ہیں اور جہاں غیر مہذب یا نیم مہذب ملکوں میں اکثر اشخاص کو تمام عمر عدالت میں جانیگا اتفاق نہیں ہوتا وہاں مہذب ملکوں میں ہر شخص مجبور ہے کہ ایک طرف کسی اکٹھ کو اور دوسری جانب کسی پلیڈر کو اپنا طبی اور قانونی مشیر پیشہ کے لئے مقرر کرے اور کیونکہ کسی دوکان سے اترتے ہوئے ذرا سے نشیب فراز کے سبب پاؤں پھسل جانے پر ڈاکٹر کا علاج ہی ضرور ہے اور وکیل کی وساطت سے نالش بھی۔ اور یہ صرف طبیعت کی بے چینی اور احساس کی تیزی ہی نہیں بلکہ تہذیب کی ترقی سے سبب معیشت بھی ضرور ہی ایسے گران ہو جاتے ہیں کہ پاؤں پھسلنے پر جو ایک آدمی دن کا کام چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کا نقصان بھی قابل برداشت ہوتا ہے اس لئے ترقی ہی نے یہ مجبوری پیدا کر دی ہے کہ مروت کی آنکھ میں خاک ڈال کر تھوڑے سے ہرج مہرج کم کحوالات کی سیر کرائی جائے اور ایک دن بمیکار رہنے کا معاوضہ وصول ہو۔

سہرت نقل و حرکت کا فائدہ | وسائل نقل و حرکت اور نامہ پیام کی ترقی ایسا احسان ہے کہ پبلک

اس سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتی مگر جس قدر جان و مال کا نقصان اور خوفناک حادثے ریلوں کے ٹکرانے سے واقع ہوتے ہیں چھکڑوں گاڑیوں کے وقت میں انکا بھی نشان تھا اور علیٰ ہذا زمین جہاز رانی نے جان سفر کو آسان کر دیا ہے اور تجارت کو بحیدر فائدہ پہنچایا ہے وہاں انسان پر عجیبی لڑائی کی مصیبت بھی اسی کے ہاتھوں پڑی ہے اور فن کی ترقی کے ساتھ یہ مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ خشکی کے جنگ میں کچھ مرتے تھے تو کچھ بچ بھی رہتے تھے اب جن کا جہاز ٹوٹے وہ گولن سے بچو تو سمندر ان کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اس کے علاوہ اس احساسی ترقی کا کیا علاج کہ جہاں پہلے چھکڑوں اور بھیدی قسم کی ہیل گاڑیوں کو غنیمت سمجھا جاتا تھا وہاں اب ہیل ٹرین کے مقابل میں میٹرو ٹرین پر سوار ہونے میں پہلی حالت کو دیکھا جائے تو جسم کو بے حد راحت ملی مگر قلبی تکلیف اور بے چینی ایسی ہے کہ گریڈ پیدل چلنا پڑا۔

وسائل نامہ و پیام کا فائدہ اور اسی طرح اگر ڈاک اور تار میں خوشگوار خبریں نہایت سرعت سے پہنچ سکتی ہیں تو فتنہ و فساد کی آگ بھی انہی وسائل سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہایت تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اور اگر پہلے برسوں عزیزوں کی غیریت نہ معلوم ہو تو اضطراب نہ ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا انتظار بھی ناگوار ہے اور تار کے بغیر خبر نہیں آتا اور تار بھی ارجنٹ سے آرو تری بھیجا دیا جائے تو اتنی دیر جان سولی پر رہتی ہے۔

غرض ترقی کے کسی شعبہ کو دیکھا جائے اس سے اگر ایک طرح کی احت پیدا ہوئی ہو تو دوسری طرح کی تکلیف بھی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو خواہ پہلی تکلیفوں کے مقابل میں کسی قدر کم ہو مگر تکلیف ہونے میں شک نہیں اور دنیا کو دارالحسن کہنا جیسا وحشت کی حالت میں صحیح تھا تنہا یہ کے وقت بھی درست ہو۔

راحت و مسرت کی آرزو برآینکا | اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ راحت اور مسرت کی تلاش اور ترقی ہی کوئی موقع ہو نا چاہئے | کا عجز یہ جو انسان کی فطرت میں دو لیت ہو اور نہ صرف انسان میں

بلکہ دوسری شکل میں ترقی کا خاصہ تمام مادہ میں دو لغت ہے کیا یہ نیچر کا نقص ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں؟ کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ کر سکتا اور بات ہرگز یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں نہایت زبردستی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے فائدے جو ایک وقت پر نظر نہیں آتے دوسرے وقت پر ان سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی جسم کے بہت سے خواص دریافت ہوئے ہیں ان میں بعض مثلاً گریوٹی اور انرشیا یعنی شش ثقل اور مادہ کی وہ خاصیت جس سے وہ سکون کی حالت میں سکون کو اور حرکت کی حالت میں حرکت کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے یہ اور بعض اور خاصیتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ جسم کی ابتدائی ترقیوں میں جبکہ وہ بے آباد کرؤں کی شکل میں ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے ہوئے نمایاں ہو گیا تھا چنانچہ گریوٹی اور انرشیا سے انکی دوری حرکت پیدا ہوئی مگر سوراخدار ہونا جو جسم کا عام خاصہ سمجھا جاتا ہے اس کا فائدہ جسم کی اس حالت میں چچ تھا اور جب ترقی ہو کر نباتات وغیرہ ایسے اجسام پیدا ہوئے جن کا قیام خوراک جذب کرنے پر منحصر ہے تو معلوم ہوا کہ سوراخدار ہونا ہی وہ خاصیت تھی جس سے جسم کو یہ ترقی یافتہ تشکیل نصیب ہوئی اور اگر مسام نہ ہوتے تو نہ خوراک جذب ہو سکتی اور نہ نباتات و حیوان کا جسم نشوونما پاتا۔ پھر مادہ اور جسم کی بیشتر خاصیتیں تھیں جو نباتات اور حیوان کے زمانے میں بھی گوشہ کس پسری میں پڑی رہیں اور یہ انسان ہی کی خاطر تھی جس کے لیے نیچر کے لائقہ و خزانے پہلے سے بھرے رکھے تھے چنانچہ یہ آیا تو اس نے آسمان و زمین کو کھنگال ڈالا اور ہر چیز کی وہ وہ صفات دریافت کیں اور ان سے کام لیا جن سے پہلے کچھ فائدہ معلوم نہ ہو سکتا تھا مثلاً اکثر اجسام کا جلنے کے قابل ہونا جس سے آگ پیدا ہوئی اور اس کا فائدہ ابتدائی درجوں میں محسوس نہ تھا اور جب مادہ نے ترقی کر کے اپنے تئیں مروج انسانی کام کر بنایا تو آگ کا وجود اسکی ضروریات زندگی میں شمار ہوا۔ علیہذا ترقی رو کا معینہ قوانین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنا۔ یا سسٹیم کا مصنوعی طور پر پیدا ہو سکتا ہے اور ایسی ہزاروں خاصیتیں ہیں جن سے صرف انسان نے فائدہ اٹھایا۔ اب یہ ایک

ترقی اور تلاش راحت و مسرت کا جذبہ ہے جس کو ہم موجود پاتے ہیں اور چندان فائدہ نہیں دیکھتے۔ مگر جس طرح ان وقتوں میں ان فائدوں سے انکار کرنا (اگر کوئی انکار کر نیوالا ہوتا) بیوقوفی تھا کیونکہ وہ بعد میں نظر آگئے اسی طرح اس وقت اس جذبہ کے فائدے سے انکار کرنا نادانی ہوگا بلکہ نظریہ حالات گذشتہ ضرور کہنا چاہئے کہ ابھی کوئی اور انقلاب آئیوا ہے جس کے بعد انسانی ترقی کا فائدہ نمایاں ہوگا اور ترقی کرنے والے کامل راحت و مسرت حاصل کرینگے اور تنزل کر نیوالے کامل رنج و تکلیف۔

راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا | اس خیال کو واضح کرینگے لیے یہ دیکھنا چاہئے کہ چاند سے جو روشنی زمین کو پہنچتی ہے وہ اگرچہ آفتاب ہی کی روشنی ہے مگر ایک واسطہ حائل ہو جانے کے سبب کمزور ہوگئی ہے اور اس لیے چاند کی روشنی کیسی ہی شفاف ہو اسکے ساتھ تاریکی کا جزو ضرور موجود رہتا ہے اور اس کے برخلاف جب آفتاب سے براہ راست روشنی آتی ہے تو زمین جس قدر روشن ہو سکتی ہے ہو جاتی ہے اسلئے کہ اب زمین اور آفتاب کے مابین کوئی واسطہ حائل نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آفتاب ہی اپنی ذات سر روشن نہیں اور وہ بھی اہل مین ایک واسطہ ہے جس کے اندر سے کسی اور آفتاب کی روشنی دنیا کو منور کر رہی ہے اسلئے اگر اسکی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ ہے مگر حقیقی روشنی سے وہ بھی کمتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکے افعال ہی نقص سے پاک نہیں ہیں اور اسکی پیدا کردہ کوئی حالت ایک مختصر حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اپنی ضد کو بالکل فنا کرنے میں پوری کامیاب نہیں ہوتی۔ اور اس طرح اول تو جس قسم کا نور اور اس کے اثر سے جس قسم کا سامان راحت و مسرت کسی وقت میں موجود ہوتا ہے خود ہی اپنی حالت میں مکمل نہیں ہوتا اور اسکی نقص سے جو تکلیف پیدا ہونی ضرور ہے وہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اگر ایک طرح کے سامان راحت و مسرت کا زمانہ ختم نہیں ہوا تو اس اثناء میں کوئی اور راحت اپنی حد کو پہنچ کر تکلیف کا باعث ہو جاتی ہے اور موجودہ راحت کا لطف خاک میں مل جاتا ہے اور یہی کیفیت ہر ایک تکلیف کی ہے کہ اسکی محدودیت اور نقص سے کسی دوسری قسم کی راحت ہی محسوس

ہوتی جوتی ہے اور اس لئے دنیا کو جنت تک کسی مریضانی واسطہ کی وساطت سے خود اور سامانِ نسیبت
لے کر ہیکل اس کا بیخ و بن خوراحت مکمل نہ ہوگا۔ لیکن جب دنیا ان واسطوں سے رہائی پا کر براہِ راست
نور و صحت کو منور ہوگی اس وقت جو سامانِ راحت ترقی کرنے والوں کے لئے اور جو اسباب
ذممت بمنزل کرئہ الاولن کے واسطہ موجود ہوں گے ظلم ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ بھی نامکمل ہیں گے
سو امی و لیکانندجی کہتے ہیں کہ لے

”دنیا میں کوئی ترقی نہیں۔ اگر ایک طرف بھلائی پیدا کی جاتی ہے تو دوسری طرف بہت سی
برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض ہر ایک راحت کے ساتھ بیخ موجود ہے اور ایسی حالت کی امید
جس میں بالکل بھلائی ہو یا بالکل برائی خیاں خام ہے۔ پس برائی دور میں ہی ہو سکتی ہے
کہ بھلائی کی خواہش دور کر دی جائے۔“

سو امی کا یہ قول اس دنیا کے لحاظ سے بیشک درست ہے مگر انسان کے سب سے
شریف اور اہم ناز جذبہ ترقی کو ہمیشہ کے لیے مسیو کہنا ویسی ہی غلطی ہے جیسے سیاروں کی
ابتدائی حالت میں مساموں کے وجود کو اور نباتات اور حیوانات کے حالت میں جسم کے بہت سے
خاصوں کو بیفائدہ سمجھنے کی ہوتی۔ اور اسی طرح جو علاج وہ تجویز کرتے ہیں کہ بھلائی کی خواہش
کو دل سے نکال دیا جائے یہ بھی وہ دوا ہے کہ چڑیا کا دودھ لجاے مگر وہ نہیں مل سکتی۔ یہ نیچر
کو بدلنے کا سوال ہے جو انسان کے پس میں ہونا ایک طرف خود قدرت بھی اپنا قانون بدلنے
کے لیے تیار نہیں۔

فَطْنُ قَوْلِ اللَّهِ الْبَاقِي فَطَرُ النَّاسِ عَلَيْهِمْ
لَا يَكُونُ لَكَ لِحَاقِ اللَّهِ (روم باب ۲۷ ع ۷)

خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے

خدا کی پیدائش میں تبدیل کو دخل نہیں۔

پس درست یہی ہے کہ بھلائی کی خواہش جو فطرت میں ودیعت ہے اس کو چھوڑنا ممکن ہے اور
ذہبی ضرورت۔ بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اس عطیہ فطرت کی عزت کرے اور جو مناسب وسائل
اس کو حاصل کرنے یا ترقی دینے کے ہیں ان پر کار بند ہو اور پھر اپنے وقت پر اس کے حاصل ہونے

کا منتظر کرے۔

آئندہ ترقی کے وسائل | اب سوال یہ ہے کہ آئندہ ترقی کے وسائل کیا ہیں ؟ دنیا میں انسان جو ترقی کر سکا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے اور جب آئندہ انسان ہی ہونگے تو کیا انکی ترقی بھی اسی قسم کی ہوگی اور کیا وہ ان کی جنت ہی ریل اور تار ایجاد کرنے والوں کے حصہ میں آئیں گی ؟ بیشک یہاں ترقی اسی قسم کی ہے اور اس لیے کہ تو کہتے ہیں کہ وہ ان ہی میں ترقی کر رہی ہیں اور اگر یہاں صرف ایک کمرہ زمین کی آمدورفت کو آسان کیا گیا ہے تو وہاں پر یخ اور عطار و ادویہ دیگر نظام ہائے شمس کی تھکیل اور سیلون جانے لگیں گے اور وہ براق اور رُف جھنڈے ہیں کہ آنکھ کی جھپک میں زمین سے آسمان پر جا پہنچتے ہیں وہ انہی چیزوں کی ترقی یافتہ شکلیں ہوں گی۔ مگر نہیں۔ ایسے مضمون میں ایسا سرسری فیصلہ یقیناً غلط ہوگا اور ہمیں یہاں ترقی کو اس حان نظر سے دیکھنا چاہئے۔

فوز اور انرجی کے مختلف مظاہر | یہاں ترقی کرنا والا مادہ ہے اور ترقی کرنا کو ذریعہ قوت اور قوت کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک قوت ذرات کو ذرات سے اور اجسام کو اجسام سے پیوستہ کرنا چاہتی ہے اور اسکو فورس یا قوت جاذبہ کہتے ہیں اور دوسری قوت ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہتی ہے اور اسکو انرجی یا قوت طرد کہتے ہیں۔ فورس اور انرجی دونوں کی مقدار معین ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ مگر فورس کی نسبت فیصلہ ہے کہ وہ وزن دار مادہ کے ہر ایک ذرہ میں چھپیدہ ہے اور ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن انرجی ایتر کی راہ سے ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک انبار سے دوسرے انبار کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور نیز انرجی بالقوہ اور بالفعل دو قسم میں منقسم ہے جب پتھر تخت پر رکھا ہو اور کلاک تیار ہو مگر کوک نہ دی ہو تو اس وقت دونوں میں انرجی بالقوہ موجود ہے اور جب پتھر کو ٹوٹے کا یا جالے یا کلاک کو کوک دی جائے تو انرجی بالفعل موجود ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ جس حد تک فورس غالب آتا جاتا ہے اور ذرات یا اجسام کو پیوستہ

کرتا جاتا ہے انرجی وہاں سے نکل کر پے سے پے چلی جاتی ہے چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اوجھڑا
معدود ہے اس لیے ایک وقت پر فورس تمام مادہ کو مجتمع کر لیکھا اور انرجی کا ظہور ختم ہو جائیگا اور مادہ
کے تمام جزو اہم پیوستہ ہو کر دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ۔

غرض یہ کہ ترقی اپنی دو فو تو توں پر منحصر ہے۔ اگر صرف فورس ہوتا اور انرجی اس کا مقابلہ
نہ کرتی تو ابتدا سے تمام مادہ بچھڑ ہوتا اور کوئی ترقی ظہور نہ پزیرے ہوتی اور اگر صرف انرجی ہوتی تو تمام
ذرات اس قدر پھیل جاتے کہ پھر بھی ان سے کوئی اور شکل پیدا نہ سکتی۔ مگر اب چونکہ یہ دونو موجود ہیں اس لیے
اپنے مختلف مظاہر سے مختلف ترقیاں ظاہر کرتے آئے ہیں ابتدائی بخار کی شکل میں فورس نے کشش
کیمیائی اور کشش اتصال کی شکل میں ذرات کو جمع کرنا شروع کیا اور انرجی نے حرارت اور روشنی کی شکل
میں ایک کو دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ اس قسم کی نہایت پیچیدہ کوششوں کے بعد بخار کی یہ شکل
بنی کہ جہاں ذرات کے انبار جمع ہو گئے۔ اور پھر ان میں کشش ثقل اور انرشیا کی شکل میں ہی جدید جہد
شروع ہوا اور بعض بعض کے گرو گھومنے لگے۔ اور ہر آفتاب کا جسم کشش اتصال سے سکرٹے لگا ہوا
اور ہر زمین وغیرہ سیارے بچھڑ ہوئے لگے اور نیز آفتاب کی انرجی روشنی حرارت اور علی کیمیائی کی شکل
میں انحصار سے گذرتی ہوئی زمین تک پہنچی اور یہاں کی ہوا کو پھیلانے سے آندھیاں اور طوفان آنے
لگے اور پانی کو گرم کرنے سے بجاپ اٹھنے لگی اور جہاں تک انرجی کا اثر تھا اور پھر کو اٹھ کر پھر فورس کے
اثر سے پانی اور برف بن کر نیچے کو آنے لگی۔ چنانچہ یہاں سے زمین کی ترقی شروع ہوئی اور نباتات
اور حیوانات پیدا ہونے لگے۔ ان کی پیدائش اور ترقی کا باعث بھی وہی انرجی اور فورس کا مقابلہ ہے
انرجی ان کے جسمانی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہے اور فورس انکو پیوستہ رکھنا چاہتا ہے
اور جو ذرات خوراک کی شکل میں داخل ہوں ان کو بھی چسپان کرنا چاہتا ہے اور اس طرح یعیام نشوونما
پاتے ہیں۔ مگر نبات کی نسبت حیوان کے اندر یہ تعلقات اور ہوا کہ نبات ایک جگہ پر قائم ہو کر اپنی جسمانی حالت
میں ترقی کرتی تھی تو حیوان کو انرجی طبعی اور ارادی حرکتوں کی شکل میں دو دروازہ مقامات تک پہنچانا چاہی
ہے اور فورس کوئی آرام کی خواہش نہ کرے ایک مقام پر رکھنا چاہتا ہے پھر ایک نبات کو دوسری نبات

اور ایک جہان سے دوسرا جہان خواہ شہر و قلعہ و ارتقا کے موافق پیدا ہوتا ہو یا جیسا کہ پہلے خیال تھا ایک قسم کی نبات اور ایک قسم کے حیوان کے ہندو میں کسی نہ کسی شکل میں دوسری قسم کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہتے ہوں۔ غرض اس ترقی میں بھی وہی فوریں اور انرجی کا جہد و جہد ہے ایک طاقت پہلی پیداوار سے دوسری پیداوار کو اور شکل میں ایسا بنا جاتی ہے اور ایک طاقت پہلی شاہد کے قائم کھتی ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ترقی ہو کر انسان تک نہایت پہنچتی ہے اب انسانی ساخت و کچھ حیوانی ساخت کے مشابہت سے اسلئے فوریں اور انرجی اسکو بھی اسی طرح نشو و نما دیتی ہے جس طرح حیوان بڑھتا تھا اگر ایک انسان کی اپنی ترقی بھی ہے جس میں یہی دونوں طاقتیں دوسری شکل میں جلوہ گر ہیں اور ایک دل و دماغ کے بعد دوسرا دل و دماغ کچھ زیادتی کرتا ہے جس کو انرجی کا اثر کہنا چاہئے اور کچھ پہلی حالت کو قائم رکھتا ہے جس کو فوریں کی طرف منسوب کرنا چاہئے۔ اس طرح باہمی تعلقات زبان صنعت علم اخلاق اور مذہب میں ترقی ہوتی رہتی ہے +

سائنس کے مصلحت و استدلال | یہاں تک تو وہ باتیں ہیں جن کو سائنس نے تسلیم کیا ہے مگر آگے
 رفتار مذہب تک جاسکتی ہے | کے لیے کچھ نو سائنس اپنا مدعا یہی قرار دیا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت
 سے بحث کرے۔ اور اس کے آغاز و انجام کی نسبت تحقیق کرنا اسکے فرائض میں داخل نہیں اور کچھ
 میں خیال ہے کہ سائنس والوں کا قصور یہی ہے کہ جس طرز سے وہ موجودہ حالت میں استدلال کرتے
 ہیں وہی طرز اگر آغاز و انجام کے متعلق کارآمد ہو تو اسکی طرف بھولے سے ہی توجہ نہیں کرتے حالانکہ
 نظام قدرت کو دیکھنے اور اسکے پراسرار اور حیرت انگیز قوانین کو دریافت کرنے کی نعمت جو ان کو
 حاصل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بزرگ ہے اور نیک و بد کو سمجھنا اسی نعمت پر منحصر ہے۔

مَنْ يُؤْتِي السَّكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
 وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أَوَّلِي الْأَكْبَابِ ۝
 جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت
 دی گئی اور نصیحت عقل ہی حاصل کرتے ہیں۔

در بقعہ پارہ ۲ ع ۳

اور اس لیے اس نعمت کو کام لیکر مصلحت قدرت کی طرف توجہ کرنے اور اسکی خشیت اور محبت کو اولین جگہ

دینے کے جو موقع اُن کو حاصل ہیں وہ دیگر اشغال میں نصیب نہیں ہو سکتے

اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ خدا کے بندوں میں سے اُس سے اہل علم ہی

(فساطر پارہ ۱۲، ص ۱۷۷) ڈرتے ہیں

اب یہی قوت کی دو شکلیں ہیں جن میں سے نورس موجودہ حالت کو قائم رکھنا اور تہ تغیر پیدا ہو اُس کو دور کرنا چاہتا ہے اور انرجی ہمیشہ پہلی حالت کو بدل کر جدید شکل پیدا کرنی چاہتی ہے غرض ایک قوت سلبی ہے اور عدم کی جانب میلان رکھتی ہے اور دوسری قوت ایجابی ہے اور وہ جو کو بڑھانا چاہتی ہے۔ مادہ ایک ہے اور تو تین اس میں دو موجود ہیں اور وہ ہی ایک دوسری کے خلاف ہیں کیا ان دو قوتوں کی نسبت غور کرنا ضرور نہ تھا اور جب مادہ کی موجودہ حالت اور اس کے تغیرات کو دیکھ کر یہاں کی کیفیتوں کو عام سے عام فرض کرتے جوئے ابتدا میں تمام فضا کو بجائے کے بادل سے بھرا ہوا فرض کر لیا گیا ہے اور تجربہ کی چیزوں سے تجربہ کے پرستے تک خیال دوڑایا گیا ہے تو فورس کے عمل کو جو وجود کی شکلوں کو معدوم کر رہا ہے اور انرجی کے عمل کو جو عمدہ سے عمدہ شکلیں پیدا کرتی جاتی ہے عام سے عام کہتے ہوئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ یہ پیدائش کے متعلق جو احتمال قرین قیاس سمجھا گیا تھا قوت کی یہ دو فنی کارروائی خود اسکو قوی کرتی جزا و دنیا کی اصلیت چونکہ عدم ہے اسلئے وہ فورس کی شکل میں ہر مقام پر جلوہ گر ہے اور پیدا چونکہ خدا کی قوت علم نے کیا ہے اس لئے وہ انرجی کی شکل میں ہر حالت کے بعد دوسری حالت کو بہتر سے بہتر کرتی جاتی ہے اور انہی دونوں کیفیتوں کا سبب ہے جو یہ دنیا آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے۔ ورنہ اگر محض عدم ہوتا اور کوئی قوت وجود کو نمیولی نہ ہوتی تو وجود کی کوئی شکل نمود پذیر نہ ہوتی اور اگر عالم قدیم سے وجود ہوتا اور عدم سے وجود میں نہ لایا جاتا تو کچھ موجود ہوتا اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ شکل میں ہوتا اور اس تدریجی ترقی کا نشان نہ ملتا پس دنیا آہستہ آہستہ اسلئے جڑتی ہے کہ وہ خود اپنی اہلیت کی طرف میلان رکھتی ہے اور تو تین علم اسکو جو کہ طر ف لانا چاہتی ہے اپنا پنج جب یہ عمل شروع ہوا ہوگا تو چونکہ محض عدم کو جو دین لانا تھا اسلئے ابتدا میں وجود کا اثر نہایت مخفی اور غیر محسوس ہو ہوگا چنانچہ وہ دہری مابین بین جو بخار کے بادل سے چھلکے گذر چکے ہونگے اور جبکی نسبت کائنات

کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جہاں سے علم اور احساس کا دور شروع ہوا ہے وہاں ان دونوں قوتوں کی جدوجہد کی کیفیت اور اسکے نتائج پہلے کی نسبت واضح سے واضح ہوتے جاتے ہیں اور اس لیے آگاہی کی نسبت انجام کیلئے غور و فکر کرنا زیادہ سہل ہو گیا ہے۔

ترقی کے مختلف درجات میں
فوس اور انرجی کی شکل
پر مبنی جاتی ہے۔

چنانچہ ازل سے اس کی سادہ سے سادہ شکل جو خیال میں آسکتی ہے وہ نہایت وسعت میں پھیلے ہوئے باریک ذرات کا بادل ہے اس سے پہلے اگرچہ ہزاروں انقلاب ہوئے ہوں مگر کم از کم ایک تو خیال میں آسکتا ہے جبکہ مادہ کو عدم سے

وجود میں لایا گیا ہو گا اس وقت عدم کا فوس وجود سے مانع ہو گا اور قدرت کی اوجہ موجود کرنا چاہتی ہو گی جس سے ابتدائی باریک ذرات پیدا ہوئے ہونگے۔ اس پہلی کوشش کے بعد اور ترقی ہونے لگی تو فوس چونکہ وجود کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا اب اسکا اثر ذرات کی حرکت کو روکنے لگا اور آدھرا انرجی ذرات کو دور سے دور لیجانے لگی اور ترقی کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور کروں کی ابتدائی شکل پیدا ہوئی۔ یہاں سے جیولان کی پیدائش تک دیکھا جاتا ہے کہ بڑھانے اور روکنے والی دونوں حرکتیں طبعی ہیں اور محض جسم تک محدود ہیں گو ایک کے بعد دوسری میں کچھ نہ کچھ ترقی ضرور پائی جاتی ہے پہلے محض ذرات کو کھینچنا یا بڑھانا تھا پھر ذرات سے بنے ہوئے بڑے بڑے کروں کو کھینچنا اور دھکیلنا جانے لگا۔ زمین آبادی کے قریب آئی تو بھاپ اور ہوائی شکل میں کروں کے اجزاء کو ان سے جدا کرنے اور پھر انکی طرف لانے کی کوشش شروع ہوئی نہایت میں جسم کی اجزاء کو جدا نہیں کیا جاتا بلکہ پیوستہ رہنے کی حالت میں نمودیا جاتا ہے اور آدھر سے اکی مزاحمت ہوتی ہے۔ اب حیوان پیدا ہوا تو اگرچہ حرکت میں بھی جسم کو تھپی مگر اب بھائے ایک کے دو طرح کی ہونگی ایک تو اجزاء کی ہوتی نشوونما کی حرکت ہے جو نباتات میں بھی اور دوسری حرکت تا حتم کو بجا بجا پھرنے کی ہے جس حرکت کا نشان کروں کی گردش میں بھی پایا جاتا ہے مگر یہاں اور شان ہے۔ کرے کا تا حتم بھی حرکت کرتا ہے مگر ایک دائرہ میں اور اس سے باہر نہیں جاسکتا اور نیز انکی حرکت محض طبعی ہے اور یہاں حیوانات کسی دائرہ میں مقید نہیں ہیں اور شرق سے مغرب تک جولاں کر سکتے ہیں اور نیز انکی حرکت

میں طبیعت کے علاوہ ان کے احساس کو بھی قفل ہے اور اپنے تصور و خیال کی مدد سے ارادہ کی شکل میں حرکت کرتے ہیں۔ غرض ایک طرف ان کے جسم میں ایسی حرکتیں پیدا ہوئیں جو اور قسم کی مخلوقات میں نہ تھیں اور دوسری طرف ان کے دماغ میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیال کو اشیاء کو رو پیش کی طرف لیجانے لگے۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو یہ انچہ خوبان ہمہ دار نہ تو تنہا حارمی کا مصداق تھا۔ چنانچہ یہ وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو نباتات میں ذرات کو نشو و نما دے رہی تھی اور وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو حیوانات کو جا بجا لیے پھرتی تھی اور اس کے علاوہ دماغی حرکت کا وہ عالم ہے کہ حیوان جو اشیاء کو رو پیش کی طرف توجہ کرتا تھا تو صرف انکو کھانے کیلئے یا کسی اندیشہ کی جست میں اس سے بہاگ جانیٹکٹو اور انسان اپنے تصور کو نہ صرف چیز کی طرف لیجاتا ہے بلکہ اسکی خاصیتوں کی طرف لیجاتا ہے اسکی شکل کو بدلکر اور دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر اور شکلیں پیدا کرنے کی طرف اور پھر ان شکلوں کی تاثیروں کی طرف لیجاتا ہے۔ غرض اپنی دماغی حرکت میں کسی حد پر محدود نہیں ہونا چاہتا اور جہاں تک جاسکے اس سے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور نیز حیوان کی طرح صرف سطح زمین اور مختصر سی فضا میں محدود نہیں رہتا بلکہ نیچے تخت الثرے اور فلک الافلاک تک پہنچتا ہے اور اپنے خیال کو یہاں تک دوڑاتا ہے کہ کائنات کی تمام فضا کو عبور کر جاتا ہے اور خالق کائنات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آئندہ انقلاب میں ترقی | غرض یہاں تک کہ وہ ترقی سے جو دنیا نے حاصل کی ہے اب جو آئندہ انقلاب ہوئی چلے جائے | انقلاب ہو گیا ہے کیا آئینہ ہی یہی ترقی ہو گئی؟ کہ انسان دنیا کی چیزوں کی تاثیر میں دریافت کرتا رہا ہے اور شکلیں ایجاد کرتا جاوے نہیں۔ ایک دفعہ ہر چیز کو جاوے اور دیکھو کہ کائنات کی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ان کیلئے ترقی کی صورت تھی لیکن اگر گری بن جائے کے بعد اجسام میں ہی ہی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ہوتی اور آفتاب کے گرد دورہ کرنے کی حرکت پیدا نہ ہوتی تو محض فہات کی حرکت اس درجہ کے لیے ترقی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح نباتات کے اندر اجزاء کا نشو و نما ان کے لیے ترقی ہے لیکن اگر حیوان میں ہی یہی وصف رہتا اور زمین غذا

آپٹنے پر وہ بڑھ پھول سکتا مگر اسی حرکت اور آمد و رفت کی طاقت نہ ہوتی تو جرات نہات کے لیے ترقی ہے حیوان کے لیے وہی منزل قرار پاتی۔ اور اسی طرح جو انسان حیوان کی طرح اپنی ہمت کو محض چرنے چلنے تک محدود رکھے اور دماغی حرکتوں کو کام میں نہ لائے تو خواہ ماضی جیسا سڑتا اور شیر جیسا قوی ہو جائے مگر عقل اور دین سے بے بہرہ ہو نیکی کے سبب یہ حالت اسکے لیے منزل سمجھی جاتی ہے حالانکہ حیوان کے لیے ترقی یہی ہے۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب میں اس انقلاب کے مناسب ترقی کی اوڑھل ہوتی ہے اور اس کو نیچے دے کر ترقی اگر صرف وہی رہی تو منزل سمجھی جاتی۔ پہلے سلسلہ اندہ انقلاب پر اگر یہی کائنات کی تحقیق اور ایجاد و اختراع کا شغل رہا تو اس حالت کے لحاظ سے منزل کیوں نہ ہو گا بلکہ ضرور ہے کہ جس طرح پہلے درجہ میں ترقی کی شکل بدلتی رہی ہے اس درجہ میں ہی کوئی اوڑھل ہو۔ اور وہ کیا ہو سکتی؟ یہاں حرکت و ذروں پر شروع ہوئی۔ پھر جسم اور دماغ کو ملا یا۔ جسم کی حرکت حیوان تک کمال کو پہنچی اور دماغ سے دماغی حرکت شروع ہوئی۔ انسان نے اپنے خیال کو تمام کائنات میں دوڑایا اور ابھی دوڑا رہا ہے۔ آئندہ ترقی کائنات سے آگے ہوئی چاہئے۔

آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی | چنانچہ اسکے لئے وہی چیز باقی ہے جس کی تلاش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جس کو اس نے ہر گوشہ میں تلاش کیا۔ کہیں سے پنجرہ سمجھا اور کہیں دھند کہیں آفتاب سمجھا اور کہیں ماہتاب۔ مگر آخر میں اعتراف کیا کہ وہ ان سب سے بالا اور سب سے اعلیٰ ہے اور اس کو سمجھنا اور پانا ذیوقی نظر کے لیے ناممکن ہے پس آئندہ انقلاب میں اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اس کی طرف۔ اور حقیقت میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ مادہ کی تمام حرکتیں جو اوپر کی طرف ہو رہی ہیں اور انسان کی عام فطرت جو اعلیٰ سے اعلیٰ منظر و دن کے لئے اسکی فطرت میں داخل ہے وہ اسی لیے ہے کہ ایک وقت پر یہ ترقی کرتا ہوا سب سے اعلیٰ ذات کی معرفت حاصل کرے اور اسکے وصال کو بہرہ ور ہو۔ اور جس طرح نہایت میں تغذیہ اور نشوونما کی طاقت پیدا کر دی گئی تھی جو حیوانات میں کمال کو پہنچی اور حیوانات میں جس حرکت کی طاقت پیدا کی جو انسان میں اپنی حد تک پہنچی اسی طرح انسان میں اس مالائے

ہمتی کا خیال و رویت کیا گیا جو آئندہ انقلاب میں اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور جس طرح یہاں بعض انسان
عدمی میلان سے متاثر ہو کر دیوی حالت کے کمال یعنی علوم و فنون کی طرف توجہ نہیں کرتے اور روز
بروز منزل کی طرف چلے جاتے ہیں اور بعض لوگ اپنے جانے قوت کو کام میں لا کر اڑاتے تدرت کے باہر
اور اسکے غرض خزانوں کے مالک بنتے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسی عدمی میلان سے متاثر ہو کر دیوی
کمالات اور لذائذ حاصل کرنے کے بعد اپنی کوتاہی کی انتہائی حد سمجھ لیتے ہیں اور اس سے اوپر کسی اور
ترقی کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ آئندہ انقلاب پر قرب ربانی کی نعمتوں سے محروم اور فراق و بعد
کی تکالیف میں مبتلا ہوں گے اور جو اسکے برخلاف یہاں کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے
کچھ انجمنانی فرائض ہی قرار دیتے ہیں اور ان پر کاربند ہوتے ہیں وہ بیشک آئندہ وہ ترقی نہیں
کر یہاں کی ترقیان اسکے سامنے جھجھکیں گی۔

یاد رکھو جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ
جن کے چہرے سیاہ ہونگے انکو کہا جائیگا کہ کیا تم نے ان
کے بعد کفر اختیار کیا؟ پس تم اپنے کفر کے سبب
عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے
وہ خدا کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا
الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
إِيمَانِكُمْ فذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُونَ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ
وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ط (ال عمران پارہ ۷ ص ۱۷۷)

خدا نے آسمان و زمین کو فعل میں پیدا نہیں کیا۔
یہ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور
ان پر ظلم نہ ہو کیا تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے
اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا یا ہو ہے اور خدا کے مقرر
کردہ قاعدوں کے موافق وہ باوجود علم کے گمراہ ہو گئے
ہیں اور ان کے کان اور دل پر ہر رنگ گئی ہے

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ
وَلَيَجْزِيَ أَمْثَلُ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُعْلَمُونَ ۚ أَفَمِنْ آيَاتِنَا لَتَخَذَ اللَّهُ هُوَ
وَاصَّلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَلَقَ عَلَىٰ سَمْعِهِ
وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً
فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا

كَذَلِكَ رَوْنٌ مَدَوَّقًا مَاهِي الْأَحْيَاتِ
الدُّنْيَا مَوْتٌ وَخَيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا
الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ
إِلَّا يَظُنُّونَ

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳۱)

وَبُحْبُوحٍ يَكْمُلُ نَاحِيَةً إِلَى رَفِيعَاتِهَا فَظَرَفَةٌ
وَرُجُوعَةٌ يَكْمُلُ بِهَا سِرَّةٌ تَقْلُقُ أَنْ يَفْعَلَ
بِهَا فَاقِرَةٌ

(قیامتہ پارہ ۱۹ ع ۱۷)

اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اب انکو خدا کے سوا کون مٹا
دے گی؟ اس عبرت نمایں لیتے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ صرف یہی
دنیا ہے ہمیں ت یا زندگی کا سلسلہ ہے اور ہم زمانہ کے اثر
سے مر جاتے ہیں اور کچھ نہیں انکو کوئی علم نہیں صرف اٹکل
کی باتیں کرتے ہیں۔

بہت سوچ رہے اس دن تو زمانہ ہونگے اور اپنے
خدا کو دیکھتے ہونگے اور بہت سوچ رہے اس دن اس
ہونگے اور سمجھ کر ہونگے کہ اب حوصلہ شکنی صیبت آئی۔

غرض فیوضِ فرائض کے لحاظ سے یہاں ترقی اور تنزل دونوں طرح کی
حکمتیں موجود ہیں اور فروزی فرائض کے لحاظ سے وہاں دو قسم کی

آئندہ ترقی کیلئے جو سامان پہنچا جائے
وہ ہی عالمین ہمارے دیئے گئے ہیں۔

رفتار اور اس پر چلنے والے موجود ہونگے۔ اور اگر یہاں حیوان ہیں و لامع کی ابتدائی حرکت موجود نہ ہوتی
تو انسان میں یہ حرکت کمال کو نہ پہنچتی۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں دنیا کے لذت آہنہائی خیالات
اور اسکے وسائل موجود نہ ہونگے یا ان کو برباد یا مایوس کیا تو آخرت میں اس حرکت کا کمال حاصل نہ ہوگا چنانچہ
اسی لئے قدرت کی طرف سے اسکا انتہام کیا گیا ہے ہر شخص کی فطرت میں یہ تلاش و دعیت کی گئی ہے اور
پھر وقتاً فوقتاً اسکی رہنمائی کے سامان ہم پہنچائے گئے ہیں۔ اور چونکہ حرکت ذات باری کی طرف ہوگی
اسلئے اس ذات پر یقین رکھنا اور اسکو دائم و باقی سمجھنا اصل ایمان قرار دیا گیا ہے اور جبر و افعال و اشغال سے
اس عقیدہ کو پختگی اور اس خیال میں جلا اور رونق پیدا ہوا ان کو فرض واجب ٹھہرایا گیا ہے اور اس
عقیدہ کا نہ ہونا کفر یعنی موجب تنزل اور اس خیال سے غافل کرنا اعمال کو گناہ یعنی باعث
ایذا و تنزل مانا گیا ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ چونکہ ترقی قرب خدا میں ہونے کو
ہم اسلئے خدا کی نسبت سچا اعتقاد ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی نے ایسی چیز کو خدا سمجھ لیا ہے جو حقیقت
میں خدا نہیں تو آخرت میں ترقی ہی وہی خیال کی طرف کر لیا اور اس خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیگا جو

حقیقت میں خدا ہے۔ ان یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے سچا اعتقاد کسی قدر تفاوت ہو سکتا ہے۔ اور محض اس تفاوت سے ترقی میں نقص واقع نہ ہوگا۔ مثلاً ابتداء سے آفرینش میں جب اُس برتر از خیال و قیاس ہستی کی طرف خیال نہ جاسکتا ہوگا اس وقت سچا عقیدہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ہم سے بڑا ایک ہستی ہے اور چونکہ خدا واقع میں انسان سے بڑا ہے اس لئے اس عقیدے والے آئندہ ترقی کے اہل ہو سکیں گے۔ مگر آئندہ آنیوالوں نے جب اپنی نفسانی آمیزش سے ہوا یا پانی یا اور چیزوں کو بعض طاقتوں اور خاصیتوں میں اپنے سے برتر سمجھ کر ان کو خدا مان لیا ہوگا تو چونکہ واقع میں یہ چیزیں خدا نہیں ہیں اس لئے اُس محفل اور سچے عقیدے میں اس غلط تفسیر نے ملامت و راء اثر کیا ہوگا اور آئندہ عالم میں وہ لوگ اسی خیال اور اسکے نتائج میں مبتلا رہیں گے اور سچے خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیں گے اور علیٰ ہذا جب اس غلط عقیدے کی اصلاح ہونی ہوگی اور بتایا گیا ہوگا کہ خدا ہوا اور پانی وغیرہ سے بھی بہتر ہے تو اس خیال میں پھر ترقی کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہوگی۔ اور اسکے بعد جب ہوا اور پانی پیدا کر نیوالی طاقتوں کو دیتا ماکران کے آگے رکھتا جھکا یا گیا ہوگا تو اس غلطی نے پھر ترقی کی رفتار کو اور طرف مغطف کر دیا ہوگا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ خدا کو سب محسوس اور غیر محسوس چیزوں سے بڑا اور سب پر قابض متصرف مانا گیا ہوگا جو آئندہ ترقی کے لئے مفید ہے اور پھر انسان نے اپنی آمیزش سے اُسے سب سے بڑا مانتے ہوئے بعض انسانوں کو ایسا بڑا دیا ہوگا کہ خدا میں اور میں محض باپ بیٹے کا تفاوت رہ گیا ہو۔ یا سب پر قابض مانتے ہوئے بعض اشیاء کو ایسا عظیم الشان تصور کیا ہوگا کہ ان کو خدا کی مخلوق ماننے سے انکار کر دیا ہوگا اور اس طرح بجائے ہر طرح سے کامل اور قادر خدا کو ماننے کے ایسے خدا کو مانا ہوگا جو بعض انسانی نقصوں سے متصف ہو اور بعض طاقتوں میں ناقص جس کا آئندہ ترقی میں نیا ہونا ضرور ہے اور ان کو اسی رستہ پر جانا ہے جس کے نشانات انہوں نے اپنے دل میں قائم کر چھوڑے ہیں۔ اور اگر واقع میں خدا سب نقصوں سے پاک ہو تو اس خیال والے اس کی طرف نہیں جاسکتے غرض آئندہ ایسا باغ لگنے والا ہے جس کی تخم ریزی یہیں ہو چکی ہے اور جو تخم ہوگا آخرت میں اُس کی

پہل طلیکا اور تھم مختلف ہوں گے پھل کیساں اس سے زیادہ خلاف عقل اور نامقبول خیال کوئی نہیں ہو سکتا +

آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی | یہاں والے ماننے ہیں کہ نورس ہر ایک ذرہ میں چسپیدہ ہے اور اس

جدا نہیں ہو سکتا اور اس کے خلاف انرجی ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف انتقال کرتی رہتی ہے اسکا باعث انہوں نے خدا جانے اب کیا سمجھا ہے اور آئندہ اس کے متعلق کیا کیا تصویروں یا تفایم کر نیکیے مگر اس میں شک نہیں کہ دنیا کی ماہیت عدم ہے اور اس لئے

اس کا ظہور ہر درجہ میں اور ہر ذرہ میں ہونا چاہیئے اور جو دوسری ذات کی طرف سرعطا ہوا ہے اس لئے وہ عدم کی طرح اس کے ساتھ چسپیدہ نہیں ہو سکتا اور اس لئے وہ انقلاب کے ہر درجہ میں ہی حد تک ظہور کرتا ہے جہاں تک اس درجہ کو مکمل کرنے کے لئے ضرورت ہو اور اس کے بعد

کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مثلاً جب بخار کا بادل تھا تو اسکی اجزا میں انرجی کا ظہور اس شکل میں تھا کہ وہ ذروں کو ذروں سے جدا کرنا چاہتی تھی اور مختلف سیاروں کی جو شکل بنانی مطلوب تھی وہ اسی طرح کی انرجی سے پیدا ہو سکتی تھی اس لئے جب تک ضرورت رہی یہ عمل ہوتا رہا چنانچہ اوہ نورس کا عدلی اثر

بھی کام کرنا رہا اور اوہ انرجی اپنا اثر دکھاتی رہی اور زمین وغیرہ سیارے پیدا ہو گئے۔ اور اب جو چسپیدہ کبریٰ مطلوب تھی وہ پیدا ہو گئی اس لئے انرجی کا وہ عمل کم ہونا شروع ہوا اور زمین بخار سے سیال اور سیال سے منجمد ہوتی گئی اور اس طاقات کا جو حصہ زمین میں دو لیت تھا اس کا اثر جاندار اور پھر آئندہ جس قسم

کی انرجی سے زمین کو آباد کرنا تھا اسکا ظہور ہونے لگا یعنی انرجی آفتاب سے حرارت اور روشنی کی شکل میں سفر کرتی ہوئی زمین تک پہنچی اور اس سے بارش آندھی وغیرہ انقلاب پیدا ہونے لگے۔ اور ان کے بعد نباتات کو پیدا کرنے کے لئے ان کے اجزاء جسم کو بڑھانے کی اور حیوانات میں اس کے علاوہ

خود ان کے جسم کو اور نیز کسی قدر دماغ کو اطراف و جوانب میں حرکت دینے کی اور انسان میں ان تمام طرح کے ساتھ اس کے دماغ کو زمین آسمان کے ہر گوشہ کی طرف اور خود پیدا کرنا اس کے کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت تھی اس لئے ان انقلابوں میں انرجی کا ظہور یکے بعد دیگرے ترقی کرنا رہا۔ مگر وہ مادہ جس میں نشوونما ہونے

کو تھی اور وہ فضا جسمین حیوان حرکت کر نیکو تھا اور کائنات کا وہ میدان جسمین انسان اپنے خیال کر جولان دینے والا تھا یہ سب محدود ہیں اور ان سب قسموں کی ترقی ایک معین حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اسلئے انہی کے یہ تمام ظہور بھی ایک ایک وقت پر ختم ہوتے رہے اور ایک دن سب ختم ہو جائیگا لیکن ان ترقیوں کے بعد آئندہ انسان کی قوت خیالیہات ربانی کی طرف حرکت کرنے کو ہے اور ترقی قرب و بعد خدا میں ہونے والی ہے اور خدا کی اتنا غیر محدود ہونے کے سبب وہ ترقی کسی نقطہ پر ختم نہیں ہو سکتی اسلئے انہی کا وہ ظہور بھی جو آئندہ ہونے والا ہے غیر محدود ہو گا اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آجہانی پنج درجات دائمی اور با دہی ہے اور جو لوگ خدا سے قریب ہونگے وہ ہمیشہ قریب تر ہونے جائینگے اور جو دور ہونگے وہ دور سے دور تر ہونے میں بھی کسی حد پر نہ ٹھہریں گے۔

روح صفہ جسم میں رہ کر ترقی کر سکتی ہے | غرض یہ یقین کر لینی کہ جو موجود ہیں کہ جس وقت پر ترقی کا وقت سمجھا جاتا ہے وہ حقیقت میں اب سے بہت زیادہ ترقی کا زمانہ ہو گا اور جو مخلوقات یہاں پیدا ہوتی ہیں اُس زمانے زیادہ آسانی سے پیدا ہو سکیں گی اور ترقی کے لئے چونکہ اور کوئی میدان نہیں رہا اس لئے اس وقت معرفت ربانی میں ترقی ہوگی اور چونکہ وہ فوات لا محدود ہے اسلئے وہ ترقی بھی لا انتہا ہوگی اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ انسان میں جب ایک روح جیسی لطیف ہستی کو مانا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اسکے قائم رہنے کا یقین کیا جاتا ہے تو خواہ ماوہ کوئی اور شکل اختیار کرے یا نہ کرے اسکی کیا ضرورت ہے کہ روح انسانی دوبارہ جسم میں داخل ہوا اور کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مجرد ہر معرفت ربانی یا اور حالات میں ترقی کرتی جائے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ محض احتمال قائم کر لیا کہ شاید ایسا ہوا اور بات ہے لیکن یقین کرنے کیلئے کہ روح اپنی مجرد حالت میں ترقی کرے گی یا کر سکے گی زیادہ ثبوت کی ضرورت ہے اور غور کیا جاتا ہے تو قہراً اس کے خلاف دلالت کرتے ہیں کیونکہ اول تو روح باوجود جداگانہ ہستی ہونیکے جو جسم میں ظہور کرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی ترقی میں جسمانی وسائل کی محنت سچ ہوگی ورنہ اگر خود ترقی کرے تو اسکی قابلیت رکھتی تو جسم کے قید میں آنا ہی نہ ہوتا۔ اور دوسرے کوئی مجرد ہستی ہوا اور پھر ترقی کرے تو اسکی بھی قابل غور ہے۔ یہاں ماوہ ترقی کرتا ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ اجزا یا ہم کہیں ایک شکل ہو سکتی

ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل سے اور کبھی کسی مرکب سے بعض اجزاء خارج ہو جاتی ہیں اور بعض اور داخل ہوتی ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت اعلیٰ اور افضل ہوتی جاتی ہے اور پھر اعلیٰ شکلوں میں عقل و شعور کا ظہور ہوتا ہے اور جسمانی ترقی کے ساتھ وہ ترقی شروع ہوتی ہے جسے جسمانی ترقی کہا جائے تو اس میں کوئی قصور پیدا ہوتا ہے یا کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس تصور یا اس جلوہ کو تو اسے آدیمتھوڈ نظر رکھتی ہیں اور آئندہ اس سے عمدہ تصور یا جلوہ پیدا ہو سکا موقع آتا ہے اور اس عمل سے خیالات جسمانی ہوں یا روحانی ترقی کرتے رہتے ہیں۔ غرض ترقی کا جو تجربہ انسان کو ہے اس میں ترقی کرنیوالے کے لئے بہت سوزناک اور وسائل کی ضرورت ہو اس لئے جو چیز اجزاء سے پاک اور مجرود ہو مجرود ہر اس کی ترقی خیال میں ہی نہیں آسکتی چہ جائیکہ اس پر یقین کیا جائے اور یہی لئے خدا جو مجرود اور لگیا نہ ہستی ہے جو لوگ اسے مانتے ہیں تو انزل سے ابتداء کا ان کو تسلیم کرتے ہیں اور اسکی بات کو ترقی یا تنزل کی طرف جاتے ہوئے مان نہیں سکتے پس روح بھی جیتنا اپنی مجرود حالت میں بیگی ترقی یا تنزل کے جس درجہ پر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھے سکیگی اور ترقی کرے گی تو اسی صورت میں کہ جسم میں داخل ہو اور جو وسائل جسم کو ترقی دیتے ہیں اور جو نور اسکو روشن کرتا ہے اس سے مدد لے اور اس لئے ضرور ہے کہ جب مادہ آئندہ انقلاب میں ترقی کرے اور اعلیٰ شکلیں پیدا ہوں تو روح انسانی ان میں ظہور کرے اور مداح ترقی پرفراز ہو +

غرض اعتراض تو روحانی حشر کو تسلیم کرنیوالے کیا کرتے ہیں کہ جسمانی حشر میں ترقی نہیں ہو سکتی یا وہ ترقی دائمی نہ ہوگی مگر حقیقت اسکے خلاف کھلتی ہے کہ روحانی ترقی کے لئے ذریعہ ہی جسمانی ظہور ہے۔ رہا اس ترقی کا دوام سو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مادہ اپنی ذات سے غلیظہ قائم رہ سکتا ہے اور اس میں جو انقلاب ہوتے ہیں وہ انرجی کے اثر سے ہیں اور انرجی کی نسبت ہم دیکھتے ہیں اور اوپر غور کر چکے ہیں کہ اس کا ظہور جس قدر ابتدائی یا بالواسطہ ہے اسی قدر شکلوں کا انقلاب بھی جلدی ہوتا ہے چنانچہ زمین کی ابتدائی حالت میں ذرات کی شکلیں

اور نیز مانتا ہے کہ اگر سے اسکی پیداوار ان چیزوں کی عمر بہت مختصر ہے اور نیز یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر ترقی کا ظہور جس حالت کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس حالت کے کمال تک وہ ظہور قائم رہتا ہے۔ پس جب یہ نظام انجام کو پہنچے گا اور تمام وسائل ختم ہو جانے پر آفتاب وحدت کا نور برآوردہ جلدو کر لگیا اور جب انرجی کا ظہور معرفت ربانی میں ترقی دینے کو ہوگا اور وہ ذات غیر محدود ہے تو اس وقت ذرے کے دوام سے اس کی پیدا کردہ شکلیں بھی دائمی ہوں گی اور معرفت کی ترقی بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔

ارواح کے لئے مادہ کی کمین | یہاں ایک سرسری سا اعتراض اور ہے کہ زمین پر جاندار مخلوق اس کثرت سے ہے کہ پانی کے ایک قطرے اور ہوا کے ایک ذرہ میں لاکھوں کی تعداد موجود ہے پس اگر یہ سب دوبارہ زندہ کئے جائیں اور نیز اس عالم میں موت اور زندگی کا سلسلہ ہی جاری نہ ہو تو مادہ جس سے ان سب کے لئے اجسام بنائے جائیں ہمیشہ آئینہ گارہ اعتراض فرمائے قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ قدرت نے جس طرح زندگی نہایت قباضی سے تقسیم کی ہے اسی طرح مادہ کو پیدا کرنے میں بھی نخل کو کام نہیں فرمایا۔ اول تو فرداً فرداً انواع حیوانات کو دیکھئے کہ ایک عورت کے پیٹ سے جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے دس بیس سے آگے نہیں بڑھ سکتی مگر وہ مادہ جو ایک ایک عورت کے رحم میں انسانی اجسام بنانے کے لیے مہیا کیا گیا ہے اسکو پیدا ہونے والی اولاد کی تعداد سے کوئی نسبت نہیں یعنی حسب تحقیق جدید عورت کے رحم میں دس ہزار کے قریب انڈے شلہ کئے گئے ہیں۔ یہی حال اُس ذخیرہ کا سمجھنا چاہئے جو حیوانات کے ہر ایک نوع میں اُن کے لطفون کے لئے مہیا کیا گیا ہے اور اسی طرح درختوں میں دیکھا جاتا ہے کہ درخت کا تخم جس قدر آئندہ اسکی نسل بڑھانیکے لئے کام آتا ہے اس سے بہت زیادہ درخت میں پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اسکی بنیاد پر انسان کے تصرف میں آتی ہے بہت کچھ حیوانات لیجاتے ہیں اور بعد بھی بہت کچھ سختی سے پہلے اور پیچھے جھڑکرائے ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت تو ذخیرہ پیدا ہونے کی ہے جس کا جو ضرورت سے بہت زیادہ

ہم کیا گیا سبب ان تخون کو ذرات کی کثرت اور انکی ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے کہ ایک ویلو
بیکل ٹی کا درجہ جسکی جڑ تینہ - شاخ - پنہ - اور پھیل سبکے اجزاء کا خلاصہ ایک بیج میں اس طرح جمع
کر دیا جاتا ہے کہ اس کا حجم ذرہ کے برابر ہوتا ہے اور پھر یہ تخم جب بویا جائے تو وہی ذرات
پھیل کر ویسا ہی ویلو بیکل ذرت پیدا کر دیتے ہیں۔ اس وقت بیشک تخم کے ساتھ بہت سی ذرات
خوراک سے بھی پیوستہ ہوئے ہیں مگر ذرت کی ہر جزو میں تخم کا بھی کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور ہے
جسکی وجہ سے ذرت اپنی نوع کے خصال اور شکل ظاہر کرتا ہے ورنہ اگر تخم کے ذرات ایسے ہی
تھوڑے ہوتے مگر اسکی شکل سے ظاہر ہوتے ہیں اور باقی اجزاء بیرونی خوراک سے ہوتا ہیں
تو کوئی سمجھنے نہ دے دوسرے سے مشابہ نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہوتا ہے
اسے جلانے میں تو دھواں اس قدر پھیلتا ہے کہ گھر بھر جاتا ہے اب اجزاء کے لطیفہ جو اس قدر
جمع میں پھیل سکتے ہیں وہی ہیں جو لکڑی کو لکڑی اور ٹکڑے میں ایک چھوٹے سے حجم میں مقید تھے
اور یہی اصول ہے جس سے ہومیو پیتھک طبابت میں ایک رتی دوا کا کروڑوں حصہ بلکہ
اس سے بھی کمتر استعمال ہوتا ہے اور اس ذرہ کے استعمال سے دوا کا اثر ظہور کرتا ہے غرض
یہ کہ قدرت ذرات کو پیوستہ کر کے بڑے مقدار کو چھوٹے حجم میں اور پھیلا کر تھوڑی مقدار کو بڑے
حجم میں پیدا کر سکتی ہے اور اسی عمل سے اندازہ کیا گیا ہے کہ جب عالم بنار کے بادل کی شکل
میں تھا تو اس وقت کی ایک آدھی رتی کا حجم اس وقت کئی بلین کعب میلون میں پھیلا ہوا
تھا۔ تو جب نیچر کی یہ قدرت خود اسی نظام میں نظر آتی ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی اجزاء سے بڑے
بڑے حجم کے اجسام بنا سکتی ہے تو اس وقت جبکہ اس سے بھی اعلیٰ نظام ہوگا اور کام کرے گا
نور اپنے مرکز سے بیرونی سطح طور کر لے گا اس وقت جس قدر ارواح اجسام سے مفارق ہونے پر توفیق
رہ سکتی ہیں وہ خواہ اسی قسم اور میں ہوں جو یہاں جائزہ مخلوق کی نظر آتی ہیں یا اس مخلوق
کی کوئی اعلیٰ انواع ہوں جن کو ایسی پائدار روح میسر ہے کچھ ہی ہو قدرت اس وجہ سے محتاج نہیں
ہو سکتی کہ مادہ کم ہے اور اسکی اجزاء سب میں تقسیم نہ ہو سکیں گی۔

آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت | پس اگر روح کوئی چیز ہے جس نے یہاں مادہ میں ظہور کر کے ترقی کی ہے تو آئندہ انقلاب پر جب مادہ اور اس کے شکلیں حاصل کر لیا روح بھی ضرور ان شکلوں میں ظاہر ہو کر ترقی کرے گی اور اس کے علاوہ یہاں والوں کی حالت کو دیکھ کر چند اکیسیتیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں نباتات اور حیوانات مادہ سے پیدا ہونے ہیں اور ان کی تمام تر قوتیں بھی مادی کی طرف ہیں۔ اور ترقی بھی صرف نوع کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی ایک نوع سے دوسری نوع ترقی یافتہ ہوتی ہے ورنہ شخصی ترقی کا ان میں نشان نہیں رہا انسان اسکی ترقی اگرچہ جسم کی وسعت سے ہوتی ہے لیکن ترقی کی رفتار اور پیکر کی جانب ہو اور جسم سے خیال کی طرف اور خیال میں کائنات سے خالق کائنات کی طرف بڑھتا ہوا جاتا ہے اور نیز یہاں ان سب کی پیدائش اس نوع کی وجہ سے ہو جو مادہ سے خارج ہوا ہے تو اب جس وقت اس حرارت اور روشنی کا اثر ختم ہو جائیگا اور ثوابت اور سیر سے تاریک ہو جائیگا بعد محض فرائض ربانی کے نوے سے دوبارہ وجود حاصل کرینگے اس وقت مادہ کی حواجز نباتاتی اور حیوانی شکلیں اختیار کرینگیں ان میں انکی ذاتی حیثیت اور نور کی حیثیت دونوں کا اثر ہونا چاہئے۔ نباتیت اور حیوانیت وہ چیز ہے جہیں مادی ترقی کی حیثیت ہو اور شخصی ترقی کی قابلیت نہ ہو اور نور کی حالت یہ ہے کہ وہ اس وقت غیر مادی حشریہ سے بے اثر است ظہور کرتا ہو اسلئے ضرور ہے کہ یہ چیزیں اس وقت بھی مادی وجود حاصل کریں مگر غیر مادی نور کے اثر سے ان میں ایسی ترقی ہو کہ مادی حرارت اور روشنی سے ہونی ممکن نہیں اور اسلئے چاہئے کہ اس وقت کی نباتات اور حیوانات اب سو بہت زیادہ لطیف اور اسلئے جسم رکھتے ہوں مگر شخصی ترقی کے قابل نہ ہوں اور اسلئے برخلاف اس وقت انسان میں چونکہ وہ مادہ کے وساطت سے ترقی کرتا ہے اسلئے حیثیت اعلیٰ و داعی ترقی یا منزل کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور معرفت ربانی کا اشتیاق یا اس سے بے یگانگی ظاہر کرتا ہے اسلئے حیثیت بھی ہوگی اور مادہ اس کا ظہور غیر مادی حشریہ سے ہے اس لیے اسکی حالت میں ان سب حیثیتوں کا اثر نمایاں ہونا چاہئے۔ مادہ سے تعلق رکھنے کے سبب مادی وجود حاصل کر لیا اور چونکہ ہمیں روحانیت بشیر نمایاں ہے اور مادہ نور بھی غیر مادی ہے

اس لئے اس کا اُس وقت کا جسم نباتات اور حیوانات کے اس وقت کے جسم سے بہت زیادہ لطیف ہو گا اور چونکہ دماغی اور جسمانی ہر طرح کی ترقی کی قابلیت رکھتا ہو اس لئے نباتات اور حیوانات کی طرح ایک حالت میں مقید نہ رہیگا بلکہ جس طرح یہاں اپنی ترقی کے میدان میں بڑھتا گھٹتا رہے وہاں بھی اپنی طاقتوں کے موافق جو یہاں سے لیکر گیا ہے ترقی اور منزل کرنا رہیگا۔ اور اسکی روحانی ترقی کے لیے ہم دیکھ چکے ہیں کہ غیر محدود میدان ہے اور وہ ذات ربانی سے قریب یا بعید ہونے میں ابداناً تاک ترقی کر سکے گا۔ رہی جسمانی حالت سوا اسکے لکھو ہم دیکھتے ہیں کہ حیوان کی ترقی یا منزل محسوسات کی طرف اقل حرکت کرنے پر منحصر ہے اور چونکہ حیوان اس بارہ میں زیادہ چپت ہوتا ہے وہ جسمانی قوت اور فزہی میں دوسروں پر فائق رہتا ہے۔ اور اسی حالت کو اسکے لکھو بہتر سمجھتا ہے اسکے بعد انسان کی ترقی چونکہ محسوس سے غیر محسوس کی طرف جانے اور اپنے سو و وہبہ و کے متعلق نتائج نکالنے اور عمل کرنے پر منحصر ہے اس لیے اسکی جسمانی حالت کی بہتری بھی اسی طرز عمل پر موقوف ہے چنانچہ جو لوگ علم و ادب و تہذیب و تربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں ان کے اجسام بالوں اور خوشنویں کی نسبت نازک ہو جاتے ہیں مگر اسکی بجائے دل و دماغ نہایت چپت اور تیز ہو جاتا ہے اور وہ لوگ اپنی ذہنی قوتوں سے اور غیر محسوس طاقتوں کو دریافت کر نیسے وہ وہ کام لیتے ہیں جو خوشنویں کے قویاے اور بھاری جسموں سے نہیں ہو سکتے اور اس لیے یہ دُبلے اور ضعیف گردانا لوگ ان لوگوں پر غالب رہتے ہیں جو دشت میں ترقی کرنے سے اپنے سے ایک درجہ نیچے ہو گئے ہیں اور جسمانی اور روحانی حالت میں حیوانوں سے ملگے ہیں اور اسی لیے انسانی درجہ میں جسمانی لطافت اور دماغی چستی کو ترقی سمجھا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر درجہ میں ترقی جس طرز عمل پر منحصر ہے اسی طرز عمل سے جسمانی حالت بھی متاثر ہوتی ہے اور اسی حالت کو جسم کی ترقی سمجھا جاتا ہے۔ اب جبکہ انسانی حالت میں آئندہ انقلاب ہو گا اور جب اسکی ترقی غیر محسوس مادی اشیا کو سمجھنے کی بجائے غیر محسوس غیر مادی ہستی کی معرفت پر منحصر ہوگی اس وقت بھی اسکی جسمانی حالت اس طرز عمل سے متاثر ہوگی اور وہی اس حالت میں جسمانی ترقی سمجھی جائیگی اور جب یہاں غیر محسوس مگر مادی طاقتوں کی طرف توجہ

کرنے سے جسم نازک اور لطیف ہو جاتا ہے تو وہ ان غیر مادی نور سے پیدا ہونے اور غیر مادی ہستی کی طرح
توجہ کرنے کے سبب جسمانی لطافت اور بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر روحانی نور اور جلال میں ترقی مرقی
جائے گی اسی قدر جسمانی لطافت بڑھتی جائے گی اور اس کے خلاف جو لوگ اس مرقی سے بے بہرہ ہوتے ہیں
وہ جسمانی حالت میں ہی اپنے درجہ سے کمتر ہو جائیں گے اور کثافت میں ترقی کرتے جائیں گے جیسا کہ
یہاں انسانی ترقی میں کوتاہی کرنے سے جسمانی حالت جو انسانی ہی ہو جاتی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ جسم و جسمانی ترقی محدود ہے اس لئے ایک وقت پر لطیف ہونے
والوں کی لطافت اپنی حد کو پہنچ جائے گی اور وہ لوگ ایسے لطیف ہو جائیں گے کہ جس قدر لطافت
ہم اس وقت ایک انسان کے اندر ایک روح کو تصور کر کے خیال میں آسکتے ہیں شاید اس وقت کی جسمانی
لطافت اس سے بھی زیادہ ہو۔ اور پھر اس سے آگے چونکہ روحانی لطافت اور قرب خداوندی
کی لذت رہ جائے گی جس کی کوئی انتہا نہیں اس لیے وہ جن جسم لطیف کیساتھ اس لطافت میں ہمیشہ ہمیشہ بڑھتے جائیں گے
اور بی طرح اور کثیف ہونے والوں کی کثافت بھی محدود ہے پس اس حالت پر پہنچ کر کیا ہوتا چاہئے؟ پھر
لطیف ہونے لگیں۔ یہ منزل کا ترقی بنانا ہے جو ممکن نہیں۔ فنا ہو جائیں یہ اس سے بھی زیادہ ناممکن
ہے۔ اور لطیف جسم کی طرح اسی حالت پر قائم رہیں اس کا بھی احتمال نہیں۔ کیونکہ گویا بات ہو کہ واقعہ ہے کہ
اتھرا کا سنا نازک جسم لامحدود و عرصہ تک قائم رہ سکتا ہے اور حرارت وغیرہ فزین اس میں تغیر پیدا نہیں کر سکتیں
مگر پہلا سا بھاری جسم حوادث کے اثر سے یوں مایوس و مایوس رہتا رہتا ہے البتہ اس کے قیام کی ایک صورت ہے
جو یہاں بھی دیکھی جاتی ہے اور دنیا کے منظر سے اکی شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اجزاء سے اصلیت
قائم رہیں اور غیر اصلیت ملتی جائیں چنانچہ ان لوگوں کا یہی شہر ہوتا چاہئے کہ روحانی بعد زیادہ سے زیادہ
ہوتا چاہئے جو جسمانی اجزاء اور ملتے ہیں۔

حشر کے متعلق ہلامی تعلیم | غرض اس عالم کے فنا ہونے پر دوبارہ پیدا ہونے کی ہی صورت ہے جو سمجھ میں
آتی ہے اور یہی ہے جس کی تعلیم اسلام کی طرف کو دلچسپی ہے چنانچہ اسلام نے حشر جسمانی قرار دیا ہے اور تمام
جسمانی راحت و رنج کے سامان مثلاً ادھر مرغ اور نہرین اور اوسراگ اور تیرش وغیرہ کو تسلیم کیا ہے لیکن چونکہ

وہ عالم نہایت اعلیٰ ترقی کا عالم ہے اس لئے وہ ان کا سامان ہی یہاں کے سامان ہی نہایت اعلیٰ ہوگا اور یہی
منفصل کیفیت انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوگی لیکن الفاظ اسکے لئے ہستمال کئے گئے ہیں انکی نسبت
کہنا چاہئے کہ ان سے بعینہ وہ معنی جو ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں مقصود نہیں ہیں بلکہ جو سامان یہاں ہے
اعلیٰ ہوتا ہے اسکے ذکر سے وہ ان کا ایک مکمل سامان کہہ چکا گیا ہے اور اسی لئے قرآن میں ایک
طرف ان چیزوں کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ آجہانی رنج و راحت کی کیفیت جیسی کچھ
حقیقت میں ہے کسی انسان کے تصور میں نہیں آسکتی اور مختصر یہ ہے کہ وہ ان کی راحت سب سے بڑی رحمت
ہے اور وہ ان کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہو چنانچہ ارشاد ہے

کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کے اعمال کے صلہ میں

لیئے راحت کا سامان آئندہ عالم میں دیا ہے

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں آتے وہ عذاب اور دور
کی گمراہی میں مبتلا رہیں گے۔

ان کے لیئے خدا کے پاس جو وہ چاہیں سب کچھ ہوگا
اور یہ نیکو کاروں کا صلہ ہے۔

ظالموں کو انکا عذر مفید نہ ہوگا اور ان کے لئے جو برا گھر
مقرر ہے۔

وہ ان تمہارے لیے ہر چیز تمہارا دل چاہے اور تمہاری
ہر خواہش کرو۔ بخشنده وہ مہربان خدا کی مہربانی
ہے۔

ایہیں وہ کچھ ہوگا جس کو دل چاہے اور انھوں کو معلوم
ہو اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

اور جو کافر ہوں انکو لیئے ہلاکت ہو اور انکو اعمال متوجہ کر دی

فَلَا تَحْكُمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ

أَعْيُنٍ يَّجْزِي بِهَا كَأَنَّهُ لَكُم مِّن رَّجَعٍ

بَلْ لَّآ إِلَهَ إِلَّا يَوْمُ يُنْفَخُ الْكُفْرُ فِي الْأَعْدَاءِ

وَالضَّالِّينَ الْبَعِيدِينَ رَبَّاهُمْ ۖ

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ وَذَٰلِكَ

جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۖ (زم پاره ۲۷ ع ۱۷)

لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمْ

سُوءُ الدَّارِ ۖ (زم پاره ۲۷ ع ۱۸)

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَّا أَشْرَكُوا مَعَ اللَّهِ ۖ فَهُمْ

فِيهَا مَتَّعُونَ ۖ لَّنْ لَّآ مِّنْ عَقَابٍ ۖ (زم پاره ۲۷ ع ۱۹)

فِيهَا مَتَّعَتْهُمْ لِكَيْلَا يَرْجِعُوا إِلَى الْآخِرِينَ

وَأَن تَقُومَ إِلَهُاتُ دُونِ اللَّهِ فَزَعَفَتْ ۖ (زم پاره ۲۷ ع ۲۰)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ مَّا أَصَابَهُمُ صَاعِلٌ

(محمد پاره ۲۷ ع ۲۱)

اور پھر جا بجا ترقی و تہذیب کا ذکر کیا کیلئے چنانچہ مومنین کی نسبت یہاں کہہ لیا کہ ہمیشہ نعمتوں کے علاوہ خدا کی رضا مندی کی نعمت و بھائیگی جو سب سے بڑھ کر ہے اور ان کو بہشت میں رکھ کر پاکیزہ باتوں کی طرف اور قرب خداوندی کی طرف ہدایت کی جائیگی اور درجہ بدرجہ ترقی کرینگے اور کفار کی نسبت ارشاد فرمایا کہ ان کو عنایت خداوندی اور لطافت و پاکیزگی کا کوئی حصہ ملیگا وہ پیچھے کی طرف لوٹائے جائیں گے اور انکو چڑھتے سے چڑھتا عذاب ہوگا اور انکی جلدیں گل جائیں گی تو اور جلدیں دی جائیں گی اور ان کو ہر طرف ہر سمت گھیر لی گروہ مرینگے نہیں۔

اہل تقویٰ کیلئے خدا کے پاس جنت ہے جس کے نیچے نہر جاری ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاک جڑ سے ہیں اور خدا کی رضا مندی ہے اور خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

(مومنین کیلئے) ہمیشہ رہنے کی بہشت میں پاکیزہ مقامات ہیں اور خدا کی رضا مندی ہے جو سب سے بڑی ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائیگی اور قابل تعریف خدا کے رستہ کی طرف ہدایت کی جائیگی۔ میں تم کو بتا رہا ہوں شفق کی اور رات کی اور حورات میں داخل ہے اور چاند کی جبکہ وہ مکمل ہو۔ اے لوگو تم درجہ بدرجہ چڑھو گے

جو لوگ خدا کے عہد اور اپنے وعدوں کو توڑ دی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ خدا ان سے کلام کرے گی قیمت

لَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِّ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران پارت ۷)
وَمَسَاكِينٌ ظَلِمُوا فِي جَنَاتٍ عَذَابٌ مُضَاعَفٌ
مِنَ اللَّهِ الْبَرُّ ذَٰلِكَ هُمُ الْفُقَرَاءُ الْعَظِيمُ
(توبہ پارہ ۷)

وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (حج پارہ ۷)
فَلَا تَقْسِمُ بِاللَّيْلِ وَالنَّجْمِ وَهُوَ سَوْدٌ
وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ لِتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنِ
طَبَقٍ (روانشقت پارہ ۷)

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَآيَاتِهِمْ
مُتَنَاقِلِينَ أُولَٰئِكَ لَاخَلَاقٌ لَهُمْ فِي
الْآخِرَةِ وَكَذَٰلِكَ يَكْفُرُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُ النَّاسِ بَعْضًا

(آل عمران پارہ ۷ ع ۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بَمَا تُنَزَّلُ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ
وَجْوهَكُمْ أَكْرَدًا عَلَيَّا أَذْيَارَ هَٰذَا

(نسا پارہ ۷ ع ۷)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ
نَارًا كَلَّمْنَا تَغْيِثُ جُلُودَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ جُلُودًا
غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (نسا پارہ ۷ ع ۷)

وَيَأْتِيهِمُ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُمْ بِمُعْتِدِينَ
مِّنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ عَلِيمٌ (ابراہیم پارہ ۳ ع ۷)

وَمَنْ يُضْحِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْكُكْهُ عَذَابًا
صَعْدًا (احمد پارہ ۲ ع ۷)

كَذَٰلِكَ إِنَّكَ أَنْتَ الْيَاقِينُ عَذَابًا

سَاكِنًا هَٰذَا صَعْدًا (مشر پارہ ۲ ع ۷)

کے دن اور دین کی طرف دیکھ گا اور ان کو
پاک کرے گا۔

اسے اہل کتاب تم اس قرآن پر ہی ایمان لاؤ جو
ہم نے اتارا ہے اور جو تمہاری کتابوں کی پہلی حدیث
کرتا ہے اور یہ کام اس سوچے کہ اگر وہ ہم چہرہ کو
کر دین اور ان کو پہلی طرف پھیریں

جو لوگ ہمارے نشانات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو
عذاب میں داخل کرینگے جب انکی کھال گل جاگیگی
تو ہم اور جلد بدل دینگے تاہ عذاب یکساں ہے۔

اور اس (دورخی کو) ہر طرف سے موت گھیر گئی مگر وہ
میرنگا نہیں اور اس سے پرے اور بھی سخت عذاب
اور جو اپنے رب کے ذکر سے روگردان ہو اس کو وہ

چڑھتا ہوا عذاب دیگا۔

ہاں ہمارے نشانات سو غدا رکھنا تھا میں کو

چڑھنے کی تکلیف دینگا۔

قیامت کے ذکر میں طول ہی قیامت کا ہو گیا ہے مگر ابھی ایک اعتراض کا ذکر

باقی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اور ترقی کے اس درجہ میں جس کو تائید ترقی کی

کی نسبت ناقص سمجھا جاتا ہے انسان اکثر ایک ستہ کو چھوڑ کر دوسرے متغیر کر لیتا ہے اور یہ کہ بداد

بد سے نیک ہو جاتا ہے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے اثر اور قوت کے موافق دوسروں کو ان کے رشتوں سے

منحرف کر کے اپنے رشتہ پر لگا لیتا ہے اور نہ صرف انسان پر بلکہ تربیت اور تعلیم سے جو انسان اور نہ خود

پر بھی اثر ڈال سکتا ہے اور ایک حد تک ان کے عادات و خصائل کے بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جب

آجہانی تربیت سے جو جہانی

خصائل بدل نہیں سکتے

ہندہ عالم میں وہ اور ترقی کر لیا تو ضرور ہے کہ اس وقت بھی تعلیم و تربیت سے بدون کو نیک اور نیکوں کو بد بنا دینے کی قوت بطریق اولیٰ ہوگی اور اسلئے جو لوگ یہاں سے بدی کا اثر لیکر گئے ہیں ان کا آئندہ عالم میں نیک ہو جانا اور نیکو کاروں کا بد ہو جانا ممکن ہے۔

اس اعتراض میں سلیم و تربیت کی قابلیت پر زور دیا گیا ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ نباتات حیوانات اور انسانات میں تعلیم و تربیت کس حد تک موثر ہوتی ہے۔ نباتات پر انسان بیشک تصرف کرتا ہے اور عمدہ سم عمدہ کھا د اور اصول باغبانی کو کام میں لا کر درخت کی شکل پھول کا رنگ پھل کا ذائقہ سب کچھ کسی کسی حد تک بدل سکتا ہے مگر ایک درخت کا نشوونما اور اسکی اجوا کا اوپر کو بڑھنا ایسا صاف ہے کہ انسان کا اس پر کچھ اختیار نہیں اور وہ اگر چاہے کہ کوئی درخت ایک حد تک پھیل کر آئندہ اسی حد پر قائم رہے اور نوک کو چوڑو سے نوکمن نہیں حیوان پر انسان کا بہت اختیار ہے اور تربیت سے اسکی عادتوں کو بہت کچھ بدل سکتا ہے مگر خوراک کا خاصہ ایسا نسخہ ہے کہ اس پر اور اسکی اثر پر انسان کا کوئی اختیار نہیں اور جو صلا متین نباتی خوراک سے نباتات خورازین اور جو اثر حیوانی خوراک سے گوشت خورازین اسخ ہو چکے ہیں وہ تربیت سے بدل نہیں سکتے۔ اور یہی کیفیت انسان کی ہے کہ اسکی عقل و شعور کو تحریک و یکرا عادت وال کر بہت سواچھے اور برے انقلاب پیدا کیئے جاسکتے ہیں لیکن بہت سو خصائل اس میں ہی ایسے نسخ ہیں کہ تربیت انکو بدل نہیں سکتی مثلاً جو فطرۃ بہادر واقع ہوا ہے اسکو بزدل اور بزدل کو بہادر نہیں بنا سکتے۔ اور جس میں یا پیشہ کی قابلیت فطرت میں ودیعت ہو اسے روک کر دوسرے کام کی طرف متوجہ کرین تو ہرگز کامیابی نہیں ہوتی۔

مگر یہ تو قیالیتین میں جو پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی ہیں اور کام بیشک خدا کے حکم سے ہوتے ہیں لیکن یہ عالم اسباب ہو اور یہاں کا کوئی فعل بغیر کسی سبب کے پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ قیالیتین جو پیدا ہوئی ہیں تو وہ ہی ضرور کسی کسی سبب سے ہیں۔ اور ان اسباب کا ہر شخص کی حالت میں جانچ کرنا اور سمجھنا کہ فلاں فلاں وجوہات سے یہ اثر پیدا ہوا ہے۔ نہایت دشوار ہے مگر محل طور پر اتنا ضرور یقین ہے کہ مختلف آب و ہوا مختلف خوراک اور مختلف طریقہائے زندگی یہی وہ اصلی اسباب ہیں جو ذنب کی

مخلوق پر اثر کرتے ہیں اور ایسے اثر بار بار پیدا ہونے سے افراد اور اقوام کی فطرت پر پائیدار نقش قائم ہوتے ہیں اور وہی نقش لطفہ پر اثر کرتے ہوئے آئندہ پیدا ہونے والی سلسلوں میں فطرت بناتے ہیں اور دوسری طرف انہی اسباب کے بدلنے سے جو وقتاً فوقتاً مخالف اثر پیدا ہوتے ہیں وہ اپنی اپنی قوت و ضعف کے مطابق کہی پہلے اثر کو بالکل معدوم اور کبھی ضعیف کر دیتے ہیں اور یوں ایک ملک ایک قوم اور ایک نسل کی فطرتوں میں باہر کے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض جن خصائل انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور جو تربیت سے بدل نہیں سکتے اگر وہ جنے پیدا نہیں ہوئے (اور تجربہ میں کسی چیز کے بے سبب پیدا ہونے کی نظیر موجود نہیں) تو ضرور وہ خصال ایسی چیزوں کے اثر ہیں جو انسان کی پیدائش سے پیشتر موجود تھیں اور جنہوں نے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اپنے اثر کو اس میں اسخ کر دیا ہے اور یہی کیفیت ان خواہش کی جو جنات اور حیوان میں ناقابل تربیت ثابت ہوئی ہیں کہ وہ بھی انکی پرورش سے پہلے کسی اور چیز میں موجود تھے اور اسی چیز کا جنات اور حیوان کی شکل میں آنا اس اثر کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ آفتاب کی کشش سے اجزائے زمین اور بخار کا اوپر کو اٹھنا جس سے آندھی اور بارش وغیرہ مظاہر پیدا ہوتے ہیں یہ خاصہ نبات کی پیدائش سے پہلے زمین میں موجود تھا اور جب وہی اجزا نبات میں داخل ہوئے تو انکو اثر کو ہی ساتھ لے کر اور نبات کو نشوونما کی وہ قابلیت دی کہ تربیت سے دور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح نبات میں یہ قابلیت تھی کہ جو چیز انکی گرفت میں آجائے اسے جذب کر کے فائدہ اٹھائیں مگر جابرانہ حکم کرنے کی صفت جو حیوان میں ہے وہ نبات میں مفقود تھی اسلئے جب نباتی اجزا نبات خواہ حیوان میں درآمد ہوں تو اپنی غریبیت اور کمزوری کا اثر ساتھ لائیں اور اودھر حیوانی اجزا گوشت خواہ حیوان میں تشکیل دیں تو ان سے سفائی اور خونریزی کی عادتیں پیدا ہوئیں اور وہ فوٹو سم کے اثروں کا بدلنا ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح انسان کو جن اجزا نے بنایا اور جن ارواح نے اس میں اپنا اثر داخل کیا انکی خاصیتیں ایسی اسخ ہوئیں کہ تربیت کے قابل نہیں۔

غرض معلوم یہ ہوا کہ تربیت کا اثر جس قدر ہے وہ انہی خصائل میں ہے کجی و رعبہ انقلاب

تازہ موجود ہوئی ہوں۔ چنانچہ نبات میں خوراک لینے کی عادت تازہ موجود ہوئی تھی اور اسی میں
 غل و تصرف کرنے سے کچھ انحراف ہو سکتا ہے اور انسان اور حیوان میں حرکت راوی اور فعل شعور
 کی تو میں تازہ پیدا ہوئی نہیں اور انہی میں اصلاح ہو سکتی ہے لیکن جو اوصاف ایک درجہ میں پیدا
 ہوں اور چیزیں درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ میں آئے تو وہ اوصاف قابلِ تربیت نہیں
 رہتے چنانچہ زمینی اجزاء کی صفات نبات میں اگر اور نباتی اور حیوانی اجزاء کی صفات حیوان
 اور انسان میں اگر ایسی مضبوط ہوئیں کہ تربیت سے بدل نہیں سکتیں۔ بلکہ انسان میں دیکھا گیا ہے
 کہ ایک درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ میں آئے کی بھی ضرورت نہیں اور صرف تھوڑے سے
 انقلاب سے اوصاف نسخ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ قوم اور اسکی آئندہ نسلین انقلاب کے ایک درجہ یعنی
 نوع انسانی میں شامل ہیں اور باوجود اسکے قومی خصائل انکے لطفون میں اگر جب دوسری نسل
 میں ظاہر ہوتے ہیں تو انکو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے اور اگر وقت سے کچھ اصلاح بھی ہو سکتی ہے تو وہی
 خاصہ کو بالکل فنا کرنا یقیناً محال ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو تو جو وقت دنیا میں آئندہ انقلاب
 ہوگا اور یہ نظام بد لکر کسی اور نظام سے پیدا ہونے کا آغاز ہوگا اسوقت جو خاصہ یہاں کی مخلوق میں
 پیدا ہو چکے ہیں وہ دوبارہ پیدا ہونے پر یقیناً اسخ اور ناقابلِ ترقیب ہونگے اور اسلئے نہیں کہہ سکتے
 کہ یہاں کی نیک اور بد عادتوں کا جو نتیجہ ہے وہ وہاں کی اصلاحی کوشش سے بدل سکیگا۔
 اور ابھی زمین کے آباد ہونے پر نباتی اور حیوانی پیدا ہونے میں انقلاب میں اور دیکھا جاتا ہے
 کہ ان کے اثر سے ایک درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ میں اسخ ہو جاتی ہے تو جب ان سے بھی بڑا
 انقلاب ہوگا اور زمین تباہ ہونے کے بعد دوسری شکل میں آباد ہوگی اس انقلاب کے اثر سے یہاں
 پہلے خواہیں کا اسخ ہونا اور بھی ضروری ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمین سے جس قدر مخلوق پیدا ہوئی
 ہے اسکو اگرچہ سب مصلحت بشمار گونا گوناگون شکلوں میں پیدا کیا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تدریج
 نے ان سب شکلوں پر ایسا اثر کیا ہے کہ کوئی شکل اس وصف سے خالی نہیں۔ زرات۔ کنگرہ۔ پتھر اور معدنیات
 ہیں تو ان میں کوئی مثلث یا مربع یا دائرہ شکل کا نہیں۔ اور ضلعین لاکھوں ہیں مگر لمبا ہوا چوڑا

سب میں گولائی کا اثر موجود ہے۔ درخت بنتے ہیں تو ان کے تنے اور شاخیں کیسی ہی کھڑکی ہوں پتے کیسے ہی مختلف ہوں پھل کیسی ہی شکل کا ہو سب کچھ کی شکل گول جتنے ہیں اور چکھوٹا یا تلکھوٹا یا کوئی اور زاویہ وار شکل نظر نہیں آتی۔ جاندار کے اندرونی اور بیرونی اعضا یا نہیں شانگین۔ دھڑا اور سر۔ یا دل۔ جگر۔ تی۔ گرد و سب تدویر کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور زاویہ دار کوئی ہی نہیں۔ تو سب کی کوزمین آبادی سے پہلے گول ہر چکی تھی۔ چنانچہ اس کی اجزاء حسب آئینہ انقلاب اور شکلوں میں آئین تو اس اثر کو ایسی مضبوطی سے اپنے ساتھ لائیں۔ کلاب ہم لاکھ کوشش کریں کسی تربیت سے کوئی درخت یا کوئی حیوان یا کسی کا کوئی حصہ زاویہ دار نہیں بنا سکتے۔ پس جب اس طرز انقلاب میں اور ویرانی سے آبادی کی طرف آنے پر پہلے درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ میں اصلاح پذیر نہ رہی اور ضمنی انقلابوں میں جو ایک آبادی کے اندر واقع ہوئی یہی کیفیت نظر آتی تو جب یہی مادہ دوبارہ آباد ہوگا اس وقت یہی وہاں کا تیک اور بدبیلان جو ایک عمر کے غور و تامل اور اعمال و اشغال سے قائم ہو چکا ہے وہاں جا کر ترغیب و تخریب سے نہ بدل سکیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

کیا ہم نے حکموں سے اس زمانہ میں دیا جس میں اصلاح پاسکتا ہے جو اصلاح پانا چاہیے۔ پس اب (عذرا) چکھو کیونکہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مِمَّا يَتَذَكَّرُ مِنْكُمْ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ رُءُوسٌ
فَوَجَاءَ كُمْ اَللّٰهُ بِظُلُمٍ فَاِذَا فِىْكُمْ
لَا ظَالِمٌ لِّاٰنٍ مِّنْكُمْ يَصْرِفُهُ - (فاطر پارہ ۲)



باب چہارم

حشر روحانی اور فاضل

حشر روحانی بہشت اور سکا سامان بیشمنی عزیزین۔ تناسخ۔ اختلاف حالات اور تناسخ۔ کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہیں ہو سکتا۔ روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی۔ بعض پیداہشی میلان مختلف ہوتے ہیں۔ اثر پیداہشی کی صورتیں۔ عام طور پر اثر کا تفاوت۔ انسانی خیالات کا آثار چھاؤ۔ جذبات کا اثر نسل پر۔ دو لطفون کے اختلاف کے لیے صورتی اسباب ہو سکتے ہیں۔ خدکی غالقیت اور روح کی قدرت وغیرہ سمات سے تناسخ کا تعلق چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت۔ متفرط کی تین لیسین تناسخ پر۔ تیسری دلیل ہے تناسخ کا تعلق نہیں۔ دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے۔ حشر سے حشر کا پیداہشی عام قاعدہ نہیں۔ حشر کا ضد کی طرف آنا۔ زندگی اور موت پر جاری نہیں ہو سکتا۔ اس عالم میں روح کا دوبارہ جسم میں آنا خلاف عقل ہے۔ درجات کی ترقی سے اثر میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہیے۔ عبادت کا مفید طریق۔ دنیوی بلحاظ عقلی کو مذہب بھی عقل کی طرح برا کہتا ہے اسلئے کہ بیان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہیں۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطوار سے بالاتر ہے۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیوں سے بالاتر ہو گا۔ مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہیں ہو سکتا۔

حشر روحانی جیسے ایک ناویدہ ہستی کا یقین انسانی فطرت میں داخل ہے اسی طرح آئندہ نسبت کا اعتقاد بھی ہمیشہ سے انسان کا طبعی میلان رہا ہے اور جس طرح عقل و بشری کی آمیزش سے ناویدہ ہستی کے متعلق کسی طرح کے عقیدے پیدا ہو گئے ہیں اسی طرح آئندہ نسبت کو بھی کسی شکل سے مانا جاتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک مشہور عقیدہ جس کو فلسفیانہ اور عقول سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ آئندہ عالم مادی نہ ہو گا بلکہ ارواح اپنی محجب و مالت میں ہمیشہ قائم رہیں گی اور خدا سے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے یکسی اور طرح ترقی و منزل کر رہیں گی گویا ان لوگوں کے خیال میں مادی طاقتوں کے ختم ہوجانے پر یا موجودہ

اصطلاح کے مطابق آفتاب کی انرجی صرف ہو جانے پر قوت کا کوئی اور حشرتمہ موجود نہیں جس سے دنیا کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اور جس طرح زمین کے سر ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بھی ترقی دی تھی اس طرح تمام نظام شمسی کے سر ہو جانے پر کوئی اور نورا سا کوئی گمانے کے قابل نہ ہو گا اور چونکہ ہم مادی آفتاب کے زیر اثر ہو کر کسی اور حشرتمہ کو دیکھ نہیں سکتے اس لئے کہ بالیقین ہے کہ واقعہ میں ہی نور کا صرف یہ حشرتمہ ہے۔ غرض اس خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس مادی عالم کی حرارت جب تک مستقل طور پر اسی میں موجود رہے اور خدا کی طرف سے اس کا فیضان نہیں ہوا اس لئے جب یہ ذخیرہ ختم ہو جائیگا تو مادہ کسی اور نور سے متور نہ ہو سکیگا۔ اور خدا کا تعلق اگر کچھ ہے تو وہ عالم ارواح سے ہے اور اس لئے ارواح خدا کے نور سے یا اپنی فطری قوت سے ہمیشہ قائم رہ سکیں گی غرض جو لوگ خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور صرف اسی عالم کو مانتے ہیں ان کے دلائل اس فقرہ کو ایسے مسلم ہیں کہ وہ اوی حشرتمہ کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہونے اور اس لئے ایسے لوگوں کا مذہبی بیان قابل تعریف ہو کہ اہل عقل کے مفروضہ عاقلانہ استدلال کو تسلیم کرنے کے بعد جو دم کرنے کے بعد روحانی طور پر موجود رہنے کے خیال سے مذہبی عقیدے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اگر خدا موجود ہے اور اگر اس نے عالم کو موجود کیا ہے تو پھر مادی قوت صرف برحق کے بعد مادہ کے بیکار رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ جس طرح کسی ملک پر تصرف کرنے کے لئے پہلے بیخ کو جا بجا پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تصرف ہو جانے کے بعد اس کو مختلف چاروں نمونہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اس میں ہو جانے پر چاروں نمونہ کی تخفیف شروع ہوتی۔ جتنی کہ اگر ملک میں مذہب و شائستگی عام اور کامل ہو جاوے تو ان وسائل کی ضرورت نہیں اور صرف مرکز سلطنت کی قوت میں تنہا کام کے لئے کافی ہو سکتی ہے یہی صورت اس نظام کی نظر آتی ہے کہ اس کو عدم سے جو بین لایہ کیلئے نور کو ہر جگہ منتشر کرنے کی ضرورت تھی اس لئے اس وقت تمام مضامین انرجی کو پھیل گیا۔ اس سے بعد وجود کو ترقی دینے کیلئے نور کو مختلف مرکزوں میں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور اس لئے ثابت اور سیما۔ دن کا سلسلہ جاری ہوا۔ اب جبکہ تمام بیرونی مرکزوں سے نور کو واپس لیا جائیگا

اور ایک مرکز وحدت کے سوا کسی قوت کا ظہور نہ رہیگا تو وہ وہی قوت ہوگا جسکی ابتداء اسی مرحلے
 طے ہو چکیگی اور مرکز وحدت کے اثر سے اودہ اعلیٰ تر شکلیں اختیار کر لیگا۔ اور دوسری جانب ہم دیکھ
 چکے ہیں کہ جسم کے بغیر روح جسم کے ترقی کرنے کی کوئی صورت نہیں اور اسی لیے اس کو
 یہاں جسمانی وسائل عطا کئے گئے ہیں تو جو قوت آئندہ مادہ کی اعلیٰ تر شکلیں موجود ہوگی اس وقت روح
 کا ان شعبوں میں ظاہر ہو کر ترقی کرنا اور بھی سہل ہوگا اور اس طرح پر معلوم ہوا کہ روحانی حشر ملنے والے
 کا اندیشہ کہ مادیکار ہو جائیگا بے بنیاد ہے اور انکا عقیدہ بتا رہا عالم کے مطابق اور قرین قیاس ہے۔

بہشت اور اسکا سامان | انوس ہے کہ روحانی جزاؤں سامنے والوں کی طرف سے کوئی ثبوت دیکھنے
 میں نہیں آیا کہ کسی نسبت غور کیا جاتا اور انکی جس قدر قوت ہو روحانی حشر پر اعتراض کرنے میں مشر
 ہوتی ہے اور اعتراض بھی اگرچہ ظریفانہ مذاق کو پورا کرنے سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے مگر چونکہ ان
 بزرگواروں کا یہی عطیہ ہے اسلئے ہمیں یہی ان کو لطف اٹھانے میں ذریعہ نہیں چنا ہے یہ
 دکھانے کے لیے کہ جسمانی حشر و نشر انسان کی اپنی طبیعت کا اختراع ہے۔ سو امی ہو یگانہ فرمائے ہیں کہ

”عربین پانچ بکھڑے اسلئے عربی پیہر نے ایسا جنت دیکھا کہ جہنم مملوں کے نیچے دریا بہتے ہوں

میر۔ جنین بخت سیلاب آتے ہتھوڑیں اور پانی کی بہت افراط ہے اسلئے اگر میں یا اور پ

دے رہے ہتھ کا خیال پانچ بکھڑے تو یہی جگہ فرض کرتے جہاں سالوں میں کہیں ایک آدمہ وضع ہاں ہے“

اس اعتراض میں غلطی کیا گیا ہے کہ جو اسائن کا سامان بہشت میں فرض کیا گیا ہے وہ خود دنیا میں آسائش
 کا موجب نہیں چنانچہ جن کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اسکی تکلیف سے تنگ ہیں اسلئے بہشت میں
 جہاں کوئی تکلیف نہ ہونی چاہئے یہ صورت کیونکر ممکن ہوگی ؟ اور بیشک دریاؤں کی کثرت اور
 سیلابوں کا زور جس ملک میں ہو وہاں والوں کیلئے ایسا ہی باعث عذاب ہو جیسے آتش فشاں یا زلزلہ
 اور ہلوانوس ہے کہ سو امی جی ایسی تکلیف میں رکھے گئے۔ مگر حقیقت میں دریا اور چتر ہے اور نہر کا
 لفظ جو قرآن میں مذکور ہے اور نہی رکھتا ہے۔ دریا اس روانی کو کہتے ہیں جو اختیار میں نہ ہو اور پانی زور سے

جس طرف رخ کرے رکاوٹوں کو دور کرتی ہوئی نکل جائے مگر اسکے خلاف نہر کی روانی اپنے اختیار میں تھی ہے اور اس کا پانی جہاں ضرورت ہو اپنی مرضی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہی ترجمہ کا ذریعہ تھا جس سے جس میں مضمون کو بدنام کرنے میں کامیابی ہوئی ہے چنانچہ دیرا اگر اپنے گرد نواح کو فائدہ پہنچاتا ہے تو سیلاب کی وقت نقصان بھی بہت کرتا ہے مگر نہر سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ بلکہ پانی بہم پہنچانے کی سب سے مکمل صورت ہی یہ ہو سکتی ہے اور موجودہ تہذیب نے اس طریقہ کو یہاں تک ترقی دی ہے کہ صرف زمین میں نالیان کھود کر پانی کو نشیب کی طرف لانے کے علاوہ مینوں اور نلکوں کے ذریعہ سے چوٹی چوٹی نہریں گھردن کے کونے کونے تک پہنچائی جاتی ہیں اور چوراحت اور سائش اس تہذیب سے پیدا ہوتی ہے وہ آب رسانی کے کسی اور طریق سے ممکن نہیں اور سواری جی کے وطن کی نسبت تو ہم کہہ نہیں سکتے شاید وہاں وادوں کو پانی کی جھلک بھی لگوا ہو۔ مگر اور سب جگہ نہر کی مختلف شکلیں بالضرورت اور آسائش کا موجب ہیں اور خود بورپ میں اس طرح کی نہریں کی کئی منزل کے بالاخانوں تک پہنچتی ہیں اور جو لوگ ان کے فوائد کو آشنا ہیں اگر وہ اس حالت میں نہ رکھے جائیں تو یقیناً اپنے تئیں دوزخ میں سمجھیں۔ غرض دنیا میں کوئی ملک ہو وراثت اور خوشحالی کا سامان اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا کہ عالیشان مکان ہوں۔ پائین بارخ ہوں اور پانی ہر جگہ آبائی ہو سکر سکے اس لئے یہ اعتراف کہ بہشت میں جو سامان بیان کیا جاتا ہے وہ دنیا میں آسائش کا موجب نہیں بالکل غلط ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا بہشت میں بعینہ دنیا کے سے باغات اور نہریں ہوں گی؟ سو اس کی کیفیت ہے کہ بیشک جسمانی حشر ہے جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور جسمانی حشر ہے جس کا اسلام کو اعتراف ہے

فَاَمِنْ مَّحْيِیِّ الْعِظَامِ وَحَیِّیِّ مَوْتِیِّ قُلْ

انسان کتا ہے مکہ بوسیدہ ڈیون کو کون زندہ کرے گا

مکہ دہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

يُحْيِیْہَا الَّذِیْ اَکْشَاہُ اَوَّلَ مَرَّةٍ رَّسُوْلُہٗ

مگر اس عالم میں قوت بالواسطہ اور محدود و مقدار میں اور خاص سمت سے مادہ پر عمل کرتی ہے اور آئینہ عالم کا وہ وقت ہو سکتا ہے اور یہاں کو اسلام تسلیم کرتا ہے جبکہ غیر محدود و قوت بیواسطہ اور ہر سمت جلوہ گر ہو گئی

اور میں اپنے خدا کے نور سے چمکی اور لوگوں کا
حق فیصلہ ہوگا۔ اور ان پر ظلم ہوگا۔

وَأَمَّا قَتْلَ الْأَكْثَرِ مِنْ بَنِي إِدْرِيسَ... وَفَضَى
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْكَلْبِ وَهُمْ لَا يَظْلُمُونَ (نذر پارہ ۷)

اسلئے اُس وقت کی تمام کیفیتیں منبوی فہم اور اس سر بالا ترمین۔

کوئی شخص نہیں جانتا جو راحت ان کیلئے مقدر ہے

فَلَا تَقْلَقْ نَفْسَ مَا أَخْبَىٰ لَهُمْ مِنْ قَلْبٍ
أَعْلَىٰ ط (سجدہ پارہ ۷)

اور اکی نسبت صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ جو سامان اُس وقت کیلئے مطلوب ہوگا وہ دنیا
کی ترقی یافتہ مخلوق کو بافراط میسر آسکا جس طرح یہاں کی ترقی یافتہ مخلوق کریمان کا سامان بافراط میسر
اس میں ان کو ٹیلیگاجول پاتا ہے اور انکس کو
بجلا معلوم ہو

وَفِيهَا كُنْتُمْ تُكَلِّمُونَ الْكُفَّارَ وَالْكَافِرِينَ
(نذر پارہ ۷)

اس کے بعد جو باغات اور نہروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ ایسے ترقی یافتہ عالم میں اسی دنیا
کی ہی نہرین اور باغات ہونگے لیکن چونکہ وہ عالم ہوگا جسمانی اسلئے ضرور ہے کہ کسی کسی شکل کے
جسمانی لازم و مان موجود ہوں اور جسمانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے جسمانی لازم سے یک گونہ بہشت
وہیں نہیں آئے وہ نہایت اعلیٰ ہوں اور یہ نہایت ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے ان کے لہو بہان کے
الفاظ استعمال کرنے جائز ہونگے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بہشت میں محل ہونگے باغات ہونگے اور ہر طرح
نہرین جاری ہونگی

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی دیہاتی کے سامنے جب یورپ کی دگنٹ اور ٹین اور
موترو وغیرہ سینکڑوں فیشن کی سواریوں میں سے کسی کا ذکر کرنا ہو تو دیہاتی کی زبان میں چونکہ صرف ایک تھلے
یا پہلی کا لفظ موجود ہے اور وہ یورپ کے مختلف الفاظ کو سمجھ نہیں سکتا اسلئے اس کے سامنے تمام
سواریوں کے لئے گاڑی اور پہلی ہی کہنا پڑتا ہے خواہ اس وقت کوئی شوق طبع بیچتی آڑا اے کہ خوشی
جو نیکے سبب پہلی کے سوا اور کچھ دیکھا نہیں اسلئے یورپ میں اسی قسم کی بہیدیان فرض کرتا ہے
گو کہ یہ ناانیکہ سننے والے ایک شغف داد کے موفق گفتگو کرنی ضرور ہے اور شغف داد کے دماغ میں

اور کوئی لفظ نہیں اسلئے پہلی ہی کنا پڑتا ہے۔ اور دیوانی کی عقل یورپ کی سوار یون کا خیال قلعہ کر کے جس قدر کوتاہ ہے یہاں والوں کی عقل آجہانی کیفیت کو شخص کر نیکے لئے اس سے بہت زیادہ ناقابل ہے پس ان کیفیتوں کو یہاں والوں کے سامنے جو باغات اور نہروں کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ جس قدر پہلی سے یورپ کی کاڈیان اسلئے ہیں یہاں کے باغات اور نہروں سے وہاں کا سامان اس سے بہت زیادہ برتر ہو گا اور الفاظ کا تصور ہے جسکی وجہ صرف اتنے اظہار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض اس مرقع پر سو می جی نے نہر کی بجائے دریا کا لفظ لکھ کر اپنے لکچر کو ایک ظرافت آمیز فقرہ سے مزین کیا تو اچھا ہوا کہ قہقہہ اور چہر زکی آواز سے جو مسرت ایک ظریف کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ سو می جی کو میسر آئی، لیکن اگر انصاف پسندی کا ذوق ظرافت کے اشتیاق پر غالب ہوتا اور نہر کے لفظ کو دائرہ کس اور پسے ترجمہ کیا جاتا تو دیکھتے کہ عموماً محل اور بلخ اور نہر اور نہر کی پتھری یا شعلین اس عالم کی سب سے بڑی ضرورتیں ہیں اور معلوم ہوتا کہ اسلامی بہشت میں نہروں کا ذکر اسلئے نہیں کہ عرب میں پانی کا کال تھا بلکہ شیکل ہی ایسی ہے کہ بہشت کی اعلیٰ راحت کو ظاہر کرنے کے لیئے دنیوی سامان میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اور اگرچہ اس ترجمہ پر پسند کا شور بلند نہ ہوتا لیکن یہی است بیانی میں جو روحانی لطیف جو وہ نہر خوش وقت کرتا۔

بہشتی عورتیں | آتی سم کا وہ اعتراف کسی نظم ظریف نے بہشتی عورتوں کی نسبت کیا ہے کہ انکی وجہ سے بہشت زندیوں کا چنگ نہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا عورتوں کی وجہ سے بہشت نفسانی راحت کے سوا اور کسی مسدوف کا نہیں۔ حالانکہ عورتیں اس دنیا میں ہی پیا کی گئی ہیں اور پھر یہی دنیا جے جہیں رہ کر انسان نے ہزار واقفہ کی جسمانی اور روحانی ترقیان کی ہیں اور جو ترقی کرنے والے ہیں ان کے لیئے عورتوں کی رفاقت کوئی مزا حمت نہیں کرتی بلکہ ان کے مزاجیہ تعلقات اور یہی حوصلہ افزائی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہیں۔ بیشک ایک زمانہ تھا جبکہ عورتوں کو محض نفسانی خواہش پوری کرنے کا آلہ تمام مہا بیوں کا سر شہادہ تمام انسانی

کمالات سے محروم ہو جاتا تھا اور سئلے ان وقتوں میں جو لوگ کہیں قدر سفیانہ و باغ رکھنے کے سبب
انسانی بلعقلہ لیون کو بڑی نظر سے دیکھتے تھے مگر وحشیانہ نامہ کے اثر سے عورتوں کی اصل قدر
قیمت نہیں سمجھ سکتے تھے انکی تعلیم میں اکثر عورتوں سے نفرت دلوائی گئی ہے اور ان سے قطع تعلق
کرنا باعث ترقی اور موجب نجات ٹھہرا لیا گیا ہے۔ اور وہی تعلیم ہے جو اگرچہ علماء نہیں مگر اعتقاد اکثر
لوگوں کے دلوں پر جنگ قبضہ کئے ہوئے ہے چنانچہ جو شخص یہ خیال رکھتا ہے اور عورت کے
لفظ کو شرات کا مادہ سمجھتا ہے وہ بیشک بہشت میں عورتوں کے موجود ہونے سے ان کو رٹیلوں
کا چکلا سمجھنے میں مجبور ہے۔ مگر یہ اسکے پنوں کا تصور نہ تھا۔ اور ایسا وحشیانہ اعتقاد رکھنے والے
میں کوئی عالم عورتوں کے وجود سے چکلا نہ بنایا گیا۔ کیونکہ حقیقت میں عورت کو بھی وہی دل و
رغ اور ہر طرح کے کمالات کی قابلیت رکھتی ہے جو مرد کو حاصل ہے۔ اور عورت مرد کے ہم در
جہ اور تمام اغراض رست میں مٹتی اور خیال ہونیکے سبب مرد کا عورت کی جائز رفاقت میں بدی
میں مبتلا ہونا ایک طرف خود ہی رفاقت بذیالات اور نامناسب خواہشوں کو روکنے میں اور ہر
طرح کی خوبی اور برتری حاصل کرنے میں ایسی مدد دیتی ہے جو مرد کے لیے مرد کی رفاقت میں ممکن نہیں
اور اسکی معیت میں جس قدر بے اعتدالی اور کج روی کا اندیشہ ہے اسکا الزام عورت کی ذات نہیں
بلکہ ان بدعاتوں پر ہے جنہیں مرد ہی ایسا ہی مبتلا ہوتا ہے جیسے عورت۔ اور جہاں یہ بدعتیں جو
بلکہ پاکباز عورت کسی مرد کی ہمیشہیں ہوتی اسکے اثر سے مرد کو بھی بڑی حد تک پاکبازی کی ترغیب
ہوتی ہے اور اگر دونوں نیک ہنر و ہون تو ان کے لیے خود ہی دنیا بہشت کا نمونہ ہے اور ایسا
کتابہ اخلاقی اور روحانی کمالات کے اس معراج کو پہنچ سکتا ہے جو تہجد و میں بسر کرنا اور ان کے
میں نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے لمبیں اکثر بذیالات کا جو ہم رہتا ہے مگر نیک عورت کی رفاقت
میں ایسے خیالات گذر نہیں پاتے اور تہمت قلبی تو جہر و دھانیت اور عالم بالا کے مشاہدہ و مراقبہ میں
صرف ہو سکتی ہے۔

پس جب کیفیت ہر اور عورت کا عہد انسانی ترقی کیلئے ایسا سروری ہے تو بہت جیلا

ترقی کا لگ کر ہے اس میں عینہ عمر تو ان کا وجود کیونکر نفسانی بلکہ عند الیون کا باعث ہو گا اور کیا وجہ ہے جس سے وہ چپکا کہلا کر نکلتا ہے اور اگر کسی تاریک خانے میں ایسا اعتراض صحیح سمجھا جائے گا تو آج جبکہ زمانہ عورت کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھ چکا ہے اور

ہنری لیا سکی لگ کر و آتش شد لیا لکھن پٹ ۵
عزمین تمہارا لباس میں اور تم ان کا لباس ہو
(تقریر نمبر ۱۳)

کی آواز جو ایک عرصہ تک غیر مانوس سمجھی جاتی رہی ہے اب اسکی صداقت کو کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا اس وقت عورتوں کے وجود سے بہت کچھ نکلے گا خطاب دینے والے نہیں معلوم کس زمانے کی توجہ اپنے جسم میں رکھتے ہیں *

تساخ | آئندہ زیت کے متعلق روحانی جزاؤں کے بعد ایک اور احتمال قابل غور ہے اور وہ یہ کہ ایمان کی نیک و بجزاؤں سے کیلئے اسی جہان میں پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے اعمال کے مطابق نیک یا بد حالت میں رہتے ہیں۔ اس احتمال میں حشر جہاں فی فرض کیا گیا ہے اور جس طرح روحانیت کے حامیوں کو مادہ کی موجودہ شکل کے تباہ ہونے پر اسکی آئندہ ترقی سے انکار تھا اسی طرح ان کو گویا کہ جو بھی مسلمان نہیں ہے مگر روحانیت والے اس زیت کے بعد روحانی فضا میں ایسا بلند آواز نہیں کہ ہم راہ راہ کی تمام گزرتوں سے پرے نکل جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی جگہ پر ایسے جکڑ بیٹھتے ہیں کہ آئندہ کے لیے ہی کہیں اور جانا گوارا نہیں کر سکتے اور ہمیں جو ان دونوں کے خلاف اس نظام کے بعد ایک اور نظام کو قرین قیاس سمجھا ہے تو اسلئے کہ مادہ کے انقلابوں سے تسلیم کرتے ہیں کہ ایک نئے نظام ختم ہو جائیگا اور قوت کو مادہ میں حرکت کرتے ہوئے اور تندرست سب کی بعض اجزا کو چھوڑتے ہوئے اور مرکز کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ قوت اسی رفتار سے ایک دن اپنے پہلی مرکز پر جا کر ٹھہریگی اور مرکز اگر دائمی ہے تو اس وقت قوت کا فیضان بھی ایک حالت پر قرار کیا گیا۔ اور یہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اجزا سے قوت کے خارج ہو جانے پر مادہ کی حالت بدلنے پر واقع ہیں کوئی مہیا ہی واقع نہیں ہوتی بلکہ مادہ آئندہ انقلاب میں پہلی صورت کے مناسب حال کوئی اور اعلیٰ شکل میں

جلوہ کر رہتا ہے اور اس سے متوجہ نکلتا ہے کہ جس مادہ نے انسانی شکل تک متقی کر لی ہے وہ آئندہ اس نسبت کے مناسب حال اور لطیف تر شکل اختیار کرے گا۔ اور اس سلسلہ خیال سے ہم سو سمجھ لے کہ مذہب کی طرف سے جو جسمانی حشر و نشر کا دعویٰ پیش ہوا تھا اس کے لیے دنیا میں قرائن اور علامات موجود ہیں اور چونکہ روحانی حشر کے لیے کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں ہو سکتا اس لئے ہمیں اس پر یقین کرنے سے معافی مانگی تھی۔ اب جو یہ دوسرا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے تو اس پر بھی یقین جہی ہو سکتا ہے کہ مناظر قدرت اسکی شہادت دین اور ضرور ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے اس میں غور کیا جائے اور چونکہ روحانی جزا و سنز کی نسبت ثبوت پیش نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اسکی نسبت فیصلہ بھی مختصر تھا مگر اس دوسرے احتمال کو ماننے والے اسکے ثبوت پر بہت کم دور و قیومین اس لئے روحانیت کی نسبت اس میں کسی قدر تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔

اختلاف حالات اور تنازع | چنانچہ مناظر قدرت میں سے انسانی حالت کا تفاوت ان لوگوں کے نزدیک اس مسئلہ کا بین ثبوت ہوا اور وہ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے سے بہت مختلف اور متماثر حالات رکھتے ہیں بعض غریب ہیں بعض امیر بعض بیوقوف ہیں بعض عقلمند بعض مریض ہیں اور بعض تندرست۔ اور یہ اختلافات حالت ضرور کسی نیکی بھلائی یا بُرائی کا عوض ہے ورنہ خدا تعالیٰ جہاں حالات کا خالق ہے ظالم ٹھہرے۔ اور ان میں سے وہ حالات جو بعد از سن رشد پیدا ہوتے ہیں انکی نسبت گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اسی زندگی کے علون کا نتیجہ ہیں۔ مگر جو طفولیت میں پیش آتے ہیں یا مادرِ دلوں میں جن ان حالات کو اس زندگی کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے پس ضرور ہے کہ اس زندگی سے پہلے کوئی اور زندگی ہو گی جس کے اعمال کی جزا و سنز اس زندگی میں دی گئی اور اسی طرح اس حالت موجودہ کی مکافات کسی آئندہ زندگی میں ملے گی اور یوں آمد و رفت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت ہوتا ہے۔

کوئی وجہ اختلاف ہو | اس دلیل میں فطری اختلاف کی علت تلاش کرنے کے لئے اس نسبت سے پہلے اور غالی نہیں ہو سکتا۔ | نسبت غرض نگینی ہے اور چونکہ اس نسبت کو بھی بغیر مختلف حالات کے تسلیم

نہیں کر سکے اس لئے اس سے پہلے اور رستہ مانی گئی ہے اور یوں پہنچے کہ سلسلہ زندگیاں ملتے
 ہوئے عجیب یہ وقت پیش آئی کہ خدائے مین اور یہ نظام قدیم ثابت نہ ہو سکا اور ایک وقت پر اس کا آغاز
 ماننا پڑا اور کائنات نے اس سے ایک وقت پر انسان کا اول دفعہ مختلف حالتوں میں پیدا ہونا لازم آیا
 تھا جس نسل سے پہلو اور عوالم فرض کئے گئے اور مانا گیا کہ اسی طرح کے انسانی آبادیاں پہلے ہی ہوتی آتی
 ہیں جن کی وجہ سے اربعہ عالم کے تباہ ہونے پر آئندہ عوالم میں آباد ہوتی گئیں اور اختتام کو اپنے پس منظر
 یعنی آئینہ لیکن ایک شکل امر کو واقعہ فرض کر لینے کے بعد جو دو تین پیش آتی ہیں ان کے نیچے شکل
 سے شکل ترقی و ترقی کا بے ثبوت ماننا اور ثابت ہو رہے عقلی اور غیر عقلی طور پر دیکھتے ہوئے قدیم
 خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنی فیاضی سے قدامت کے منسوب کو تقسیم کرنا
 چاہا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مادہ کو یا زیادہ سے زیادہ روح کو اس نوع میں شریک کر کے ہیں۔ اور ان میں
 کے سوا مادہ کی مختلف شکلیں اور ارجاع اور مادہ کے مختلف تعلقات خواہ کیسے ہی دیرینہ اور سلسل
 ہوں مگر ان کے حادث ہونے میں شک نہیں اور اول نوان کا مرکب ہونا خود ہی حادث کی دلیل
 ہے اور دوسرے روح اور مادہ کو قدیم یا کائنات کی خدائی اور اس کا خلیہ و تصرف ہی صرف یہ ہے کہ مادہ
 کو مختلف شکلوں میں جلوہ گر کرے اور ارجاع کو مادہ کے ساتھ ملا کر انواع و اقسام کی مخلوقات بنا
 دے اور اگر اس فعل کو ہی قدیم اور نامخلوق مانا جاوے تو دنیا کو خدا سے کوئی تعلق نہیں رہتا پس خواہ اس
 عالم سے پہلے ہزاروں بلکہ لاکھوں اسی طرح کی انسانی آبادیاں فرض کیا جائیں ایک وقت ضرور تسلیم
 کرنا پڑتا ہے جبکہ خدا نے مادہ اور روح کو ان کے قدیم سکون اور راحت سے نکال کر اس سلسلہ کو جاری کیا ہوگا
 اچھا تو اس وقت جبکہ ارواح کو اجسام میں پہلی دفعہ آنیکا موقع ملا ہوگا چوں کہ کوئی گذشتہ نہ ختم نہ تھا جسکی وجہ
 سے وہ مختلف حالتوں میں ظہور کریں اس لئے اس وقت نہ غربت اور امارت کا تفاوت ہو گا نہ ناوانی اور
 دانائی کا اور نہ ضعف و توانائی کا بلکہ حیوانوں کے اندر بھی چونکہ انسانی زمین مانی جاتی ہیں جو دنیا
 پر اعلیٰ کے سبب ان جنوں میں داخل کی گئی ہیں اور اس نوعیت حالت کو کھلبک رہی ہیں اس لئے اس
 وقت یکفیت ہی نہ ہوگی اور تمام بری اور سچی حیوانات معقودہ ہونگے اور چونکہ عورت مرد میں ہی

بڑا تفاوت ہوا اور یہ فرقہ بھی بعض ایسی تکلیفیں برداشت کرتا ہے جن سے مرد کو سابقہ نہیں پڑتا۔ اسلئے اسوقت یہ تفاوت بھی نہ ہو گا۔ غرض یہ کہ اگر حالات کا اختلاف تناسخ کے سبب سے ہو تو لازم آتا ہے کہ ابتدا سے آخر میں میں صرف عاقل تندرست۔ توانا اور صاحب ثروت مرد پیدا ہوئے ہوں گے۔ مگر یہ نتیجہ صریح غلط ہے اس لیے کہ اول تو علوم و عقیدہ کی شہادت یہ ہے کہ پیدائش کی ابتدا جب کہیں ہو حیوانات سے ہوئی ہوگی اور ان سب کے بعد پیدا ہوا ہے اور انسان میں ابتدا میں سب ہوا و فانی حالت میں تھا۔ اور دوسرے یہ بھی یقین ہے کہ ایسی حالت میں وہ مخلوق اگر قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ مختلف حالات میں ہونے سے وہ دنیا کے کاروبار میں نہیں رہ سکتے اور حیوان کے طور پر رہنے سے لائق ادا فائدے اور ضرورتیں مفقود ہوتی ہیں اور عورتوں کو نہ ہو کہ آئینہ دل جاری نہیں ہو سکتی اسلئے ابتدا میں اگر انسانی نوع پیدا ہوتی تو ضرورتاً چند مذہبیں تباہ ہو جاتی مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اور انسان کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا سے یہ تمام اختلافات جو قیام اور موت کے لیے ضرور ہیں موجود رہے ہونگے۔ ابتدا سے میں کو ضرور ہے کہ تناسخ کی وجہ سے نہیں ہیں۔

سوجہم سے پہلے موجود نہیں تھی | غرض ہم دیکھتے ہیں کہ حالات کا اختلاف قیام عالم کے لئے ایسا ضروری ہے کہ پیدائش کا کوئی وقت اس کے بغیر فرض نہیں کیا جاسکتا اور اسلئے اسکو گذشتہ زندگی کا نتیجہ اور انسان کے اپنے اعمال کا اثر نہیں کہہ سکتے۔ اور اس موقع پر جو خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے چکر عمل کے بغیر اسکی حالت کو بہتر یا بدتر بنانا ظلم ہوگا تو یہ خیال پیدا ہونے اور اسکی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت اسی لئے واقع ہوئی کہ پہلے اصول موضوعہ کے طور پر ارواح کو اور اجسام کو دو جدا جدا شخصیات چیزیں مانکر ارواح کے وجود کو قدیم مان لیا گیا تھا اور پھر اکثر اجسام کو ناقص اور عمدہ ذریت کے مقابل دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ ان ارواح کا کیا قصور ہے جو ایسے اجسام میں داخل کی گئیں اور ان ارواح میں کیا خوبی ہے جو عمدہ اجسام رکھی گئی ہیں۔ اور پھر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شاید ارواح کے اپنے نیک و بد اعمال ہوں گے جنکی جزا و سزا اس شکل میں دی گئی اور چونکہ اعمال جسم میں داخل ہونے کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے موجودہ زندگی سے پہلے اور حیوانی زندگیوں میں بھی گئی تھیں۔ مگر علاوہ ان باتوں

کے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں یہ اصل موضوع ہی غلط ہے اور بیشک جسم میں روح کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ کہ وہ جسم سے پہلے موجود تھی یا یہ کہ تقدیم سے پہلے عقل کا فیصلہ کیا خلاف ہے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہونہیں سکتے۔ رہا ارجاع کا اجسام سے پہلے پیدا کیا جانا اور پھر جسم میں داخل کرنا اس کی نسبت امام غزالی علیہ الرحمہ قرآنی آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (جو پائندہ بناؤں گا) جب ہنڈ سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

”ارجاع اگر اسام سے پہلے موجود ہوں تو بارہ ایک ہی روح ہوگی یا بہت ہوگی۔ اگر ایک ہو اور وہی تمام اجسام سے تعلق رکھے تو چاہئے کہ جو اوصاف و عادات زید میں ہوں وہی عزیز میں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر بہت ہوں تو اس صورت میں وہ یا ایک دوسری سے مشابہ ہونگی یا متضاد لیکن کوئی دو چیزیں باہم مشابہ ہوں اور پھر دو میں یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے سے ان میں مناسبت بھی ہو۔ مثلاً ایک ہی مقدار کی سیاہی دو جسموں میں ہو تو ہر مقدار کی جہت سے وہ ہم مثل ہے اور جو جسموں میں ہونے کے سبب دوسرا میان کھاتی ہیں یا ایک ہی جسم میں ایک ضد ایک سیاہی موجود ہو اور دوسرے وقت میں دوسری تو سیاہی ہونے میں وہ دونوں ہم مثل ہیں اور زمانہ کے اختلاف سے وہ ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر جو سیاہی موجود ہے اگر ہم وہ میں ایک کو تقسیم کر لیں تو سیاہی ہونے کی وجہ سے ہم مثل اور گونا گون جانجانب واقع ہونے کی وجہ سے اسے دو ٹکڑے کہہ سکیں گے لیکن اگر کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود ہو اور تقسیم بھی نہ ہو سکے تو وہ کسی طرح دو نہیں ہو سکتیں پس ارجاع بھی اگر اجسام سے پہلے موجود ہوگی تو متعدد اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ بالکل ہم مثل نہ ہوں اور نہ کسی وجہ سے باہدگر تفاوت ہوں۔ اب انکو باہدگر تفاوت کہہ دیکھنا چاہئے کہ تفاوت دو قسم کا ہے۔ ایک ثابت اور نوع کا تفاوت ہے جیسے آگ اور پانی یا سیاہی اور سفیدی میں۔ اور ارجاع میں یہ تفاوت ممکن نہیں کیونکہ دیدار عمر کی نوع اور ثابت ایک ہی اور ایک لایہ و عرض کا

تفاوت ہوتا ہے جو اہمیت میں داخل نہ ہوں جیسے گرم و سرد پانی میں۔ اور اروج میں یہ تفاوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک اہمیت پر مختلف عواض اسی حکومت میں آسکتے ہیں کہ ان کے کثیر و فی تعلقات مختلف ہوں۔ مثلاً پانی کی اہمیت ایک ہزار درجہ کھاری یا میٹھا اور گرم یا سرد اور مفید یا مضر وغیرہ مصدقات جو اسکو عواض ہوتی ہیں تو اسی لیے کثیر و فی ہوتا ہے اس پر اثر کرتی ہیں اسلئے اروج میں بھی جو عواض کا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اسی وقت جبکہ وہ اجسام سے تعلق ہیں اور اجسام سے پہلے چونکہ کوئی تعلق ہو جو زمین اسلئے عواض کا کوئی اختلاف ہی نہ ہوگا اور جیسا ان کے اجسام سے پیشتر موجود ہونے کی تمام صورتیں لینے ایک ہونا یا متعدد ہونا اور متعدد ہو کر ہم مثل ہونا یا متفاوت ہونا بلکہ ان میں تو اروج کا اجسام سے پیشتر موجود ہونا بھی ممکن نہیں مالمبہ جسم میں رکھ کر چونکہ صفائی یا کدورت اور نیکی یا بدی وغیرہ عواض پیدا ہو گئے ہیں اسلئے جسم سے مفارقت کرنے پر انکا متعدد ہو کر اور ان عواض کے سبب مابہم متغائر ہو کر موجود رہنا ممکن ہے۔

عرض یہ کہ زندہ جسم میں چونکہ روح کے نشانات پائے جاتے ہیں اور اسکا جسم سے پہلو موجود ہونا قیرن قیاس نہیں اسلئے ہی کہنا چاہئے کہ جو وقت کہ جس جسم میں ذلت کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اسوقت حکم ربانی سے جس جسم کے حسب حال روح پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ روح انسانی اسوقت پیدا کی جاتی ہے جبکہ لطف اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو اور جب کیفیت ہو تو جیسا کہ اہل حدیث شہرہ کو کا خیال ذکر کیا جا چکا ہے انسانی حالت کا بلکہ دیگر تمام مخلوقات کا اختلاف ایسی لئے ہے کہ مادہ بندیرج عدم سے وجود کی طرف آ رہا ہے اور اسلئے تمام مخلوقات میں جو قریب عدم کا ظہور ہے اسی قدر نقص اور عیب پائے جاتے ہیں اور جتنے موجود ہیں ترقی ہوئی ہے اسی قدر کمال اور خوبی کا ظہور ہوتا ہے۔

چنانچہ اسکے بعد اگر انسان ارض و تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لئے کہ عدم ہونے کے سبب کمال ہوا اسکو حاصل نہیں ہوا اور اگر کسی قوم میں بعض اہل باطن زیادہ ہوں تو ان میں تو اسی لئے کہ عدم ہوتا

توہم کی نسبت کمال وجود میں اور یہی کم ہے اور ترقی یافتہ اقوام میں بھی بعض افراد بحال پہنچتے
 سوجھ و رہتے ہیں تو اسی لیے کہ ایسا وجود عدم سے نکلا ہو ہمہ وجود کو کامل نہیں ہو سکتا اور اگر
 بچے جانوروں کی نسبت زیادہ تیار ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ جانوروں کی نسبت نور وجود سے
 کم ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرنا یا نقصان پہونچانا ہے تو اسی لیے کہ جو
 کی ہر قسم تکمیل نوع انسانی میں ہونی چاہئے وہ ابھی اُس حد کو نہیں پہونچا اور اسی طرح انسان
 سے کمتر درجات میں جو نقص اور عیب ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی پیچھے
 ہیں۔ غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اہلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو کچھ پیدا کیا تو اسی
 کو غیر پیدا ہو کر ترقی کرے۔

اور اس بنا پر انسان اور حیوانات میں روح کو پیدا کرنا اور ناقص وجود کو ناقص اور اس سے کمال
 وجود کو کامل نہایت عطا کرنا خدا کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ انعام ہے کہ جن جسم میں کسی قسم کی نسبت
 حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوئی اسے ہی قسم کی زندگی دیدی گئی یا بالفاظ دیگر کمال سمین ہی قسم کی
 روح پیدا کر دی گئی۔ ظلم جب ہو تا کہ مادہ مثلاً نباتیت سے ترقی کر کے حیوانی روح حاصل کرنے کے
 قابل بننا مگر اس کو اس ترقی سے محروم رکھا جاتا اور جیسی روح اس درجہ میں پیدا ہو سکتی ہے وہ عطا
 نہ ہوتی۔ یا یہ نباتیت سے ترقی پا کر وحشی انسان بننے کے قابل ہوتا مگر اس کا حیوانی درجہ سے بڑھنا
 جائز نہ رکھا جاتا۔ یا نطفہ میں قوت بنیائی کے سوا اور تمام قابلیتیں انسانی روح حاصل کرنے کی
 موجود ہوتیں لیکن اس کو نابینا انسان بنانے کی بجائے ہیجان نطفہ رہنے دیا جاتا۔ یوں کہنے کو
 تو اس وقت کہا جائیگا کہ نابینائی کی تکلیف اٹھانی ہے یہی بہتر تھا کہ وہ ہیجان رہتا۔ مگر یہ خیالی
 فیصلہ ہے اور انسانی وجود کو خواہ کیسا ہی ناقص ہو ہیجان مادہ سے بڑھ کر غلط دعویٰ ہے
 اور ایسا خیال کر نیکی وقت اس انداز سے پوچھنا چاہئے کہ وہ اپنی اس تکلیف پر مرث کو ترجیح دیتا ہے؟
 جس کا جواب وہ یقیناً اپنی لامٹی سے دینگا اور کبھی فنا اور موت پر رہنی نہ ہو گا اور یہی حال اور تمام
 ہوتی حالت۔ واللہ اعلم بلکہ جانوں تک کوئی بھی اپنے موجود ناقص کے سلب فنا پر رضامند

نہیں جڑتا اور کسی ہی تکلیف ہو یا بہن بسر کرنے کو موت سے بہتر سمجھتا ہے اور بات یہی ہے کہ خواہ
آوروں کی نسبت کسی ہی بڑی ہو مگر پھر بھی وہ اچھی چہرہ جو مخلوق کو علے قدر متاثر کرے
اور روح کے نام سے عطا ہوئی ہے۔

بعض پیدائشی میلان مختلف تجربین | سیولٹی فیکٹیو کھتے ہیں کہ

۱۔ اکثر انسانوں میں بعض پیدائشی میلان اور غریبتیں ہوتی ہیں جو خواہ نیک ہوں یا بد کسی
تعلیم و تربیت اور کتنی غیب و تخیل سے دور نہیں ہو سکتیں اور ان میں باہم اس قدر
اختلاف ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ ایک علم و کمال کی طرے و غیب سے
ہے۔ اور دوسرا جاہل و اوریدی کا مشتاق ہے۔ پس اگر یہ زندگی ابتدائی زندگی
ہے تو ایک لکھا ملک میں ایک ہی قوم اور ایک ہی گھر میں ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت کے
ہوتے مختلف میلان کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں اور ضرور یہ کہ یہ سب گزشتہ زندگی کے
نتیجہ ہیں۔“

ان پیدائشی تجربین | یہ باتیں تو وہی ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے مگر سیولٹی فیکٹیو اپنی معقول
پسندی سے اختلاف و حالات کو دیکھتے ہوئے اسباب کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں اور تلاش کے
باوجود کوئی وجہ اختلاف موجود نہیں پاتے اور بیشک اگر آدمی سبب کوئی نہ ہو اور موجودہ تجربین
میں مادہ بہیمہ جو مکمل ہو تو بہر اختلاف کا موجود ہونا ضرور باعث تعجب ہو اور انہوں نے ایک
باپ کے دو بیٹوں کی مثال بھی ایسی پیش کی ہے جس میں دو مختلف شکلیں بظاہر یکساں مادہ ہو
اور ایک ہی قسم کے حالات میں پیدا ہوئی ہیں اسلئے یہیں بھی غور کرنا چاہیئے کہ کیا واقعہ میں واقعہ
اور حالات گرد و پیش میں کوئی اختلاف نہ تھا اور کیانی تحقیقت اختلاف عادت کے لیے متاسخ
کے سوا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی؟

عام طور پر اکثر اختلاف | لیکن چونکہ عادت بھی ایک قسم کا اثر ہے اسلئے پہلے ہمیں دیکھنا چاہیئے
کہ عام طور پر دنیا میں مادہ پیدا ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے اور بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کچھ کثرت

جے حسین جوجینہ ڈال دیا جائے خاک سیاہ ہوجاتی ہے، دھوپ تیز ہوتی ہے، تہیز کھڑکی سب سوکھ کر کھڑکھ ہوجاتی ہے۔ ایسے عام اور قوی اثر بھی ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی ایسے اثر بھی نظر آتے ہیں جو بہت آہستہ عمل کرتے ہیں۔ درخت میں پھل پھول مار پتہ وغیرہ نکلا جودا باحسم پیوستہ ہوتے ہیں مگر درخت کے اندر کی لہریں اور بیرونی واقعات کا اثر ان تک پہنچتا ہے تو سب پر ایک عمل نہیں کرتا بلکہ بعض رات پر کچھ عمل کرتا ہے اور ان کے ساتھ کے پیوستہ ذروں پر کچھ اور۔ ایک ذرہ شیخ سرخ رنگ کا ہے تو دوسرا اس کے پاس می براق سفید یا گہرا سیاہ۔ کسی لہریں نے بعض اجزا کو لگاڑ دیا ہے عفروت۔ فسرگی بلکہ سمیت پیدا کر دی ہے تو قریب کے ذرات جن تک وہ لہریں پہنچی اپنی خوشگوار می اور سخت خزاں کی حالت پر قائم ہیں ایک شخص ایسے پھل کا ایک حصہ کھا لیتا ہے تو تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے حصہ سے لذت پاتا ہے اور آگ اور دھوپ کا عام اثر بھی جو ہم دیکھتے ہیں وہ بھی حقیقت میں عام نہیں۔ اس میں بھی کیا جلنے والی چیز ملتی ہو اور کیا ان خشک ہونیوالی خشک ہوتی ہے۔ درجن چیزوں کی اجزا میں تری اور خشکی کا تفاوت ہو یا اجزا فاصلہ پر ہونے کے سبب آگ اور دھوپ کے کامل اثر سے متاثر نہیں ہوتیں وہ باوجود پیوستہ ہونیکے کبھی بالکل محفوظ رہتی ہیں اور کبھی کم اثر قبول کرتی ہیں اور جو تاثیر آگ اور دھوپ سے پیدا ہوتی ہے وہ بعض رات میں پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے اور بعض رات اس کے خلاف اپنا پہلا اثر قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ آگ سے پکے ہوئے کھانے میں بعض اجزا قابل ہضم ہوجاتی ہیں تو بعض کو کھانے سے وسیعہ تک نوبت پہنچتی ہے غرض یہ کہ تمام سلسلہ کا نسبت کا ذرا تفاوت اگر دیکھنے والے کو بخیر معلوم ہوتا ہے مگر قدرت کا عمل انہی تفاوتوں سے بڑی بڑی مصلحتیں پیدا کرتا ہے۔

انسانی خیالات کا نامہ پڑھاؤ ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد چونکہ انسانی عادات و خصلت کا ذکر ہے، سلسلہ انسانی خیالات کے آثار پڑھاؤ کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل میں مختلف اور بعض اوقات نہایت مخفی اسباب کو ایسا انقلاب ہوتے رہتے ہیں کہ ابھی کوئی شخص رحم محبت

اور خوف خدا کے غلبہ سے کانپ رہا ہے اور انسانی خیالات میں مجبور کر دینے کی لذائذ سے متنفر ہے اور ابھی فوراً دل میں کوئی ایسی لہر اٹھی ہے کہ ایک طرف دنیا کا لالچ چاہیہ گیا ہے دوسری طرف شہوانی خیالات نے غلبہ کیا ہے اور انسان ایسا مغلوب ہو گیا ہے کہ خدا کا وصیان اور انسانی غور و فکر سب بھول گئے ہیں اور کوئی دھکیلنے والا اسے گناہ کی طرف دھکیلنے لگتا ہے اور اوہ کسی نعت رندی و سیاح کاری کے خیالات میں غرق ہے مگر وقت ایسی ہیبت طاری ہو گئی ہے کہ تہوڑی دیر کے لئے اس کا دل عابد و سالک سے ہی دیا وہ منور ہو گیا ہے اور انقلاب نہ صرف انہی لوگوں کو پیش آتے ہیں جو تہوڑی دیر کے لیے کسی خاص خیال میں مصروف ہوئے ہوں بلکہ تمام عمر سیدہ کاری میں بسر کر نیوالے اکثر اوقات ایک آن میں نیکی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں امداد اللہ وہ دہر پار سائی کی مشق کر نیوالے وقت اپنے اندر گناہ کا وسوسہ موجود پانے میں اور نہ صرف کہی کہار بلکہ ایسے جذبات دل میں پیدا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں البتہ مدت تک ایک ہی قسم کی مشق کر نیوالوں میں مخالف جذبہ کا عملی ظہور ضرور کسی بڑی قوت پر منحصر ہے اور کثرت واقع ہوتا ہے

جذبات کا اثر جسم پر | اور پھر ان جذبات کا اثر دوران خون اور دیگر جسمانی حرکات اور اعضا پر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تمام جسم کانپ اٹھتا ہے اور کبھی لذت یا خوف کی لہر سے پاؤں تک جاتی معلوم ہوتی ہے کبھی عرق آتا ہے اور کبھی جسم گرم ہو جاتا ہے یا چہرہ ٹھماتا ہے اور ایسے اثر کبھی روبرو سے ہوتے ہیں کبھی چمکے۔ اور کبھی یہ لہر نہ تمام جسم میں پھیل جاتی ہیں اور کبھی خاص خاص حصوں تک محدود رہتی ہیں۔

جذبات کا اثر نسل پر | اور پھر انسانی خیالات کا اثر اسکی نسل پر دیکھا جائے تو انواع و اقسام کی عادتیں نہ صرف صلیبی اولاد میں بلکہ اولاد کی اولاد اور انکی نسلوں میں اور قوموں میں راسخ اور قائم نظر آتی ہیں جو کبھی کسی مورث کے قوی اثر سے اکثر فردوں میں نمایاں ہوتی ہیں اور کبھی بعد کے اور افراد میں اور یہی اثر ان سے غلط ہو کر کبھی کبھی کسی شخص میں چھائی دیتی ہیں۔

دو نظروں کے اختلاف کیلئے | ان حالات کو مد نظر رکھنے کے بعد غور کرنا چاہئے کہ جس شخص کے ان متعدد بیٹے

مختلف اوقات میں پیدا ہوئے ہیں وہ شخص خواہ نیک ہو یا بد۔ مختلف جذبات اور دوسروں کا اسکے دل میں پیدا ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اور لوگوں کے لمین۔ اور ان جذبات کا کسی وقت ایسا قوی ہونا بھی ممکن ہے کہ دورانِ خون اور جسم کے دیگر حرکات پر کم و بیش اثر کرے۔ اور پھر ایسی اثرات ہوں گے کہ اس وقت پیدا ہونا بھی ممکن ہے جبکہ اسکے جسم میں کوئی لطفہ تیار اور سراج ہو نیکی کے قریب ہو بلکہ اس وقت بھی ایسی جذبات کا غلبہ کرنا ممکن ہے جبکہ لطفہ اسکے جسم سے خارج ہو رہا ہے۔ اور یہی کیفیتیں اس عورت کو پیش آ سکتی ہیں جس کے رحم میں لطفہ قرار پا رہا ہے اور جس کے رحم کے اندر انسانی جسم کا بڑا حصہ بنتے ہیں۔ بلکہ جس وقت تک لطفہ اسکے رحم میں رکھ کر کمال کو پہنچتا ہے اس عرصے میں کبھی کبھار بڑے جذبہ کا پیدا ہونا اور اثر کا اسکے جسم پر اور جسم کے ساتھ جنین تک پہنچنا اور یہی ممکن ہے اور ضرر اسی عرصہ تک بلکہ تا یامِ شیر خوارگی تک کہ جذبات جو دودھ پلانے والی میں پیدا ہوں شیر خوار تک اثر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح ایک ولادت میں ایک اثر اور دوسری ولادت میں دوسرا اثر پیدا ہونا ممکن ہے۔

یہ تودہ صورت ہے جبکہ ولادت کا دما مختلف ہو اب اگر ایسی صورت فرض کی جائے جس میں دو توام بچے پیدا ہوئے ہیں اور خواہ اسکے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کے لطفہ ایک ہی نوبت میں قرار پکڑا ہے تاہم وہ دوہیں اور ایک اندر سے اور ایک لطفہ کے ذرات دوسرے اندر سے اور دوسرے لطفہ کے ذرات سے ممتاز ہیں۔ اور جس وقت وہ دونوں تیار اور خارج ہو نیکی کے قریب ہیں اس وقت خواہ اسکے ذرات ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں مگر جس طرف میں ہیں اسکی کسی کسی قدر فضا کو چپ کرتے ہو گئے اور علامتِ مذاجب دونوں لطفے مان کے رحم میں اندرون سے ملے ہوں گے اس وقت یہی کچھ نہ کچھ فضا ان سے معمور ہوگی اور وہ دونوں فضائیں

لے توام بچے پیدا ہونے کیلئے طبی طور پر کوئی خاص میں سے متفرق نہیں پائی اور کچھ علماء و فزی آئو جی تحقیق کر چکے ہیں وہ یہ کہ عورت کے بیضین سے ہر مہینہ پر ایک اندر حرکت کر کے رحم میں آتا ہے اور اگر اس وقت مرد کا لطفہ اس سے مل جائے تو حمل قرار پاتا ہے۔ مگر کبھی کسی وجہ سے ایک بیضی یا دو بیضین سے دو اندر سے یا شاید دو یا دو یا دو بیضی میں مل جاتے ہیں اور اگر مرد کا لطفہ سب سے مل جائے تو متعدد بچے ایک محل میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

و نطفوں کے ذرات کو گھیرنے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہونگی اسلئے اس وقت بھی ممکن ہے کہ ماں یا باپ کے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہو اور جسم پر اثر کرے اور اسکی لہر وہاں تک پہنچے کہ ختم ہو جہاں تک فضا میں ایک نطفہ یا ایک اندے کے ذرات موجود ہیں اور دوسرے نطفہ یا دوسرے اندے کے ذرات تک وہ اثر بالکل نہ پہنچے یا کم پہنچے۔ اور اس کے علاوہ اگرچہ فرض کیا ہے کہ دو نطفے ایک نوبت میں خارج ہوئے ہیں مگر ایک نوبت میں خارج ہونے کی ہر کتنی متعدد ہوتی ہیں اسلئے ایک حرکت میں ایک نطفہ کے ذرات خارج ہونے کے بعد ہی ممکن ہے کہ وقتہ کوئی نیک یا بد جذبہ غالب آئے کیونکہ جذبہ کا پیدا ہونا ایک آن کا کام ہے اور اس میں کسی عرصہ کی ضرورت نہیں اور یوں دوسری حرکت کے وقت اس جذبہ کا اثر دوسرے نطفہ پر عمل کرے اور اس وجہ سے ایک نچو ایک خیال لیکر پیدا ہو اور دوسرا اس کے خلاف میلان رکھے۔

پھر اسکے ساتھ ان جذبات اور میلانوں کا خیال بھی کر لینا چاہئے جو پرے کے آبا و اجداد میں پیدا ہو چکے ہوتے ہیں اور انکی لہر میں اپنی قوت وضعف کے مطابق نسل میں چند یا کئی پشتوں تک پہنچتی ہیں اور ان لہروں کے قوت وضعف کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص میں بعد کے واقعات اور بیرونی اثر کسی وقت کسی جذبہ کو بڑا دیتے ہیں اور اس لئے ایسے شخص کی اثر قوت کی اولاد میں اس کے اپنے جذبہ کا بھی اثر ہوتا ہے اور جو اسی قسم کا جذبہ مورث اعلیٰ کی طرف سے سرایت کر چکا ہے وہ بھی اثر کرتا ہے اور اسلئے ایسے شخص کا بچہ دو قوتوں سے متاثر ہوگا اس جذبہ میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باپ کا جذبہ کم طاقتور ہو اور تھوڑا اثر کرے لیکن اس تھوڑے سے میلان کی وجہ سے مورث اعلیٰ کا اسی قسم کا جذبہ اس اولاد میں دوسری کی نسبت زیادہ قوت سے ظہور کرے۔

پھر جب کیفیت ہو اور دنیا میں یہ اور اسی قسم کے اور ہزاروں بیج و بیج اسباب سلسلہ جاری ہے تو ایک ماں باپ۔ ایک سوانحی اور کیسان تربیت کو دیکھ کر غور کر نیو الون کو کیونکر تقدیر آتا ہے کہ ماں باپ سوانحی اور تربیت کے علاوہ اور کوئی اثر کر نیو الاسباب باقی نہیں۔ اور کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ اسباب و علل کا دریا جوا ابتدا سے جاری ہے ہر ایک ذرہ پر عمل کرتا ہے اور اس ذرا

کی ایک لہر سے متاثر ہو کر ایک لفظ تیار ہی ایسا ہوا تھا کہ اس کو پاکیزہ زندگی دیا جائے اور دوسری لہر نے دوسرے لفظ کو بنایا ہے ایسا تھا کہ وہ ناپاک روح کا مسکن ہو اور عدم سے وجود میں لائے والی اور مردہ سے زندہ کرنے والی قوت ہر چیز میں جو قابلیت دیکھتی ہے اس کے مناسب حال وجود اور زندگی کی شکل عطا کرتی ہے ۔

اب رہی یہ سوال کہ علت و معلول کا یہ سلسلہ کیوں جاری کیا گیا اور عدم سے وجود میں آنے کی تدریجی رفتار کیوں رکھی گئی جس سے وجود کی ناقص اور مکمل شکلیں مختلف پیدا ہوئیں سو پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ دنیا کو موجودہ نظام سے پیدا کرنے کی وجہ یہی عقدہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا اور یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ تناسخ کے عقیدہ سے ملتا ہے نہ مہاتما بدھ کی تصویر سے اور نہ روح اور مادہ کو فہم نامک اور نہ وحدت شہود کے استدلال سے۔ کیونکہ بدی اور عیب کی وجہ خواہ کچھ ہو اس کا ظہور اسی لیے ہوا ہے کہ دنیا کو پیدا کیا گیا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا اور خواہ مادہ اور روح موجود ہی ہوتیں مگر انہیں سکون کی حالت میں رہنے دیا جاتا تو سو اسے عدم کے اور کوئی نقص موجود نہ ہوتا اور اگر خدا اسکے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تو اس کی قدرت محدود ہوگی لیکن جبکہ کسی کی مصلحت سے ایک دفعہ عمل شروع ہو گیا ہے اور مادہ کو بتدریج ترقی دینے کا سہم جاری ہو چکا ہے تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کیلئے ان تمام احتمالات میں سے زیادہ قرین عقل وہی خیال ہے جو اہل وحدت شہود پیش کرتے ہیں کہ اپنی رفتار میں مادہ جس حد تک ترقی کر گیا ہے اسی حد تک عمدہ شکلیں اور نیک اثر ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور جس حد تک نقص باقی رہتا آیا ہے اسی حد تک عیب اور بدی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اور اس لئے شروع جس طرح پر کیا گیا ہے اسی وجہ معلوم نہیں لیکن بعد میں نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ کسی کی ظلمت (ملاحظہ ہو باب دوم کتاب ہذا)

خدا کی خالقیت اور روح کی قدرت
وغیرہ مساوات متعلق کا تعلق -
دنیا میں انسانی حالت کا اختلاف ہی ایک ایسا واقعہ تھا جسے دیکھ کر بعض غور کرنے والوں نے تناسخ کا احتمال قائم کیا اور سمجھنے لگیا کہ اس واقعہ کو غور سے دیکھنے پر ثبوت کا تناسخ کا نشان نہیں ملتا اور اس کے علاوہ ان جن طریقوں سے اس

دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان سے اگرچہ ثبوت کو کوئی واسطہ نہیں کر کہنے والے ان کو بھی دلائل قاطعہ کا خطاب دیتے ہیں اس لئے دیکھ لینا ضرور ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی صفت خالقیت قدیم ہے اور مادہ و روح قدیم ہے اور ان کے سب عادات و خصائل بھی قدیم ہیں اور کام کرنا ان کے خصائل میں داخل ہے۔ اور ایک اور موقع پر کہا گیا ہے کہ روح کا جسم کو دارن کرنا بھی عادت ہے۔ ان باتوں کے ضروری ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمیشہ ارواح کو مختلف اجسام میں داخل کرتا رہتا ہے۔

اس دلیل کے مقدمات میں سے ایک خدا کی خالقیت کا مسئلہ بیشک مسلم ہے اور کسی غیب کو اس سے انکار نہیں۔ مگر ایک تو کوئی صفت کھنڈ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا بالفعل طور بھی ہر وقت ہوتا رہے۔ مثلاً انسان میں نوش و غذا اور گرائی کی صفت ہو لیکن ضرور نہیں کہ وہ ہر وقت اس صفت کو ظاہر کرتا رہے بلکہ ایسی صفات کے ہونے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اس خاصہ سے کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح خدا کی نسبت یہی دوام صفت کہے ہی جاتی ہیں کہ وہ جب چاہے ان کا ظہور کر سکتا ہے کیونکہ وہ علاوہ اور صفات کے علم اور ارادہ کی صفت بھی رکھتا ہے اور کوئی کام مجبور کر نہیں کرتا اس لئے صفت خالقیت میں بھی وہ مجبور نہیں کہ ہر لحظہ اور ہر وقت اس کا ظہور ہوتا رہے اور دوسرے اگر صفات کے دوام سے یہی معنی لیے جائیں کہ ہر وقت ان کا بالفعل ظہور ہوتا رہے تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ بار بار ایک ہی روح کو مختلف اجسام میں داخل کرتا رہے بلکہ نئی نئی اشیاء اور نئے نئے عالم پیدا کرتے ہوئے ہرگز سے صفت خالقیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

یہی روح کی قدیمت اور ان کی صفات کی قدیمت اور صفات کے ہمیشہ ظہور کرنا دیکھا جانے والا نہیں ہے کوئی ایک بھی ثابت نہیں۔ قدیم سوائے ایک ذات کے اور کوئی مہربین نہ سکتا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ارواح اور ان کی صفات قدیم میں تو قدیم ہونے سے صفات کا دائمی ظہور ثابت نہیں ہوتا چنانچہ غم غیب عدل علم وغیرہ ارواح کی صفات ہیں اور اس سلسلہ کے مطابق قدیم ہونی چاہیے۔

لے یہ یلین پنڈت بیکٹر پشوری کی ایجاد ہیں۔ کتاب ثبوت تنازعہ

مگر تو دنیا میں کوئی شخص نہیں جس سے یہ صفات ہر وقت ظاہر ہوتی ہیں پس ارواح میں ان صفات کے ہونے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ انکو جب موقع ہو ظاہر کر سکتی ہیں۔ اور اگر ان سب باتوں سے قطع نظر کی جائے اور صفات ارواح کو قدیم اور ہمیشہ ظاہر ہونے ہوئے مان لیا جائے تب بھی جسم و دارن کہ نیکو روح کی عادت قرار دینا یہی وہ دعوے ہیں جس کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عادت جب بھی ثابت ہوگی کہ اسکا بار بار ضرور ہو اور روح کا بار بار ظہور کرنا اور روح کو جسم میں آنے کی عادت ہونی حقیقت میں ایک ہی دعویٰ ہے یعنی تناسخ۔ اور اسی کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ پس بار بار آنے کیلئے عادت ہونیکو دلیل گردانا خود دعوے کو دعوے کیلئے دلیل ٹھیرانا ہے۔ اور پھر روح کا جسم میں آنا اگر عادت ہونے والوں کے مسلمات کے مطابق وہ عادت قدیم بھی ہونگی اور جو چیز قدیم ہو اس کے لئے خالق کی ضرورت نہیں اسلئے روح کے جسم میں آنے کے لئے بھی خالق کی ضرورت نہیں اور یہ نتیجہ ہے جس سے خدا کی خدائی نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مادہ اور روح قدیم ہے اور جب روح اور مادہ کی صفات اور روح کا مادہ میں داخل ہونا بھی قدیم ٹھیرا۔ تو پھر دنیا کے کئی کسی موجود کی ضرورت نہیں رہتی۔ غرض تناسخ ماننا تو اسلئے جاتا تھا کہ خدا سے ظلم کا التزام دور کیا جاوے اور تناسخ ماننے کیلئے جو مقدمات تسلیم کئے گئے انہوں نے خدا کو موجود بھی نہ چھوڑ دیا۔

چاندی صبح اور مادہ کے بار بار
آفسے سے تناسخ کا ثبوت - اور ایک دلیل دنیا کے عجیب واقعات سے تیار کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چاند اور سورج اور سیارے گاہ طلوع کرتے ہیں اور گاہ غروب ہوتے

ہیں اور ان کو دیکھ کر جہاں کہتا ہے کہ اور سیارے آگئے حالانکہ جاننا خود اسے جانتے ہیں کہ وہی سیارے ہیں لیکن اطلاع ہی وہی بار بار آتی ہیں اور نادانوں کو معلوم ہوتا ہے کہ نئی ارواح پیدا ہوئیں اور کہیں کہتے ہیں کہ مادہ مکانات نباتات اور حیوانات وغیرہ میں بار بار ظہور کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی اجسام میں بار بار ظہور کرتی ہے۔

یہاں بعض اشیاء میں ایک خاصہ فرض کیا گیا ہے اور پھر اسکو عام گردان کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ روح میں بھی یہی خاصہ موجود ہے۔ مگر اول تو جو خاصہ سیارگان وغیرہ میں دیکھا گیا ہے اسکی شکل ہے

اور روح کے لئے اشکال کا خاصہ فرض کیا جاتا ہے کیونکہ سیارگان جو طلوع غروب یا دورہ کی حرکت سے بار بار آتے جاتے ہیں انکی وجہ یہ ہے کہ حرکت کے سبب وہ ایک خاص مقام یعنی سطح زمین پر سے ہر وقت نظر نہیں آسکتے ورنہ حقیقت میں وہ اسی دنیا پر اور اسی جسم میں موجود رہتے ہیں اور ہمیشہ ایک دائرہ پر حرکت کرنے میں مصروف ہیں۔ اور اسی طرح مادہ کے بار بار آنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہوا اور اجزاء کے جمع ہونے کو کبھی ایک شکل پیدا ہوتی ہے اور کبھی دوسری اور اس طرح اجزاء ہمیشہ اپنے اختلاص کی موضع بدلتی رہتی ہیں ورنہ مادہ کبھی کہیں جا کر واپس نہیں آنا جس سے کہا جائے کہ وہ بار بار آتا ہے بلکہ اسکی نسبت صحیح اظہار یہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو موجود رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی شکلین بدلتی رہتی ہے۔ اور اسکے برخلاف روح کے بار بار آنے کی شکل اپنی جاتی ہے کہ وہ ایک منتقل جو ہر ہے جو کسی دوسری چیز یعنی مادہ کی چند اجزاء کے ایک خاص شکل میں جمع ہوتا ہے پران میں ظہور کرتی ہے اور اجزاء کے متفرق ہو جانے پر ان سے الگ ہو کر کسی اور مجموعہ میں جو اسی طرح کی خاص شکل میں جمع ہو گیا ہو ظاہر ہوتی ہے۔ اور سیاروں سے مشابہت جب ہوتی ہے کہ کسی دوسری چیز میں ظہور نہ کرتی اور نہ اس چیز کے تباہ ہونے پر غائب ہوتی بلکہ خود کسی قسم کی حرکت کو کبھی سامنے آجایا کرتی اور کبھی گم ہو جاتی۔ اور مادہ سے مشابہت اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ خود صاحب اجزاء ہوتی اور مادہ کی طرح اسکی اجزاء کبھی ایک شکل میں ظاہر ہوتیں اور کبھی دوسری شکل میں۔ اور جب یہ متصور نہیں اور روح کے لئے جو خاصہ فرض کیا گیا ہے اسکی مثال دنیا میں نظر نہیں آتی تو یہ قیاس عقلی طور پر کوئی وزن نہیں رکھتا :

اور دوسرے اگر صرف یہی دیکھنا ہو کہ مادہ کا اور روح کا تعلق ہے اور مادہ پر ایسی حالتیں طاری ہوتی ہیں جنکی حقیقت خواہ کچھ ہو مگر اسکو بار بار آنے کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں اسلئے مادہ سے تعلق رکھنے والے کو کبھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بھی بار بار آتا ہوگا اور پھر یہاں بار بار آنے سے یہ خاص مطلب لینا چاہئے کہ اسکا تعلق بار بار ہوتا ہے تو یہ صرف شاعرانہ استہلال ہوگا اور تعلقات کی کوئی صورت خیال میں نہیں آتی جسکی وجہ سے اگر مادہ بار بار اپنی شکلین بدلتا ہو تو روح بھی ایک

ہی اس میں بار بار حلول کرتی رہے کیونکہ اگر مادہ اور روح کا تعلق کارندہ اور آلہ کا ہے یعنی مادہ آلہ ہے اور روح کارندہ تو اس تعلق کے واسطے ضرور زمین کے ایک کے دوبارہ موجود ہونے پر دوسرا بھی دوبارہ آئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیا مختلف تیشون سے کام لے سکتا ہے تو ایک ہی تیشہ مختلف نیا روں کے ہاتھ میں بھی کام لے سکتا ہے اور اگر ظرف و مظهر کا تعلق ہے تو بھی دونوں کا بار بار آننا ضرور زمین اور اگر ایک چیز مختلف برتنوں میں رکھی جاسکتی ہے تو ایک ہی برتن میں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر ایک نمبر کو ب کا تعلق ہے تو بھی ایک گہوڑے پر مختلف اشخاص اور ایک شخص مختلف گھوڑوں پر سوار ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایک محکمہ کا تعلق ہے تو بھی ایک بادشاہ مختلف ملکوں پر حکمران ہو سکتا ہے اور ایک ملک ایک بادشاہ کی حکومت پر نکل کر دوسرے اور اس سے تیسرے کے قبضہ میں جاسکتا ہے غرض وہ چیزوں کے ملنے پر جس قدر تعلقات سمجھ میں آسکتے ہیں ان میں سے کسی پر نتیجہ مرتب نہیں ہوتا کہ اگر مادہ کرا آئے تو روح ہی وہ آئے۔ اور جو ایک چیز کا خاصہ دوسری چیز میں مان لینا ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ چونکہ ستم الفار میں زہر کی خاصیت ہو اسلئے دودھ ہی وہی اثر رکھتا ہو اور یہی حال سیارگان کی آمد و رفت اور روح کے تسخیر کا ہے کہ ان میں کوئی تعلق نہیں جبکہ بنیاد ایک امر کے ثابت ہونی سے دوسرے کا ثبوت لازم آئے کیا بطور حال کے بارہ مہینوں میں ایک ہی سورج بار بار آتا ہے اور جس طرح مہینہ کے تیس دنوں میں ایک ہی چاند بار بار نکلتا ہے بطور حال کے بارہ مہینہ بھی ایک ہی مہینہ اور مہینہ کی تمام اینٹیں ایک ہی تاریخ میں ہوں اگر اسی طرح کی غیبت تعلق باتیں ایسی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں تو بیشک سیارگان کے بار بار آنے سے ارجح کار بار بار بطور کرنا بھی ثابت ہو جائیگا۔

اور تیسرے اگر ان لیا جائے کہ مادہ کے بار بار آنے اور روح کے بار بار آنے کی ایک ہی صورت ہے تو بھی غور کرنے کی بات ہو کہ شکل مادہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہو اور خود مادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کی حقیقت جو کچھ ہے ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اتنا جانتے ہیں کہ اس کا

تعلق شکل کے تعلق کے بعد ہوتا ہے یعنی اجزائے مادی شکل پہلے اختیار کرتی ہیں اور بعد میں جاندار بنی مین۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود مادہ کے بار بار آنے کے شکل جس سے براہِ راست پیدا ہوتی ہے اور روح سے پہلے تعلق پکڑتی ہے ایک دفعہ اگر ابدالاً باؤک دو بارہ نہیں آتی اور اجزا وہی ہوں مگر شکل ہمیشہ نئی سے نئی ہوتی ہے تو جو چیز شکل کے تعلق پکڑتی ہے اسکی نسبت کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ بار بار ضرور آتی چاہئے۔

منطوق تین لیلیں تنازع پر حکیم منطوق کو جب زہر دیا گیا ہے تو اسکے عزیزوں اور شاگردوں کو اسکی معارف سے جو صدمہ ہوا ہو گا ظاہر ہو گا فلسفہ تنازع اور فلسفہ کی شان سے بعید ہے کہ ایسے انکسار کو دل پریشان کرے اسلئے اُس نے اپنا یہ وقت نہایت استقلال سے گزارا اور فلسفیانہ طرز سے اپنے علم پر کوسلی تیار کیا چنانچہ اسکی اسوقت کی گفتگو سے جو اس نے اپنے شاگرد و سمیاء وغیرہ سے کی ہے تین لیلیں تنازع پر یہ ایگوئی ہیں (کتاب پلیٹو) ان میں سے پہلی لیل میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضد کی طرف عموماً کرتی ہے۔ اور زندگی اور موت ہی باہم ضد ہیں اسلئے وہ بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی رہیں گی اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا چکر جاری رہے گا۔ دوسری لیل میں وہ کہتے ہیں کہ ہم دو چیزوں کو دیکھ کر کہیں اُن کو مساوی کہتے ہیں اور کہیں غیر مساوی اسلئے ایسی چیزوں کے علم اور انکی مساوات یا عدم مساوات کے علم سے پہلے انکو مساوات کا مفہوم معلوم ہونا چاہیئے اور ان چیزوں کو ہم جو اس سو دریافت کرتے ہیں اور جو اس پیدا ہوتے ہی حاصل ہو جاتے ہیں اسلئے مساوات کا مفہوم جو ان سے پہلے حاصل ہے وہ پائش سے پہلے معلوم ہوا ہو گا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح پائش سے پہلے موجود ہے اور تیسری لیل میں کہتے ہیں کہ مرکبات کہیں یہ کہیں تحلیل ہو جاتے ہیں اور بالآخر تحلیل ہونے سے پاک ہیں۔ اور مرکبات محسوس ہوتے ہیں اور بالآخر اس گرفت سے باہر ہیں اور انسان کے اندر ایک جسم ہے جو دیدنی اور مرکب قسم سے ہے اور ایک روح ہے جو نابدیدنی اور بیضیہ ہے۔ اور جسم ترکیب کے قاعدہ کے موافق تحلیل اور فنا ہو جاتا ہے اسلئے چاہیئے کہ روح حسب قاعدہ بلا تحلیل

اور فائدہ ہو۔ بلکہ مرتبہ کے بعد قائم ہے

تیسری دلیل سے تنازع
کروقت نہیں۔

یہ دلائل قابلِ قدر ہیں اسلئے کہ ایک بڑے فلاسفر کی مرتے دم کی یاد دگایا
ہیں جو کہ ہم فلاطون کا شکر گزار مہنا چاہتے ہیں جس کی قلم سے یہ تمام مکالمہ
من و عن محفوظ رہ سکا۔ مگر دلائل کی حقیقت دیکھنے پر کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سو تیسری دلیل میں
اگر ثابت کرنے کی کوئی چیز تھی تو یہ کہ انسان کے اندر ایک بسیط روح موجود ہے اور ہم نے دیکھا کہ
اسی کو عالی قدر حکیم نے اصولِ مسلمہ کے طور پر ان لیا ہے اور بات وہی نکلی پہلے جو لکھا گیا ہے
کہ گو عقلی ثبوت کوئی نہ ہو مگر مذہبی جذبہ بالاتفاق انسان کے اندر ایک جوہر بسیط کو مانتا ہے۔ پس
اگر وہ موجود ہے تو پھر مرنے کے بعد اس کے قائم رہنے میں شک نہیں اور اسی قدر اس دلیل سے
بہت ثابت ہوا۔ اور اس سے زیادہ یعنی یہ کہ روح دوبارہ اسی دنیا میں آئیگی اس کا اس دلیل سے
کوئی تعلق نہیں۔

دوسری دلیل و طرح و ناقص ہے اور اسی طرح دوسری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس سے صرف اسی قدر

ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تنازع کا ثبوت اس سے بھی نہیں ملتا۔ اور
نیز اس دلیل کے مقدمات میں بھی بہت کچھ کلام ہے۔ کیونکہ پیدا ہوتے ہی حواس ظاہری کا کام
کے مقابل ہونا اور چیزوں کی مساوات کو پہچاننا اور نیز مساوات اور نامساوات کو معلوم کرنے سے
پہلے مطلق مساوات کا علم ہونا سب باتیں قابلِ اعتراض ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ جب اپنے
حواس سے کام لینے لگتا ہے تو پہلے چیزوں کو صرف دیکھنا شروع کرتا ہے اور انکی مساوات اور عدم
مساوات وغیرہ ذہنی فیصلے ایک طرف وہ مدت تک انکی محسوس اوصاف میں بھی تیز نہیں کر سکتا
اور ایک شیخ لال رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے وہ چیز چھپا دی جاتی ہے اور اس سے بچے کے رنگ
کی بلکہ بسا اوقات اور رنگ کی چیز دیدی جاتی ہے اور بچہ پہلی چیز سمجھ کر خوش ہو جاتا ہے
مدت کی شوق سے رنگ وغیرہ پہچاننے لگتا ہے تو بڑائی چھٹائی پھر بھی عرصہ تک محسوس نہیں
ہوتی۔ ایک انڈا چھپا لینے کے بعد دوسرا انڈا جو اس کو سیدھا چھوٹا بڑا ہوا سامنے کرنے سے اکثر دھوکا

کہا تا ہے اور غور زماں کا طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جبکہ بعد چیزوں کی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ صفات
جو عقل سے تعلق رکھتی ہیں پورے طور پر تجزیہ ہوں اور پھر ان چیزوں کی مساوات و عدم مساوات اور بہتری و خیریت
کو دیکھنے و مطلق مساوات و مطلق بہتری وغیرہ مفہوم پر نشیمن ہوتے ہیں اور جہاں تک مساوات کا علم پہلے موجود ہوتا ہے
ترقی کی رفتار ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنا علم جو نبات کو شروع کرتا ہے اور ان کو متعلق کرتا ہے اس کلیات کی طرف جاتا
ہے اور اس لئے مساوات کا علم رکھنے کی واسطے ضرور نہیں کہ روح جسم سے پہلے موجود ہو۔

خبر سے خدا کا پیدا ہونا
عام قاعدہ نہیں۔

غرض یہ کہ لیلین ضعیف ہونے کے باوجود تنازع سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں
البتہ پہلی دلیل اگر صحیح ہو تو اس سے بیشک تنازع ثابت ہو گا۔ اول تو

اس کا پہلا مقدمہ قابل غور ہے۔ بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ رات کو دن پیدا ہوتا ہے اور دن کو رات
یا بچان سے ماندار بننا ہے اور جاندار سے حیوان اور بیان ایک ضد دوسری ضد کو ظاہر ہوتی
مگر تمام دنیا کی صرف یہی شکل نہیں بلکہ جو مثالیں خود حکیم نے دی ہیں ان میں سے بعض کی اور
صورت ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ تیز ہست کو پیدا ہوتا ہے اور سست تیز سے۔ گریہ نامہ عام نہیں۔ اگر
بعض چیزوں کی رفتار تیز اور پر تیز سے سست ہو جاتی ہے تو بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکی رفتار
ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے۔ مثلاً روشنی حرارت اور آواز کی رفتار اپنے اپنے مقدار اور فاصلہ کے
محال سے جس طرز پر واقع ہے اس سے کبھی انحراف نہیں کرتی اور ایسا نہیں ہوتا کہ تیز سے سست
ہو تو چھ سست کو تیز ہو جائے۔ اسی طرح سیاروں کی حرکت جس قاعدہ پر جاری ہے اس سے
تخلف نہیں ہوتا۔ اور اگر بعد یہ تحقیقات کو مد نظر کہا جائے تو زمین کی محوری حرکت ایک معدنی
ایک سیکڑے کی گھبراہٹ کے برابر سست ہو جاتی ہے اور اسی قدر دن بڑھتا جاتا ہے مگر ایسا ہر بیگانہ گمان
یہی نہیں کہ پہر کبھی اسکی حرکت تیز ہونے لگے۔ اور پھر کبھی تیزی سے سستی کی جانب عود کرے۔
اور اسی طرح اور مثالیں جو وہ دیتے ہیں کہ بہتر پہلے بدتر ہوتا ہے اور ضعیفانہ غیر ضعیفانہ۔ چنگیز
بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر محض بہتری و بدتری اور ضعیفانہ و غیر ضعیفانہ کو دیکھا جائے تو یہ اوصاف
ہمیشہ ایک حالت پر ہیں اور بہتری بدتری اور بدتری بہتری کبھی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان افکار کو

دیکھا جائے جن کو مصیبتیں عارض ہوتی ہیں تو یہی یہی حال ہے کہ جو افعال منصفانہ ہیں مثلاً
 فریادی کی فساد کو مستننا اور مجرم کے جرم کو غور و خوض سے تحقیق کرنا یا افعال ہمیشہ منصفانہ
 ہیں اور کبھی غیب منصفانہ نہیں ہو سکتے اور ان کے خلاف کرنا ہمیشہ غیر منصفانہ ہے اور کبھی منصفانہ
 نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو سال بہتر ہیں مثلاً اپنے فائدہ میں حق سے تجاوز تو کرنا اور دوسرے
 کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا یا ہمیشہ بہتر ہیں اور ان کے خلاف ہمیشہ بدتر۔ اور اگر اشیا کو
 دیکھا جائے جن کو بہتر یا بدتر کہہ سکتے ہیں تو ان میں سے جو مرکبات ہیں وہ چونکہ اس نظام میں قننا
 و تحلیل کا نشانہ ہیں اسلئے انکی صفات ہی بجا نہیں رہتیں۔ مگر پھر بھی ضرورت نہیں کہ جو بہتری اور
 بدتری ایک دفعہ کی تشکیل میں نابود ہوئی ہے پھر مڑی اجزا مرکب ہوں اور وہی بہتری یا بدتری
 عموماً کوئے اور ضرور ایک مند دوسری ضد کی طرف آئے۔ اور اور ضرور ابطن یا غنا میں ان میں
 جوتیک و بد صفات قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتی ہیں اور کبھی ایک
 مند سے دوسری ضد کی طرف نہیں جاتیں +

رہا رات دن اور جاہل اور بیجاں کا انقلاب سوا گریہ یہ قدرت کا بڑا کرشمہ ہے مگر اسکی وجہ کی
 جائے تو اور ضرور ایک ہمیشہ چمکنے والا آفتاب ہے جو روشنی دیتا ہے اور اور ہمیشہ حرکت کرنا والی زمین
 ہے جو روشنی کو اخذ کرتی ہے۔ اور ایک کی سکون اور دوسری کی حرکت کی ایک کیساں رہنموی والا قاعدہ
 پیدا ہوتا ہے کہ ہمیشہ زمین کے نصف حصہ پر روشنی کا اثر پہنچے۔ اسلئے حقیقت میں روشنی تاریکی
 سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک حصہ روشنی کا ہے جو ہمیشہ زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس کے
 مقابل ایک حصہ تاریکی کا اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور زمین کے ایک حصہ پر رہنے والے ایک سلسلے
 کبھی روشنی آجاتی ہے اور کبھی تاریکی۔ اور جاہلدار کی بیجاں سے اور بیجاں کی جاہلدار سے پیدا ہونے
 کی حقیقت یہی جیسا کہ جدید تحقیقات کا نشانہ ہے یہ ہے کہ جان ہمیشہ جان سے پیدا ہوتی ہے پھر
 ایک جاہلدار کی طرف سے بیجاں کے اندر جان کا فیضان ہوتا ہے اور اس سے آگے اور بیجاں پر یہ
 اثر پہنچتا ہے اور اور بیجاں اجزا اپنی تسکون کو بدلنے سے ایک جسم کے بعد دوسرے جسم بناتی رہتی

ہیں اور اس طرح جان کا سلسلہ جان دار سے جاندار کی طرف اور بیجان کا بیجان سے بیجان کی طرف جارہا ہے ۔

اور ان کے بعد اور اشیا اور ان کی بعض صفات ایسی نظر آتی ہیں جو ہمیشہ ایک حال پر رہتی ہیں اور ضد سے ضد کی طرف عود نہیں کرتیں۔ مثلاً مادہ اور دنیا کا دوسرا عنصر یعنی قوت اور انکی صفت وجود ایسی چیز ہے کہ جب سے ہو ہمیشہ ایک حالت پر ہے اور کبھی وجود سے عدم اور عدم سے وجود ان پر طاری نہیں ہوتا۔ اور اسکے علاوہ روح حکیم کی رائے کے مطابق ازل سے اب تک موجود ہے اور وجود عدم میں انقلاب نہیں کرتی۔ اور ویسے ہی روح اگر ہے تو جب سے ہے ہمیشہ موجود ہے اور اگر عدم سے وجود کی طرف آئی ہے تب بھی آئندہ وجود سے عدم کی طرف جانے کا احتمال نہیں ۔

غرض سمجھنے و چیکھ کر روشنی حرارت وغیرہ کی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے اور سیارگان کی حرکت میں اگر انقلاب ہے تو ہمیشہ تیزی سے سستی کی طرف یعنی ایک سمت کو۔ اور بہتری بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ صفات اور ان سے متصف ہونے والے افعال ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ اشیا و بسیط جو ان سے متصف ہیں وہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر ہیں۔ اور مادہ اور قوت کا درجہ کبھی ضد کی طرف نہیں جاتا۔ اور نہ روح ضد کی طرف انتقال کرتی ہے۔ البتہ مرکبات ہمیشہ تحلیل و ترکیب کا درجہ ہیں اور انکی حالت بدلتی رہتی ہے اور حالت کیساتھ انکے نیک و بدہ صفات میں انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مگر انکا انقلاب بھی ایسا بے ترتیب ہوتا ہے کہ اسکے لئے ضد سے ضد کی طرف آنا یا مناسب ہو مناسب کی طرف جانا کوئی ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی انقلاب میں بدتری سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور آئندہ انقلاب میں اس سے زیادہ بہتر یا نظر آتی ہے تو بہتر کوئی ایسا انقلاب ہوتا ہے کہ بہتری کے تمام درجات معدوم ہو کر کوئی بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پہر کبھی تبدیریج بدتری کی طرف اور کبھی تبدیریج بہتری کی طرف انتقال ہوتا ہے تو کبھی دفعۃً طے سے درجہ کی بدتری سے طے سے درجہ کی بہتری پیدا ہو جاتی ہے

مثلاً درخت پیدا ہوا ہے اور مناسب آب و ہوا سے بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پھل پھول لانے لگا ہے یہ بہتری سے بہتری کیفیت ترقی ہے اور پھر سوکھنے لگا ہے اور ایک دن فنا ہو گیا ہے یہ بہتری سے بدتری کی طرف تنزل۔ مگر لہذا تھے ورت پر کاٹنے والی کا تبرایا پڑا ہے کہ ہم میں گزار کی بجائے ٹانگی ہے اس انقلاب میں دفعہ بڑے درجہ کی بہتری سے بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو گئی ہے اور کبھی شعل اور اساک ہو کھیت تباہی کے قریب ہوتا ہے کہ دفعہ مناسب ہواؤں کے چلنے اور ہر وقت بارش کے برسنے سے کبھی کھیتی ہری ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑی بہتری ہے فوراً بڑی بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ایک ہی حالت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی نیک اور بد انقلاب جلدی جلدی ہونے لگتے ہیں۔ مدعا یہ کہ بساط اول لطیف اشیا مثلاً ماوہ عناصہ روشنی حرارت اور افعال نیک و بد وغیرہ خاص قوانین کے زیر اثر ہیں اور ان میں ضد سے ضد کی طرف آنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مرکبات اور ان کے حالات قوانین پر ایسے مختلف اور پیچیدہ عمل کرتے ہیں کہ ہر چیز اور ہر چیز کی ہر ایک حالت میں ہر آن کے اندر نئی سے نئی شان اظہار آتی ہے اور ایک قاعدہ میں نہیں ہو سکتا۔

مند کا ضد کی طرف آنا زندگی | یہ دیکھنے کے بعد کہ ضد سے ضد کی طرف آنا قدرت کا عام قانون نہیں
اور موت پر جاری نہیں ہو سکتا | وہیل کے دوسرے مقدمہ یعنی زندگی اور موت کی ضدیت کو دیکھا جائے

تو زندگی اور موت کی حقیقت دو چیزوں کا باہم ملنا اور جدا ہونا ہے۔ اور ان میں سے ایک چیز یعنی جسم مرکب ہے اور دوسری چیز یعنی روح بسیط ہے۔ اور جب وقت روح کا جسم سے فراق ہوا ہے اس وقت جسم چونکہ مرکب ہے ضرور ہے کہ وہ تحلیل ہو اور تحلیل ہو نیچے بعد اسکی اجزا مرکبات کے قاعدہ کے موافق ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں اور کسی کسی شکل میں رہیں اور ان شکلوں کو بدلتی رہیں۔ اب لکھیاں ضد سے ضد کی طرف آنا کیا مطلب لیا جائے کہ ایک وقت پر یہ اجزا پھر اسی شکل میں جلوہ گر ہوں تو یہ صورت ممکن نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تحلیل ہونے کے بعد کچھ اجزا اکیس بن کر اڑ گئی ہیں اور ہواؤں نے لکھیاں کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور کچھ اجزا زمین میں لکھیاں اسی شکل ہو گئی ہیں اور ان میں سے

کچھ ممکن ہے کہ قرن ہائے دراز تک اسی حالت میں پڑی رہیں اور کچھ بنائی شکل میں بدل جائیں اور پھر نباتات کے فنا ہونے پر ان میں سے اکثر گیس بن کر اُٹھا جائیگی اور کچھ جانداروں کی خوراک میں صرف ہوگی۔ اور اس طرح ان اجزاء میں سے بعض کا کسی جاندار یا خود کسی انسان کے جسم میں آنا ممکن ہے۔ مگر سب کے سب اسی شکل میں پیدا ہوں اور مر نیکیے بعد انسان کی تمام اجزاء اس طرح ہی بنایا جاوے اسکا امکان نہیں۔ اور اگر مرنے سے زندگی کی طرف آنے سے یہ مطلب ہو کہ جسم انسانی کی اجزاء تحلیل ہو نیکیے بعد کسی نہ کسی شکل میں مرکب ہوگی تو شک نہیں کہ ایسا ضرور ہوگا۔ لیکن اسی طرح کہ بعض اجزاء کچھ شکل اختیار کر چکی اور بعض کچھ۔ اور بعض کہی جاندار کے جسم میں آجائیں گی اور بعض ممکن ہے کہ ابنا آتا یا تو تک جی جان حالت میں رہیں۔ اب روح کی نسبت جو ایک جسم سے الگ ہوتی ہے غور کرنے کے وقت ہم دنیا کے تمام مرکبات اور بسائط کو دیکھ ڈالتے ہیں ان میں جسامتی مرکبات کو دیکھا کہ ترکیب کے بعد تحلیل ہوتے ہیں تو پھر تحلیل کے بعد اسی پہلی ترکیب کی طرف واپس نہیں جاتے مادی بسائط میں سے ایتھر اگر دیکھا جائے مادی کے کسی مجموعہ میں داخل ہو بھی تو وہ ان سے الگ ہو کر کوئی شے تک مجرد حالت میں رہ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر زمین وغیرہ سیاروں کی اٹموسفیر یعنی کمرہ ہوائی سے پر ہے اس کو تمام فضا میں پھیلا ہوا مانا جاتا ہے۔ اسکے بعد غیر جسامتی بسائط کو تو بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ حالت میں جو فر کسی ایک چیز میں ایک وقت پر موجود ہوتی ہے پہر خواہ اسی چیز پر اور ہزاروں طرح کے بہتر اور بدتر حالتیں آئیں مگر وہ پہلی حالت کہی موجود نہیں ہوتی۔ یہ دعویٰ سرسری نظر سے غلط معلوم ہوگا کیونکہ ہر پھینے سے ہنے ہزاروں دفعہ کیساں خفگی محسوس کی ہے اور آگ تاپنے سے بار بار ایسی جہی گرمی۔ مگر جس کو ہم کیساں کہتے ہیں سائنٹیفک طور پر وہ کہی بھی کیساں نہیں۔ کوئی عالم کیساں ہوا دفعہ پوٹاشیم کلورائیڈ کو کیسین یا سمندر کی ریت سے کلورین پیدا کرے کہی دو دفعہ بھی ایک تجربہ سب حیثیتوں سے برابر نہ ہوگا۔ پوٹاشیم کلورائیڈ یا ریت کی جو مقدار ایک دفعہ لی ہے بالکل ٹھیک وہ ان سے اتنی ہی مقدار کبھی لی جائیگی اور جو حرارت ایک وقت پر فضا میں موجود ہے یا مصنوعی طور پر

ہم پہنچائی گئی ہے۔ ٹھیک اتنی ہی حرارت کہی ہو یا نہ ہو سیکلی اجس قدر وقت ایک دفعہ چھوڑا ہے
 ٹھیک اتنا ہی وقت پہر کہی صرف نہ ہو سیکلیگا اور سلسلے جس قدر گیس ایک دفعہ پیدا ہوئی ہے
 بالکل اس قدر کہی پیدا نہ ہو سکے گی۔ اور چونکہ یا بد اثر اس فعل سے ایک دفعہ پیدا ہوگا وہ پہر کہی
 نہ ہوگا۔ اور یہی حال برف پینے اور آگ تلپنے کا ہے کہ مقدار اور وقت اور کیفیت ہر طرح سے
 ہر دفعہ دوسری دفعہ سے متفاوت ہوگی اور اس لئے جو بہتری یا بدتری کسی فعل سے ایک بار
 متعلق ہوئی ہے وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی اور کہی ہاتھ نہ آئیگی۔ اور یہی
 حال مشکل اور دیگر غوص کا ہے کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد پہر وہی شکل اور وہی خاصہ
 کہی پیدا نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ بسا اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے پاس موجود ہیں وہ ہمیشہ کے
 لئے اور ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد آئندہ کیلئے الگ رہ سکتے ہیں اور مرکبات کی اجزا
 اگرچہ مکملین بدلنی رہتی ہیں مگر سب اجزا پہر ایک جگہ جمع ہوں یہ ممکن نہیں اور بعض اجزا ہمیشہ
 کیلئے جائز ہیں نہ ائین ممکن ہے۔ تو روح جو بسیط ہے اس پر بساط کا قاعدہ جاری کرو
 تو اور ترکیب کا قاعدہ جاری کرو تو اس کیلئے یہ فیصلہ کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد بار بار
 جسم میں آتی رہے گی اور زندگی اور موت کا چکر ہمیشہ جاری رہیگا ایسا دعویٰ ہے جو بساط
 اور ترکیب دونوں حیثیتوں سے غلط ہے اور غلطی کا خد سے پیدا ہونا نہ دنیا کا عام قانون ہے
 اور نہ زندگی اور موت میں جاری ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ المیزان روح کا دوبارہ جسم میں آنافاق عقل ہے

غرض تسلسل کے بلکہ میں جہان تک غور کیا گیا ہے یہ مدعا ہرگز ثابت
 نہیں ہوتا کہ روحیں جسم سے مفاقت کرنے کے بعد پہر اسی زندگی
 کو دوبارہ حاصل کرتی ہیں بلکہ شکل اور دیگر صفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید پہلا
 ہونا ممکن بھی نہیں اور صرف یہ نہیں بلکہ ابھی سراغ آگے چلتا ہے اور نتیجہ اس سے یا وہ
 قوی پیدا ہوتا ہے یہاں کے طریق تحصیل و ترکیب کو پہر عود سے دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ نظام
 قدرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہیں ان میں ایک انہرشیاء یعنی قانون اتمار یہی ہے

اور اسکا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کو حرکت دی جائے اس میں حرکت کا میلان ایسا پیدا ہوتا ہے کہ اگر خارجی مزاحمتیں نہ ہوں اور سطح زمین یا ہوا کے تضاد و مہ سے رکنا نہ پڑے تو حرکت ہمیشہ یکساں رہے۔ اور اگر اس میں روک تھام ہو۔ اور اگر اس میں جذب سکون پیدا ہو تو وہ سکون بھی خارجی محرک اسباب سے دور ہوتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ چیز تا ابد ساکن رہے۔ پس جب کوئی مرکب تحلیل ہوتا ہے اور اسکی اجزاء باہر کو حرکت کرنے لگتی ہے یا جب متفرق اجزاء کسی سبب سے جمع ہو کر سکون حاصل کرتی ہیں تو تحلیل کے بعد اجزاء کی حرکت اور ترکیب کے بعد ان کا سکون دو راسی لئے ہوتا ہے کہ خارجی اسباب اس حرکت اور اس سکون کی مزاحمت کرتے ہیں اور اس وجہ سے مرکبات یکے بعد دیگرے شکلیں بدلتے رہتے ہیں اور اگر کسی مرکب پر یا بعض اجزاء سے متفرق خارجی اسباب اثر نہ کریں تو ایسی اجزاء اور ایسے مرکب کا ہمیشہ تک ایک حالت پر رہنا ممکن ہو۔

حکیم سقراط تو بہت قدیم زمانے میں تھے ان کے بعد بھی بہت عرصہ گزرا کہ جہتیں بت کے انفس سم کے قاعدے دیافت نہ ہوئے اور اس لئے اس زمانے میں رات دن کی گردش اور جاندار اور بے جان کی پیدائش کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا ہو گا کہ خدا اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضرور ہے کہ پھر ضد کی طرف عود کرے۔ مگر اب اس ایک قانون کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ضد کی طرف میلان رکھنا غلط ہے اور چونکہ ہر طرح کے انقلاب حرکت و سکون کی مختلف شکلوں سے ہوتے ہیں اور حرکت و سکون میں قانون استمرار جاری ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حالت اپنے تئیں قائم رکھنے کا میلان رکھتی ہے اور کوئی بھی ضد کی طرف جانا نہیں چاہتی اور جو انقلاب پسلی حالت کو بدلتا ہے اسکے لئے کوئی خارجی سبب ہوتا ہے۔

اور خارجی اسباب جو یہاں متحرک کو ساکن اور ساکن متحرک کرتے ہیں وہ اگرچہ نہایت کثرت سے اور بہت پیچیدہ ہیں مگر انکا اصل الاصول یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت اور روشنی اور دوسری قسم کی کمین عمل کرتی ہیں اور اس عمل سے کمین حرارت کمین بخار کمین ہوا کمین بارش پیدا ہوتی ہے اور گونا گوں لہروں کے پیدا ہونے سے اجزاء کسی جھٹکے سے الگ ہوتی ہیں اور قانون

استقرار کی حرارت جاری رکھتا ہے اور باہر کی مزاحمتیں حرکت کو روکتی رہتی ہیں۔ اس ٹکس میں وہ اجزا کہیں چھوٹے چھوٹے اور کہیں بڑے بڑے جھنڈوں میں جمع ہوتی جاتی ہیں اور سکون پیدا ہو۔ نیکے بعد پھر فرق انڈن استقرار ان کو ساکن رکھنا چاہتا ہے اور باہمی کشش اتصال جس حیثیت کی ہوتی ہی ثلث سی اجزا کو پیوستہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ کچھ کچھ مجموعے پیوستہ ہو کر ٹھوس ہر جلتے ہیں اور ان میں سے جو نمونہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ اور اجزا کو جو دامن جمع ہو جائیں جذب کرنے میں ہیں اور ساتھ ہی ان پر متفرق کرنیوالی طاقتیں اپنا عمل شروع رکھتی ہیں اور جس قدر ماحول کو ممکن ہو رہتا ہے جدا کرتی رہتی ہیں اور اس طرح تمام نظم سام میں ہمیشہ جمع و تفریق کا عمل جاری رہتا ہے۔

اس سلسلہ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ عمل کیلئے عامل کا زبردست اور معمول کا کمزور ہونا بھی ایک قانون قدرت ہے اور جہاں کہیں دو متقابل قوتیں باہم مساوی واقع ہوتی ہیں وہاں دونوں کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور پھر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ یہاں عمل کرنیوالی طاقتیں اگرچہ خود جسم نہیں رکھتیں مگر اجسام سے ظہور کرتی ہیں اور اضعاف و غیرہ صفات ہی کو بسط اور غیر جہانی میں مگر وہ ہی اجسام سے ظاہر ہوتی ہیں اسلئے عمل کرنیوالی قوتیں اور صفات قوت میں برابر ہیں اور اس کیلئے ایک کو دوسری پر تسلط ہونا چاہیئے۔ مگر کسی جسم کی ترکیب سے پہلے اسکی شکل اور دیگر صفات معدوم ہیں اور عمل کرنیوالی قوتیں موجود اسلئے اس وقت عمل کرنیوالی قوتوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اسی لئے ان قوتوں کے اثر سے شکل اور دیگر صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور پیدا ہونے کے بعد اگرچہ یہ قوت میں ان کے برابر ہو جاتی ہیں مگر پہلے ہی صفات میں اور موصوف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں اور اضعاف عمل کرنیوالی قوتوں کا تسلط اجزائے مادی پر ہمیشہ باقی رہتا ہے اسلئے قوتیں اجزا کو تبدیل کرتی ہیں اور تبدیل کے ساتھ پہلی شکل اور دیگر صفات معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جو شکل وغیرہ صفات کہیں لہجہ پیدا نہیں ہوتیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اجزا پر قوتوں کا تسلط ہو مگر اب قوی تسلط نہیں کہ اجزا کو متفرق کرنے کے بعد ہر ایک جزو جہاں پہلے موجود تھی ٹھیک اسی جگہ پر

دوبارہ رکھی جائے اور جو اجزاء اسکے ارد گرد حصین اٹکو بالکل اسی تناسب سے جگہ دی جائے بلکہ ہمیشہ ایک ترکیب کے بعد دوسری ترکیب میں غراہ بعینہ وہی اجزاء ہوں بعینہ پہلی وضع سے مرکب نہیں بن سکتے اور اسی لیے پہلی شکل اور دیگر صفات بھی موجود نہیں ہوتیں۔

اب اسکے بعد جو ہم روح کی نسبت غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روح اگر قدیم سے موجود ہو تو بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتوں کو اس پر کسی تسلط نہ ہوتا اور وہ جسم سے پیوستہ نہ ہو سکتی۔ مگر جیسا کہ اوپر امام غزالی رحمہ کی تحقیق سے ثابت کیا جا چکا ہے بات یہی ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی اور اسکے عدم ہی کا نقص ہے جس کے سبب ہر عامل قوتوں کو اس پر ترجیح ہوتی ہے اور ان کے عمل سے جسم کے مرکب ہونے پر روح پیدا ہو جاتی ہے اور پھر جسم سے مفارقت ہونے کے بعد جیسا کہ مذہبی جذبہ کا بھلا اتفاق فیصلہ ہے اگر وہ باقی رہتی ہے اور شکل وغیرہ صفات کی طرح اپنے قیام کے لیے جسم کی محتاج نہیں تو پھر قانون استمرار کے مطابق وہ اس حالت کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتوں سے مغلوب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے جب تک تحلیل و ترکیب کا عمل ان جسمانی قوتوں کی وساطت سے ہوتا رہے گا ممکن نہیں کہ روح دوبارہ جسم میں لائی جائے۔ اور اگر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو پیدا کر نیکی طاقت ہو پیدا ہونے کے بعد وہی قابو میں نہ رہے مگر امر واقع ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آفتابی حرارت کا ایک حصہ زمین پر آ کر اسکی تیزی اور خشکی سے بخار پیدا کرتا ہے لیکن وہی بخار پیدا ہو کر ایسا قوی ہو جاتا ہے کہ قابو میں رہنا ایک طرف بارش کی شکل میں خود پیدا کر فانی حرارت کو دالیتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اگر یہ پیدا انہی قوتوں کے عمل سے ہوتی ہے مگر پیدا ہونے کے بعد اپنی بساطت کے سبب ان قوتوں کی گرفت میں نہیں رہ سکتی۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ جس وقت یہ روح جسمانی وسائل سے آزاد ہوتا ہوا اپنے غیج جسمانی مرکز پر پہنچ گیا اور تمام نظام موجودہ فنا ہو کر **وَاسْتَرْفَتِ الْاَكْصَنُ مِنْ دَرَجَاتِهَا** کے مطابق زمین و آسمان خدائی نور سے براہ رہت منور ہو گا اور وقت غیج جسمانی قوت اپنی غیر محدود و کشش سے غیر محدود اثر پیدا کرے گی اور اس وقت غیج جسمانی اور بسیط روحیں مجبور ہونگی کہ دوبارہ اجسام سے پیوستہ ہو کر جو خواہ اس دنیا سے اپنے ساتھ لے گئی ہیں ان کے

نکاح خطاہر کرین *

درجات کی ترقی سے زمین اور دوسرے یہ امر بھی غور کے قابل ہو کہ موجودات میں جو انقلاب ترقی کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔

جانب ہرے میں الکاتر ہی درجہ بدرجہ تفاوت ہوگا کیلئے مثلاً اجزاء زمین یا معدنیات ترقی کی ابتدائی درجہ میں ہیں اور ان کے ذرات میں اس حرکت کے سوا جو براہ راست آفتاب کو پیدا ہوتی ہے کوئی اندرونی حرکت نہیں اسلئے اس ترقی میں حسابات اچھی اور بری یا مضرت اور فائدہ شکنیں پیدا ہو گئی ہیں مگر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کی کوئی قابلیت ان میں موجود نہیں۔ درخت چونکہ ان سے ترقی یافتہ ہے اسلئے ان ذرات کو پھیلانے اور بری ذرات کو جذب کرنے سے فائدہ حاصل کرنے کی قابلیت اس میں پیدا ہو گئی ہے لیکن نقصان سے بچنے کی قابلیت یہی اجزاء زمین میں معدوم تھی ایسی ہی اس میں بھی مفقود رہے اور اس کے علاوہ یہ نقص بھی موجود ہے کہ درخت کا تمام وقت اپنی خوراک جذب کرنے میں صرف ہوتا ہے اور اگر چند لمحہ کیلئے بھی درخت کی تمام جڑوں کو زمین سے نکال لیا جائے اور جو مدد زمین سے پہنچتی ہے وہ کچھ دیر کے لئے بند کر دی جائے تو درخت فوراً اس نقصان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ درخت کے بعد حیوان پیدا ہوا تو جو ترقی درخت نے کی تھی اسکے ساتھ حیوان میں علیٰ قدر مراتب نقصان طے پانے کی قابلیت بھی پیدا ہو گئی ہے اور دوسرا نقص بھی کیلئے درجہ ہوا ہے یعنی اس کا کچھ وقت خوراک حاصل کر نیکی کوشش سے بچ کر دوسرے کاموں میں بھی صرف ہونے لگا ہے اور اگرچہ تنفس کے ذریعہ سے وہ بھی فضا کی اجزاء کو بہم جذب کرتا رہتا ہے جس طرح درخت اپنے مساموں سے متواتر کام لیتا ہے مگر جو بڑا حصہ خوراک کا کھانے کی شکل میں اور نباتات میں زمین کے اندر جسم میں داخل ہوتا ہے اس میں یہ تفاوت ہو گیا ہے کہ درخت اس کو بھی بہم جذب کرتا رہتا ہے مگر حیوان کی ایسی ہی ایک کیلئے خاص اوقات مقرر ہو گئے ہیں اور وہ باقی وقت دیگر کاروبار میں صرف کر سکتا ہے اور ان اوقات میں جو کام اس سے جبری طور پر انسان لینے لگا ہے ان کاموں سے بیشک اس کی نشوونما اور جسمانی طاقتوں کو نقصان پہنچتا ہے اور اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ پالتو جانور جنگلی جانوروں جیسے قوی

اور سب نہیں ہوتے لیکن حیوان طبعی طور پر بھی اکثر خوراک لینے کے فعل کو بند کر کے تلاش خوراک
یا تناسل کے افعال میں مصروف ہوتا ہے اور ان کاموں سے اسکو جسمانی نقصان نہیں پہنچتا۔
حالانکہ درخت خوراک جذب کر نیکے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتا ۛ

اب انسان کو دیکھیں تو اس میں اور حیوان میں یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ حیوان اپنی کوششوں
سے صرف موجودہ ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور موجودہ نقصان سے بچ سکتا ہے اور اگرچہ وہ درخت
کی طرح اپنا تمام وقت کھانے میں صرف نہیں کرتا لیکن پھر بھی اسے بہت سا وقت خوراک کی تلاش
میں صرف کرنا پڑتا ہے اور اس تمام کوشش کے باوجود سن موجودہ حالت کیلئے اپنا یا اپنے بچوں کا پیٹ
پال سکتا ہے مگر اس کے خلاف انسان جسمانی طور پر حیوان سے کمزور اور جسمانی آلات سے محروم ہو چکا ہے
باوجود صرف موجودہ ضرورت اور موجودہ تکلیف کیلئے اہتمام کرتا ہے بلکہ ہزاروں طرح کی تدبیروں
سے اپنے لئے اپنے کنبہ کیلئے اور اس سے بڑھ کر اپنے ملک اور قوم کیلئے موجودہ اور آئندہ بڑی
حد تک پیش بندی کر سکتا ہے۔ اور جب قدر وقت صرف کرنے پر حیوان محض اپنی جان کو بقدر ضرورت
فائدہ پہنچاتا ہے انسان اس عرصہ میں اپنے لئے اور غیروں کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ محنت و کلام
اور تکلف کے وسائل ہم پہنچاتا ہے۔

یہ وہ ترقی ہے جو انسان نے عقل و شعور کی مدد سے حاصل کی لیکن ایک نقص اس میں بھی موجود ہے
وہ یہ کہ اگرچہ اسکا وقت کھانے میں اور موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس قدر صرف نہیں ہوتا جس
قدر حیوان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر تاہم دنیا میں رہ کر وہ دنیوی کاروبار اور خوراک اور دیگر اسباب معیشت کے
اہتمام سے بے فکر نہیں ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص یا کوئی قوم کیسی ہی بام ترقی پر چڑھ جائے اپنی ضروریات
کے لئے ایسا انتظام نہیں کر سکتی کہ ہمیشہ کیلئے یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے فرصت اور بیکاری میں بسر
کر سکے کیونکہ ایسا کرنے پر دوسرے لوگ جو زندگی کی دوڑ میں تیز قدم ہوتے ہیں ان کے بڑھ جاتے
ہیں اور ان کی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے کچھ تو بچے رہو والوں کا تہذیب و تمدن
جو اپنے وقت پر مفید ہوتا ہے اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ ان کو غلبہ سے ایسے لوگوں کو

بجا و بجا نقصان پہنچانے کے قابل ہو جاتے ہیں اور یوں اپنے سامان معیشت پر بھروسہ کرنا خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ضرور تباسی و بربادی کا موجب ہوتا ہے اسلئے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ عقل و شعور سے بہرہ و برہین و جس قدر ترقی کرتے ہیں اسی قدر سامان معیشت کی فراہمی میں زیادہ سرگرم ہوتے ہیں اور اُدھر جو لوگ نادانی سے دنیوی کاروبار میں تساہل و در کہتے ہیں وہ خواہ اپنے خیال میں روحانی اور مذہبی ترقی میں مہلک ہوں مگر اس معرکہ زمیست میں ضرور شکست کھاتے ہیں اور نادانی کے ساتھ طرح طرح کے روحانی اور جسمانی امراض و مصلحتوں میں مبتلا ہو کر ذلیل و مذہبی ہر کرتے ہیں یا معدوم ہو جاتے ہیں۔

مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے
درجات کو فائق ہونا چاہئے
غرض ہم نے دیکھا کہ دنیوی ترقی کے ہر درجہ میں موجودات نے پہلے درجہ کی نسبت دیا و فائدہ حاصل کیا ہے اور بیشتر نقصان سوائی پائی

ہے اور عقل و شعور تک پہنچ کر طلب منفعت اور دفع مضرت میں اور کسی درجہ کی مخلوق انکی برابر ہی نہیں کر سکتی۔ بلکہ ابھی تک کاروبار و دنیا کے در و سدا و اسباب معیشت کے اہتمام سے فراغت نہیں ہوئی اب انسانی ترقی کا ایک درجہ اور یعنی مذہب اور معرفت بانی کا جذبہ باقی ہے پس اگر جذبہ میں ترقی اور منزل کرنیکا وہی نتیجہ ہو جائے اس لئے کہ ترقی کرنیوالوں کو اسی دنیا میں خوشحال اور منزل کرنیوالوں کو بد حال پیدا کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں ترقی ہو کر اثر میں پہلے درجات کی نسبت کوئی تفاوت نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے درجات یعنی عقل و شعور وغیرہ کا ہی یہی اثر تھا کہ ان میں ترقی کرنے سے حسب مراتب خوشحالی اور منزل کرنیوالوں کو بد حال و غریب ہوتی ہے اور اُدھر انکار معیشت سے فراغت نہ عقل کی ترقی سے ہو سکتی ہے اور نہ مذہبی ترقی پر روح کو اسی جہان میں پہنچنے سے یہ سکتی ہے۔ اور عقل چونکہ دنیا کی طرف لٹکائی جاتی ہے اسلئے اُس کو دنیوی افکار سے رہائی نہ پاتا قرین قیاس ہے لیکن توجہ ہر خدا کی طرف اور ترقی ہو معرفت ربانی میں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھر اسی دنیا میں اگر انہی افکار میں بسر کریں اور ایسے خیالات میں محو رہیں جو خدا سے غافل کرنیکا موجب ہوں اسی عملی کوشش پر یہ انجام ہرگز دیا نہیں۔ اسلئے چاہئے کہ مذہبی ترقی اور منزل کا اثر عقل و شعور

کی ترقی و منزل سے زیادہ ہو تا حسب قاعدہ ایک درجہ سے دوسرا درجہ فائق اور بڑتر قرار پائے عبادت کا مفید طریق لیکن ایسا اڑ کیا ہوگا؟ اسکو تلاش کرنے سے پہلے ایک شبہ کو حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیوی تکالیف جو عقل کو ناہمی سے پیش آتی ہیں مذہبی طرف غفلت میں انکو بھی گناہ کی سند کہا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نزدیک یہ تکالیف بھی مذہبی منزل کا انہماک اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مذہب کا اصلی مدعا اگرچہ ناویدہ ہستی کی تلاش اور خدا کا وصال ہے لیکن اس غرض تک پہنچنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے اور وسائل میں اگرچہ ذکر و شغل اور مراقبہ و شاہدہ یعنی مختلف طریقہ ہائے عبادت ہی ایک ضروری عنصر ہیں مگر ایک تو انسان اس دنیا میں رہ کر بہت دن اور مصروف نہیں ہو سکتا اور دوسرے عبادت میں ایسا مصروف رہنا کہ دیگر فرائض انسانی کو یک سخت ترک کر دیا جائے اس غرض کیلئے بالعموم مفید بھی نہیں کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی فلق ہوئی ہے کہ وہ ایک خیال کو ہمیشہ کے لئے اپنے دل میں قائم نہیں رکھ سکتا اور اگر تمام وقت اور ارنوائف میں بسر کرے تو ایسے وقت کا بہت سا حصہ بظاہر عبادت میں اور حقیقت غفلت ملال یا نفسانی خواہشوں کی کشمکش میں صرف ہوگا اور وہ چند لحظے ہو گئے جو فاعل یا داتہی میں گذرین۔ بیشک بعض فہم فہم یہ ایسے ہو سکتے ہیں جو مستثنیٰ طور پر اپنا تمام یا اکثر وقت ایک خیال میں اور خدا کی یاد میں بسر کریں لیکن یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے اور سب انسان اس درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے یہ طریق بھی بااستثنائے بعض رہ کیلئے مفید نہ ہوگا۔ اور اگر فرائض دنیوی کو بھی ادا کیا جائے مگر انکی بجا آوری میں یہ خیال رہے کہ کوئی فعل اپنی جائز حد و دوسرے باہر نہ ہو اور طلب منفعت اور دفع مضرت میں ہی رہے انتہا پر کی جائے جو قوانین قدرت اور مشا خداوندی کے مطابق ہو۔ اور یوں بالواسطہ خدا کا شوق اور یاد آتہی کی صلاحیت پیدا کرتے ہوئے خاص اوقات میں کسی خاص طریق عبادت سے واسطہ خدا کی طرف توجہ ہو تو اس طریق سے جس قدر عرصہ دنیوی کاروبار میں صرف ہوگا اس میں یا خدا اس طرز سے دل میں رہیگی کہ ملائح ہوا اور جو تہوڑا سا وقت خالص عبادت میں صرف ہوگا اس میں کچھ تو پہلے

خیالات کی وجہ سے اور کچھ عبادت کے مختصر جو نیچے سبب خدا کی طرف دھیان لگانا آسان ہو گا اور اس وقت خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے کے بعد پھر دنیوی کاروبار میں مصروف ہونے پر ان کے بجا اور حیب ہونیکا خیال اور بھی بچنے کیلئے سے جاگزیں رہیگا اور یوں عبادت کو کاروبار اور کاروبار کو عبادت کی طرف آدھرت رکھنے سے یاد الہی فتنہ فتنہ دلبین گھر کرتی جائیگی اور سالک ایسے بڑے فوائد اور بلدی سے حاصل کرے گا کہ تمام وقت عبادت میں صرف کرنے سے مہر جو سکین اندہ ہمیشہ دنیوی کام و بار میں مصروف رہنے سے حاصل ہوں۔ اور ہم لوگ جو اکثر شکایت کرتے ہیں کہ عبادت میں لطف نہیں آتا۔ اور دنیوی خیالات خدا کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے۔ یا یہ کہ گوشہ نشین اور ناہم فرقہ اکثر اخلاقی طور پر نہایت کم درجہ ثابت ہوتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ ہم دنیا دار دنیا کے کاموں میں بجا اور بجا یا خدا کی خوشنودی و نارضی کا خیال نہیں رکھتے اور بالواسطہ یا خدا کی صلاحیت پیدا نہیں کرتے اور رات کا بیشتر حصہ کامل غفلت میں گزارنے کے سبب نماز کے وقت بھی اسی غفلت کا شکار رہتی ہیں اور آدھرتارک الدنیا فرقہ صرف ہاتھ کو تسبیح پلور زبان کو خدا کے نام پر جاری رکھتا ہے ورنہ ایک ہی کام کرنے رہنے سے جو تکوان اور لال پیدا ہوتا ہے اس سے بیہودہ خیالات اور بھی ترقی کرتے ہیں اور قلبی نور و جلا جو ہونا چاہئے پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ ہمارا اپنا نقص ہے ورنہ مذہبی تسلیم میں بیگتہ لکھ کر بے گئے گئے ہیں اور فرمایا ہے کہ کسی طرف منہ کرنا یا کسی سمت خاص سے آنا جانا یا قربانی کفارہ وغیرہ حقیقت لکھو کاری نہیں ہے بلکہ لکھو کاری خدا کی اطاعت۔ کاروبار میں اتقا اور جن سلوک پر منحصر ہے اور سب کو ثناء خدا کی یاد ہے لیکن خاص طریق عبادت یعنی نماز کا یہ فائدہ ہے کہ اس وقت کی توجہ سے کاروبار میں مبرا کی سے بچنے کی عادت پختہ ہوتی ہے۔ اور نیز حکم دیا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر دنیوی کاروبار میں صرف رہو اور بواسطہ ذکر خدا کرنے کے بعد بالواسطہ یا خدا کو ترقی دیتو اور ایشا عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ خدا پر قیامت پر الہامی کتابوں پر اور انبیائوں پر ایمان لار۔

لَکِنَّ الَّذِیْنَ اَنْتُمْ لَکُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَالَّذِیْنَ اَلِیْهِمْ اَمْنٌ بِاللّٰهِ
اَلِیْهِمْ اَلْاٰخِرَةُ وَالْاَوَّلٰی وَالَّذِیْنَ

ثَانِي الْمَالِ عَلَى حَبِيهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
 اَيْتَامِي وَالْمَسْكِينِ طَبْعِ السَّبِيلِ وَ
 السَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاقَامَ الصَّلَاةَ
 وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْتُونَ بِهَمْ إِذَا عَا
 وَ الصَّائِرِينَ فِي الْبُاسِ ۚ وَالْفَضْلَ عَوْنِ
 الْبَاسِ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۚ وَ
 أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ (بقبرہ پڑھ ع ۲۴)

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِانْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا
 وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ
 أَبْوَابِهَا وَأَقْبُوا اللَّهَ تَعَالَىٰ ۚ تِلْكَ حُجَّتُكُمْ إِن كُنْتُمْ
 (بقبرہ پڑھ ع ۲۵)

وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِ النَّهَارِ وَرَفْعَا
 مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ
 ذَٰلِكَ ذِكْرٌ لِلذَّاكِرِينَ ۝ (مجد پڑھ ع ۲۶)

لَوْ يَتَذَكَّرُ اللَّهُ لَكُمْ مَهْلًا لَّادِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ
 يَنَالُهُ الْفَقْرُ مِنْكُمْ ۝ (رج پڑھ ع ۲۷)

أَمْثَلُ مَا رَجَعَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ
 الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ
 وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۝ (عکبت پڑھ ع ۲۸)

فَإِذَا أَقْبَسْتَهُ الصَّلَاةَ فَلْيُشْرِفْ فِي لَأْسِهِ
 وَلْيُشْرِفْ مِثْلَ نَسِيلِ اللَّهِ ۚ وَذِكْرُ اللَّهِ كَثِيرٌ ۚ لَّا
 تَسْكُرُ الْفُجُورُ ۝ (مجد پڑھ ع ۲۹)

اور بار جو مال کی محبت کے مشتہ داروں کو میسر
 کو مسکینوں کو مسافروں کو اور مانگنے والوں کو دو
 اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرو۔ اور نماز پڑھو
 اور زکوٰۃ دو۔ جب عہد کر دو عہد کو پورا کرو اور خوف
 تکلیف لڑائی کے وقت ہمسے کام لو۔ جو ایسا
 کرے وہی سچا حکوکار ہے اور وہی متقی ہے۔

(عربی جالوں کی طرح خاص اوقات میں) گھروں
 کی پشت سے داخل ہونا نیکی نہیں بلکہ نیکی تقویٰ ہے
 تم دروازوں کی راہ آؤ مگر چہرہ جاری اختیار کرو
 تمام فلاح پاؤ۔

دن اور رات کے خاص وقتوں میں نماز پڑھو کیونکہ
 نیکی برائی کو دور کرتی ہے اور نیصحت ان کیلئے
 ہے جو ارکین۔

قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا بلکہ
 خدا تک تمہاری پرہیزگاری پہنچاتی ہے

جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھو نماز پڑھاؤ
 کیونکہ نماز عیالی کے افعال اور بدکاریوں سے سدھتی ہے
 اور خلک یا سب سے ڈری چیز ہے۔

جب ہونتم ہر روز میں پھیل جاؤ اور خدا ماضی اپنے
 معیت کا سامان تلاش کرو اور خدا کو سب یاد رکھو تا
 تم پر نور پاؤ۔

دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی
عقل کی طرح برا کہتا ہے اسلئے کہ
ہیمن کے کاروبار مذہبی عزتی کے
وسائل ہیں۔

غرض مذہب کا مدعا ہے نظر اگرچہ دنیا سے پرے اور خیال قیاس
سے باہر ہے مگر اس تک پہنچنے کے وسائل ہیں بہت تصور احصاء
دنیا سے الگ کئے گا ہے اور زیادہ تر دنیا اور دنیا کے کاروبار ہیں۔

اور اس لئے مذہبی سلیم میں جہان خدا کی طرف بلایا جاتا ہے وہاں ساتھ ہی دنیاوی کاروبار
کے اصول بھی بتائے جاتے ہیں اور یہی اصول دنیوی نسبت کی خوبی اور بدی پر بھی اثر کرتے
ہیں اسلئے مذہبی تعلیم کا یہ حصہ عقل کے دائرہ اقتدار میں بھی داخل ہے۔ چنانچہ قواعد صحت کی
پابندی محصول مغفرت میں اور دفع مضرت میں میاں روی اور بندگان خدا کے حقوق کی نگہداشت
مذہب کے نزدیک باعث نجات ہیں تو عقل کے نزدیک بھی یہی امور انسانی ترقی اور بہبود کی واسطے
ضروری ہیں۔ اور ناپاک معاشرت۔ شہوانی اور غیبی خواہشوں کا غلبہ اور تلافی جان و مال مذہب
کے نزدیک باعث ہلاکت ہیں تو عقل کے نزدیک بھی یہی باتیں سوسائٹی کو مضرت ہیں غرض ان امور
کی نسبت فیصلہ کرنے میں عقل اور مذہب متحد ہیں اور صرف یہ تفاوت ہے کہ عقل کی نظر اسی زندگی
تک محدود ہے اور وہ اعتدال اپنی کر اسلئے اچھا کہتی ہے کہ افراط و تفریط سے گوفوری راحت
وسعت حاصل ہو مگر انجام میں خود اپنے تئیں تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور مذہب یہی بچتا
ہے کہ افراط و تفریط سے اپنی تکلیف کے علاوہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ بھی اسی
خدا کی مخلوق ہیں اس لئے ایسا کرنا اسکی رضامندی کے خلاف ہوگا اور اس صورت سے دنیوی
کاروبار میں جس قدر اہتمام عقل کو ہے مذہب ان کو اس سے بھی زیادہ مہتمم بالشان سمجھتا ہے اور اسلئے
دنیوی کاروبار کے لئے جو مفید اصول ہو سکتے ہیں انکی تعمیل اور عدم تعمیل کے اثر و دن کو جس طرح عقل
کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ اثر عقل کی اطاعت یا عدم اطاعت سے مترتب ہوا ہے
اسی طرح ان اعمال کو مذہب کی طرف بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور ان کے اثر کو مذہبی جزا اور سزا
کہہ سکتے ہیں چنانچہ حرام کاری حرام خوری۔ صداقت کی خلاف ورزی اور صداقت پسندی کی
ایثار رسانی سے جو نقصان یا ارتکاب کرنا اور ان کو پہنچنے میں ان کو عاقلانہ طرز کلام میں اصول معاشرت

کی خلاف ورزی کا نتیجہ اور مذہبی رنگ میں خدا کا غصہ اور گناہ کی سزا کہا جاتا ہے۔

مذہب کی غاص اپنی ترقی
 دنیوی نیک اطہاری و پاکیزگی

میں اور دنیا میں خوشحال رہنے کا مدار اسلئے یہاں تک مذہبی اور عقلی اغراض متحد ہیں اور اسی لئے ان افعال کا اثر دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مگر دونوں کا باہمی سفر یہیں تک ختم ہو جاتا ہے اور عقل چونکہ دنیا کو اسی زندگی کے تعلق سے دیکھتی ہے اسلئے ایسا اصول دریافت کرنے میں سے یہ زندگی عہدگی سے گذرنے عقل کے لئے معراج ہے اور آئندہ کے لئے ناسکی کوئی ترقی باقی ہے اور نہ اس کا کوئی اثر اور اگر ہے تو صرف یہ کہ جس طرح نشوونما کی طرف متوجہ ہونے سے نشوونما میں اور حرکت ارادی کی طرف متوجہ ہونے سے حرکت ارادی میں ترقی ہوتی ہے اسی طرح عقلی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے اور اور مذہب دنیا کو اس نظر سے ہی دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہے اور اس کے ساتھ نیک یا بد سلوک کرنے سے خدا کی خوشنودی یا نافرمانی حاصل ہوگی اور اس سے خدا کا قرب یا بعد حاصل ہوگا اسلئے مذہب کی واسطے دنیا کو درست کرنے کے بعد آئندہ بے انتہا ترقی کا موقع ہے اور اسی لئے اسکے آثار بھی آئندہ بے انتہا ہونگے چنانچہ نشوونما۔ حرکت اور عقل کی طرح ایک اثر تو یہیں نظر آتا ہے کہ مذہبی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے مذہب میں ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہاں سے عقلی اور مذہبی ترقی کا اثر مختلف ہونا شروع ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ دنیا کو عقلی طور پر دیکھتے ہیں اور مختلف قوانین قدرت کو معلوم کر نیسے معاشرت کے عمدہ اور راحت بخش اصول دریافت کرتے رہتے ہیں ان کے اس فعل سے عقل کو بھی ترقی پہنچتی ہے لیکن ایسے لوگ مذہب کی طرف توجہ نہ کریں تو ممکن ہے کہ مذہبی ترقی سے بالکل محروم رہیں۔ اور ایسا ہی جو لوگ عقل سے بالکل محروم ہوں اور غور و فکر کا مادہ نہ کھیں لیکن مذہبی تعلیم سے نہ ہوا اتنا اور جن دسلوک پر کار بند رہیں انکی مذہبی ترقی کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ یا خدا دل میں جگہ کرتی جب ایگی اور وصال ربانی کی قابلیت پیدا کرینگے گریں اس فعل سے عقلی ترقی ہرگز پیدا

نہ ہوگی اور وہ لوگ سائنٹسٹ اور فلاسفر نہ رہ سکیں گے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی کا
شعبہ دیگر ترقیوں کا لاتر ہوگا۔

یہاں تک تو مذہبی اور عقلی ترقی کے وہ اثر تھے جن کے بارہمیں

اختلاف نہیں۔ اب مذہب کی اپنی ترقی کا وہ اثر رہا جس زندگی

کے بعد پیدا ہونے کو ہے اور جسکی نسبت اہل تاسخ مانتے ہیں کہ وہ دوبارہ اسی دنیا میں علی قدر مراتب پیدا کرنے سے ظاہر ہوگا لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جن درجہ سے عقل اور مذہب کے اغراض مختلف ہوئے ہیں اس درجہ سے جو اثر اسی زندگی میں پیدا ہونا شروع ہوا ہے وہ باہر

مختلف ہوئے ہیں عقل کا اثر عقلی ترقی اور مذہب کا اثر مذہبی ترقی ہے نہ جو اثر اس سے ہی ایک درجہ آگے بڑھنے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے یا اسکی ذات کو بعید ہونے پر پیدا ہوگا اور جس کے لئے اس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہو وہ بھی چاہئے کہ ترقی کے تمام ابتدائی درجات کو ممتاز ہو۔ اور جو اثر بچان مادہ کی ترقی سے ہوتا ہے کہ اسکے ناقص اجزاء سے ناقص

اور کاملتر اجزاء سے کاملتر شکلیں پیدا ہوتی ہیں اور اچھے ہوں یا بُرے سب حوادث کے اثر سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جو اثر نباتی اور حیوانی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ناقص اور کامل افراد جب حیثیت منفعت حاصل کرتے ہیں لیکن جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے سے بالاتر درجات کی نسبت کمتر رہتے ہیں اور جو اثر عقلی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کو خوشحالی

اور بد حالی نصیب ہوتی ہے لیکن خوشحالی میں انکار معیشت کو فراغت کہہ ہی نہیں سکتی اور بد حالی میں راحت و مسرت کو بالکل محسوس ہی نہیں ہوتی۔ ان سب سے اعلیٰ اثر مذہبی ترقی پر مرتب ہونا چاہئے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مادہ میں عقلی ترقی کی قابلیت پیدا ہونے پر پیدائش کی شکلیں اس سے پیشتر کی شکلوں سے اعلیٰ ہونے لگی تھیں مذہبی ترقی کا اثر ہونے پر اس سے بھی

اعلیٰ ہوں اور حوادث کا اثر قبول نہ کریں۔ تا مادہ کی ترقی سے امتیاز ہو۔ اور عقلی ترقی کی کیفیت دفع مضرت اور جلب منفعت کے وسائل میں ترقی ہوئی تھی مذہبی ترقی کے وقت ان وسائل کے اور بھی اعلیٰ شکل ہونا نباتی اور حیوانی ترقی سے فوقیت ظاہر ہو۔ اور پھر عقلی ترقی و تنزل سے

برتر ہونے کے سبب مذہبی حالت کی ترقی و منزل دونوں نامحدود ہوں تا اسکا مدد و تہمت
 ترقیوں سے بالاس ہے اور چونکہ ایسا اثر اس دنیا میں اور اس آفتاب کے دیر اثر ہونے میں سکتا اسلئے
 یہی وقت ہوگا جبکہ مادہ ترقی کر کے بالواسطہ نور سے متغنی ہو جائیگا اور آفتاب وحدت کا نور ہوا
 جلوہ گر ہوگا تمام منزل اور ترقی کی شکلوں کو انہی مکمل حالت میں ظہور بخشے گا۔ اور چونکہ مذہب غیر
 محدود اور مکمل نور کی تلاش کرتا ہے اسلئے غیر محدود نور ہی اسکا اثر ظاہر کریگا اور اس سے جو شکل
 بینگی مکمل ہوگی اور جو اثر ظہور کریگا غیر محدود ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ مذہب میں جو لوگ ترقی کریں گے
 وہ بیشک اعلیٰ زندگی پائیں گے۔ مگر جو منزل کریں گے اور خدا سے دور رہیں گے وہ اعلیٰ زندگی کے
 مستحق نہ ہوں گے اور دوبارہ اسی دنیا میں بھیجے جائیں گے تو یہ احتمال ہی یہاں کی شہادت سے
 غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں جو انسان اپنی انسانی ترقی کو چھوڑتے ہیں اور عقل شعور میں
 منزل کو تے ہیں وہ اور ان کی نسل انسانی درجہ سے اتر کر گھوڑے اور بیل کی شکل اختیار نہیں
 کرتی۔ بلکہ ہتے انسان کی شکل میں ہیں اور ان تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں جو عقل شعور کو ترک
 کرنا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح آئندہ انقلاب میں جو لوگ مذہب میں منزل کریں گے وہ بھی چاہئے کہ اپنے
 درجہ سے اتر کر مذہبی حالت کی طرف نہ آئیں اور اسی درجہ میں رہ کر ان سعادتوں سے محروم ہیں
 جو مذہبی ترقی پر تہمت ہیں۔

غرض یہ کہ مذہب کا مدعا دنیا سے بالاتر قرار دینا اور پھر اسکی جزا و منزا کیلئے اسی دنیا اور
 اسکی محدود شکلوں اور ترقیوں کو معراج ٹھیکرانا مذہب کو اس کے اپنے مدعا سے جدا کرنا اور اپنے مدعے
 نیچے گرا دینا ہے اور مختصر یہ کہ دنیا کی مختلف شکلیں اور یہاں بہتری یا بدتری کا ظہور و نیوی نمون
 کے مختلف مظاہر اور انکی پابندی یا خلاف ورزی کے اثر سے ہوتا ہے اور ان اثرات کو مذہبی
 قزائد یا صرف اس درجہ سے درست ہو کہ یہاں کے کاروبار اس ترقی کے لئے وسائل کا کام دیتے
 ہیں ورنہ وہ اصل مذہبی ترقی یا منزل جس طرح دنیا سے پرے ایک بالاتر ہستی کی نسبت ہو ہے اسی طرح
 اسکا اثر ہی دنیا سے باہر اور اس بالاتر ہستی کے بڑا سطح جلوہ پر منحصر ہے۔ فنا کسی چیز کو نہیں اور مادہ فنا

نہ ہو مگر منہ برف کا تو وہ بن کر پڑا ہے تو ان قدر ت کے خلاف ہے۔ اور یہ ان کا ایک ذرہ ہی
کبھی بیکار نہ ہوگا۔ اسلئے یہ سب کچھ ہی کام آئیگا اور اودھرارواح جو پیدا ہو چکی ہیں وہ ہی کام دینگی
اور نور جو مرکز کی طرف جا رہا ہے مرکز پر ٹھہر کر ان سب کو وہ نور بخشتیگا جو ابد الابد تک قائم رہے۔

مرینیکہ بعد قیامت کا انتظار
بہشت تکلیف نہیں ہوگی

حشر و نشر کا حال جہاں تک مقصود تھا لکھا جا چکا ہے۔ اب صرف
ایک سرسری سے اعتراض کا ذکر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہا جاتا

ہے کہ جزا و سزا کو ایک خاص وقت تک موقوف رکھنے سے ارواح کو بہت سا وقت انتظار میں بسر

کرنا پڑیگا۔ اور وہ وقت بھی مختلف ہوگا کیونکہ جو زمین ابتداء سے آفرینش میں جسم سے الگ ہو چکی

ہیں وہ بہت بڑے عرصہ تک انتظار میں رہیں گی اور جو آخر زمانے میں فوت ہوئیں گی انکو نسبتہ کم

وقت لگیگا لیکن یہ اعتراض موجودات البسیطہ کو مرکبات پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے حالانکہ

ان دونوں کی حالت جدا گانہ ہے۔ مرکبات پر بیشک زمانہ کا اثر ہوتا ہے اگر کسی وقت کوئی راحت

پیدا ہوتی ہے جس کا زمانہ گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا اور کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے جس کا وقت بہت

دیر معلوم ہوتا ہے اور کبھی کوئی وقت بیکاری اور انتظار میں گزرتا ہے تو اوجہ اے جسمانی

اور قوائے دماغی خارجی اسباب سے متاثر ہو کر حرکت کرنا چاہتی ہیں اور انتظار کے سبب

انکو تکلیف پڑتا ہے اسلئے کسل اور بے چینی محسوس ہوتی ہے مگر یہ سب ہی وقت تک ہو کر جہاں

ترکیب قواعد ترکیب کے موافق کام کر سکتی ہو۔ ورنہ جب کسی سبب سے جسمانی ترکیب میں خلل واقع ہو

اور اسکا اثر بڑھتا ہوا دماغی قوتوں تک پہنچے اور انکو مصلحت دی تو ایسی حالت میں دیکھا جاتا ہے کہ بہت بہت

عرصہ بیکاری و غفلت میں گزرتا ہوا دیر پیش آنے پر وہ ایک آن کے برابر محسوس نہیں ہوتا حالانکہ

یہ وہ وقت تھا جبکہ روح جسم سے متعلق تھی اور صرف قوائے جسمانیہ کو بیکار کر دیا گیا تھا تو جس وقت روح

کو جسم سے بالکل مغارت ہو جائیگی اس وقت بسیط اور مجرد ہونے کے سبب اس پر حوادث کا اثر

ہوگا اور نہ انتظار و طائل گزرتا۔ روح یہاں سے تاریک ہو کر گئی ہو یا روشن جس حالت میں ہوگی

اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور ایک آن برابر ہے۔

اختتام

کفارہ اور نجات دہندہ کی ضرورت۔ خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہو۔ پاکیزگی دل کی سہولت چاہیئے۔ توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں۔ گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پامالی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔ دوسرے کی تکلیف کو دل صاف نہیں ہو سکتا۔ خدا خود کھینچنا چاہے تو اسے کفارہ دیکر تکلیف اٹھانیکی ہی ضرورت نہیں۔ دنیا میں مادی کی ضرورت ہو۔ مدد شیک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر تعالیٰ ہر استعداد کے اختلاف سے اُسکے ظہور مختلف ہوتے ہیں۔ اختلافات کو دیکھنے کا نتیجہ۔ نتیجہ کے بعد کافرض۔

کفارہ اور نجات کی ضرورت۔ | سوائے مرنے والوں کی دوسری ایک مضمون انسان کی مذہبی ضرورتوں پر لکھتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک جس طرح انسان کی اور فطری ضرورتیں ہیں اسی طرح مذہبی جذبے کے متعلق بھی چند ضرورتیں اُسکی فطرت میں داخل ہیں۔ چنانچہ ایک جانب اسکو کمال تک پہنچنے کی ضرورت۔ کسی کے ساتھ دائمی وصال حاصل کر نیکی ضرورت اور بقائے دوام کی ضرورت ہے اور دوسری جانب گذشتہ جرائم اور ان کے نتائج سے نجات پانے کی اور کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے پہلی قسم کی ضرورتوں کو جس طرح پروردہ ثابت کرتے ہیں اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان میں خدائے تعالیٰ فطرۃ و ولایت میں اور اُسکے دل سے خود بخود یہ آواز اٹھتی ہے کہ مجھے کمال ملنا چاہیئے اور ایسے عزیز کی وفات مائل کرنی چاہیئے جس سے مفارقت نہ ہو اور زمانہ ہونا چاہیئے۔ ان تینوں ضرورتوں کو مفصل لکھنے کے بعد دوسری قسم کی ضرورتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ

”لوگ اکثر گذشتہ جرموں کی پروا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ کی ضرورت نہیں رہتی اور توبہ کرنے کے بعد گناہ کی سزا کو ضرورت نہیں سمجھتا خدا کو ہفت انتقام سے شغف کرنا ہے۔ ہم اس وقت اس مہتمم باشان سلوک کو ایسا گناہ بھگاکے لئے

کفارہ ضروری ہو نیکیہ نیز اصلاح حال ممکن ہے " تلخ نظر کر کے دیکھتے ہیں کہ کیا واقعہ میں کفارہ کا مطالبہ خدا کو مستقیم بنانا ہے۔ اب اگر دنیا میں ایک طرف خدا اور دوسری طرف گنہگار صرف وہی دونو موجود ہوتے تو بیشک اس خیال میں قوت ہوتی لیکن واقعہ میں یہ کیفیت نہیں ہم یقین رکھتے ہیں کہ کفارہ کا مطالبہ بالکل نہیں کہ اس کے بغیر خدا کا غصہ فرو نہیں ہوتا۔ یا اس کا جلال قائم نہیں رہتا۔ بلکہ اس لئے کہ خدا کی اخلاقی حکومت خدا جیسی وسیع اور زمانہ جیسی طویل ہو۔ مکافات یا انتقام وغیرہ الفاظ کو بحث میں لانے سے واکثر واقفیت کو سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے بلکہ سزا کا لفظ ہی جتنک کہ نہ صرف ایک پہلو کو ظاہر کرے اور نہ پہلو ہی کچھ زیادہ مہتمم باشند نہ یہی گنہگار بدلے کی تکلیف۔ اس حال میں اس لفظ سے ہی غلط فہمی واقع ہوتی ہے جبکہ ہم سزا دیتے ہیں تو تکلیف یا سزا کو مصنوعی طور پر گناہ کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے بلکہ تکلیف اور سزا لازمی نتیجہ ان اخلاقی قوانین کو توڑنے کا ہے جن کو خدا نے عالم کے نظام اور بہتری کیلئے قائم کیا ہے۔ اور دینی اور نظام کو قائم رکھنے کیلئے ضرورت ہے کہ گنہگار کے لازمی باجائی ظاہر کیجائے اور انسان کے لئے اس نکتہ کو سمجھنا اور خیال میں رکھنا ضروری ہے اور اسی سے کفارہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے پس یہی پر تکلیف کا مرتب ہونا خدا کے نظام کا نشان نہیں بلکہ اس کے رحم اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے تو کیا کا کیا حال ہوا اگر گناہ کو بے سزا اور بے مزاحمت چھوڑا جائے؟

اس کے بعد وہ سوال کرتے ہیں کہ آیا کسی گنہگار کیلئے بیگناہ کا تکلیف اٹھانا کفارہ ہو سکتا ہے؟ اور جواب میں لکھتے ہیں کہ

"ایسا دنیا میں ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اور نیک اور محب وطن مرد اور عورتیں دوسروں کے لئے تکلیف برداشت کرتے اور ان کو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہیں" (پھر فرماتے ہیں کہ) "مکن ہے کہ خدا خدا انسان کے گناہ کا کفارہ بنے اور اپنی ربانی رحم کے ساتھ انسان کو اپنی طرف کھینچے۔ اس سے یقیناً اسکی حقیقی غفلت کم نہ ہوگی نہ رحم اور محبت کا خدا ہے اس لئے یہ نیکو اسکی صفات سے بالکل متناسب ہوگا" (پھر لکھتے ہیں کہ) "اگر گذشتہ احوال کیلئے کفارہ ممکن ہو تو یہی اس کو کامل بناتا

حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ گذشتہ گناہوں سے انسان ایسا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کو روکنے اور راستی کے راہ پر چلنے کے ناقابل ہوتا ہے اور سہمہا ہے کہ جو کچھ سمجھتا چلے میں نہیں سکتا بلکہ اکثر بھول بھی جاتا ہے کہ اُسے کیا بننا چاہیے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے دماغ پر پہنچنے میں ناکام رہتا ہے بلکہ وہ سنت بھی اسی آنکھوں سے اور جہل ہو جاتا ہے اور اسلئے انسان کو گذشتہ گناہوں سے نجات پانے کی ضرورت ہو تو گناہوں کے ان نتائج سے بھی نجات پانے کی ضرورت ہو اور اس سے نجات دہندہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس ضرورت کو اکثر کفار سے لیکن منطقی طور پر ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو لوگ خود اپنے تئیں اپنا نجات دہندہ مانتے ہیں انکے اصول کا نقص خدائے کسی نہ کسی نجات دہندہ کا قائل بنانا ہے جو انہیں نجات حاصل کرنے میں مدد دے۔ اور عجیب بات یہ کہ کہانی نجات دہندہ سے انکار کر نیوالوں کا رہنما خواہ وہ گوتم بھو یا شند آچار یہ یا محمد اکبری نہ کہی خدا کا اتنا ریا عبادت خداوندی کا خاص انما من فریاد مانا جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئیں بغیر تعلیم کفارہ ید و حافی مدد کے بچا نہیں سکتا اور ضرور ہے کہ مدد دہا ہر سے آئے اور سے آئے۔

خلع پہنچو کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

پادری صاحب نے میٹھوں نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اور بیشک مذہب اگر کوئی چیز ہے تو اسکی حقیقت ایک بالائے مرتبتی کو ماننے کے سوا اور

کچھ نہیں اور کس کو ان انسان کو دلیق مجھ و خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی کار وصال سے بڑی نعمت ہو اور جسے اگر کمال ہو اور خیال اس نعمت کے کمال کو حاصل کر نیکی آرزو پیدا ہوتی ہو اور ساتھ ہی دلیق عقیقہ ہی فخر و دولت ہو کہ اسکی کو ملنے یا اس کمال کو حاصل کرنے کا موقع اس زندگی اور اس کے علاوہ ہی نجات پانے کے بعد ہوگا اور اس طرح کمال تک پہنچا اسکی کیساتھ دلیق خیال حاصل کرنے اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنا یہ آرزو میں مذہبی جذبہ سے پیدا ہوتی ہیں اور اسلئے ان کو مذہبی ضرورتیں کہنا سہا ہے مگر دنیا میں جس قدر مذہبی خلائف موجود ہیں وہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پادری صاحب کا منشا اسی اختلاف کو دور کرنے اور خاص مسائل میں حل فرمانے کا ہے۔ اور یہی علم ہے کہ گناہ اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے

کمال اور وصال ربانی کو حاصل نہیں کر سکتے اس لئے پاکیزگی کی ضرورت ہو اور پاکیزگی اُن کے خیال میں ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ ناپاکی کا عوض اور کفارہ ادا کیا جائے اور نیز ناپاکی کا رنگ دور کرنے کے لئے کوئی خدائی طاقت رکھنے والا آدمی ہو اس لئے اُن کے نزدیک یہ چیزیں مذہب کی دوسرے دھبے کی ضرورت ہیں اور چونکہ مذہب عیسوی میں ان ضرورتوں کا اہتمام کیا گیا ہے اس لئے انکا ضمنی دعویٰ ہے کہ یہ مذہب تمام مذاہب سے فائق ہے اور بیشک اگر کفارہ اور نجات دہندہ کی ایسی ہی ضرورت ہو جیسی وہ ظاہر کرتے ہیں اگر واقعہ میں خدا کبھی اُن گناہ نگاروں کیلئے خود کفارہ بن گیا ہو جو انکی بادشاہت میں داخل ہو نہ کیا اعتراف کرتے ہیں اور اس غرض کے لئے اس لئے کبھی نجات دہندہ کی شکل میں ظہور کیا ہو تو پھر مذہب عیسوی کی فوقیت میں کلام نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں کلام ہے اور یہ صرف اس قدر ہے کہ انسان کو نہ اسے ملنے کیلئے دل کو صاف کرنا ضرور ہے اور اسی صفائی کو حاصل کرنے کے وسائل وصال ربانی کے وسائل ہو سکتے ہیں۔ مگر اس مقدمہ کو بھی عام طور پر تسلیم کر لینا اور بات ہر ادھر سے وہاں تک پہنچنے کیلئے صفائی کی ضرورت ہو اسکو تلاش کرنا اور ہے چنانچہ وجہ دریافت ہونیکے بعد وسائل کو معین کرنا چاہئے۔

پاکیزگی دلی ہونی چاہئے | اب اگر خدا کوئی جسم ہوتا اور کسی خاص مکان میں موجود ہوتا تو کیا تھے وہاں چھائیلے وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی یا اگر وہ جسمانی ہونیکے ساتھ لطیف مزاج اور عالی دماغ بھی ہوتا تو کون حد تک جسمانی پاکیزگی اور ظاہری نمود کی حاجت ہوتی۔ اور دوسرے ایسے کام کرنے کی ضرورت ہوتی جس سے سکراحت یا فائدہ پہنچو اور وہ خوش ہو کر ہمارے جانے پر خیر مقدم کہے۔ مگر دل میں صفائی ہونا یا نہ ہوتی اور کسی سے کینہ نہ ہونا یا محبت ان باتوں کا وہاں جانے و جانے پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ لیکن شکل تہہ کہہ رہے خدا کو جسم سے پاک جسمانی اوصاف سے بہتر وہ اور تمام حاجتوں سے بے نیاز بنا یا اور اس تک جانے کی ضرورت اس لئے بتائی کہ خود انسان کو اس سے ملنے پر کمال حاصل ہوتا ہو۔ اور اس معیار سے خود انسان کو جسمانی طور پر کہیں آئے جانے کی ضرورت رہی اور نہ وسائل نقل و حرکت کی یا خدا کو راحت پہنچا دینا۔ انھال کی حاجت ہی۔ اب گھمایا دل دماغ اور دیکھا گیا کہ انکو ہم کس طیف لگا سکتے ہیں اس لئے مانا گیا کہ اور

اٹھن لگانا ہی وہ فدیہ ہے جس سے غیر جہانی مستی کٹ سائی ہو سکتی ہے۔ اور دلی توجہ کی یہ ملکوت ہے کہ جس طرف اسے لگایا جائے اس طرف ترقی ہوتی جاتی ہے اور اسکے خلاف سو غفلت ہونے لگتی ہے اور اوصافِ کاملِ صداقت اور راستی ہوا سلتے سمجھا گیا کہ دل میں صداقت کی محبت اور غنائد اور اعمال دونوں میں صداقت کا لحاظ رکھنے سے ترقی کرتے ہوئے کامل صداقت نہایت سائی ہو سکیگی اور اس کا خلا کرنے سے اس طرف سے غفلت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس طرح عبادت۔ صداقت۔ عدالت وغیرہ اوصافِ خدا تک پہنچنے کے وسائل اور کارِ ثواب قرار پائے۔ اور انکے خلاف اغفالِ خدا سے دور کر نیوالے اور گناہ سمجھے گئے۔

توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں۔ وسائل کے بارہ میں اس حد تک کسی مذہب کو انکار نہیں مگر اب انسانی لائق کو دکھایا گیا اور بہت سو لوگوں کو گناہ میں مبتلا پایا گیا اور رسول ہوا کہ یہ لوگ خدا کو کس طرح پاسکتے ہیں۔ بالعموم یہ جواب ملا کہ ان اغفال کو چھوڑ کر صداقت اختیار کرنے سے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ کافی نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہے۔ اس کہنے والے نے کہا تو یہاں تک کہ عقلی طور پر کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن ہی نہیں۔ گویا حد ہو گئی۔ مگر پھر بھی دیکھنا تو چاہئے شاید اصلاح حال کی کوئی صورت نکل سکے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ گناہ وہ اغفال ہیں جن میں حق اور صداقت سے غفلت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انہیں مبتلا ہے اور وہ انکو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا اور خدا تک پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا تو حجت تک اسکی یہ حالت ہو کہ کوئی مذہب اس کیلئے تدریس کا زمین نکال سکتا نہیں اگر اس کے دل میں وصالِ بانی کی خواہش پیدا ہو اور اسوقت اپنی تینوں ان اغفال میں مبتلا دیکھے جس کی محبت کے خلاف میں تو اس صورت میں اسے بیشک افسوس ہوگا۔ مگر یہ افسوس کیا ہے؟ ہم حسی چیز کو یاد رکھنا چاہتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا خیال آتا ہے اور بھول جانے پر افسوس ہوتا ہے تو جتنے افسوس زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس وقت اس چیز کی یاد دلیر نقش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں محبت کی خواہش ہے۔ اور محبت کو کم کر نیوالے اغفال پر افسوس ہے اسلئے جس قدر افسوس زیادہ ہو گا اسی قدر محبت کا جوش ترقی کرے گا۔ اور اگر اس افسوس سے ان اغفال کو

ترک کر نیک اور آئندہ کیلئے محبت کو بڑھانیو لے افحال پر کار بند ہو گیا غم ہو گیا ہے اور اس غم کے کوئی قنا
عل بھی ہونے لگا ہے یعنی سچی تو بدیشہ ہوئی ہے تو پھر جو محبت پیدا ہوگی اس میں ترقی نہ کر نیکی معنی؟
اور اصلاح حال ناممکن ہوئی کیسا وجہ؟

گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور
پارسی کی تکلیف اٹھانا
کفارہ ہے۔

رہا یہ کہ کفارہ کی بھی ضرورت ہو۔ سو بیشک اس قدر مسلم ہے کہ جو
تکلیف پارسی پر کار بند ہونے سے پیش آئے اسے برداشت کرنا اور جو

لذت یا راحت گناہ سے حاصل ہوتی ہو اسے ترک کرنا ضرور پڑتا ہے اور اس کے
بغیر وصال ربانی کا خیال ہم سے زیادہ نہیں اور اس لئے کہ سکتے ہیں کہ اسوقت کی تکلیف کفارہ ہے
اس لذت کے لئے جو اس نے گناہ گاری کی حالت میں حاصل کی ہے۔ اور بیشک ایسے کفارہ کے
بغیر اصلاح حال ممکن نہیں لیکن اگر کفارہ سے میطلب ہو کہ خدا کو بھلائیوں لے افحال سولذت ہم حاصل کریں
اور کسی اور کے تکلیف اٹھانیسے لذت کا کفارہ ہو جائے اور اس شخص کی یہی جفاکشی ہو ہمارا دل
خدا کی محبت سے معور ہو تو اس دعوے کو عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش فضول ہے۔

دوسرے کی تکلیف کو
دل صاف نہیں ہو سکتا

وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نیک بدوں کیلئے تکلیف اٹھاتے اور ان کو تکلیف
سے بچاتے نظر آتے ہیں۔ بیشک ایسا ہوتا ہے مگر اپنی افحال میں جن کو مغن جسم

سے تعلق ہے یعنی کہیں لگ لگتی ہے اور گھروالوں کی کسی نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیک دل اس
میں کو دہڑتے ہیں۔ آگ کو بجھاتے ہیں۔ جہاننگ ممکن ہو تلہ سے اسباب کو جلنے سے بچاتے ہیں اور جو
کچھ جل چکا ہے باہمی امداد سے اسکی تلافی کرتے ہیں۔ یا کوئی ملک اپنی جہالت یا سستی کے سبب کسی
ظالم کی دست برد سے مغلوب ہو جاتا ہے اور محب وطن اشخاص اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر اسے مستبر و
مغضوب کہتے ہیں جس طرح یہ بدو پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی مدد کا پہنچا ممکن تھا کیا خدا ہم پر
اور لوگ اسکی طرف جانیں بجائے خلاف سمت کو چل پڑتے تو نیک بندہ جو بھی اپنے یہ صورت سے ہٹ کر
ان کے پیچھے دوڑتے انھیں پکڑتے۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر کنہ ہون پڑا لے چھکڑوں میں لا دے تو گھسیٹے
ہوئے منہ زل قصود تک پہنچا دیتے مگر ابتداء کا معاملہ ہو۔ وہ سید ہو چکا ہے اور موجب کا نقش جو اس پر کندہ

ہونا چاہئے مثلاً ہوا ہے اس وقت ضرورت ہو تو اس آئینہ کو صیقل کرنے کی اور اگر کفارہ ہو تو وہ رگہ رگہ خود اسکو
چھیدے مگر اسکی بجائے چھیدا جاتا ہے کسی اور آئینہ کو جو پہلے ہی صاف ہو اور سنراوی جاتی ہو اسکی سی کو جو عجم
سے پاک ہو سلتے کیونکہ ممکن ہے کہ ایسے غیر متعلق فعل سے گنہ گاروں کے دل کی سختی دور ہو اور خدا کی محبت ترقی کرے
خدا خود کھینچنا چاہو تو اسے کھینچو | وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہو خدا خود کفارہ ہو اور اپنے رحم سے بندہ کو اوپر کھینچے ہو میں
تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں | جملہ بیشک صحیح ہے اور خدا کا رحم بندوں کو کھینچنے کیلئے کافی ہو۔ مگر اول ضرورت
کا نظام باوجود اہل تشاہد کہتا ہے کہ ہر سبب کے لیے سبب ہوتا ہو۔ اور اگر وہ چاہتا تو اپنی لاحد و قدرت سے سبب افراد
کو ایک سطح پر رکھتا مگر اسکا قانون ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اسی قدر انعام ملتا ہے اور دوسرے اگر وہ بندہ
کے افعال اور ان کے نتائج کے قانون کو توڑ کر اپنے لاحد و رحم سے کھینچنا چاہتا ہے تو اس قانون کی بھی ضرورت
نہیں کہ خود ان کیلئے تکلیف اٹھائے اور کفارہ بنے۔ اور اگر خدا کو کفارہ بنایا جائے تو گویا تسلیم کیا جائے کہ رحم کو
استعمال کرنے کے لیے کسی فعل کی ضرورت ہو اور نجات دینے کیلئے کوئی سبب ہونا چاہئے اور جب یہی ضابطہ سبب کی
ضرورت ہو تو ضابطہ وہی قرار دینا چاہئے جو دنیا کے دیگر ضابطوں سے شائبہ ہو اور سبب وہی ماننا چاہئے جو
سبب کے مناسب حال ہو یعنی یہ کہ اگر گناہوں کی پشیمانی ہوگی تو محبت بڑھیں گی اور محبت بڑھیں گی تو دھماں ہوگا۔
یہ کہ سبب تلاش بھی کیا جائے اور پھر ایسے سبب کو مانا جائے جس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو یعنی ایک سنراپائے
اور دوسرے کا اصل صاف ہو۔

دنیا میں آدمی کی ضرورت ہے | اسی طرح ایک نجات دہندہ کی ضرورت جو پادری صاحب کو موسیٰ ہوتی ہو اس کو اگر
یطلب ہو کہ ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہو جس میں خدا خود ظہور کرے اور وہ خدا کی طاقتوں سے انسان کو
اپنی طرف کھینچے تو اسکی ضرورت مسلم نہیں کیونکہ گو تمام دنیا خدا کی طرف سے ہوا رہا نہ کہ تمام اوقات ہی کی قدرت
سے ہوتے ہیں مگر اسکا قانون ہو کہ اسنے تمام اوقات کو ایک دوسرے پر مرتب کیا ہو اور اس سلسلہ میں جب نجات
انسان کی پیداوار تک پہنچی ہو تو اس میں ہر قسم کی ترغیبیں کیلئے ہی دستور رکھا گیا ہے کہ ایک خواہش کے
دل میں موجود ہوتی ہو اور چند افراد قابلیت رکھتے ہیں کہ اس خواہش کو ترقی دیکر کسی ایسا ذات نہ چھین اور پھر انکی
دنیا ہی ہے نہ لوگ جو ایسی ہی خواہش رکھتے ہوں اس قابلیت کو تعلیم و تعلم سے حاصل کریں غرض یہ کہ دنیا

مین خدا بیواسطہ اور خود ظهور کر کے کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ ابتدائی خواہش سب کے اندر اور ایجاد و دریافت کی قابلیت بعض مین رویت کر کے مختلف علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے پس ہر ایک کو اس عام قانون قدرت کے خلاف کسی خاص شکل مین خود ظهور کرنا اور اپنی خدائی طاقت سے لوگوں کو مکینہ بنانا بقول پادری صاحب مطلق طور پر تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پادری صاحب کا یہ مدعا ہو کہ کسی انسانی رہنما کی ضرورت ہے تو یہ بیک درست ہواور فی الحقیقت انسان نفسانی خواہشوں سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ جو خواہشوں میں نیکی کی جانب مائل ہو کر نہ دیتے ہو اکثر اسے کھو دیتا ہواور نیز خواہش موجودہ موجب بھی اکثر اپنے خبث باطن سے بدی کو نیکی سمجھ لیتا ہے اور جس نور کا فیضان چاہتا ہے اسے کھینچ کر قبول کر لیتی صلاحیت ضائع کر دیتا اور ہمیشہ ایسے ممتاز اشخاص چند جوتے ہیں جو اپنے دل کو آلائشوں سے پاک کھٹکتے ہیں اور وہ نور جو ہر شخص کی فطرت مین رویت ہواور لوگوں مین ترقی پاکر دلوں کو ایسی جلا دیتا ہے کہ آئندہ اور نور بانی کو اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے موافق جلوہ ہائے معرفت کے تجلیوں یا بالفاظ دیگر وحی الہام سے نیکی اور بدی مین تمیز کرنے اور وصال بانی کے طریق دریافت کرنے مین کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انکی وساطت سے عوام کو اس منزل کی شناسائی اور راہ روون کی صعوبتوں اور کامیابیوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

مدد شیک باہر سے اور ادھر سے آتی ہو
گر مقامی استعداد کے خلاف ہو اسکے
ظہور مختلف ہوتے ہیں۔

غرض ہر کو پادری صاحب سے اس بارہ مین اتفاق ہو کر لیتے ہیں ان کی ضرورت ہواور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ جلوہ ہائے معرفت ایک بالائے سبستی کا تجربہ ہے اور اسلئے جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر ہو چکا ہے اس فعل مین فاعلی حرکت خدا کی طرف سے ہے اور انسان کا فرض صرف الفعالی قابلیت کو پیکر کرنا ہے اور اسلئے پادری صاحب کا یہ قول بالکل سچا ہے کہ ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اور پر سے آئے، لیکن اہم سامنے کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی نوعیت قسیمی بہت ہو کر دے ہیں اور ہر مذہب کسی کسی ایسی ہی دنیا کی پیروی کرتا ہے اور ان مین جو اختلاف ہو وہ اسلئے ہو کہ کچھ جلوہ ہائے معرفت کو قبول کر لیں کہ بعض مین مختلف رہی ہیں اور جیسا کہ عام طور پر ترقی کا قاعدہ ہے یہاں بھی معرفت بتدریج ناقص سے کامل ہوتی گئی ہواور مذہبی تعلیم مین مختلف تمام کے نقص ہوتے ہو جانے سے مذہبوں کی تشکیل مختلف ہو گئی ہیں اور کچھ بعد مین انکی تعلیم کو پورے

طرح پر مبنی نہ رکھنے سے اپنی انسانی غارتوں کو بلا دینے سے تعلیم پر کئی طرح کے پردے پڑتے تو مین پس
اب ایک تعلیم کو دوسری پر ترجیح دینے کیلئے اس کے کوئی سبیل نہیں کہ عقل کو ہیار گردانا جائے اور تعلیم کو فطرۃ
مقابلہ کر کے کال غور و تدبر سے غلط آئینہ نشون کو نکالا جائے۔ اور چونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے اور
نیز ہنر نگہی کے بعد آئندہ بقائے دوام کا یقین لڑا آتا ہے اسلئے مذہب مین غور کر نیکے لیے یہی تدبیر ہے
ہے کہ خدا کی نسبت جس قدر مختلف خیالات بنا رہے پیش کئے مین یا معاو کے متعلق جبر قلع رعقا یہ
پیدا کئے گئے مین انکو دیکھا جائے کہ عقل کے نزدیک ان دونوں عقیدوں مین کونسا احتمال قرین قیاس ہے
اور کس کی نسبت عقل سلیم اور قوت استدلال نامکن یا غیر اغلب ہو مین کیا فیصلہ کرتی ہے۔

مختلفان کو دیکھنے کا نتیجہ | چنانچہ اس تحریر مین اس موضوع کے متعلق جبر قلع رعقا یہ ہوا اس کو نتیجہ یہ پیدا
ہوا ہے کہ ایک تعلیم قدرتی تعلیم سے موجود ہے اور اس نے اپنے علم قدرت سے اس کائنات کو نیت سے
ہست کیا ہے اور اس مین وجود اور اسکی ترقی کا وہ سلسلہ قائم کیا ہے جو اگر اسکی مشیت ہو تو ابدا لا ہوتا ماری
رہ گیا۔ اور جس چیز مین جس حد تک استعداد ہو وہ اس مین لامحدود ترقی کر گئی۔ اور اس ترقی کی ایک صورت
ہے جس پر چلنے سے اس مین قریب اور قریب کی نعمتیں حاصل ہونگی اور دوسری صورت پر کار بند ہونے
سے اس سے بعد اور بعد کی تکالیف پیش آئیں گی اور یہ نتیجہ ان قوانین قدرت کو مطاعہ کر کے پیدا ہوا ہے
جو اس کائنات مین جاری ہیں۔ اور جو اقوال بھی قدرت کی طرف منسوب کئے جاتے مین ان مین سے انہی کو مستند
مانا گیا ہے جو قدرت کے افعال سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اور اثنائے تحریر مین اکثر بزرگواروں کے ملوث
و مخالف اقوال کو بحث کی گئی ہے اور اب آخر مین پادری صاحب کی وجہ سے اس کوشش کا تجربہ کیا گیا ہے
جو ایک بڑے مذہب کی طرف سے بعض غیر ضروری عقائد کو ثابت کرنے کیلئے لکھی جاتی ہے۔ اور دیکھا گیا ہے کہ
ایسی کوشش کیلئے خواہ کیسے ہی قابل تہون ہو کام لیا جائے مگر ان کو ثابت کرنا دشوار ہے البتہ جو کچھ پادری صاحب
کی تحریر سے ثابت ہو سکتا ہے اور جسکی نسبت اس تحریر مین پہلے بھی بہت کچھ غور ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اس مین
کا قریب حاصل کرنا تو قلبی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور قلبی پاکیزگی ظاہر ہے کہ صداقت سے جو ہر کسی سے اس لیے
قریب خداوندی کیلئے صداقت کی ضرورت ہے اور اعتقاد و ہر باعمل۔ قول ہو یا فعل ہر امر مین رہتی ہی وہ نور

جودل کو روشن کیا اور ازار ہتی اور غلط کسی شکل میں ہونہ رنگ سمجھا بینہ دل کو مکدہ اور عبودہ ربانی کے
مقابل بتاتا ہے۔

نتیجہ کے بعد کا فرض | پس اگر نتیجہ۔ اگر گذشتہ تحریر کو منظر انصاف دیکھا جائے تو نہایت واضح اور
مقابل اشتباہ ہو۔ مگر آہ! اس نتیجہ پر پہنچ کر نظر عمل حالت کو تلاش کرتی ہو اور اپنی ہوا و ہوس اور اعمال ناشائستہ
سے بد نتیجہ تذبذب و ہزین کا خوف ہوتا ہو۔ اور اگر یہی حالت ہی تو طاقت میں مشابہ نہیں۔ قدرت کے قوانین محکم ہیں
اور کوئی جا کر کمزور نہیں کرے غلطی سے جان مصیبت آتی ضرور ہے بلکہ جانکر کرنے میں پہلے ہی طاقت کا
خونفک و دیظر آنے لگتا ہے۔ پس کاش عیلم نہ ہوتا! تاج مصیبت آنیکو ہے اسکے علاوہ اپنی حالت کا
افسوس کم از کم اس ننگی میں سوانح مع نہ ہوتا مگر اپنے افعال اپنی ساتھ کچھ بھی سلوک کر رہیں شہین کہ نجات رتی
پر کا بندھو نہ ازار آتی کو بہرہ و جہ ترک کرنے پر منحصر ہے۔ اور ہوا و ہوس کا ایک طوفان ازار و جذب خیالات
کا ایک دریا ہے جو کا طکر ساحل مقصود پر پہنچنا ہو گا۔ اور اب جبکہ فضائے عدم سے تنگنائے وجود میں قدم
رکھا ہو تو جو واقعات پیش آئیں انہیں برداشت کرنے سے مضرت نہیں۔ رہتہ معلوم ہونے پر افسوس کرنا نفس کا دھوکا
ہے۔ ورنہ عمل کی بنیاد علم ہے۔ اگر مایہ زبانی مدو کرے تو کیا عجب ہے کہ نشانہاے راہ منزل تک پہنچنا
میں مدد وین اور اسکی رحمت سے اس طوفان کو عبور کرنے میں سہولت ہو۔ خدا کا نام لیکر سفر زندگی کو نشانہاٹو
ہر اسیت کے طوفان طے کر نیکی کو شش ضروری ہے۔ اور یہاں سے چلنا اور روان تک پہنچنا اس کے
فضل و کرم پر موقوف ہے

درین طوفان بے پایاں۔ درین دریائے موج افزا

دل انگست دیم۔ بسم اللہ مجب زیبا و مر سنا

سَبَّحْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ قُلُوبًا بَعِيدًا هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مَنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ

اِنَّكَ الْوَكَابُطُ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
 لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
 صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

سرکارِ اعلیٰ

2-1-54.

۱۲/۱۲/۵۸

3 NOV 1958

سرکارِ اعلیٰ

۲۰/۱۲/۵۸

۲۶/۱۲/۵۸

۱۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۲۰/۱/۵۹

۱۲۲۲۷

۱۲۲۴۲

